اثمار الهداية

على الهداية

ھدایہ ثالث

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

نویں جلد

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

Mobile (0044)7459131157

نام کتاب............................اثمار الھدایہ
نام شارح......................مولانا ثمیر الدین قاسمی
ناشر............................ مدرسہ ثمرۃ العلوم گھوٹی
نگراں....................مولانا مسلم قاسمی سینپوری
طباعت باراول..........فروری ۲۰۱۲ء
پرنٹر..........................ایچ، ایس، پرنٹر، دہلی،
قیمت...........................دوجلدیں 12 پونڈ

شارح کا پتہ
Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
E samiruddinqasmi@gmail.com
mobile (0044)7459131157

انڈیا کا پتہ
مولانا ساجد صاحب
At Post. ghutti
Via Mahagama Dist Godda
Jharkhand-INDIA
Pin 814154
Mobile 0091 6202078366

ملنے کے پتے

مولانا مسلم صاحب دہلی ۔امام مسجد بادل بیگ
بازار سرکی والان 5005
حوض قاضی، دہلی
Pin 110006
فون نمبر 0091 9717158837

ثاقب بک ڈپو
مقام، پوسٹ دیوبند ضلع سہارنپور
یوپی ۔انڈیا
پین کوڈ 247554
tel 09412 496688

مدرسہ ثمرۃ العلوم، گھُٹّی

ضلع گڈّا، جھارکھنڈ، انڈیا

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب دامت برکاتہ، کا گاؤں گھُٹّی ہے اس میں کافی زمانے سے مکتب چل رہا ہے جس میں دو اساتذہ خدمت انجام دیتے ہیں، گاؤں کے سبھی بچے اس میں دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ طلبہ کم وبیش ۷۰ ہوتے ہیں، اور للہ رقم سے اس کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ الحمد للہ اس میں پڑھے ہوئے طلبہ کئی درجن حافظ اور عالم بنے اور ملک کے مختلف گوشے میں خدمت انجام دے رہے ہیں، اس مکتب کی وجہ سے اس گاؤں کی دینی فضا کافی اچھی ہے۔

یہاں کے ذمہ دار حضرات کی دیرینہ خواہش تھی کہ اس مکتب کی جانب سے حضرت مولانا کی کتاب شائع ہو، تاکہ یہ مکتب بھی اس عظیم کار خیر میں شامل ہو جائے، چنانچہ اسی خدمت کے جذبے سے اثمار الھدایہ جلد تاسع شائع کی جا رہی ہے، اور اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اس کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اور اجر آخرت کا ساماں ہو جائے، آمین یا رب العالمین

ناظم، مدرسہ ثمرۃ العلوم، گھُٹّی

۹/ ۱/ ۲۰۱۲ء

﴿خصوصیات اثمار الھدایة﴾

(۱)	ھدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اوراس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے
(۲)	پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔
(۳)	طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔
(۴)	کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تاکہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں
(۵)	مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔
(۶)	وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔
(۷)	حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔
(۸)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے
(۹)	کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔
(۱۰)	لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔
(۱۱)	لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تاکہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔
(۱۲)	جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے قول صحابی، یا قول تابعی لکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔
(۱۳)	حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تاکہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔
(۱۴)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تاکہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جا سکے۔
(۱۵)	کتاب البیوع میں بہت سارے مسئلے اصول پر ہیں، میں نے ہر جگہ اصول لکھا ہے تاکہ اصول یاد ہو جائے اور مسئلہ سمجھنے میں بھی آسانی ہو۔

هم اثمار الهدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱)	اس شرح میں ہر جگہ اصول لکھے گئے ہیں جن سے مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور اصول بھی یاد ہو جاتے ہیں
(۲)	اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔
(۳)	کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔
(۴)	صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔
(۵)	ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔
(٦)	بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔
(۷)	سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔
(۸)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔
(۹)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست مضامین اثمار الہدایہ جلد تاسع

فہرست مضامین اثمار الھدایہ جلد تاسع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت﴾

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ھدایہ پڑھانے کے زمانے میں ذہین طلباء کبھی کبھی اشکال کرتے تھے کہ ہر مسئلے کے ثبوت کے لئے حدیث بیان کریں، صرف دلیل عقلی سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے، وہ کہتے کہ ہماری مسجدوں میں شافعی، مالکی اور حنبلی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتا ہوں تو وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ آیات قرآنی سے بنتا ہے یا حدیث سے۔ زیادہ سے زیادہ قول صحابہ اور اس سے بھی نیچے اتریں تو قول تابعی یا فتوی تابعی پیش کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلے کے لئے آیت قرآنی یا احادیث پیش کیا کریں! طلباء کی پریشانی اپنی جگہ بجا تھی۔ واقعی شافعی، حنبلی اور مالکی حضرات مسئلے کے لئے احادیث ہی مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی صحاح ستہ سے، وہ دلیل عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ناچیز بھی پریشان تھا اور دل میں سوچتا رہتا کہ اگر موقع ہو تو ھدایہ کے ہر مسئلے کے ساتھ باب، صفحہ اور حدیث کے نمبرات کے ساتھ پوری حدیث نقل کر دی جائے تاکہ طلباء کو سہولت ہو جائے اور دوسرے مسلک والوں کو مطمئن کر سکے۔ کسی کو اصلی کتاب دیکھنا ہو تو وہاں سے رجوع کرے۔ حدیث، باب اور احادیث کے نمبرات لکھنے سے طلباء کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ مسئلہ کس درجے کا ہے۔ اگر آیت سے ثابت ہے تو مضبوط ہے۔ صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے تو اس سے کم درجے کا ہے۔ اور دار قطنی اور سنن بیہقی میں وہ احادیث ہیں تو اس سے کم درجے کا مسئلہ ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کے قول صحابی یا قول تابعی سے ثابت ہے تو وہ مسئلہ اس سے کم درجے کا ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے میں دوسرے مسلک والوں سے زیادہ نہ الجھیں تاکہ اتحاد کی فضا قائم رہے۔ برطانیہ میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی سبھی موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلک والے اپنے اپنے مسلک کے اعتبار سے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے مسئلے کی حیثیت معلوم نہ ہو تو یہاں الجھاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضا آتا رہا۔ حسن اتفاق سے کچھ سالوں سے فرصت مل گئی جس کی وجہ سے اس تمنا کو پوری کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ طلباء کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے کو نمبر ڈال کر علیحدہ کیا۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے آیت قرآنی اور احادیث پیش کی جائیں

﴿احادیث لانے میں ترتیب﴾

نمبر ڈال کر جس ترتیب سے کتاب لکھی جا رہی ہے اسی ترتیب سے احادیث نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، یعنی ہر مسئلے کے تحت آیت لکھنے کی کوشش کی، اگر آیت نہیں ملی، تو بخاری شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی، اگر بخاری شریف میں حدیث نہیں

ملی تب مسلم شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی اوراس میں بھی نہیں ملی تب ابوداود شریف سے، اسی طرح نمبروار ترتیب رکھی ہے، مسئلے کے لئے حدیث نہیں ملی تب آثار لایا ہوں، اور وہ بھی نہیں ملا تب اصول پیش کیا ہوں۔اور اصول کے لئے حدیث لایا ہوں اوراس پر مسئلے کو متفرع کیا ہوں۔کتاب البیوع میں اصول کی ضرورت زیادہ پڑی ہے اس لئے ان جلدوں اصول زیادہ لایا گیا ہے۔

ایسا نہیں کیا کہ حدیث تلاش کئے بغیر قول صحابی لے آیا۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے کے تحت صرف قول تابعی مذکور ہے اور حدیث کا حوالہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے حدیث تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نہ ملنے پر قول تابعی ذکر کیا۔ یا کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے قول تابعی بھی ذکر نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بہت تلاش کے باوجود قول تابعی بھی نہ ملا جس سے مجبور ہو کر بیاض چھوڑ دیا۔اور اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان کو حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی مل جائے تو ضرور اس کی اطلاع دیں۔

کوشش کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی ذکر کر دیا جائے۔اور ان کی دلیل بھی اسی ترتیب سے، پہلے آیت یا صحاح ستہ کی کتابوں سے حدیث لائی جائے اور وہاں نہ ملے تو قول صحابی یا قول تابعی ذکر کیا جائے۔تا کہ طلباء ان کے مسلک اور ان کے مستدلات سے واقف ہو جائیں۔وہ بھی ہمارے امام ہیں، بلکہ سر کے تاج ہیں۔صاحب ہدایہ نے ہر جگہ ان حضرات کا نام بڑے احترام سے لیا ہے اور ان کے دلائل دریا دلی سے پیش کئے ہیں۔ناچیز نے بھی انہیں کی اتباع کی ہے۔اور ہر جگہ ان کا مسلک اور ان کے دلائل شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔

﴿گذارش﴾

تحقیق مسائل اور ان کے دلائل بحر بیکراں ہے اس کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ گذارش ہے کہ جن مسائل کے دلائل چھوٹ گئے ہیں اگر ان کو دلائل مل جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں ان کا اضافہ کر دیا جائے۔اسی طرح جہاں غلطی اور سہو نظر آئے اس کی نشاندہی کریں، اس کی بھی اصلاح کروں گا اور تہ دل سے شکر گذار رہوں گا۔

﴿شکریہ﴾

میں اپنی اہلیہ محترمہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قسم کی سہولت پہنچا کر فراغت دی اور اشاعت کتاب کے لئے ہمہ وقت متمنی اور دعا گو رہی اور مزید ھدایہ کی چھ جلدوں کے اختتام کے لئے دعا گو ہے۔خداوند کریم ان کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے، حضرت مولانا مسلم قاسمی صاحب سینپوری سلمہ نے کتاب کی چھپائی

کے وقت نگرانی کی ہے میں ان کا بھی شکرگزار ہوں ۔خداوند قدوس ان حضرات کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے ۔حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب باٹلی ،اور حضرت مولانا مرغوب صاحب ڈیوز بری صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ وہ کتاب لکھنے کے دوران کئی اہم علماء کو ساتھ لیکر گھر پر آتے رہے اور تسلی دیتے رہے اور اہم مشورے سے نوازتے رہے ۔کتاب البیوع لکھنے کے دوران بار بار طبیعت خراب ہوتی رہی ،ایسے موقع پر حضرت گھر تشریف لاتے اور بہت ڈھارس بندھاتے ،جس سے دل کو سکون بھی ہوتا اور مزید لکھنے کی ہمت بھی ہوتی اللہ تعالی ان حضرات کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے ۔امین یارب العالمین

ہمارے مخلص دوست حاجی غلام محمد بھانا صاحب مانچیسٹر والے کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں وہ بیماری کے دوران ڈاکٹر کے یہاں لیجاتے رہے اور علاج اور صحت یابی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہے ۔

اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور ذریعۂ آخرت بنائے ۔اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے ۔آمین یارب العالمین ۔

Samiruddin Qasmi 70 Stamford Street, Oldtrafford, Manchester ,England, M16 9LL E samiruddinqasmi@gmail.com Tel (0044) 7459131157	ثمیر الدین قاسمی سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ مانچیسٹر وچیرمین مون ریسرچ سینٹر، یوکے ۹/۱/ ۲۰۱۲ء

﴿کتاب الکفالة﴾

(۳۱۵)قال الکفالة هي الضم لغة ا قال الله تعالی و کفلها زکریا ثم قیل هي ضم الذمة إلی الذمة

﴿ کتاب الکفالۃ ﴾

ضروری نوٹ : کفالہ کا مطلب یہ ہے کہ مثلا زید پر قرض ہے تو میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں، وہ نہیں دے گا تو میں دوں گا۔ کفالت کی صورت میں دونوں آدمی قرض ادا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور قرض دینے والا دونوں میں سے کسی ایک سے قرض وصول کرسکتا ہے۔ اس کے قریب قریب حوالہ ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ اصل مدیون اب قرض ادا نہیں کریگا۔ اس کے بدلے اب صرف میں قرض ادا کروں گا۔ اس صورت میں قرض دینے والا صرف ذمہ دار سے قرض وصول کرسکتا ہے

وجہ :(۱) کفالت صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ قالوا نفقد صواع الملک ولمن جاء به حمل بعیر وانا به زعیم (آیت ۷۲، سورۂ یوسف ۱۲) اس آیت میں زعیم کا لفظ ہے جس کے معنی ذمہ دار اور کفیل کے ہیں۔ آیت کا مطلب ہے کہ جو بادشاہ کا پیالہ لا دے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔ (۲) حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں ہے۔ و کفلها زکریا (آیت ۳۷، سورۂ آل عمران ۳) کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی کفالت لی۔ اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔

لغت : کفالت میں چار الفاظ ہیں

[۱]......کفیل: جو خود ذمہ دار بنا، ضامن، اس کو زعیم اور حمیل بھی کہتے ہیں۔

[۲]......مکفول عنہ: مقروض جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل لے رہا ہے۔

[۳]......مکفول لہ: قرض دینے والا، جس کے لئے کفیل بن رہا ہے۔

[۴]......مکفول بہ: وہ مال جس کے ادا کرنے کا کفیل بن رہا ہے، یا وہ آدمی جس کو مجلس قضاء میں حاضر کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ ابھی اس کو ضمانت پر چھوڑ دیں۔ وقت مقررہ پر اس کو میں مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں بشرطیکہ وہ زندہ ہو

ترجمہ :(۳۱۵) لغت میں کفالہ کا ترجمہ ملانا ہے۔

ترجمہ: ا چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا۔ و کفلها زکریا (آیت ۳۷ سورۂ عمران ۳)، پھر بعض حضرات نے فرمایا کہ مطالبے میں ایک کے ذمے کو دوسرے کے ذمے کے ساتھ ملانا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قرض میں ملانا ہے، لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

في المطالبة وقيل في الدين والأول أصح. (٣١٦)قال الكفالة ضربان كفالة بالنفس و كفالة بالمال. فالكفالة بالنفس جائزة والمضمون بها إحضار المكفول به ا وقال الشافعي رحمه الله لا

تشریح : کفالہ کا لغوی ترجمہ ہے ملانا، اور محاوری ترجمہ دو ہیں [ا] مطالبے میں ایک کے ذمے کو دوسرے کے ذمے کے ساتھ ملانا، [۲] دوسرا ترجمہ ہے قرض میں ایک کے ذمے کو دوسرے کے ذمے کے ساتھ ملانا، لیکن پہلا ترجمہ صحیح ہے کیونکہ قرض ایک ہی ہے البتہ مطالبہ دو پر آجاتا ہے۔

ترجمہ :(۳۱۶) کفالہ کی دو قسمیں ہیں، کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔ پس کفالہ بالنفس جائز ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا کفالہ لیا ہے اس کو مجلس قضا میں حاضر کرے۔

تشریح : کفالت کی دو قسمیں ہیں۔ کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال۔ کفالہ بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی مجلس قضاء میں مقدمہ کے لئے مطلوب ہے اس کو ابھی چھوڑ دیں، میں اس کو وقت مقررہ پر مجلس قضاء میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں۔ اس کو کفالہ بالنفس کہتے ہیں۔ کیونکہ ذات اور نفس حاضر کرنے کا کفیل بنا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سزا نہیں بھگتے گا تو میں اس کے بدلے سزا بھگت لوں گا۔

دوسرا ہے کفالہ بالمال: اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی پر اتنا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں کفیل اور ذمہ دار ہوں، وہ ادا نہیں کرے گا تو میں اس قرض کو ادا کر دوں گا۔ اس کو کفالہ بالمال کہتے ہیں۔ کیونکہ مال ادا کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے۔

وجہ :(۱) کفالہ بالنفس جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ... ثم قال العارية مؤداة والمنحة مردودة والدين مقضى والزعيم غارم** (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص ۵۱۲، نمبر ۳۵۶۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریۃ مؤداۃ، ص ۳۰۸، نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث میں الزعیم غارم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کفیل ذمہ دار ہے۔ اور اس میں دونوں قسم کے کفیل شامل ہو سکتے ہیں، کفیل بالنفس بھی اور کفیل بالمال بھی۔ اس سے کفالہ بالنفس کا ثبوت ہوا (۲) اس حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ **عن ابی هريرة ان النبی ﷺ حبس رجلا فی تهمة و قال مرة اخرى أخذ من متهم كفيلا تثبيتا و احتياطا** ۔(سنن بیہقی، باب ما جاء فی کفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۴)، اس حدیث میں کفالہ بالنفس لیا ہے۔ (۳) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے کہ حضرت حمزہؓ نے مجرم کے لئے کفالہ بالنفس لیا تھا۔ **حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابيه ان عمر بعثه مصدقا فوقع رجل على جارية امرأته فاخذ حمزة من الرجل كفلاء حتى قدم على عمر وكان عمر قد جلده مأة جلدة فصدقهم وعذرهم بالجهالة** ۔ اسی اثر کے دوسرے حصے میں ہے۔ **وقال جرير**

يـجـوز لأنـه كـفـل بما لا يقدر على تسليمه إذ لا قدرة له على نفس المكفول به بخلاف الكفالة بـالـمال لأن له ولاية على مال نفسه. ۲؎ ولـنـا قـوله عليه الصلاة والسلام الزعيم غارم وهذا يفيد

والاشعث لعبد الله بن مسعود فى المرتدين استتبهم و كفلهم فتابوا و كفلهم عشائر هم وقال حماد اذا تـكـفل بنفس فمات فلا شيء عليه. (بخاری شریف، باب الکفالۃ فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا، ص ۳۶۵، نمبر ۲۲۹۰) ان دونوں اثر سے معلوم ہوا کہ کفالہ بالنفس لینا جائز ہے۔ (۴) کفالہ بالمال جائز ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے **۔عـن سلمة بن اكوع** ؓ **قال كنا جلوسا عند النبى** ﷺ **اذا اتى بجنازة ...... قال هل ترك شيئا قالوا لا قـال فهل عليه دين ؟ قالوا ثلاثة دنانير قال صلوا على صاحبكم فقال ابو قتادة صل عليه يا رسول الله و عـلـى ديـنـه فـصـلـى عليـه ۔** (بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز، کتاب الحوالات، ص ۳۶۵، نمبر ۲۲۸۹) اس حدیث میں ہے کہ کوئی دوسرا آدمی مال کا کفیل بن سکتا ہے

ترجمه :۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے اس لئے کہ دوسرے کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں ہے، اس لئے کہ جس کی کفالت لی ہے اس کی ذات پر قدرت نہیں ہے، بخلاف مال کے اس لئے کہ اس کو اپنی ذاتی مال مال پر ولایت ہے [اس لئے کفالہ بالمال جائز ہے]

تشریح :موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ **ولا تـلـزم الـكـفـالة بـحـد و لا بقصاص ولا عقوبة ، لاتلزم الكفالة الابـالامـوال ، و لـو كـفـل له بما لزم رجلا فى جروح عمد فان اراد القصاص فالكفالة باطلة و ان اراد أرش الـجـروح فهو له و الكفالة لازمة لانها كفالة بمال ۔** (موسوعۃ امام شافعیؒ ، باب الحوالۃ، ج سابع ،ص ۲۸۴، نمبر ۱۰۵۱۸) اس عبارت میں ہے کہ کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے صرف کفالہ بالمال جائز ہے۔

ترجمه :۲؎ ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے الزعیم غارم۔ اور یہ حدیث کفالہ کے دونوں صورتوں کے مشروع ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔

تشریح : صاحب ہدایہ کی یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ **سـمـعـت ابـا امامة قال سمعت رسول الله** ﷺ **يقول ... ثـم قال العارية مؤداة والـمـنـحة مردودة والدين مقضى والزعيم غارم** (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص ۵۱۲، نمبر ۳۵۶۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریۃ موداۃ، ص ۳۰۸، نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث الزعیم غارم ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ کفالہ بالمال بھی جائز ہے اور کفالہ بالنفس بھی جائز ہے۔

ترجمه :۳؎ اور اس لئے کہ جس طرح آدمی کو سپرد کیا جاتا ہے اس طرح سپرد کرے، مثلا مطالبہ کرنے والے کو مجرم کی جگہ بتا

مشروعية الكفالة بنوعيه ۳؎ ولأنه يقدر على تسليمه بطريقه بأن يعلم الطالب مكانه فيخلي بينه وبينه أو يستعين بأعوان القاضي في ذلك والحاجة ماسة إليه ۴؎ وقد أمكن تحقق معنى الكفالة وهو الضم في المطالبة فيه. (۳۱۷) قال وتنعقد إذا قال تكفلت بنفس فلان أو برقبته أو بروحه أو بجسده أو برأسه وكذا ببدنه وبوجهه ۱؎ لأن هذه الألفاظ يعبر بها عن البدن إما حقيقة أو عرفا

دے، پس مطالبہ کرنے والے اور مجرم کے درمیان تخلیہ کردے، یا اس میں قاضی کے مددگار کے ذریعہ مدد حاصل کرے، اور اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح : کفالہ بالنفس کی ذمہ داری کس طرح نبھائے گا اس کی صورت بتا رہے ہیں، کفالہ بالنفس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجرم سزا نہیں بھگتے گا تو میں بھگتوں گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجلس قضا میں اس کو حاضر کروں، یا پکڑوانے میں مدد کروں گا، اس کے تین طریقے بتا رہے ہیں [۱] جو مجرم کا مطالبہ کر رہا ہے اس کو مجرم کی جگہ بتا دی جائے، پھر مجرم کو اور طالب کو چھوڑ دیا جائے وہ خود ہی نمٹ لیں گے [۲] یا پکڑوانے کے لئے قاضی کے مددگاروں سے مدد لے، اور اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

ترجمہ :۴؎ اور کفالہ کا معنی اس میں متحقق ہو سکتا ہے اور وہ ہے مطالبے میں ذمے کو ملانا۔

تشریح :طالب کے سامنے مجرم کو کردے، یا مجلس قضا میں حاضر کردے دونوں صورتوں میں کفالہ کا معنی پایا گیا، اور یہ ہے کہ مطالبہ کرنے میں ذمہ داری لے لی، بس کفالہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

ترجمہ :(۳۱۷) کفالہ بالنفس منعقد ہوتا ہے اگر کہے میں فلاں کی جان کا کفیل بنا، یا اس کی گردن کا، یا اس کی روح، یا اس کے جسم، یا اس کے سر، یا اس کے بدن کا، یا اس کے چہرے کا۔

ترجمہ :۱؎ کیونکہ ان الفاظ سے بدن کو تعبیر کرتے ہیں، یا حقیقت میں تعبیر کرتے ہیں یا عرف میں تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ کتاب الطلاق میں گزر چکا ہے۔

تشریح : یہاں سے یہ ذکر ہے کہ کس طرح کہنے سے یا کن کن الفاظ سے کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جس سے پورا انسان مراد ہوتا ہو ان الفاظ سے کفالہ بالنفس ہو جائے گا۔ مثلا نفس سے پورا انسان مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح گردن بولنے سے پورا انسان مراد لیتے ہین۔ اسی طرح روح، جسم اور سر سے، اور چہرہ سے پورا انسان مراد لیتے ہیں۔ اس لئے ان لفظوں سے بھی پورا انسان مراد ہوگا اور کفالہ بالنفس ثابت ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) رقبۃ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **ومن قتل مؤمنا خطاء فتحرير رقبة مؤمنة** . (آیت ۹۲، سورۃ النساء۴) (۲) اور عنق بول پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **فظلت اعناقهم لها**

علی ما مر في الطلاق ۲؎ وكذا إذا قال بنصفه أو بثلثه أو بجزء منه لأن النفس الواحدة في حق الكفالة لا تتجزأ فكان ذكر بعضها شائعا كذكر كلها ۳؎ بخلاف ما إذا قال تكفلت بيد فلان أو برجله لأنه لا يعبر بهما عن البدن حتى لا تصح إضافة الطلاق إليهما وفيما تقدم تصح

خاضعين (آیت۴،سورة الشعراء۲۶)(۳)اوروجہ بول کر پوراجسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **وعنت الوجوه للحی القیوم**۔(آیت۱۱۱،سورة طہ۲۰)باقی کواسی پرقیاس کرلیں۔

ترجمہ :۲؎ ایسے ہی اگرکہا مجرم کے آدھے کا کفیل ہوں،یااس کی تہائی کا،یااس کے کسی جزو کا۔اس لئے کہ ایک ذات کفالے کے حق ٹکڑانہیں ہوتا،تو بعض شائع کا ذکر کرنا گویا کہ کل جسم کوذکر کرنا ہے۔

تشریح :اگرکہا کہ مجرم کے آدھے کا کفیل ہوں یااس کی تہائی کا کفیل ہوں،یااس کے کسی ٹکڑے کا کفیل ہوں تو پورے جسم کا کفیل بن جائے گا۔

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کا ٹکڑانہیں ہوتا اس لئے اس کے کسی حصے کے کفیل بننے سے پورے جسم کا کفیل بن جائے گا، اسی طرح کسی ایسے عضو کا کفیل بنا جس سے پورے جسم مراد لیتے ہوں،جیسے گردن سے پوراجسم مراد لیتے ہیں تو اس سے پورے جسم کا کفیل شمار کیا جائے گا۔(۲) اس قول تابعی میں ہے۔**عن الشعبی قال اذا قال انت طالق نصفا او ثلث تطلیقة فهی تطلیقة.** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵ ما قالوا فی الرجل یطلق امرأته نصف تطلیقة،ج رابع،ص۸۷،نمبر۱۸۰۵۵/ مصنف عبدالرزاق،نمبر۱۱۲۵۱)اس قول تابعی میں آدھی طلاق اور تہائی طلاق کوایک طلاق قرار دیا۔اسی پر قیاس کرکے آدھے انسان کوپورا انسان قرار دیا جائے گا۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف اگرکہا کہ فلاں کے ہاتھ کا کفیل بنتا ہوں،یااس کے پاؤں کا کفیل بنتا ہوں[تو کفالت ہی نہیں ہوگی]اس لئے کہ ان دونوں کے ذریعہ پورے جسم کوتعبیر نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کوطلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی،اور جن اعضا کا تذکرہ پہلے گزرا اس سے پورے جسم کوطلاق دینا صحیح ہے۔

تشریح :اگرکہا کہ میں فلاں کے ہاتھ کا کفیل بنتا ہوں،یا پاؤں کا کفیل بنتا ہوں تو پورے جسم کی کفالت نہیں ہوگی،اور کفالہ صحیح نہیں ہوگا

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ اور پاؤں بول کر پوراجسم مرادنہیں لیتے ،یہی وجہ ہے کہ اگرعورت کے ہاتھ اور پاؤں کو طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔اور سر،گردن وغیرہ کوطلاق دی تو پورے عورت پر طلاق واقع ہوگی،کیونکہ ان سے پوراجسم مراد لیتے ہیں

(۳۱۸) وكذا إذا قال ضمنته [لأنه تصريح بموجبه] أو قال هو علي [لأنه صيغة الالتزام] أو قال إلي ا لأنه في معنى علي في هذا المقام. قال عليه الصلاة والسلام ومن ترك مالا فلورثته ومن ترك كلا أو عيالا فإلي (۳۱۹) وكذا إذا قال أنا زعيم به أو قبيل به ا لأن الزعامة هي الكفالة

ترجمه :(۳۱۸) اور ایسے ہی کہا کہ میں اس کا ضامن ہوں [اس لئے کہ کفالت کے لئے یہ صریح لفظ ہے] یا وہ میرے اوپر ہے۔[اس لئے کہ علی اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے] یا میری طرف ہے۔

ترجمه :ا اس لئے کہ ,الیّ ،اس مقام پر ,علی، کے معنی میں ہوتا ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ کسی نے مال چھوڑا ہو تو وہ اس کے ورثہ کے لئے ہے، اور جس نے کوئی یتیم اولاد، یا پرورش کے قابل رشتہ دار چھوڑا تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔

تشريح:ان الفاظ کے کہنے سے بھی کفیل ہو جائے گا۔

وجه :(۱) کیونکہ یہ الفاظ کفالت پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ضامن کا لفظ کفالت کے لئے صریح ہے، اس لئے ضمنتہ ، کہا تو اس سے کفالت ہو جائے گی۔(۲) لفظ علیَّ بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آتا ہے۔حدیث میں ہے۔عن جابر قال كان النبى ﷺ لا يصلى على رجل عليه دين ... قال انا اولى بكل مؤمن من نفسه من ترك دين فعلّى ومن ترك مالا فلورثته . (نسائی شریف، باب الصلوۃ من علیہ دین، ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴) اس حدیث میں فَعَلَیَّ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کفالت کے معنی میں ہے کہ جس نے دین چھوڑا میں اس کا کفیل ہوں۔(۳) اور اِلَــیَّ کا لفظ بھی ذمہ داری اور کفالت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔حدیث میں ہے۔عن ابى هريرة انه قال من ترك مالا فللورثة ومن ترك كلا فالينا (مسلم شریف، باب من ترک مالا فلورثتہ ،ص ۷۰۸، نمبر ۱۶۱۹/۴۱۶۱) اس حدیث میں فَالَيْنَا کفیل بنے کے معنی میں ہے۔

ترجمه :(۳۱۹) ایسے ہی اگر کہا کہ انا زعیم [میں ذمہ دار ہوں] یا انا قبیل [میں ذمہ دار ہوں] تو کفالت ہو جائے گی۔

ترجمه :ا اس لئے کہ زعامت کا معنی کفالت کا ہے، چنانچہ اسکے بارے میں میں نے پہلے روایت کی۔

وجه :لفظ زعامت، کفالت کے معنی میں ہے اس آیت میں ہے کہ میں زعیم ہوں یعنی کفیل ہوں۔قالوا نفقد صواع الملك ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم (آیت ۷۲، سورۂ یوسف ۱۲)(۲) صاحب ہدایہ کی حدیث میں بھی زعیم کا لفظ ہے جو کفیل کے معنی میں ہے ۔سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ... ثم قال العارية مؤداة والمنحة مردودة والدين مقضى والزعيم غارم (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص ۵۱۲، نمبر ۳۵۶۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریۃ موداۃ، ص ۳۰۸، نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث میں الزعیم غارم، کا مطلب

وقد روينا فيه. ۲؎ والقبيل هو الكفيل ولهذا سمي الصک قبالة بخلاف ما إذا قال أنا ضامن لمعرفته لأنه التزم المعرفة دون المطالبة. (۳۲۰)قال فإن شرط في الكفالة بالنفس تسليم المكفول به في وقت بعينه لزمه إحضاره إذا طالبه في ذلک الوقت[وفاء بما التزمه]فإن أحضره

ہے کہ زعیم کفیل ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور قبیل کا ترجمہ بھی کفیل کے ہے اسی لئے چیک کو قبالۃ، کہتے ہیں۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :بخلاف جبکہ کہا میں مجرم کے پہچاننے کا ضامن ہوں [تو کفیل نہیں بنے گا]اس لئے کہ پہچاننے کو لازم کیا ہے اس کو حاضر کرنے کو لازم نہیں کیا ہے۔

تشریح :اگر کہا کہ میں مجرم کو پہچاننے کا کفیل ہوں تو اس سے حاضر کرنے کا کفیل نہیں بنے گا، کیونکہ حاضر کرنا دوسری چیز ہے

ترجمہ :(۳۲۰) پس اگر کفالہ میں شرط کی گئی ہو مکفول بہ کو سپرد کرنے کی مقرر وقت میں تو کفیل کو اس کا حاضر کرنا لازم ہے جب اس کو اس وقت میں مطالبہ کرے [جس چیز کو لازم کیا ہے اس کو پورا کرنے کے لئے]، پس اگر اس کو حاضر کر دیا تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کفیل کو قید کر لے گا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ جو حق اس پر لازم تھا اس کو پورا کرنے سے رک گیا۔

تشریح :کفالہ بالنفس میں یہ شرط لگائی تھی کہ مکفول بہ کو متعین وقت میں حاضر کرے گا تو کفیل پر لازم ہے کہ جب مکفول بہ کو طلب کرے اس وقت اس کو حاضر کر دے۔ پس اگر اس نے مقررہ وقت میں مکفول بہ کو حاضر کر دیا تو بہتر ہے۔ اور اگر حاضر نہ کر سکا اور کئی مرتبہ مطالبہ کے بعد بھی حاضر نہیں کیا اور مکفول بہ زندہ ہے اور دار الاسلام میں موجود ہے تو اب کفیل کو حاکم قید کرے گا۔

وجہ:(۱)اس نے وعدہ خلافی کی اور دوسرے کا حق مارا اس لئے اس کو قید کرے گا (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ خلاف وعدہ پر حضرت شریح نے خود اپنے بیٹے کو قید کیا۔ **سمعت حبيبا الذى كان يقدم الخصوم الى شريح قال خاصم رجل ابنا لشريح الى شريح كفل له برجل عليه دين فحبسه شريح فلما كان الليل قال اذهب الى عبد الله بفراش وطعام و كان ابنه يسمى عبد الله** (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۸، نمبر ۱۱۴۱۸/ مصنف عبد الرزاق، باب الکفلاء، ج ثامن، ص ۱۳۳، نمبر ۱۴۸۴۴) اس سے معلوم ہوا کہ کفیل کے وعدہ خلافی پر اس کو قید کیا جا سکتا ہے۔

وإلا حبسه الحاكم ا لامتناعه عن إيفاء حق مستحق عليه ۲ ولكن لا يحبسه أول مرة لعله ما درى لماذا يدعي . ۳ ولو غاب المكفول بنفسه أمهله الحاكم مدة ذهابه ومجيئه فإن مضت ولم يحضره يحبسه لتحقق امتناعه عن إيفاء الحق. (۳۲۱)قال وكذا إذا ارتد والعياذ بالله ولحق بدار الحرب ا وهذا لأنه عاجز في المدة فينظر كالذي أعسر ولو سلمه قبل ذلك برء لأن الأجل حقه فيملك إسقاطه كما في الدين المؤجل. (۳۲۲) قال وإذا أحضره وسلمه في مكان

ترجمه :۲ لیکن پہلی مرتبہ بلانے میں قید نہیں کرے گا، ہوسکتا ہے کہ اس کو معلوم نہ ہو کہ قاضی کیوں بلا رہے ہیں۔

تشریح ؛واضح ہے

ترجمه :۳ اگر مجرم غائب ہوگیا تو حاکم کفیل کو وہاں تک جانے اور آنے کی مہلت دیں گے، اور جانے اور آنے کی مدت بھی گزر گئی اور مجرم کو حاضر نہیں کیا تو قاضی کفیل کو قید کریں گے حق پورا کرنے سے رکنے کی وجہ سے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه :(۳۲۱) ایسے ہی اگر مجرم مرتد ہو گیا العاذ باللہ، اور دار الحرب چلا گیا [تو وہاں تک جانے اور آنے کی مہلت دے گا

ترجمه :ا اس لئے کہ اس مدت سے پہلے لانے میں کفیک عاجز ہے اس لئے اتنی مہلت دی جائے گی، جیسے کہ قرضہ لینے والا تنگدست ہو جائے تو اس کو فراخی تک کی مہلت ملتی ہے۔

تشریح : مجرم مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا، اور معاہدے کی وجہ سے وہاں رک جانے کی اجازت ہے تو کفیل کو وہاں تک جانے اور آنے تک کی مہلت ملے گی، کیونکہ اس سے پہلے لانے میں وہ بالکل عاجز ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں، جیسے قرض لینے والا تنگدست ہو گیا تو مال آنے تک مہلت ملتی ہے اسی طرح یہاں بھی مہلت ملے گی۔

ترجمه :۲ اور اگر وقت سے پہلے ہی مجرم کو سپرد کر دیا تو کفیل بری ہو جائے گا اس لئے کہ مدت تو کفیل کا حق تھا اس لئے وہ اس کو ساقط کرنے کا حقدار ہوگا جیسے کہ دین مؤخر میں۔

تشریح :کفیل نے وقت سے پہلے ہی مجرم کو حاضر کر دیا تو کفیل بری ہو جائے گا، کیونکہ وقت کی تاخیر کفیل کا حق تھا اس نے اس کو ساقط کر دیا تو کر سکتا ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ قرض کے لئے مہینے کی مہلت مانگی تھی اس نے وقت سے پہلے ہی قرض ادا کر دیا تو کر سکتا ہے اسی طرح یہاں مہلت لی تھی تو اس سے پہلے حاضر کر سکتا ہے۔

ترجمه:(۳۲۲) اگر مکفول بہ کو حاضر کر دیا اور سپرد کر دیا ایسی جگہ کہ مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکتا ہے مثلا شہر میں حاضر کر دیا

يقدر المكفول له أن يخاصمه فيه مثل أن يكون في مصر برء الكفيل من الكفالة ۱ لأنه أتى بما التزمه وحصل المقصود به وهذا لأنه ما التزم التسليم إلا مرة. (۳۲۳)قال وإذا كفل على أن يسلمه في مجلس القاضي فسلمه في السوق برء ۱ لحصول المقصود ۲ وقيل في زماننا لا يبرأ لأن الظاهر المعاونة على الامتناع لا على الإحضار فكان التقييد

تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ جو اپنے اوپر لازم کیا تھا اس کو پورا کر دیا، اور اس سے مقصود حاصل ہو گیا، اور یہ وجہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ حاضر کرنے کو لازم کیا تھا۔

تشریح : کفالت کا مقصد ہے کہ ایسی جگہ مکفول بہ کو حاضر کر دے جس سے مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکے، اور کفیل نے ایسا ہی کیا کہ ایسی جگہ حاضر کر دیا جہاں مکفول لہ جھگڑا کر سکتا ہے اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔

ترجمہ :(۳۲۳) اگر کفیل بنا اس بات کا کہ مکفول بہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا اور سپرد کیا اس کو بازار میں تو کفیل بری ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۱ مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے۔

اصول : یہ سب مسئلے اس اصول پر ہیں کہ ایسے مقام پر سپرد کرنا ضروری ہے جہاں مکفول بہ سے محاسبہ کیا جا سکے۔ اور اگر ایسی جگہ حاضر کیا جہاں مجرم سے محاسبہ نہیں کیا جا سکتا ہے تو کفیل کفالت سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر مجلس قضاء میں سپرد کرنے کی شرط تھی لیکن اس نے اس کے بجائے بازار میں مکفول بہ کو سپرد کیا تو بری ہو جائے گا

وجہ: اس زمانے میں قاضی بازار میں بھی مجرم سے محاسبہ کر لیا کرتے تھے اس لئے بازار میں سپرد کرنے سے بھی مکفول بہ محاسبہ کے قابل ہو گیا۔ اس لئے کفیل بری ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲ اور کہا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بری نہیں ہوگا اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ نہ پکڑنے پر مدد کر رہا ہے، حاضر کرنے پر مدد نہیں کر رہا ہے اس لئے مجلس میں حاضر کی قید بہتر ہے۔

تشریح : ہمارے زمانے میں بازار میں مجرم کو حاضر کرنے سے کفیل بری نہیں ہوگا، کیونکہ وہاں اب محاسبہ کرنا ممکن نہیں رہا۔

ترجمہ :(۳۲۴) اور اگر سپرد کیا جنگل میں تو بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ صحرا اور جنگل میں مخاصمت کرنے پر قدرت نہیں ہوتی ہے، اس لئے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔، اسی طرح اگر دیہات میں سپرد کر دیا تو کفیل بری نہیں ہوگا اس لئے کہ وہاں قاضی نہیں ہوتا جو حکم کا فیصلہ کرے گا۔

مفيدا(۳۲۴) وإن سلمه في برية لم يبرأ ١ لأنه لا يقدر على المخاصمة فيها فلم يحصل المقصود وكذا إذا سلمه في سواد لعدم قاض يفصل الحكم فيه ٢ ولو سلم في مصر آخر غير المصر الذي كفل فيه برء عند أبي حنيفة للقدرة على المخاصمة فيه. وعندهما لا يبرأ لأنه قد تكون شهوده فيما عينه. ٣ ولو سلمه في السجن وقد حبسه غير الطالب لا يبرأ لأنه لايقدر على المخاصمة فيه.(۳۲۵) قال وإذا مات المكفول به برء الكفيل بالنفس من الكفالة ١ لأنه عجز عن إحضاره

تشریح :واضح ہے۔۔صحرا،جنگل۔

ترجمہ :٢ اگر جس شہر میں کفیل بنا تھا اس کے علاوہ میں سپرد کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بری ہو جائے گا اس میں بھی محاسبہ کرنے کی قدرت کی وجہ سے،اور صاحبینؒ کے نزدیک بری نہیں ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ گواہ اس شہر میں ہو جس شہر میں متعین کیا تھا۔

تشریح :مثلا دہلی میں مجرم حاضر کرنے کا کفیل بنا تھا اور اس نے لکھنو میں حاضر کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفیل بری ہو جائے گا،کیونکہ قاضی لکھنو میں بھی مجرم سے محاسبہ کرسکتا ہے،اور صاحبینؒ کے نزدیک بری نہیں ہوگا،کیونکہ یہ ممکن ہے کہ گواہ دہلی میں ہو،یا کوئی اور خاص بات دہلی میں جس کی بنا پر دہلی میں حاضر کرنے کے لئے کہا تھا اس لئے لکھنو میں حاضر کرنے سے کفیل بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ :٣ اگر مجرم کو قید خانہ میں سپرد کیا ،اور صورت یہ تھی کہ طالب کرنے والے کے علاوہ نے قید کروایا تھا تو بری نہیں ہوگا،کیونکہ اس میں محاسبہ کرنے پر قدرت نہیں ہوگی۔

تشریح :کسی اور نے مجرم کو قید کیا تھا،اور کفیل نے وہاں سپرد کیا تو کفیل بری نہیں ہوگا،کیونکہ جو مجرم کو طلب کر رہا ہے وہ قید خانہ میں محاسبہ نہیں کرسکتا ہے۔

ترجمہ :(۳۲۵)اگر مکفول بہ مرجائے تو کفیل بالنفس کفالہ سے بری ہو جائے گا۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ اب مجرم کو حاضر کرنے سے عاجز ہو گیا ہے،اور اس لئے کہ اب خود مجرم سے حاضر ہونا ساقط ہو گیا ہے تو کفیل سے بھی ساقط ہو جائے گا۔

تشریح:کفیل نے مجرم کو حاضر کرنے کی کفالت لی تھی لیکن خود مجرم کا انتقال ہو گیا تو کفیل سے کفالہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ :(١)مرجانے کی وجہ سے اب حاضر کس کو کرے گا؟ اور مکفول بہ کا مال تو اس کام کے لئے نہیں ہے اس لئے کفالہ ساقط

ولأنـه سـقط الحضور عن الأصيل فيسقط الإحضار عن الكفيل ٢ و كـذا إذا مات الكفيل لأنه لم يبـق قـادرا عـلـى تسـليم المكفول بنفسه و ماله لا يصلح لإيفاء هذا الواجب ٣ بـخلاف الكفيل بالمال. ٤ ولـو مـات الـمـكـفـول لـه فللوصي أن يطالب الكفيل فإن لم يكن فلوارثه لقيامه مقام

ہو جائے گا (۲) مرنے کی وجہ سے اصیل یعنی مکفول بہ پر حاضر ہونا ساقط ہو گیا اس لئے تابع یعنی کفیل پر بھی ساقط ہو جائے گا (۳) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الحكم و حماد انهما قالا في رجل تكفل بنفس رجل فمات الرجل قال احدهما يضمن الدراهم وقال الآخر ليس عليه شيء** ۔(سنن للبیھقی، باب ماجاء فی الکفالۃ ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۸، نمبر ۱۱۴۱۹) اس میں ہے کہ کفالہ بالنفس میں مکفول بہ مر جائے تو کفیل پر کچھ لازم نہیں ہوگا بلکہ وہ بری ہو جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل سے ساقط ہو جائے تو کفیل جو فرع ہے اس سے بھی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲ ایسے ہی اگر کفیل مر جائے تو [کفالت ختم ہو جاتی ہے] کیونکہ اب وہ مجرم کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے، اس کفیل کا مال اس ذمہ داری کو نبھانے کے صلاحیت نہیں رکھتا۔

تشریح: خود کفیل مر گیا تو اب کفالت ختم ہو جائے گی، کیونکہ مرا ہوا آدمی مجرم کو کیسے سپرد کرے گا!، اور اس کے وارثین پر بھی اس کی ذمہ دری نہیں ہے، اور کفیل کا مال بھی مجرم کو سپرد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ترجمہ: ۳ بخلاف کفیل بالمال کے [اس کفیل کے مرنے کے بعد اس کے مال سے کفالت ادا کی جائے گی]

تشریح: اگر مال ادا کرنے کا کفیل بنا تھا اور کفیل کا انتقال ہو گیا تو کفالت ختم نہیں ہوگی بلکہ اس کے مال سے کفالت کا حق ادا کیا جائے گا، کیونکہ کفالہ بالمال میں مال اس حق کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ترجمہ: ۴ اگر مکفول لہ مر گیا تو اس کے وصی کے لئے حق ہے کفیل سے مطالبہ کرے، اور وصی نہ ہو تو مکفول لہ کے ورثہ کے لئے مطالبہ کا حق ہے کیونکہ وہ میت کے قائم مقام ہے۔

تشریح: یہ تیسری صورت ہے کہ جسکے لئے کفالت لی تھی یعنی مکفول لہ اسکا انتقال ہو گیا تو کفالت ختم نہیں ہوگی، بلکہ اسکا وصی موجود ہو تو وہ کفالہ بالمال، یا کفالہ بالنفس کا کفیل سے مطالبہ کرے گا، کیونکہ وہ اب میت کی جگہ پر ہے۔ اور اگر وصی نہ ہو تو میت کے ورثہ کفیل سے کفالت ادا کرنے کا مطالبہ کریں گے، کیونکہ اب وصی کے بعد ورثہ میت کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۶) کوئی دوسرے کی ذات کا کفیل ہوا اور اس نے یہ نہیں کہا کہ جب میں تمہارے حوالہ کردوں تو میں بری ہوں جاؤں گا، اور کفیل نے حوالہ کر دیا تو کفیل بری ہو جائے گا۔

الميت. (۳۲۶)قال ومن كفل بنفس آخر ولم يقل إذا دفعت إليک فأنا بریء فدفعه إليه فهو بریء[1] لأنه موجب التصرف فيثبت بدون التنصيص عليه[2] ولا يشترط قبول الطالب التسليم كما في قضاء الدين [3] ولو سلم المكفول به نفسه من كفالته صح لأنه مطالب بالخصومة فكان له ولاية الدفع [4] وكذا إذا سلمه إليه وكيل الكفيل أو رسوله لقيامهما مقامه. (۳۲۷)قال فإن

ترجمه :[1] اس لئے کہ سپرد کرنے سبب ہی بری ہونا ہےاس لئے بری ہونے کی صراحت کئے بغیر بھی بری ہو جائیں گے

اصول : یہ مسئلے اس اصول پر ہے کہ مجرم کو حقدار کے حوالے کر دیا اسی سے کفالت پوری ہو جائے گی، چاہے وہ کرے، یا اس کا وکیل کرے، یا خود مجرم حوالہ کر دے تو کفالہ پورا ہو جائے گا۔

تشریح : کفالت بالنفس میں کفیل نے باضابطہ یہ نہیں کہا کہ سپرد کروں گا تو کفالت سے بری ہو جاوں گا تب بھی سپرد کرے گا تو بری ہو جائے گا، کیونکہ سپرد کرنے کا موجب ہی یہ ہے کہ وہ بری ہو جائے۔ اس لئے بری ہو جائے گا۔

لغت : لانہ موجب التصرف: یہ ایک مغلق جملہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سپرد کر دینے کا موجب ہی یہی ہے کہ وہ کفالت سے بری ہو جائے۔

ترجمه :[2] یہ شرط نہیں ہے کہ مطالبہ کرنے والا سپرد کرنے کو قبول کرے، جیسے قرض کی ادائیگی کے وقت ہوتی ہے۔

تشریح : کفیل نے مجرم کو سپرد کیا اور حقدار نے قبول نہیں کیا تب بھی کفالت پوری ہو جائے گی، ان کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے ، جیسے قرض اا کر دے تو قرض دینے کا اس کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے صرف اس کے سامنے رکھ دینے سے قرض ادا ہو جائے گا

ترجمه :[3] اگر مجرم نے اپنے آپ کو خود سپرد کر دیا تب بھی کفالت پوری ہو جائے گی اس لئے کہ وہ محاسبے کے لئے مطلوب تھا، اس لئے اس کو اپنی جانب سے محاسبہ دفع کرنے کا حق ہوگا۔

تشریح : کفیل لے کر حاضر نہیں ہوا بلکہ مجرم خود حاضر ہو گیا تو کفالت پوری ہو جائے گی۔ کیونکہ خود مجرم سے محاسبہ کرنا مطلوب ہے، اس لئے اس کو حق ہے کہ خود ہی حاضر ہو کر معاملہ نمٹا دے۔

ترجمه :[4] ایسے ہی اگر کفیل کے وکیل نے سپرد کر دیا، یا اس کے قاصد نے سپرد کر دیا تو کفالت پوری ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہ دونوں کفیل کے قائم مقام ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمه :(۳۲۷) اگر کفیل بالنفس بنا اس طرح کہ اگر میں نے اس کو فلاں وقت میں حاضر نہ کیا تو میں ضامن ہوں اس مال کا جو اس پر ہے اور وہ ایک ہزار تھا، پھر اس وقت میں حاضر نہ کیا تو کفیل پر مال کا ضمان لازم ہو جائے گا۔

تكفل بنفسه على أنه إن لم يواف به إلى وقت كذا فهو ضامن لما عليه وهو ألف فلم يحضره إلى ذلک الوقت لزمه ضمان المال[ا] لأن الكفالة بالمال معلقة بشرط عدم الموافاة وهذا التعليق صحيح فإذا وجد الشرط لزمه المال (۳۲۸) ولا يبرأ عن الكفالة بالنفس[ا] لأن وجوب المال

تشريح :اس عبارت میں ایک ساتھ دوقسم کا کفالہ ہے۔کفالہ بالمال بھی اور کفالہ بالنفس بھی ہے۔اور وہ بھی شرط کے ساتھ ہے کہ فلاں وقت میں فلاں کو حاضر نہ کر سکا تو جتنا اس پر قرض ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں تو حاضر نہ کر سکا سے کفالہ بالنفس ہوا اور جتنا اس پر قرض ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں سے کفالہ بالمال ہو گیا۔اب وقت پر حاضر نہ کر سکا تو کفیل پر قرض لازم ہو جائے گا۔اور کفالہ بالنفس جو حاضر کرنا تھا وہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔کیونکہ اصل تو اس کو حاضر کرنا ہی ہے، وہ نہ کرنے کی شرط پر مال لازم کیا گیا ہے۔

وجه :شرط کے ساتھ کفالہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ ....قال انا اولى بالمؤمنين من انفسهم ، فمن توفى من المومنين فترک دينا فعلى قضاؤه و من ترک مالا فلورثته (بخاری شریف ، باب الدین، کتاب الکفالۃ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸ رنسائی شریف ، باب الصلوۃ علی من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴)اس حدیث میں اس شرط پر آپؐ نے ذمہ داری لی کہ اگر قرض چھوڑا تو میں ذمہ دار ہوں تو معلوم ہوا کہ شرطیہ کفیل بننا جائز ہے۔

لغت: لم يواف : پورا نہیں کیا،وقت پر حاضر نہیں کیا۔

ترجمه :[ا] اس لئے کہ کفالہ بالمال حاضر کرنے کو پورا نہ کرنے کی شرط پر معلق ہے،اور یہ معلق کرنا صحیح ہے،پس جب حاضر نہ کرنے کی شرط پائی گئی تو مال لازم ہوگا۔

تشريح :یہ مال لازم ہونے کی دلیل عقلی ہے شرط یہ تھی کہ حاضر نہ کرو گے تو مال لازم ہوگا،اور وہ وقت پر حاضر نہ کر سکا اس لئے مال لازم ہوگا۔

ترجمه :(۳۲۸) لیکن کفالہ بالنفس سے بری نہیں ہوگا۔

ترجمه :[ا] اس لئے کہ کفالہ کے ذریعہ کفیل پر مال کا لازم ہونا کفالہ بالنفس کے مخالف نہیں ہے،اس لئے کہ دونوں وثوق کے لئے ہیں۔

تشريح :حاضر نہ کرنے کی وجہ سے مال لازم ہوا پھر بھی کفالہ بالنفس ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں اصل تو کفالہ بالنفس ہے، اور دونوں کفالوں کو ایک ساتھ ہونے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اس لئے کہ دونوں وثوق کے لئے ہیں۔

عـليـه بـالكفالة لا ينافي الكفالة بنفسه إذ كل واحد منهما للتوثق. ۲؎ وقال الشافعي لا تصح هذه الكفالة لأنه تعليق سبب وجوب المال بالخطر فأشبه البيع. ۳؎ ولنا أنه يشبه البيع ويشبه النذر من حيث إنـه التـزام. فـقـلـنـا لا يـصـح تعليقه بمطلق الشرط كهبوب الريح ونحوه. ويصح بشرط متعارف عملا بالشبهين والتعليق بعدم الموافاة متعارف. (۳۲۹) ومن كفل بنفس رجل وقال إن لـم يـواف بـه غـدا فـعـليـه المال فإن مات المكفول عنه ضمن المال ۱؎ لتـحقق الشرط وهو عدم

ترجمه : ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ کفالہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مال کے واجب ہونے کا سبب خطرے پر معلق ہے، اس لئے یہ بیع کے مشابہ ہو گیا۔

تشـــریح : یہاں یہ ہے کہ وقت پر حاضر نہیں کرو گے تو تم پر ایک ہزار مال کی کفالت ہے، یہ شرط کے ہونے اور نہ ہونے پر کفالت معلق ہے اس لئے یہ کفالت جائز نہیں ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر بیع کو کسی شرط معلق کر دے، مثلا کہے کہ اگر تم مکان میں داخل ہوا تو ایک سو درہم میں تیرے ہاتھ بیچ دوں گا، تو یہ بیع جائز نہیں ہے اسی طرح یہ کفالہ بھی جائز نہیں ہے۔

ترجمه :۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ کفالہ بیع کے مشابہ ہے اور نذر کے بھی مشابہ ہے، کیونکہ شروع میں تبرع کے طور پر لازم کرنا ہے اسلئے ہم نے بیع کی رعایت کرتے ہوئے کہا مطلق شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے جیسے ہوا کے چلنے پر معلق کرے، یا اس جیسے کسی اور پر معلق کرے، اور متعارف شرط پر معلق کرنا صحیح ہے، دونوں مشابہت پر عمل کرتے ہوئے اور عہد پورا نہ کرنے پر معلق کرنا متعارف ہے

تشـــریح : یہ ہماری جانب سے امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ کفالہ بیع کے بھی مشابہ ہے اور نذر کے بھی مشابہ ہے، بیع کا معنی ہے مال کو مال کے ساتھ بدلنا، چنانچہ مکفول لہ کی اجازت سے کفیل بنا ہو اور مال ادا کیا ہو تو بعد میں اس سے وصول کرے گا، اس اعتبار سے کفالہ بیع ہے، اور چونکہ کفیل پر کفالہ لینے کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی تبرع اور احسان کے طور پر ذمہ داری لے رہا ہے اس اعتبار سے کفالہ نذر ہے۔ اور نذر کو متعارف شرط اور غیر متعارف شرط دونوں پر معلق کرنا جائز ہے، اور بیع کو دونوں پر معلق کرنا جائز نہیں ہے۔ اب ہم ہمنے بیع کی مشابہت کی رعایت کرتے ہوئے یہ کہا کہ غیر معروف شرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے، مثلا یہ کہے کہ ہوا چلے گی تو میں کفیل ہوں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ کب ہوا چلے گی یہ معلوم نہیں ہے۔ اور متعارف شرط کفالت کو معلق کرنا جائز ہے، اور وعدہ نہ پورا کرنے کی شرط متعارف اور معروف ہے اس لئے اس پر معلق کرنے سے کفالہ درست رہے گا۔

تـرجمه :(۳۲۹) کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کا کفیل بالنفس بنا، اور یوں کہا کہ اگر مجرم کل رقم نہ دے تو میں مال کا بھی ذمہ دار ہوں، پھر مجرم مر گیا تو کفیل مال کا ضامن بنے گا۔

الموافاة. (۳۳۰)قال ومن ادعى على آخر مائة دينار بينها أو لم يبينها حتى تكفل بنفسه رجل على أنه إن لم يواف به غدا فعليه المائة فلم يواف به غدا فعليه المائة عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله إن لم يبينها حتى تكفل به رجل ثم ادعى بعد ذلک لم

ترجمہ :لے شرط کے متحقق ہونے کی وجہ سے وہ ہے وہ وعدہ کا وفا نہ کرنا۔

تشریح :یہ متن ایک اشکال کا جواب ہے،اشکال یہ ہے کہ یہاں دو کفالہ ہیں[۱] ایک کفالہ بالنفس،[۲]اور دوسرا ہے کفالہ بالمال۔۔کفالہ بالمال کفالہ بالنفس پر مرتب ہے،اور کفالہ بالنفس مجرم کے مرنے کی وجہ سے ختم ہوگیا ہےتو کفالہ بالمال کو بھی ختم ہو جانا چاہئے،پھر بھی وہ ختم نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔

اس کا جواب دیا جا رہا ہے،کہ یہاں دو کفالہ الگ الگ ہیں،کفالہ بالمال اس بنیاد پر ہے کہ کل مجرم رقم نہیں ادا کرے گا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں،اور کل مرنے کی وجہ سے رقم ادا نہیں کر سکا،اس لئے مال کا ذمہ دار رہے گا،اور اس کا کفیل باقی رہے گا،ہاں مجرم کے مرنے کی وجہ سے اس کو حاضر کرنے سے عاجز ہوگیا ہے اس لئے کفالہ بالنفس ختم ہو جائے گا۔

وجہ :(۱)قال حماد اذا تكفل بنفس فمات فلا شيء عليه ، و قال الحكم يضمن (بخاری شریف،باب الکفالۃ،ص ۳۶۵،نمبر ۲۲۹۰)اس عمل صحابی میں ہے کہ مکفول لہ مر جائے تب بھی مال کا ضامن بنے گا۔

ترجمہ :(۳۳۰) کسی نے دوسرے پر ایک سو دینار کا دعوی کیا،اور چاہے اس کی صفت بیان کی ہو یا نہ کی ہو۔پھر بھی کوئی آدمی اس کا کفیل بالنفس بن گیا،اور یہ کہا کہ کل مجرم کو حاضر نہ کیا تو مجھ پر ایک سو دینار ہے،پھر اس نے کل حاضر نہیں کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کفیل پر سو دینار لازم ہوگا۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر صفت بیان نہیں کی اور کوئی آدمی کفیل بالنفس بن گیا اس کے بعد صفت کا دعوی کیا گیا تو تو اس کے دعوی کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔

اصول: شیخین۔یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی دینار کیسا تھا اچھا،خراب،یا متوسط،یہ صفت بیان کرے یا نہ کرے پھر بھی مدعی کا دعوی صحیح ہے،اور اس پر کفیل بالنفس بنا جائز ہے،اور کفیل بالمال بھی بننا بھی جائز ہے۔

اصول: امام محمد:اگر دینار کی صفت بیان نہ کرے تو مدعی کا دعوی ہی صحیح نہیں ہے،اس لئے کفیل بالنفس بننا درست نہیں،اور نہ کفیل بالمال بننا درست ہے،چاہے کفیل بعد میں صفت بیان کر دے۔

تشریح :مثلا زید نے عمر پر سو دینار کا دعوی کیا،لیکن دینار کیسا تھا اعلی،یا ادنی یہ بیان نہیں کیا،اس درمیان خالد دو چیزوں کا کفیل بن گیا،عمر کو کل حاضر کرنے کا،کفیل بالنفس،اور دوسرا اس کو کل حاضر نہ کرسے تو ایک سو دینار کا کفیل بالمال بن گیا،اب

يلتفت إلى دعواه۱؎ لأنه علق مالا مطلقا بخطر ألا يرى أنه لم ينسبه إلى ما عليه ولا تصح الكفالة على هذا الوجه وإن بينها ولأنه لم تصح الدعوى من غير بيان فلا يجب إحضار النفس وإذا لم يجب لا تصح الكفالة بالنفس فلا تصح بالمال لأنه بناء عليه بخلاف ما إذا بين.۲؎ ولهما أن

کل حاضر نہ کرسکا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کفیل بننا درست ہے اس لئے خالد پر ایک سو دینار لازم ہوگا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ بغیر صفت بیان کئے بھی مدعی کا دعوی صحیح ہے، اس لئے کہ ایسا ہوتا ہے پہلے اجمالی دعوی کرتا ہے، اور بعد میں صفت بیان کرتا ہے، اور اس بعد کے بیان کو شروع دعوی کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ اور جب دعوی صحیح ہے تو کفیل بالنفس اور کفیل بالمال بھی بننا درست ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہاں تین وجہ سے کفالہ صحیح نہیں ہے [۱] مال کے بارے میں کفیل نے یہ نہیں کہا کہ جو مال مجرم پر واجب ہے میں اس کا کفیل بنتا ہوں، بلکہ مطلق، فعلیہ المائۃ، کہا کہ مجھ پر ایک سو دینار ہے، اب یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے اوپر خواہ مخواہ ایک سو دینار لازم کیا ہے، اس لئے کفالت بالمال صحیح نہیں ہے [۲] مال کی کفالت کو متردد چیز پر معلق کر دیا، کہ کل نہیں حاضر کروں گا تو مجھ پر ایک سو دینار ہے، اب کل حاضر کرے گا یا نہیں یہ متردد چیز ہے، اس لئے کفالت بالمال بننا صحیح نہیں ہے۔ [۳] اور تیسری وجہ یہ ہے کہ دینار کی صفت بیان نہیں کی، اس لئے دعوی صحیح نہیں ہوا، اور اسکی وجہ سے کفالہ بالنفس اور کفالہ بالمال بھی صحیح نہیں ہو

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اس نے مطلق مال کے کفالے کو متردد پر معلق کیا ہے، کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ کفیل نے یہ نہیں کہا کہ اس مال کا کفیل بنتا ہوں جو مجرم پر ہے اور کفالہ اس طرح صحیح نہیں ہوتا، اگر چہ بعد میں کفیل اس کی صفت بیان کر دے۔ اور اس لئے کہ اگر بغیر بیان کے دعوی صحیح نہیں ہے تو تو آدمی کو حاضر کرنا بھی واجب نہیں ہے، اور جب آدمی کو حاضر کرنا واجب نہیں ہے تو تو کفالہ بالنفس صحیح نہیں ہوا اس لئے اس پر مدار رکھتے ہوئے کفالہ بالمال بھی صحیح نہیں ہے، بخلاف جبکہ دینار کی صفت بیان کر دی

لغت: **لانہ علق مالا مطلقا بخطر**: یہاں مال مطلق کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہیں کہا کہ میں اس مال کا ذمہ دار ہوں جو مکفول لہ کا مجرم پر ہے بلکہ مطلق، فعلیہ المائۃ، اس لئے ہوسکتا ہے کہ اپنی جانب سے رشوت دے رہا ہو۔ اور بخطر، کا مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کل حاضر کرے اور ہوسکتا ہے کہ حاضر نہ کرے، اس لئے متردد بات پر مال کا ذمہ دار بنا جو جائز نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے۔ ایک تو مطلق مال ہے، یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ مجرم پر جو مال واجب ہے میں اس کا کفیل بنتا ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ متردد بات پر معلق کیا ہے اس لئے اس طرح کفالہ درست نہیں ہے، چاہے بعد میں کفیل نے صفت بیان کر دی ہو۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ صفت کے بیان کئے بغیر آدمی کو حاضر کرنا واجب نہیں ہے، اس لئے کفالہ بالنفس بھی

المال ذكر معرفا فينصرف إلى ما عليه ۳؎ والعادة جرت بالإجمال في الدعاوى فتصح الدعوى على اعتبار البيان فإذا بين التحق البيان بأصل الدعوى فتبين صحة الكفالة الأولى فيترتب عليها الثانية. (۱۳۳۱)قال ولا تجوز الكفالة بالنفس في الحدود والقصاص عند أبي حنيفة رحمه الله۱؎ معناه لا يجبر عليها عنده۲؎ وقالا يجبر في حد القذف لأن فيه حق العبد وفي القصاص لأنه خالص حق العبد فيليق بهما الاستيثاق كما في التعزير بخلاف الحدود الخالصة لله تعالى.

نہیں ہوااوراس پر بنا کرتے ہوئے کفالہ بالمال بھی درست نہیں ہوا۔ ہاں شروع ہی میں دینار کی صفت بیان کردے تو دعوی بھی صحیح ہوگا، اور کفالہ بالنفس بھی درست ہوگا اوراس پر بناء کرتے ہوئے کفالہ بالمال بھی درست ہوگا۔

ترجمہ :۲؎ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مال ,المأ ۃ، کا ذکر الف لام معرفہ کے ساتھ ہے اسلئے وہی مراد لی جائے گی جو مجرم پر ہے

تشریح :یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ مطلق مال کی کفالت لی ہے، تواس کا جواب دیا جارہا ہے کہ عبارت میں المأ ۃ، معرفہ کے ساتھ جس سے وہی مأ ۃ مراد لی جائے گی جو مجرم پر ہے اس لئے دینار مطلق نہیں رہا۔

ترجمہ :۳؎ اور عادت ایسی بن گئی ہے کہ کہ پہلے اجمالی دعوی کرتے ہیں، اس لئے بعد میں بیان کا اعتبار کرتے ہوئے دعوی صحیح ہے، پس جب بعد میں بیان کر دیا تو یہ بیان اصل دعوی کے ساتھ چپکا دیا جائے گا اس لئے پہلا کفالہ [کفالہ بالنفس] صحیح ہوگیا، اوراس پر مرتب کرتے ہوئے دوسرا کفالہ [کفالہ بالمال] بھی صحیح ہوگا۔

تشریح :یہ امام محمدؒ کو دوسری دلیل کا جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ دینار کی صفت بیان نہیں کی اس لئے دعوی صحیح نہیں ہے، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ یہ عام عادت ہے کہ پہلے اجمالی دعوی پیش کرتے ہیں اور بعد میں اس کی تفصیل کے ساتھ صفت بیان کرتے ہیں پس جب بعد میں صفت بیان کر دی تو یوں سمجھا جائے گا کہ شروع ہی میں صفت بیان کی اس لئے دعوی بھی صحیح ہے اوراس بنیاد پر کفالہ بالنفس بھی درست ہے اوراس کی بنیاد پر کفالہ بالمال بھی درست ہے۔

ترجمہ :(۱۳۳۱) کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے حدود اور قصاص میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمہ :۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ کفالہ بالنفس لانے میں مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح :حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ وہ دے دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ وجہ آگے آرہی ہے۔

ترجمہ : ۲؎ صاحبینؒ نے فرمایا کہ حد قذف میں مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں بندوں کا حق ہے، اور قصاص میں بھی

۳؎ ولأبي حنيفة رحمه الله قوله عليه الصلاة والسلام لا كفالة في حد من غير فصل ولأن مبنى الكل على الدرء فلا يجب فيها الاستيثاق بخلاف سائر الحقوق لأنها لا تندرء بالشبهات فيليق

مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ وہ خالص بندے کا حق ہے، بخلاف خالص اللہ کے حد کے [اس میں کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا]

تشریح :صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حد قذف، اور قصاص بندے کا حق ہے اس لئے اس میں کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے، ہاں جو حق خالص بندے کا حق ہے زنا کی حد، شراب کی حد، اس میں کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے حد میں کفالہ نہیں ہے، بغیر کسی تفصیل کے، اور اس لئے کہ تمام حدود کا مدار دفع کرنے پر ہے اس لئے اور مضبوط کرنا واجب نہیں ہوگا، بخلاف اور حقوق کے اس لئے کہ وہ شبہات سے ختم نہیں ہوتے اس لئے اس کو مضبوط کرنا بہتر ہوگا، جیسے تعزیر میں ہوتا ہے۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ ایک تو حدیث پیش کر رہے ہیں کہ کفالہ میں حد نہیں ہے، اور اس میں کسی حد کی تفصیل نہیں ہے اس لئے تمام حدود کے بارے میں یہی ہوگا اس میں کفالہ نہیں ہوگا، چاہے حد قذف ہی کیوں نہ ہو۔ [۲] دوسری دلیل دیتے ہیں کہ حد کے بارے میں ہے کہ حتی الوسع اس کو نہ ہونے دو، اور کفالہ بالنفس لینے میں حد کو اور مضبوط کرنا ہے اس لئے کفالہ نہ لینا ہی بہتر ہے۔

وجہ: (۲) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ حدثنی عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال لا کفالة فی حد (سنن للبیھقی، باب ما جاء فی الکفالة ببدن من علیہ حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفالہ بالنفس نہیں ہے۔ (۲) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ادرؤ الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام أن یخطی فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبة (ترمذی شریف، باب ما جاء فی درء الحدود، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۲۴) اس حدیث میں ہے کہ جتنا ہو سکے حدود کو دفع کرنے کی کوشش کرو۔ (۳) اس حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن عمرو بن العاص ان رسول الله ﷺ قال تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب ۔ (ابو داود شریف، باب یعفی عن الحدود ما لم تبلغ السلطان، ص ۶۱۵، نمبر ۴۳۷۶) اس حدیث میں ہے کہ آپس میں حدود کو معاف کرو۔

لغت :درؤ: زور سے دھکا دینا، ایک دوسرے کو دفع کرنا۔ استیثاق: وثق سے مشتق ہے، مضبوط کرنا۔ سائر: باقی دوسرے۔ تعزیر: حد کے علاوہ جس میں کوڑے وغیرہ لگائے جاتے ہیں۔

بها الاستيثاق كما في التعزير (۳۳۲) ولو سمحت نفسه به يصح بالإجماع ل لأنه أمكن ترتيب موجبه عليه لأن تسليم النفس فيها واجب فيطالب به الكفيل فيتحقق الضم. (۳۳۳) قال ولا يحبس فيها حتى يشهد شاهدان مستوران أو شاهد عدل يعرفه القاضي ل لأن الحبس للتهمة هاهنا والتهمة تثبت بأحد شطري الشهادة إما العدد أو العدالة بخلاف الحبس في باب الأموال

ترجمہ :(۳۳۲) لیکن اگر مجرم خود کفیل بالنفس دے دے تو سب کے نزدیک صحیح ہے۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ کفالت کا جو مطلب ہے اس کو عقد کفالہ پر مرتب کرنا ممکن ہے۔اس لئے کہ حدود میں بھی مجرم کو حاضر ہونا ضروری ہے تو کفیل سے بھی حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے،اس لئے ملانے کا معنی متحقق ہو گیا۔

تشریح :عبارت پیچیدہ ہے۔،مطلب یہ ہے کہ کفالہ کا ترجمہ ہے ملانا۔ حدود میں بھی مجرم پر اپنے آپ کو حاضر کرنا ضروری ہے،اس لئے کفیل پر بھی حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے،اس لئے ملانے کا ترجمہ پایا گیا اس لئے کفالت کا ترجمہ ہو گیا۔اصل بات یہ ہے کہ حدود میں بھی کفیل بنانا ممنوع نہیں ہے اس لئے خود کفیل دے دیا تو جائز ہی رہے گا۔

لغت :ترتب موجبہ علیہ: کفالت کا موجب اور مطلب کفیل پر مرتب کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ :(۳۳۳) حدود اور قصاص میں حوالات میں نہیں رکھا جائے گا یہاں تک کہ دو مستور الحال آدمی گواہی دے یا ایک عادل آدمی گواہی دے جسکو قاضی جانتا ہو۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ یہاں حوالات تہمت کی بنا پر ہے،اور تہمت شطر شہادہ سے ثابت ہوتی ہے،یا دو آدمی ہو،یا عدالت ہو ،بخلاف مال کے باب میں قید کرنے کے،اس لئے کہ قید وہاں آخری سزا ہے اس لئے حجت کامل کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔

لغت :شطر شہادۃ: گواہی کا حصہ،گواہی میں دو باتیں ہوں تو گواہی مکمل ہوتی ہے،اور اس کو حجت کامل کہتے ہیں [۱] دو مرد ہوں،یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں [۲] اور دوسری بات ہے کہ دونوں عادل ہوں۔۔پس اگر دونوں میں سے ایک ہو اس کو شطر شہادہ،کہتے ہیں یعنی گواہی کا ایک حصہ ہے،مثلا دو آدمی ہوں لیکن مستور الحال ہو،یا عادل تو ہو لیکن ایک آدمی ہو تو یہ گواہی کا ایک حصہ ہوا اس لئے یہ شطر الشہادۃ،ہوا۔الحبس: حبس کی دو قسمیں ہیں [۱] قاضی کے فیصلے سے پہلے پوچھ گچھ اور تحقیقات کے لئے جیل میں ڈالا جائے تو اس کو اردو میں حوالات میں ڈالنا،کہتے ہیں،یہ تہمت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔،اور شطر شہادہ سے حوالات میں داخل کیا جاتا ہے [۲] اور قاضی کے فیصلے کے بعد جیل میں ڈالا جائے تو اس کو قید کہتے ہیں،یہ مال کے معاملے میں ہوتا ہے اور پوری گواہی کے بعد کی جاتی ہے۔آج کل مال کے معاملے میں بھی تہمت کی بنیاد پر پوچھ گچھ کے لئے حوالات میں ڈالا جاتا ہے۔

لأنه أقصى عقوبة فيه فلا يثبت إلا بحجة كاملة. ۲؎ وذكر في كتاب أدب القاضي أن على قولهما لا يحبس في الحدود والقصاص بشهادة الواحد لحصول الاستيثاق بالكفالة. (۳۳۴)قال والرهن والكفالة جائزان في الخراج ۱؎ لأنه دين مطالب به ممكن الاستيفاء فيمكن ترتيب

اصول :مال کے معاملے میں آخری سزا قید ہے،اور حدوداور قصاص میں آخری سزا کوڑا لگنا،یا سنگ سار کرنا ہے اس لئے جیل میں ڈالنا حوالات کے لئے ہے۔

تشریح :حدوداور قصاص میں مستورالحال دو گواہ ہوں،یا ایک آدمی عادل ہو جسکو قاضی جانتا ہو تو اس سے تہمت ثابت ہو جائے گی،اور حوالات میں ڈالا جا سکتا ہے،اس کے لئے حجت کاملہ،یعنی دو گواہ ہوں اور دونوں عادل ہوں اس کی ضرورت نہیں ہے۔اور مال کے معاملے میں چونکہ آخری سزا قید ہے اس لئے اس میں حجت کامل چاہئے۔اور چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدوداور قصاص میں کفیل نہیں لیتے اس لئے اب یہی رہ گیا ہے کہ ایک گواہی پر تفتیش کے لئے حوالات میں ڈال دے۔

وجہ :(۱)عن بهز بن حكيم بن معاوية عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ حبس رجلا فى تهمة ساعة من النهار ثم خلى عنه ۔(سنن بیہقی،باب حبس اذا اتہم،الخ،ج سادس،ص ۸۸،نمبر ۱۱۲۹۱) اس حدیث میں ہے کہ تہمت کی وجہ سے حضورؐ نے حبس کیا۔(۲)عن علىؓ قال انما الحبس حتى يتبين للامام فما حبس بعد ذالک فهو جور ۔(سنن بیہقی،باب حبس اذا اتہم،الخ،ج سادس،ص ۸۸،نمبر ۱۱۲۹۲)اس قول صحابی میں ہے کہ وضاحت کے لئے حبس کرے۔

ترجمہ :۲؎ مبسوط کے ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ صاحبینؒ کے قول پر حدوداور قصاص میں قاضی ایک گواہی پر حوالات میں نہیں لے جائے گا،اس لئے کہ کفالہ سے مضبوطی ہو سکتی ہے۔

تشریح : ادب القاضی میں ہے۔صاحبینؒ کے نزدیک حدوداور قصاص میں کفالہ بالنفس لے سکتے ہیں اس لئے مجرم کو حوالات میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے،کفالہ بالنفس سے ہی مضبوطی ہو سکتی ہے۔نوٹ:حوالات میں ڈالے یا نہ ڈالے یہ مجرم کے حالات اور جرم کے احوال پر منحصر ہے،قاضی اس کے لئے طے کرے۔

ترجمہ :(۳۳۴)خراج میں رہن اور کفالہ دونوں جائز ہیں۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ یہ خراج بھی بندے کی جانب سے مطالبہ کیا جاتا ہے،اور وصول کرنا ممکن ہے اس لئے رہن اور کفالہ دونوں کے مطلب کو مرتب کرنا ممکن ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خراج بندے کے قرض کی طرح ہے،اس لئے اس کے لئے رہن بھی جائز ہے،اور کفالہ بھی جائز ہے۔

موجب العقد عليه فيهما. (۳۳۵)قال ومن أخذ من رجل كفيلا بنفسه ثم ذهب فأخذ منه كفيلا آخر فهما كفيلان ۱؎ لأن موجبه التزام المطالبة وهي متعددة والمقصود التوثق وبالثانية يزداد التوثق فلا يتنافيان (۳۳۶)وأما الكفالة بالمال فجائزة معلوما كان المكفول به أو مجهولا إذا كان دينا صحيحا مثل أن يقول تكفلت عنه بألف أو بما لك عليه أو بما يدركك في هذا البيع ۱؎

تشریح :ذمی آدمی کے کھیتوں پر خراج لازم کیا جاتا ہے،اور یہ حکومت کا حق ہے، یہ بندے کے قرض کی طرح ہے اس لئے جس طرح قرض وصول کرنے کے لئے رقم دینے والا رہن کی چیز مقروض سے لیتا ہے اسی طرح اگر ذمی وقت پر خراج نہ دے سکا تو اس کے بدلے میں کوئی چیز رہن پر رکھ سکتا ہے،اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کو کفیل بنا دے کہ اتنے دنوں میں نہیں دے گا تو میں خراج ادا کر دوں گا۔

ترجمہ :(۳۳۵) کسی نے ایک آدمی سے کفیل بالنفس لیا، پھر اسی سے دوسرا کفیل بھی لیا تو دونوں کفیل ہو گئے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ کفالت کا مطلب ہے مطالبہ کا لازم کرنا،اور وہ کئی ہو سکتے ہیں،اور کفالہ کا مقصد مضبوط کرنا ہے،اور دوسرے کفیل سے مضبوطی میں زیادتی ہوگی،اس لئے دوسری کفالت منافی نہیں ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل بالنفس کئی آدمی ہو سکتے ہیں۔

تشریح :کسی آدمی نے مجرم سے ایک کفیل بالنفس لیا پھر دوسرا بھی لیا تو دونوں کفیل بن جائیں گے۔

وجہ :(۱) دلیل یہ ہے کہ کفالت حاضر کرنے کے وثوق کے لئے لیا جاتا ہے،اور دو کفیل بننے میں وثوق زیادہ ہوگا اس لئے دوسرا کفیل بھی ٹھیک ہے۔(۲) اس قول صحابی میں ہے کہ کئی کفیل لئے۔**حمزة بن عمرو الاسلمی عن ابیه ان عمرؓ بعثه مصدقا فوقع رجل علی جارية امرأته فأخذ حمزة من الرجل كفلاء حتى قدم على عمر**۔(بخاری شریف، باب الکفالۃ،ص ۳۶۵،نمبر ۲۲۹۰) اس عمل صحابی میں ہے کہ کئی کفالہ بالنفس لئے۔(۲) **و قال جرير و الاشعث لعبد الله بن مسعود فى المرتدين استتبهم و كفلهم عشائرهم.** (بخاری شریف، باب الکفالۃ،ص ۳۶۵،نمبر ۲۲۹۰) اس عمل صحابی میں ہے کہ کئی کفالہ بالنفس لئے۔

ترجمہ :(۳۳۶) بہر حال کفالہ بالمال تو جائز ہے،مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول ہو جبکہ دین صحیح ہو مثلا یہ کہے کہ اس کی جانب سے ضامن ہوں ہزار درہم کا یا جو کچھ تیرا اس کے ذمہ ہے یا جو کچھ آپ کو اس بیع میں لگے گا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ کفالہ مدار وسعت پر ہے اس لئے اس میں جہالت قابل برداشت ہے۔

تشریح :یہاں سے کفالہ بالمال کے مسئلے شروع ہیں۔پس فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال میں مال مجہول ہو یعنی اس کی مقدار

لأن مبنى الكفالة على التوسع فيتحمل فيها الجهالة ۲؎ وعلى الكفالة بالدرك إجماع وكفى به حجة ۳؎ وصار كما إذا كفل لشجة صحت الكفالة وإن احتملت السراية والاقتصار ۴؎ وشرط

معلوم نہ ہوتب بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔مال معلوم ہو اس کی صورت یہ ہے کہ میں ہزار درہم کا ضامن ہوں۔اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ کہے آپ کے ذمہ جو کچھ آتا ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں۔اب کتنا آئے گا یہ معلوم نہیں ہے پھر بھی اس کا کفالہ جائز ہے۔یا یوں کہے کہ اس بیع میں آپ کے ذمے جو کچھ آئے گا میں اس کا کفیل ہوں،اب کتنا آئے گا اس کی مقدار ابھی معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفالہ صحیح ہے۔

وجه:(۱) مال میں کفیل بننے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے اس لئے ضرورت کی بنا پر مجہول کفالت کو بھی جائز قرار دے دیا گیا(۲) آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم ایک اونٹ بوجھ کے کفیل بنے تھے اور اونٹ کے بوجھ کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفیل بننا درست تھا۔آیت ہے۔**ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم.** (آیت ۷۲،سورۃ یوسف ۱۲)(۳) حدیث میں مجہول دین کا کفیل بننا ثابت ہے۔**عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ كان يوتی بالرجل المتوفی عليه الدين ... فمن توفی من المؤمنين فترك دينا فعلی قضاؤه ومن ترك مالا فلورثته.** (بخاری شریف، باب الدین، کتاب الکفالۃ ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸ رمسلم شریف، باب من ترک مالا فلورثتہ ص ۳۵ نمبر ۱۶۱۹)اس حدیث میں ہے کہ میں مومنین کے دین کا کفیل ہوں،اب وہ دین کتنا آئے گا یہ مجہول ہے اس کے باوجود حضورؐ کا کفیل بننا صحیح ہوا۔اس لئے مجہول مال کا کفیل بننا صحیح ہے۔

نوٹ: کفالہ اور بیع میں فرق ہے کہ بیع معلوم شیء کی ہی ہو سکتی ہے اور کفالہ مجہول چیز کا بھی ہو سکتا ہے۔

لغت :مایدرک : یہ درک سے مشتق ہے، جو آپ پر آئے، جو کچھ آپ کو پالے۔بما لک علیہ: آپ کا جو کچھ مقروض پر آتا ہے

ترجمہ :۲؎ اور کفالہ بالدرک پر تو اجماع ہے،بس مجہول کفالہ جائز ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

تشریح :کفیل مشتری سے یہ کہے کہ یہ مبیع لے لو اور اگر کوئی اس کا مستحق نکلے گا تو میں مبیع کی قیمت کا ضامن ہوں۔اب یہ معلوم نہیں ہے کہ مبیع کے کتنے حصے کا کوئی مستحق ہوگا ، یہ جہالت کے باوجود کفالہ بالدرک پر اجماع ہے،اس لئے باقی چیزوں میں جہالت ہو تب بھی کفالہ جائز ہو جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ اور ایسا ہو گیا کہ جیسے کسی نے سر کے زخم کی کفالت لی حالانکہ احتمال ہے کہ زخم اور گہرا ہو جائے، یا اپنی جگہ پر برقرار رہے۔

تشریح :یہ جہالت کی دوسری قسم ہے، سر کے زخم کی کئی صورتیں ہیں،اگر زیادہ گہرا ہو تو اس تاوان زیادہ ہے اور کم گہرا ہو تو

أن يكون دينا صحيحا ومراده أن لا يكون بدل الكتابة وسيأتيک في موضعه إن شاء الله تعالى

(۳۳۷)قال والمكفول له بالخيار إن شاء طالب الذي عليه الأصل وإن شاء طالب كفيله[ا] لأن

اس کا تاوان کم ہے، اب کوئی کفیل بنا کہ میں سر کے زخم کا کفیل ہوں تو ابھی معلوم نہیں ہے کہ یہ زخم مزید اور گہرا ہوگا اور تاوان زیادہ دینا پڑے گا، یا یہیں تک ٹھہرے گا اور اتنا ہی تاوان دینا پڑے گا، اب اس جہالت کے باوجود اس کا کفیل بننا صحیح ہے، اس لئے مال مجہول تب بھی اس کا کفیل بننا درست ہو جائے گا۔

لغت: کفی بہ حجۃ: حجت کے لئے یہی کافی ہے۔ شجۃ: سر کا زخم: السرایۃ :زخم سرایت کرنا، زخم کا گہرا ہونا۔

ترجمہ :[۲] شرط یہ ہے کہ صحیح قرض ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ بدل کتابت نہ ہو اس کی بحث اپنی جگہ پر آئے گی۔

تشریح :غلام کو کہا کہ ایک ہزار درہم ادا کر دو تو تم آزاد ہو جاؤ گے، اب مالک کا یہ ایک ہزار غلام پر قرض ہے، یہ قرض صحیح نہیں ہے، یعنی مالک نے غلام کچھ دیا نہیں ہے، اس لئے ایسے قرض کا کفیل بننا درست نہیں ہے، دین صحیح ہونا چاہئے۔

ترجمہ :(۳۳۷)اور مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے طلب کرے اس سے جس پر اصل ہے اور اگر چاہے تو کفیل سے طلب کرے

اصول :کفالت میں کفیل اور اصیل دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں۔

تشریح : کفالت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اصل مقروض اور کفیل دونوں پر قرض کی ذمہ داری آجائے۔ اس لئے قرض دینے والا دونوں میں سے کسی ایک سے قرض طلب کر سکتا ہے وجہ :(۱) جب تک میت کا قرض نہیں ادا کیا گیا حضور نے فرمایا اب اس کی کھال ٹھنڈی ہوئی، جس کا مطلب یہ نکلا کہ اصل میت پر بھی قرض کی ذمہ داری باقی رہی۔ حدیث یہ ہے۔ قال جابر توفی رجل فغسلناه وحنطناه وكفناه ثم اتينا النبی ﷺ فقلنا له تصلی عليه فقام فخطا خطی ثم قال عليه دين؟ قال فقيل ديناران قال فانصرف قال فتحملهما ابو قتادة قال فاتيناه قال فقال ابو قتادة الديناران عليَّ فقال النبی ﷺ حق الغريم وبرئ منهما الميت قال نعم فصلی عليه رسول الله ﷺ قال فقال له بعد ذلک بيوم ما فعل الديناران؟ قال انما مات امس قال فعاد اليه كالغد قال قد قضيتهما فقال النبی ﷺ الآن بردت عليه جلده (سنن للبیہقی، باب الضمان عن المیت، ج سادس، ص ۱۲۴، نمبر ۱۱۴۰۵)اس حدیث میں ہے کہ اب قرض کی ادائیگی کے بعد میت کی چمڑی ٹھنڈی ہوئی، جس سے معلوم ہوا کہ اصل بھی قرض دینے کا ذمہ دار ہے۔

ترجمہ :[ا] اس لئے کہ کفالہ کا ترجمہ ہے مطالبے کے ذمے کو دوسرے کے ذمے کے ساتھ ملانا، اور یہ تقاضا کرتا ہے کہ پہلے بھی ذمہ داری موجود رہے اس سے بری نہ ہو، ہاں اگر پہلے سے بری ہونے کی شرط لگا دی جائے تو تو اس وقت معانی کا اعتبار کرتے ہوئے حوالہ بن جائے گا، جیسے کہ حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ اصل بری نہیں ہوگا کفالہ بن جائے گا۔

الكفالة ضم الذمة إلى الذمة في المطالبة وذلک يقتضي قيام الأول لا البراء ة عنه إلا إذا شرط فيه البراء ة فحينئذ تنعقد حوالة اعتبارا للمعنى كما أن الحوالة بشرط أن لا يبرأ بها المحيل تكون كفالة (۳۳۸) ولو طالب أحدهما له أن يطالب الآخر وله أن يطالبهما ا؎ لأن مقتضاه الضم ۲؎ بخلاف المالک إذا اختار تضمين أحد الغاصبين لأن اختياره أحدهما يتضمن التمليک منه فلا يمكنه التمليک من الثاني أما المطالبة بالكفالة لا تتضمن التمليک فوضح الفرق

تشریح : کفالہ کا ترجمہ ہے ایک کے ذمے کو دوسرے کے ذمے کے ساتھ ملانا، اس لئے ملانے کا مطلب ہے کہ دونوں پر اس کی ذمہ داری ہو اس لئے اصیل بری نہیں ہوگا۔ ہاں یہ قید لگا دی جائے کہ اصیل بالکل بری ہو جائے گا تو یہ معانی کے اعتبار سے حوالہ بن جائے گا، اسی طرح حوالہ میں یہ شرط لگا دی جائے کہ اصیل بری نہیں ہوگا تو یہ حوالہ معانی کے اعتبار سے کفالہ بن جائے گا۔

ترجمہ :(۳۳۸) اگر کفیل، یا اصیل میں سے ایک سے مطالبہ کیا پھر بھی قرض دینے والے کو حق ہے کہ دوسرے سے مطالبہ کرے، اور اس کو یہ حق بھی ہے کہ دونوں سے مطالبہ کرے۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ کفالت کا تقاضہ ہے ذمے میں ملانا [اس لئے دونوں سے مطالبہ کر سکتا ہے]

تشریح : کفالہ کا ترجمہ ہے مطالبے کے ذمے کو ملانا، اس لئے مالک کو تین اختیار ہیں [ا] اصیل اور کفیل دونوں سے بیک وقت مطالبہ کرے، [۲] پہلے ایک سے کرے پھر دوسرے سے کرے [۳] صرف ایک سے کر لے۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف اگر مالک دو غاصب میں سے ایک کو ضامن بنا لے [تو دوسرے کو ضامن نہیں بنا سکتا] اس لئے کہ ایک کو اختیار سے اس کو مال کا مالک بنانا ہوا اس لئے اب دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ ایک چیز کا کسی ایک کو پورا پورا مالک بنا دیا گیا تو اسی وقت دوسرے کو پورا مالک نہیں بنا سکتے

تشریح :زید کی چیز عمر نے غصب کی، پھر عمر سے خالد نے غصب کر لیا، اور چیز ہلاک ہوگئی۔ تو زید کو اختیار ہے کہ عمر غاصب سے اس کی قیمت وصول کرے، اور یہ بھی اختیار ہے غاصب الغاصب خالد سے وصول کرے۔ لیکن کسی ایک کو ضامن بنا دیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مغصوب چیز کا اس کو مالک بنا دیا، اور ایک کو پورر پورا مالک بنانے کے بعد اب دوسرے کو نہ مالک بنا سکتا ہے اور نہ اس سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف کفالہ میں مطالبہ کرنے کا مطلب اس کو مالک بنانا نہیں ہے اس لئے اسی وقت دوسرے سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔

(۳۳۹) قال ويجوز تعليق الكفالة بالشروط ؎ا مثل أن يقول ما بايعت فلانا فعلي أو ما ذاب لک عليه فعلي أو ما غصبک فعلي . والأصل فيه قوله تعالى ولمن جاء به حمل بعير وأنا به زعيم ؎٢ والإجماع منعقد على صحة ضمان الدرک ؎٣ ثم الأصل أنه يصح تعليقها بشرط ملائم لها مثل

ترجمه :(۳۳۹) اور جائز ہے کفالہ کو معلق کرنا شرط کے ساتھ۔

ترجمه :؎ا مثلا یہ کہے کہ جتنا فلاں کے ساتھ بیچے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہو وہ مجھ پر ہے، تیری جو چیز فلاں غصب کرے وہ مجھ پر ہے۔ اور اصل اس میں اللہ تعالی کا قول **ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم** آیت ہے

تشریح : کفالت جس طرح بغیر شرط کے جائز ہے اسی طرح کسی شرط پر معلق کر کے کفیل بننا بھی درست ہے۔ شرح میں اس کی چند مثالیں دی ہیں۔ مثلا فلاں آدمی سے جو کچھ بیچو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے تو یہ شرط پر معلق ہو کر کفیل ہوا۔ اور مجہول مقدار کا کفیل بنا ہوا۔ یا آپ کا فلاں کے ذمہ جو کچھ واجب ہو وہ میرے ذمہ ہے، یا فلاں جو کچھ غصب کرے وہ میرے ذمہ ہے تو ان صورتوں میں کفالت درست ہو جائے گی اور کفیل پر اس کی ذمہ داری ہو جائے گی۔

وجه :(ا) کفالہ میں اس قسم کی وسعت ہے۔ اس لئے یہ قابل برداشت ہے۔ کیونکہ روزانہ اس کی ضرورت پڑتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپ اس شرط پر دین ادا کرنے کے کفیل بنے کہ اگر مومنین نے قرض چھوڑا تو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے۔ **عن جابر قال كان النبى ﷺ لا يصلى على رجل عليه دين ... من ترک دينا فعلى ومن ترک مالا فلورثته** (نسائی شریف، الصلوۃ علی من علیہ دین ص ۲۰۷ نمبر ۱۹۶۴ ر بخاری شریف، باب الدین ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں شرط ہے کہ کوئی دین چھوڑے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں (۳) آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا خادم کٹورا لانے کی شرط پر اونٹ کے بوجھ کا کفیل بنا تھا۔ **ولمن جا به حمل بعير وانا به زعيم** (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) اسلئے شرط پر معلق کر کے کفیل بننا درست ہے

لغت: ذاب لک علیہ : جو کچھ آپ کا فلاں کے ذمہ ہو۔

ترجمه :؎٢ اور کفالہ بالدرک پر تو اجماع ہے، بس مجہول کفالہ جائز ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

تشریح :کفیل مشتری سے یہ کہے کہ یہ مبیع لے لو اور اگر کوئی اس کا مستحق نکلے گا تو میں مبیع کی قیمت کا ضامن ہوں۔ اب یہ معلوم نہیں ہے کہ مبیع کے کتنے حصے کا کوئی مستحق ہوگا، یہ جہالت کے باوجود کفالہ بالدرک پر اجماع ہے، اس لئے باقی چیزوں میں جہالت ہو تب بھی کفالہ جائز ہو جائے گا۔

ترجمه :؎٣ کفالہ بالشرط میں قاعدہ یہ ہے کہ ایسی شرط پر معلق کرنا صحیح ہے جو کفالت کے مناسب ہو، [ا] مثلا حق کے

أن يكون شرطا لوجوب الحق كقوله إذا استحق المبيع أو لإمكان الاستيفاء مثل قوله إذا قدم زيد وهو مكفول عنه أو لتعذر الاستيفاء مثل قوله إذا غاب عن البلدة وما ذكر من الشروط في معنى ما ذكرناه ۴؎ فأما لا يصح التعليق بمجرد الشرط كقوله إن هبت الريح أو جاء المطر

واجب ہونے کے لئے شرط ہو، مثلا کہے کہ مبیع کسی کا مستحق نکل گیا تو میں اس کی قیمت کا کفیل ہوں، [۲] یا کفالت کا مال وصول کرنا ممکن بنانا ہو، مثلا کہے کہ زید آ جائے تو میں کفیل ہوں، اور زید ہی کی جانب سے کفیل بن رہا تھا، [۳] یا وصول کرنا متعذر رہو تب کفیل بنے، مثلا یہ کہے کہ مقروض شہر سے غائب ہو تب میں کفیل ہوں۔ اور یہ تینوں صورتیں جو بیان کی گئیں ہیں وہ اسی معنی میں ہیں جو میں نے ذکر کیا [یعنی کفالت کے مناسب شرطیں ہیں]

اصول: ایسی شرطوں پر کفالت کو معلق کرنا جائز ہے جو کفالت کے مناسب ہوں، جو کفالت کے مناسب نہ ہو، یا جس شرط کا اتہ پتہ نہ ہو، مثلا ہوا بہے گی تو میں کفیل ہوں تو ایسی شرط پر کفالت کو معلق کرنا جائز نہیں، البتہ کفالت درست رہے گی، اور فوری طور پر رقم دینی ہوگی

تشریح: یہاں سے یہ فرما رہے ہیں کہ ان شرطوں پر کفالت کو معلق کرنا جائز ہے جو کفالت کے مناسب ہوں، اس کی تین مثالیں دے رہے ہیں [۱] کفیل ایسی شرط لگا رہا ہے جس سے یہ ممکن ہو کہ مبیع ضرور مشتری کو ملے، مثلا کہے کہ، اس مبیع کا کوئی حقدار نکل گیا تو میں اس کی قیمت کا ذمہ دار ہوں۔ اس ذمہ داری سے مشتری کو اس بات کی تقویت مل گئی کہ اگر مبیع مستحق نکلی تو مشتری کو اس کی قیمت مل جائے گی۔ [۲] یا ایسی شرط لگائے جس سے کفالت کی رقم کفیل کو واپس مل سکے، مثلا یہ کہے کہ۔ زید مقروض آ جائے تو میں کفیل ہوں۔ کفیل کا مقصد یہ ہے کہ زید مقروض کے سامنے کفیل بننے سے مجھے کفالت کی رقم آسانی سے مل جائے گی، کیونکہ اس کے حکم سے کفیل بنوں گا۔ [۳] یا مقروض سے وصول ہونا ناممکن ہو اس شرط پر کفیل بنے، مثلا کہے، کہ اگر مقروض شہر سے باہر گیا تو میں کفیل ہوں۔ کفیل کا مقصد یہ ہے کہ مقروض کے باہر جانے کی صورت میں قرض دینے والے کو رقم نہیں ملے گی اسلئے اس شرط پر کفیل بنا۔ یہ تینوں شرطیں کفالت کے مناسب ہیں اسلئے ایسی شرطوں پر کفالت کو معلق کرنا صحیح ہے

لغت: امکان استیفاء: استیفاء، وفی سے مشتق ہے وصول کرنا، امکان الاستیفاء: وصول کرنا ممکن بن سکے۔ تعذر الاستیفاء: رقم وصول کرنا مشکل ہو جائے۔

ترجمہ: ۴؎ جو شرط کفالت کے مناسب نہ ہو اس پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے اگر ہوا چلے، یا بارش برسے تو میں کفیل ہوں

تشریح: اگر ہوا چلے گی، یا بارش برسے گی تو میں کفیل ہوں، اب یہ معلوم نہیں ہے کہ ہوا چلے گی یا نہیں، یا بارش برسے گی یا نہیں اس لئے اس پر کفالہ کو معلق کرنا درست نہیں ہے البتہ کفالہ ہو جائے گا، لیکن فی الحال رقم واجب ہوگی۔

۵ وكذا إذا جعل واحد منهما أجلا ۶ إلا أنه تصح الكفالة ويجب المال حالا لأن الكفالة لما صح تعليقها بالشرط لا تبطل بالشروط الفاسدة كالطلاق والعتاق. (۳۴۰) فإن قال تكفلت بما لک عليه فقامت البينة بألف عليه ضمنه الكفيل ۱ لأن الثابت بالبينة كالثابت معاينة فيتحقق ما

ترجمہ :۵ ایسے ہی اگر ہوا چلنے کو یا بارش ہونے کی مدت بنائی [تو مدت صحیح نہیں ہے]

تشریح :اس عبارت کی صورت یہ ہے کہ۔ یوں کہے کہ جس دن ہوا چلے گی وہاں تک میں کفیل ہوں یا، جس دن بارش برسے گی وہاں تک میں کفیل ہوں ۔ چونکہ یہ پتہ نہیں ہے کہ کب ہوا چلے گی، یا کب بارش برسے گی، یہ مجہول ہے، اس لئے اس پر کفالہ معلق کرنا درست نہیں ہے۔

ترجمہ :۶ مگر یہ کہ کفالہ صحیح ہو جائے گا اور فی الحال مال واجب ہوگا اس لئے کہ جب کفالہ کو شرط پر معلق کرنا جائز ہے تو شرط فاسد سے کفالہ فاسد نہیں ہوگا، جیسے طلاق اور آزاد کرنے کو شرط پر معلق کرنا جائز ہے، اور شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

تشریح :قاعدہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو شرط پر معلق کرنا جائز ہو ان چیزوں میں اگر غلط شر ہو جائے تو خود شرط بیکار ہو جاتی ہے وہ چیز موجود رہتی ہے، اور فی الحال واجب ہوتی ہے، جیسے طلاق اور آزاد کرنے کو شرط پر معلق کرنا جائز ہے، اب اگر اس میں غلط شرط آجائے تو شرط بیکار جائے گی، اور فوری طور پر طلاق واقع ہو جائے گی، یا آزاد ہو جائے گا، اسی طرح یہاں شرط بیکار جائے گی، اور فی الحال کفالت کا مال واجب ہوگا۔

ترجمہ :(۳۴۰) اگر کہا کہ میں کفیل ہوں اس چیز کا جو آپ کا اس پر ہے پھر گواہ پیش کیا اس پر ہزار کا تو کفیل اس کا ضامن ہو جائے گا۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ گواہ سے جو ثابت ہوتا ہے، وہ ایسا ہے کہ مشاہدہ سے ثابت ہوا اس لئے مقروض پر ثابت ہو جائے گا، پھر اس کا کفیل بننا صحیح ہو جائے گا

تشریح :پہلے سے کہہ چکا ہے کہ جتنا آپ کا اس پر ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ اب بینہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ میرا مکفول لہ پر ایک ہزار ہے اس لئے ذمہ داری کے مطابق کفیل پر ایک ہزار ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

وجہ : بینہ پیش کر کے ثابت کرنا ایسا ہے جیسے پہلے سے ثابت شدہ ہو۔ اس لئے مقروض پر اتنا لازم ہو جائے گا جتنا بینہ سے ثابت کیا، پھر اس کا ضمان کفیل پر ہوگا۔

ترجمہ :(۳۴۱) پس اگر بینہ قائم نہ ہو سکا تو کفیل کے قول کا اعتبار ہوگا قسم کے ساتھ اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرتا ہے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ کفیل منکر ہے۔

عليه فيصح الضمان به(۳۴۱) وإن لم تقم البينة فالقول قول الكفيل مع يمينه في مقدار ما يعترف به ل لأنه منكر للزيادة (۳۴۲) فإن اعترف المكفول عنه بأكثر من ذلک لم يصدق على كفيله ل لأنه إقرار على الغير ولا ولاية له عليه(۳۴۳) ويصدق في حق نفسه ل لولايته عليها.(۳۴۴)قال وتجوز الكفالة بأمر المكفول عنه وبغير أمره ل لإطلاق ما روينا ۲ ولأنه التزام

تشـــريح :مکفول لہ یعنی قرض دینے والے پر بینہ قائم کرنا واجب تھا لیکن وہ بینہ قائم نہ کر سکا تو پھر کفیل جتنا کہتا ہے اس کی بات مانی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ۔

وجه : (۱) اس صورت میں مکفول لہ مدعی ہے اس لئے اس پر بینہ تھا اور وہ نہ ہو سکا تو کفیل مدعی علیہ اور منکر ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔**عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى** ﷺ **قال فى خطبته البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه**۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ، ص۳۲۴، نمبر ۱۳۴۱ / بخاری شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود، ص ۴۳۵، نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث کی بنیاد پر کفیل مدعی علیہ ہے اس لئے اس پر قسم واجب ہے۔ اور اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی

ترجمه:(۳۴۲) اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اعتراف کرے تو کفیل پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ترجمه :ل اس لئے کہ غیر پر اقرار کرنا ہے اور اس پر اقرار کرنے کا حق نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی علیہ کے خلاف بینہ کے بجائے کوئی قسم کھا کر اعتراف کرے تو اس کا اعتبار نہیں ہے

تشریح :قرض دینے والے مکفول لہ کے پاس بینہ نہیں تھا اب کفیل نے قسم کھا کر ایک ہزار روپے کا اقرار کیا لیکن قرض لینے والے مکفول عنہ نے اقرار کیا کہ بارہ سو روپے تھے تو مکفول عنہ کی بات کفیل کے اوپر قابل قبول نہیں ہے۔ ہاں! خود اپنے اوپر یہ اعتراف ٹھیک ہے اور دو سو روپیہ خود مقروض یعنی مکفول عنہ اپنی طرف سے ادا کریں۔

وجه :(۱) مکفول عنہ خود گویا کہ اس معاملہ سے اجنبی ہو گیا ہے۔ اسلئے اس کا اعتراف دوسروں کے خلاف قابل قبول نہیں ہے چاہے قسم کھا کر اعتراف کیوں نہ کرتا ہو (۲) یوں بھی کفیل مدعی علیہ تھا اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی نہ کہ مکفول عنہ کی

ترجمه:(۳۴۳) مقروض کا اپنی ذات کے حق میں اقرار کی تصدیق کی جائے گی،

ترجمه :ل اس لئے کہ اس کو اپنی ذات پر ولایت ہے۔

تشـــريح :کفیل پر زیادہ لازم نہیں ہوگا، لیکن خود مقروض نے زیادہ کا اقرار کیا ہے تو خود مقروض پر زیادہ لازم ہو جائے گا،

المطالبة وهو تصرف في حق نفسه وفيه نفع للطالب ولا ضرر فيه على المطلوب بثبوت الرجوع إذ هو عند أمره وقد رضي به (۳۴۵) فإن كفل بأمره رجع بما أدى عليه‌۱ لأنه قضى دينه بأمره

کیونکہ اس کو اپنی ذات پر ولایت ہے۔

ترجمه :(۳۴۴) کفالہ جائز ہے مکفول عنہ کے حکم سے اور بغیر اس کے حکم سے۔

ترجمه :۱ اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کی۔

تشریح :کفیل دونوں طرح بنتا ہے۔مکفول عنہ کے حکم سے بنے تب بھی بنتا ہے اور بغیر اس کے حکم کے اپنی مرضی سے کفیل بنے تب بھی کفیل بن سکتا ہے۔

وجه : (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے سمعت ابا امامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ... ثم قال العارية مؤداة والمنحة مردودة والدين مقضى والزعيم غارم (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص۵۱۲، نمبر۳۵۶۵/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان العاریۃ مؤداۃ، ص۳۰۸، نمبر۱۲۶۵) اس حدیث میں دونوں طرح سے کفیل بننے کا امکان موجود ہیں۔اس لئے حکم اور بغیر حکم دونوں طرح کفیل بن سکتے ہیں (۲) ۔ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم (آیت ۷۲ سورۂ یوسف ۱۲) اس آیت میں دونوں امکان ہیں، بادشاہ کے حکم سے خادم کفیل بنے ہیں، یا بغیر اس کے حکم کے کفیل بنے ہیں۔(۳) کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے بغیر مکفول عنہ کے حکم بھی خرچ کر سکتا ہے (۴) حضرت ابوقتادہ بغیر میت کے حکم کے قرض کے کفیل بنے تھے۔عن سلمة بن اكوع ان النبي ﷺ اتى بجنازة ليصلي عليها ... قال ابو قتادة على دينه يا رسول الله فصلى عليه (بخاری شریف، باب من تکفل عن میت دینا فلیس لہ ان یرجع، ص۳۰۶، نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابوقتادۃ بغیر حکم کے کفیل بنے ہیں۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال میں جائز تصرف کر سکتا ہے۔

ترجمه :۲ اور اس لئے کہ مطالبے کو لازم کرنا ہے اور وہ اس کا ذاتی حق ہے، اور اس میں قرض دینے والے کو نفع ہے، اور کفیل کا کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ وہ مقروض سے رقم واپس لے سکتا ہے، کیونکہ مقروض کے حکم سے کفیل بنا ہے اور مقروض اس سے راضی بھی ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه :(۳۴۵) پس اگر کفیل بنا مکفول عنہ کے حکم سے تو لے لے گا وہ جو کچھ اس پر ادا کرے۔

ترجمه :۱ اس لئے کہ مقروض کے حکم سے قرض ادا کیا ہے۔

(۳۴۶) وإن كفل بغير أمره لم يرجع بما يؤديه ۱ لأنه متبرع بأدائه ۲ وقوله رجع بما أدى معناه إذا

اصول: آمر کے حکم کے بغیر کوئی کام کرنا تبرع اور احسان ہے اس لئے کسی سے اس کا بدلہ وصول نہیں کر سکتا۔ اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

تشریح: مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا تھا تو کفیل نے جتنی رقم مکفول لہ کو دی ہے اتنی رقم مکفول عنہ سے وصول کرے گا۔

وجہ: (۱) مکفول عنہ کے حکم سے کفیل نے اپنا روپیہ مکفول لہ کو دیا ہے اس لئے وہ مکفول عنہ سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے (۲) **عن ابن عباس ان رجلا لزم غريما له بعشرة دنانير فقال والله ما افارقك حتى تقضيني او تأتيني بحميل قال فتحمل بها النبي ﷺ فاتاه بقدر ما وعده فقال له النبي ﷺ من اين اصبت هذا الذهب ؟ قال من معدن قال لا حاجة لنا فيها ليس فيها خير فقضاها عنه رسول الله ﷺ**. (ابوداؤد شریف، باب فی استخراج المعادن، ص ۴۸۴، نمبر ۳۳۲۸ / ابن ماجہ شریف، باب الکفالة، ص ۳۴۴، نمبر ۲۴۰۶) اس حدیث میں ہے کہ مقروض آدمی نے حضور کو دس دینار ادا کیا۔ کیونکہ حضورؐ نے اس کی کفالت لی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ حضورؐ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفیل ادا کرے تو وہ مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے (۳) **عن فضل بن عباس قال ... من قد كنت اخذت له مالا فهذا مالي فليأخذ منه فقام رجل فقال يا رسول الله ان لي عندك ثلاثة دراهم فقال اما انا فلا اكذب قائلا وانا لا استحلف على يمين فيم كانت لك عندي قال اما تذكر انه مر بك سائل فامرتني فاعطيته ثلاثة دراهم قال اعطه يا فضل** . (سنن للبیہقی، باب رجوع الضامن علی المضمون عنہ بما غرم وضمن بامرہ، ج سادس، ص ۱۲۳، نمبر ۱۱۴۰۳) اس حدیث میں حضورؐ کے حکم سے ایک آدمی نے تین درہم دیا تھا اور کفیل بنا تھا اس لئے انہوں نے حضورؐ سے واپس لیا، جس سے معلوم ہوا کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہو تو مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۴۶) اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو نہیں وصول کرے گا وہ جو ادا کیا ہو۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ ادا کرنے میں احسان کیا۔

تشریح: مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہو تو کفیل نے جتنا ادا کیا ہو وہ مکفول عنہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ: (۱) مکفول عنہ کے حکم کے بغیر بنا ہے تو کفیل ادا کرنے میں تبرع اور احسان کرنے والا ہوا اس لئے وہ مکفول عنہ سے نہیں وصول کر سکتا (۲) حدیث میں ہے کہ ابو قتادہ میت کے حکم کے بغیر کفیل بنے تو بعد میں میت سے وصول نہیں کیا۔ **عن سلمة بن الاكوع ان النبي ﷺ اتى بجنازة ليصلي عليها فقال هل عليه من دين ؟ فقالوا لا فصلى عليه ،ثم اتى بجنازة اخرى فقال هل عليه من دين ؟ قالوا نعم قال فصلوا على صاحبكم قال ابو قتادة عليَّ**

أدى ما ضمنه أما إذا أدى خلافه رجع بما ضمن لأنه ملك الدين بالأداء فنزل منزلة الطالب ۳؎

دينه يا رسول الله فصلى عليه . (بخاری شریف، باب من تکفل عن میت دینا فلیس لہ ان یرجع، ص ۳۶۶، نمبر ۲۲۹۵) اس حدیث میں حضرت ابوقتادہ نے میت سے ادا کیا ہوا دین وصول نہیں کیا۔ کیونکہ بغیر اس کے حکم کے کفیل بنے تھے۔

ترجمہ: ۲؎ ماتن کا قول, رجع بما ادی، کا مطلب یہ ہے کہ جتنے کا ضامن بنا تھا اتنا ہی ادا کیا تو اتنا وصول کرے گا۔ لیکن اگر اس کے خلاف ادا کیا تو جتنے کا ضامن بنا تھا اتنا ہی وصول کرے گا،، اس لئے کہ ادا کرنے کے بعد کفیل قرض کا مالک بن گیا، اور وہ اب قرض دینے والے کے درجے میں آ گیا۔

قاعدہ: یہاں پہلے تین باتیں یاد رکھیں [۱] کفیل نے جب قرض ادا کیا تو گویا کہ اس نے اس قرض کو قرض دینے والے سے خرید لیا اور مالک بن گیا، اس لئے جتنے کا ضامن بنا تھا اتنا مقروض سے وصول کریگا، چاہے کفیل نے قرض دینے والے کو کم دیا ہو یا زیادہ، چاہے اچھا درہم دیا ہو یا کھوٹا۔ [۲] مقروض نے کفیل نہیں بنایا بلکہ قاصد بنا کر کہا کہ میرا قرض ادا کردو، اب یہ قاصد اس قرض کا مالک نہیں بنا، اس لئے جتنا ادا کرے گا اتنا ہی مقروض سے وصول کرے گا، کم کرے یا زیادہ، اچھا کرے یا خراب، بس وہی وصول کرے گا جیسا ادا کیا۔ [۳] تیسری بات یہ ہے کہ کفیل نے ایک ہزار کے بدلے پانچ سو صلح کر لیا، یا پورے ہی معاف کروالیا، تو یہ مقروض کے اوپر سے معاف سمجھا جائے گا، کفیل سے نہیں، اس لئے اگر پانچ سو پر صلح کیا تو اب کفیل پانچ سو ہی مقروض سے وصول کرے گا، اور اگر پورا ہی معاف کیا تو کفیل مقروض سے کچھ وصول نہیں کرے گا۔ یہ تین باتیں یاد رکھنے کے بعد مسئلہ سمجھیں، یہ ذرا پیچیدہ ہے۔

تشریح: متن میں رجع بما ادی کا مطلب یہ ہے کہ کفیل جتنی رقم کا ضامن بنا تھا، اور جس صفت کے ساتھ ضامن بنا تھا اتنی ہی ادا کیا، اور اسی صفت کے ساتھ ادا کیا تو مقروض سے اتنی وصول کرے گا۔ لیکن اس کے خلاف قرض دینے والے کو دیا، مثلا ایک ہزار اچھا درہم تھا اور کھوٹا دے دیا اور قرض دینے والے نے قبول بھی کر لیا، یا نو سو دے دیا اور قرض دینے والے نے قبول کر لیا پھر بھی کفیل مقروض سے ایک ہزار اچھا درہم ہی وصول کرے گا۔

وجہ: رقم ادا کرنے کی وجہ سے کفیل اب قرض کا مالک بن گیا اس لئے وہی وصول کرے گا جس کا ضامن بنا تھا۔

لغت: یہاں آسانی سے سمجھنے کے لئے، یہ محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ کہ مقروض سے مراد مکفول عنہ ہے۔ قرض دینے والے سے مراد مکفول لہ ہے۔ اور رقم سے مراد مکفول بہ ہے۔

ترجمہ: ۳؎ جیسے کفیل ہبہ کی وجہ سے، یا وراثت کی وجہ سے قرض کا مالک بن جائے [تو پورا قرض وصول کرے گا]

تشریح: اس کے لئے تین مثالیں دے رہے ہیں۔ [۱] ایک ہزار کا کفیل بنا تھا، پھر قرض دینے والے نے یہ ہزار کفیل کو

كما إذا ملكه بالهبة أو بالإرث ۴؎ وكما إذا ملكه المحتال عليه بما ذكرنا في الحوالة ۵؎ بخلاف المأمور بقضاء الدين حيث يرجع بما أدى لأنه لم يجب عليه شيء حتى يملك الدين بالأداء ۶؎ وبخلاف ما إذا صالح الكفيل الطالب عن الألف على خمسمائة لأنه إسقاط فصار كما إذا أبرأ الكفيل. (۳۴۷)قال وليس للكفيل أن يطالب المكفول عنه بالمال قبل أن يؤدي عنه ا؎ لأنه لا

ہبہ کر دیا تو کفیل اس کا مالک بن گیا اس لئے ایک ہزار مقروض سے وصول کرے گا۔[۲] قرض دینے والا کفیل کا باپ تھا، وہ مر گیا اور وہ ایک ہزار کفیل کی وراثت میں آ گیا، تو کفیل اس کو مقروض سے وصول کرے گا، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں کفیل ایک ہزار کا مالک بن گیا ہے اس لئے کھرا دیا ہو یا کھوٹا، کفیل مقروض سے اتنا وصول کرے گا جتنا ضامن بنا تھا۔

ترجمہ :۴؎ جیسے کہ محتال علیہ اس قرض کا مالک بن جائے تو [مقروض سے پورا وصول کرے گا] جیسا کہ کتاب الحوالہ میں میں نے ذکر کروں گا۔

تشریح : یہ تیسری مثال ہے۔ کفیل ہی کو قرض دینا پڑے اور مقروض کو دینے کی ذمہ داری نہ رہے اس کو حوالہ کہتے ہیں، اور اس میں کفیل کو محتالہ علیہ، کہتے ہیں۔ محتال علیہ، یعنی حوالہ میں کفیل قرض کا مالک بن جائے تو مقروض سے پورا وصول کرے گا، اسی طرح یہاں بھی کفیل پورا وصول کرے گا۔

ترجمہ :۵؎ بخلاف قرض کی ادائیگی کا جسکو حکم دیا اس طرح کہ اتنا ہی وصول کرے گا جتنا ادا کیا ہے، اس لئے کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوئی ہے جسکو دیکر وہ قرض کا مالک ہو جائے۔

تشریح :[یہ دوسری صورت ہے] مامور بقضاء الدين : کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قاصد بنا کر قرض ادا کرنے کا حکم دیا، کفیل بنا کر نہیں، اس صورت میں قاصد پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی اس لئے وہ قرض کا مالک بھی نہیں ہوگا، اس لئے اگر کھوٹا درہم ادا کیا ہے تو کھوٹا ہی مقروض سے وصول کرسکتا ہے، اور نو سو دیا ہے تو نو سو ہی وصول کرسکتا ہے، پورا ہزار نہیں۔

ترجمہ :۶؎ بخلاف اگر کفیل نے ایک ہزار کے بدلے میں پانچ سو پر قرض دینے والے سے صلح کر لیا [تو پانچ سو ہی وصول کرے گا] اس لئے کہ پانچ سو ساقط کرنا ہوا، تو ایسا ہو گیا کہ کفیل تمام رقم سے بری کر لے [تو مقروض بھی بری ہو جائے گا]

تشریح :[یہ تیسری صورت ہے] اس میں یہ ہے کہ کفیل سے کم کر کے صلح کی تو یہ اصل میں مقروض سے کم کرنا ہوا، اس لئے مقروض سے پانچ سو ہی وصول کرے گا۔ یا کفیل کو پوری رقم سے بری کر دیا تو مقروض بھی بری ہو جائے گا، اب کفیل مقروض سے کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔

ترجمہ :(۳۴۷) کفیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ کرے اس سے پہلے کہ اپنی جانب سے ادا

يـملكه قبل الأداء ۲؎ بـخـلاف الـوكيـل بـالشراء حيث يرجع قبل الأداء لأنه انعقد بينهما مبادلة

کرے۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ کفیل کے ادا کرنے سے پہلے وہ قرض وصول کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے ادا کرے گا تب وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

تشـــريح : کفیل جب تک اپنی جانب سے مکفول عنہ کا قرض ادا نہ کردے اس وقت تک قانونی طور پر مکفول عنہ سے رقم وصول کرنے کا حقدار نہیں ہوتا۔ ہاں! مکفول عنہ اپنی مرضی سے کفیل کو رقم دیدے تو جائز ہے۔

وجـــــه : (۱) مکفول عنہ اصل مقروض ہے اس لئے زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ خود قرض ادا کرے گا اور جب وہ خود قرض ادا کرے گا تو کفیل کو اس سے لینے کا حق کیسے ہوگا؟ ہاں! کفیل ادا کر چکا ہو تو اب قرض وصول کرنے والا کفیل ہو گیا اس لئے اب کفیل مکفول عنہ سے لے سکتا ہے (۲) **عـن فـضـل بـن عبـاس قـال ... مـن قد كنت اخذت له مالا فهذا مالى فـليأخـذ منه فقام رجل فقال يا رسول الله ان لى عندک ثلاثة دراهم فقال اما انا فلا اكذب قائلا و انالا استحلف علـى يـميـن فيـم كـانت لک عندى قال اما تذكر انه مر بک سائل فامرتنى فاعطيته ثلاثة دراهـم قــال اعـطــه يـــا فـضـل** . (سنن للبیہقی، باب رجوع الضامن علی المضمون عنہ بما غرم وضمن بامرہ، ج سادس، ص ۱۲۳، نمبر ۱۱۴۰۳) اس حدیث میں آدمی نے حضور کے کہنے پر تین درہم دیا تھا تب جا کر حضورؐ سے وصول کیا۔

تـرجـمـه : ۲؎ بخلاف خریدنے کے وکیل کے کیونکہ رقم سدا کرنے سے پہلے بھی رقم وصول کر سکتا ہے اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان مبادلہ حکمیہ منعقد ہوا ہے۔

تشريح : زید نے عمر کو بکری خریدنے کا وکیل بنایا تو عمر اپنی رقم لگانے سے پہلے زید سے بکری کی قیمت وصول کر سکتا ہے۔

وجه : (۱) عمر وکیل خریدنے کا ذمہ دار بنا ہے رقم دینے کا ذمہ دار نہیں بنا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وکیل کے پاس روپیہ نہ ہو اس لئے یہ ممکن ہے کہ پہلے زید سے رقم لے کے پھر خریدنے جائے۔ (۲) صاحب ہدایہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں گویا کہ وکیل بائع بن گیا اور موکل مشتری بن گیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ بائع پہلے قیمت لینے کا حقدار ہوتا ہے بعد میں مبیع دیتا ہے اسی طرح پہلے قیمت لے گا بعد میں بکری سپرد کرے گا۔

لغت : مبادلۃ حکمیۃ : یہ محارہ ہے، حکمی طور پر بیع اور شراء ہو گئی، اور وکیل بائع بنا اور مؤکل مشتری ہو گیا۔

تـرجـمـه : (۳۴۸)، پس اگر پیچھا کیا گیا کفیل مال کی وجہ سے تو اس کے لئے حق ہے کہ پیچھا کرے مکفول عنہ کا یہاں تک کہ کفیل کو چھڑا دے۔

حكمية.(۳۴۸) قال فإن لوزم بالمال كان له أن يلازم المكفول عنه حتى يخلصه ل وكذا إذا حبس كان له أن يحبسه لأنه لحقه ما لحقه من جهته فيعامله بمثله (۳۴۹)وإذا أبرأ الطالب المكفول عنه أو استوفى منه برء الكفيل ل لأن براءة الأصيل توجب براءة الكفيل لأن الدين عليه في الصحيح (۳۵۰)وإن أبرأ الكفيل لم يبرأ الأصيل عنه ل لأنه تبع ولأن عليه المطالبة وبقاء

ترجمه : ل ایسے ہی اگر کفیل قید کیا گیا تو کفیل کو حق ہے کہ مکفول عنہ کو قید کروا دے اس لئے کہ اس کو مکفول عنہ کی وجہ سے یہ سزا بھگتنی پڑی ہے، اس لئے وہ وہی معاملہ کر سکتا ہے جو کفیل کے ساتھ کیا گیا۔

تشریح : مکفول عنہ کے قرض کی وجہ سے کفیل کو کوئی مصیبت آئی مثلا مکفول لہ نے کفیل کا پیچھا کیا تو کفیل کو مکفول عنہ کے ساتھ اتنا کرنے کا حق ہے یعنی مکفول عنہ کا پیچھا کرنے کا حق ہے۔ یہاں تک کہ مکفول عنہ کفیل کے پیچھا کرنے سے اس کو چھڑا نہ لے۔ یا رقم کی وجہ سے کفیل کو قید میں ڈالا تو کفیل کو بھی حق ہے کہ مقروض کو قید میں ڈلوا دے۔

وجہ: کفیل کو مکفول عنہ کی وجہ سے پریشانی ہوئی ہے اس لئے وہ یہ پریشانی مکفول عنہ پر ڈال سکتا ہے۔

لغت : یلازم : پیچھا کرنا، ساتھ ساتھ لگے رہنا۔ تخلص چھٹکارا دلانا۔

ترجمہ :(۳۴۹) اگر طالب نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا اس سے وصول کر لیا تو کفیل بری ہو جائے گا۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ اصل کو بری کرنے سے کفیل کو بری کرنا واجب ہوتا ہے اس لئے کہ حقیقت میں قرض تو اصیل پر ہی ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پر دین نہ رہے تو فرع سے بھی دین ختم ہو جائے گا۔

وجہ :اصل میں قرض تو مکفول عنہ پر ہے۔ کفیل تو فرع ہے اور اس سے مستفاد ہے۔ اس لئے مکفول لہ دائن نے مکفول عنہ مقروض کو دین سے بری کر دیا یا معاف کر دیا یا دوسری شکل ہے کہ خود مکفول عنہ نے اپنا دین ادا کر دیا تو چونکہ اصل پر دین نہیں رہا اس لئے کفیل جو فرع ہے اس پر بھی دین نہیں رہے گا اور ختم ہو جائے گا۔

لغت: استوفی : وفی سے مشتق ہے، وصول کر لیا۔

ترجمہ :(۳۵۰) اگر کفیل کو بری کر دیا تو مکفول عنہ بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ کفیل تابع ہے، اور اس لئے کہ کفیل پر صرف مطالبہ تھا قرض نہیں تھا۔ اور بغیر کفیل پر مطالبے کے اصیل پر قرض باقی رہ سکتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل کو کفالت سے بری کرنے سے اصیل سے دین ساقط نہیں ہوگا اور نہ مطالبہ سے بری ہوگا

تشریح :بری کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اصل دین ہی کفیل سے معاف کر دیا تو اس صورت میں مکفول عنہ سے

الدين على الأصيل بدونه جائز (١ ٣ ٥ ٣) وكذا إذا أخر الطالب عن الأصيل فهو تأخير عن الكفيل ولو أخر عن الكفيل لم يكن تأخيرا عن الذي عليه الأصل ل لأن التأخير إبراء موقت فيعتبر بالإبراء المؤبد ٢ بخلاف ما إذا كفل بالمال الحال مؤجلا إلى شهر فإنه يتأجل عن الأصيل لأنه لا حق له إلا الدين حال وجود الكفالة فصار الأجل داخلا فيه أما هاهنا فبخلافه.

بھی معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل دین ہی اصیل سے معاف ہو گیا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کفیل کو صرف کفالت سے بری کیا کہ اب میں آپ سے دین کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ اس صورت میں چونکہ اصل دین اصیل یعنی مکفول عنہ پر باقی ہے اس لئے اصیل یعنی مکفول عنہ مطالبہ سے بری نہیں ہوگا۔ مکفول لہ اس سے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

وجہ :(۱) کفیل تابع ہے اس لئے کفیل کو مطالبے سے بری کرنے سے اصیل کی برأت نہیں ہوگی کیونکہ اس پر اصل دین موجود ہے (۲) دوسری وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کفیل پر مطالبہ نہ بھی ہو تب بھی اصیل پر قرض رہ سکتا ہے، اس لئے یہاں کفیل سے مطالبہ ساقط کر دیا تو اصیل سے ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ :(۳۵۱) ایسے ہی اگر اصیل سے مطالبہ مؤخر کر دیا تو کفیل سے بھی مطالبہ مؤخر ہو جائے گا، اور اگر کفیل سے مؤخر کیا تو اصیل سے مؤخر نہیں ہوگا۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ تاخیر کرنا یہ بھی ایک وقت کے لئے قرض سے بری کرنا ہے، اس لئے ہمیشگی کے بری کرنے پر قیاس کیا جائے گا۔

تشریح :اوپر یہ گزرا کہ اصیل کو قرض سے بری کر دیا تو کفیل سے بھی قرض ختم ہو جائے گا، لیکن اگر کفیل کو مطالبے سے بری کر دیا تو اصیل سے مطالبہ ختم نہیں ہوگا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے اصیل سے مطالبہ مؤخر کیا تو کفیل سے مطالبہ مؤخر ہو جائے گا، اور کفیل سے مطالبہ مؤخر کیا تو اصیل سے مطالبہ مؤخر نہیں ہوگا،

ترجمہ :۲ بخلاف فی الحال ادا کیا جانے والے مال کا کفیل بنا ایک ماہ تک مؤخر کرنے کی شرط پر تو اصیل سے بھی مؤخر ہو جائے گا، اس لئے کہ کفیل بننے کے وقت میں فوری قرض ہی ہے اس لئے تاخیر خود قرض میں داخل ہو جائے گا۔ بہر حال متن کے مسئلے میں تو اس کے خلاف ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل بننے سے پہلے مہلت لی ہو تو اصل قرض میں داخل ہوگی اور اصیل کو بھی مہلت مل جائے گی۔ اور کفیل بننے کے بعد مہلت لی تو اصل قرض میں مہلت داخل نہیں ہوگی، اور اصیل کو مہلت نہیں ملے گی۔

تشریح :یہاں ایک نکتہ سمجھیں: کفیل بننے کے بعد قرض دینے والے نے کفیل کو تاخیر سے دینے کی مہلت دی تو اصیل کو

(۳۵۲)فإن صالح الكفيل رب المال عن الألف على خمسمائة فقد برء الكفيل والذي عليه الأصل ا لأنه أضاف الصلح إلى الألف الدين وهي على الأصيل فبرء عن خمسمائة لأنه إسقاط وبراء ته توجب براء ة الكفيل ثم برئا جميعا عن خمسمائة بأداء الكفيل ويرجع الكفيل على الأصيل بخمسمائة إن كانت الكفالة بأمره ۲ بخلاف ما إذا صالح على جنس آخر لأنه مبادلة

مہلت نہیں ملے گی۔ کیونکہ یہ صرف کفیل کومہلت ملی ہے۔لیکن کفیل بننے سے پہلے کفیل نے تاخیر سے دینے کی مہلت لی،تو یہ مہلت اصل قرض میں شامل ہوجائے گی،اس لئے اصیل کومہلت مل جائے گی۔

متن کے مسئلے میں کفیل بننے کے بعد کفیل کومہلت دی ہے اس لئے اصیل کومہلت نہیں ملے گی،اوراس مسئلے میں کفیل بننے سے پہلے تاخیر کی مہلت لی ہے اس لئے یہ مہلت اصل قرض میں شامل ہوجائے گی،اور جب اصل قرض میں شامل ہوگئی تو اصیل کوبھی مہلت مل جائے گی۔

لغت :اماھنا: سے مراد متن کا مسئلہ ہے جس میں کفالت کے بعد مہلت لی ہے۔

ترجمہ :(۳۵۲) اگر کفیل نے مال والے سے ہزار کے بدلے میں پانچ سو پر صلح کر لی تو کفیل اوراصیل دونوں پانچ سو سے بری ہوجائیں گے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل قرض میں کمی ہوئی تو کفیل اوراصیل دونوں سے کمی ہوجائے گی۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ صلح کواسی ہزار والے دین کی طرف منسوب کیا ہے،اوروہ ہزار اصیل پر ہے اس لئے اصیل ہی پانچ سو بری ہوجائیں گے،اس لئے کہ پانچ سو ساقط کرنا ہوا،اوراصیل کا بری ہونا کفیل کے بری ہونے کوواجب کرتا ہے،پھر کفیل کے ادا کرنے سے پانچ سو سے دونوں ہی بری ہوجائیں گے،اورکفیل اصیل سے پانچ سو ہی لے گا،اگر اصیل کے حکم سے کفیل بنا تھا

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے کہ صلح کواس ایک ہزار کی طرف منسوب کیا ہے جواصیل پر تھا،اس لئے جب اس ایک ہزار سے ساقط ہوا تو دونوں ہی سے ساقط ہوجائے گا، اورکفیل کو پانچ سو ہی ادا کرنا ہوگا،پھر اگر مقروض کے حکم سے کفیل بنا تھا تو مقروض سے پانچ سو وصول کرے گا۔

ترجمہ :۲ بخلاف جبکہ کسی دوسری جنس کے بدلے صلح کی اس لئے کہ مبادلہ حکمیہ ہوگئی اس لئے کفیل قرض کا مالک ہوگیا اس لئے مقروض سے پورا ہزار وصول کرے گا۔

تشریح :ایک ہزار کا کفیل بنا تھا،اس نے قرض دینے والے کوایک گائے دیکر صلح کر لی تو کفیل مقروض سے ایک ہزار ہی

حكمية فملكه فيرجع بجميع الألف ٣ ولو كان صالحه عما استوجب بالكفالة لا يبرأ الأصيل لأن هذا إبراء الكفيل عن المطالبة.(٣٥٣) قال ومن قال لكفيل ضمن له مالا قد برئت إلي من المال رجع الكفيل على المكفول عنه ١ معناه بما ضمن له بأمره لأن البراء ة التي ابتداؤها من المطلوب وانتهاؤها إلى الطالب لا تكون إلا بالإيفاء فيكون هذا إقرارا بالأداء فيرجع

وصول کرے گا۔ چاہے گائے کی قیمت پانچ سو ہی ہو۔

وجه : یہاں ہزار میں سے کچھ ساقط نہیں ہوا ہے حکمی طور پر یہ سمجھا جائے گا کفیل نے قرض دینے والے سے گائے دیکر وہ ایک ہزار خرید لئے، اس لئے مقروض سے ایک ہزار ہی وصول کرے گا۔

لغت : مبادلة حکمیة: یہ محارہ ہے، حکمی طور پر بیع اور شراء ہوگئی، اور قرض دینے والا بائع بنا اور کفیل مشتری بن گیا اور گویا کہ اس نے دوسری جنس دیکر ایک ہزار خرید لیا۔

ترجمه :٣ کفالت کی وجہ سے جو ذمہ داری آئی تھی اس کو ساقط کرنے کے لئے صلح کیا تو اصیل بری نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تو کفالت کے مطالبے سے بری ہونا ہے۔

تشریح : کچھ دیکر یا بغیر دئے کفالت کی ذمہ داری سے مکفول عنہ سے صلح کر لی تو اصل قرض اصیل پر باقی ہے اس لئے وہ بری نہیں ہوگا۔

ترجمه :(٣٥٣) قرض دینے والے نے اس کفیل سے کہا جس نے مال کی ذمہ داری لی تھی تم مجھے مال دیکر بری ہوگئی ہو، تو کفیل مقروض سے مال وصول کرے گا۔

ترجمه :١ اس کا معنی یہ ہے کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہو تو [مال واپس لے گا] اس لئے کہ یہاں برأت کی ابتداء کفیل سے ہے اور اور اس کی انتہاء طالب [قرض دینے والے تک ہے] اور یہ ادا کرنے کی وجہ سے ہی ہو سکتا ہے، اس لئے اس میں رقم ادا کرنے کا اقرار ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ قرض دینے والے نے اس طرح جملہ بولا جس سے یہ محسوس ہوتا ہو کہ کفیل نے رقم ادا کر دی ہے، اور اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو تو ادا سمجھی جائے گی، اور کفیل یہ مال مقروض سے وصول کر سکتا ہے۔

تشریح : یہاں جملہ ہے ,برأت الی من المال، جملے کا انداز یہ بتا رہا ہے کہ مجھے مال دیکر کفیل بری ہوا ہے اس لئے وہ مال مکفول عنہ سے وصول کر سکتا ہے۔

ترجمه : (٣٥٤) اور اگر قرض دینے والے نے کہا کہ میں نے آپ کو بری کیا، تو کفیل قرض لینے والے سے کچھ وصول

(۳۵۴)وإن قال أبرأتک لم يرجع الكفيل على المكفول عنه ۱؎ **لأنه براء ة لا تنتهي إلى غيره وذلک بالإسقاط فلم يكن إقرارا بالإيفاء.** ۲؎ **ولو قال برئت قال محمد رحمه الله هو مثل الثاني لأنه يحتمل البراء ة بالأداء إليه والإبراء فيثبت الأدنى إذ لا يرجع الكفيل بالشک.** ۳؎ **وقال أبو يوسف رحمه الله هو مثل الأول لأنه أقر ببراء ة ابتداؤها من المطلوب وإليه الإيفاء دون**

نہیں کرے گا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ یہ برأت غیر کی طرف منتہی نہیں ہوتا، اس لئے یہ مکفول لہ کی جانب سے رقم ساقط کرنا ہے، اور ادا کرنے کا اقرار نہیں ہے [اس لئے کفیل مقروض سے نہیں لے گا]

تشریح :ابرأتک [میں نے تم کو بری کر دیا] اس جملے میں برأت کی ابتداء کفیل کی جانب سے نہیں ہے بلکہ قرض دینے والے کی جانب سے ہے، اس لئے اس میں یہ شارہ نہیں ہے کہ کفیل نے مجھے رقم دی اس لئے میں نے اس کو بری کر دیا، بلکہ صاف یہ ہے کہ بغیر رقم ادا کئے میں نے اس کو معاف کر دیا اس لئے کفیل مقروض سے کچھ وصول نہیں کرے گا۔

ترجمہ :۲؎ اور اگر کہا ,برأتَ،، الی، کا لفظ نہیں بولا [ترجمہ ہے تم بری ہو گئے]، تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ دوسرے جملے کی طرح ہے، اس لئے کہ مکفول لہ کو ادا کر کے بری ہونے کا احتمال رکھتا ہے، اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ مکفول لہ نے بری کر دیا ہو، اس لئے ادنی درجہ ثابت کیا جائے گا اور کفیل شک کی وجہ سے مقروض سے رقم وصول نہیں کر پائے گا۔

تشریح :اگر قرض دینے والے نے کہا, برأتَ ,تم بری ہو گئے ,تو اس جملے میں دو احتمال ہیں [۱] یہ احتمال بھی ہے کہ کفیل نے رقم دیکر برأت حاصل کی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ مکفول لہ نے معاف کر دیا، اس لئے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ شک کی وجہ سے ادنی درجہ ثابت کیا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ کفیل نہیں رقم نہیں دی ہے، بلکہ مکفول لہ نے معاف کر دیا ہے اسلئے کفیل مقروض سے کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔

ترجمہ :۳؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ پہلے کی طرح ہے [یعنی برأت الی کی طرح ہے] اس لئے کہ ایسی برأت کا اقرار کیا ہے جسکی ابتداء مطلوب [کفیل] سے ہے اور کفیل پر رقم پورا ادا کرنا ہے، بری کرنا نہیں ہے [اس سے معلوم ہوا کہ اس نے رقم دی ہے، اس لئے مقروض سے لے سکتا ہے]

تشریح :حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ برأتَ، کا جملہ پہلے جملے برأتَ الیّ، کی طرح ہے، یعنی کفیل نے مجھے رقم سیکر وہ بری ہوا ہے اس لئے کفیل مکفول عنہ سے اپنی رقم وصول کر سکتا ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ کفیل پر ایفاء یعنی رقم دینا ہے، بری کرنا نہیں ہے، پس جب مکفول لہ اس کا اقرار کر رہا ہے کہ تم بری

الإبراء. ۴ وقيل في جميع ما ذكرنا إذا كان الطالب حاضرا يرجع في البيان إليه لأنه هو المجمل. (۳۵۵)قال ولا يجوز تعليق البراءة من الكفالة بالشرط ۱ لما فيه من معنى التمليك كما في سائر البراءات. ۲ ويروى أنه يصح لأن عليه المطالبة دون الدين في الصحيح فكان

ہو گئے تو اس کا مطلب یہی نکلا کہ مجھے رقم دیکر بری ہوئے اس لئے کفیل مقروض سے اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ :۴ حضرات نے فرمایا کہ جسکو ہم نے ذکر کیا ان تمام صورتوں میں اگر قرض دینے والا موجود ہو تو اس سے پوچھ لیا جائے گا، کیونکہ یہ جملے مجمل ہیں۔

تشریح :واضح ہے

ترجمہ :(۳۵۵) کفالت سے برأت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ بری کرنے میں مالک بنانے کا معنی ہے، [پس جس طرح مالک بنانے کے برأت کو شرط پر معلق کرنا جائز نہیں اس کو بھی شرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے]

لغت :تملیک اور اسقاط محض کیا ہے؟[۱] اسقاط محض: مثلا زید بیوی کے بضعہ کا مالک ہے طلاق دیکر اس حق کو ساقط کر دے اس کو اسقاط، کہتے ہیں، اس عورت طلاق کو رد بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی، طلاق واقع ہو جائے گی، چنانچہ جس چیز میں اسقاط ہے اس کو کسی شرط پر معلق کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنا چاہے تو معلق کر سکتا ہے۔[۲] تملیک: زید کا عمر پر قرض ہے زید اس کو معاف کرنا چاہتا ہے، اس کو تملیک کہتے ہیں، یعنی زید نے عمر کو قرض کا مالک بنایا، اس میں عمر مالک بننے سے انکار کر سکتا ہے، وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں قرض کو معاف نہیں کراتا، اور آپ کے احسان کو نہیں لیتا، تملیک کو کسی شرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح :مکفول لہ کفیل کو کسی شرط پر معلق کر کے بری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلا یوں کہے کہ کل آئے گا تو آپ کفالت سے بری ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

وجہ : کفالت سے بری کرنا گویا کہ مالک بنانا ہے اور مالک بنانے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کفالت سے بری کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ :۲ ایک روایت یہ ہے کہ کفیل پر صرف مطالبہ ہے اصل قرض نہیں ہے، صحیح روایت یہی ہے اس لئے بری کرنا صرف ساقط کرنا ہوا جیسے کہ طلاق میں ساقط کرنا ہوا، اس لئے شرط پر معلق کرنا جائز ہے۔ اسی وجہ سے کفیل برأت کو رد کرنا چاہے تو رد نہیں کر سکتا، بخلاف اصیل کو بری کرنے کے، اس لئے کہ وہ مالک بنانا ہے۔

إسقاطا محضا كالطلاق ولهذا لا يرتد الإبراء عن الكفيل بالرد بخلاف إبراء الأصيل. (٣٥٦) قال وكل حق لا يمكن استيفاؤه من الكفيل لا تصح الكفالة به كالحدود والقصاص ل معناه بنفس الحد لا بنفس من عليه الحد لأنه يتعذر إيجابه عليه وهذا لأن العقوبة لا تجري فيها النيابة. (٣٥٧) قال وإذا تكفل عن المشتري بالثمن جاز ل لأنه دين كسائر الديون

تشریح: ایک روایت یہ ہے کہ کفیل کی برأت کوشرط کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ کفیل پراصل قرض نہیں ہے،اس پرصرف مطالبہ ہےاور ذمہ داری ہے،اس لئے وہ اسقاط محض ہے، یہی وجہ ہے کہ کفیل بری ہونے کورد کرنا چاہے تو رد نہیں کرسکتا، ہاں اصیل پر قرض ہےاوراس کو بری کرنا تملیک کرنا ہے اس لئے اس کوشرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :(٣٥٦) ہر وہ حق کہ اس کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو اس کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔ جیسے حدوداور قصاص۔

ترجمہ :ل اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس حد کا کفیل بننا جائز نہیں ہے، مجرم کو حاضر کرنے کے کفیل کے بارے میں بات نہیں ہے۔اس لئے کہ حد کو کفیل پر جاری کرنا ناممکن ہے،اور یہ اس لئے ہے کہ حد میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔

تشریح : جو چیز کفیل سے لینا یا وصول کرنا ممکن نہیں اس کا کفیل بننا بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ مجرم پر اگر حد جاری نہ کرسکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ پر وہ حد جاری کردیں۔ یا مجرم سے قصاص نہ لے سکو تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں کہ مجھ سے قصاص لے لو اور میرا ہاتھ قصاص مین کاٹ دو تو یہ کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔ ہاں مجرم کو مجلس میں حاضر کرنے کا کفیل بننا صاحبینؒ کے یہاں جائز ہے۔

وجہ :(۱) حدوداور قصاص اصل مجرم سے ہی لئے جاتے ہیں دوسروں سے نہیں۔ اسلئے اسکی کفالت بھی درست نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے۔**حدثنی عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال لا کفالة فی حد** (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی الکفالة ببدن من علیه حق، ج سادس، ص ۱۲۷، نمبر ۱۱۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ حد میں کفالت نہیں ہے

نوٹ :اوپر کے ایک مسئلہ میں تھا کہ حداور قصاص میں کفالہ بالنفس لینے کے لئے مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔اور یہاں ہے کہ خود حداور قصاص کا کفیل بننا درست نہیں ہے۔اس لئے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

ترجمہ :(٣٥٧) اگر مشتری کی جانب سے کفیل بنا ثمن کا تو جائز ہے۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ اور دین کی طرح یہ بھی دین ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں مثل اپنی جانب سے دے سکتا ہو وہاں کفیل بن سکتا ہے۔اور جہاں مثل اپنی جانب

(۳۵۸) وإن تكفل عن البائع بالمبيع لم تصح

سے نہیں دے سکتا ہو بلکہ بعینہ وہی چیز دینا لازم ہو جو مکفول عنہ کے پاس ہے تو وہاں کفیل نہیں بن سکتا۔

تشریح :کفیل نے بائع کو یوں کہا کہ مشتری کو مبیع دے دو اگر اس نے اس کی قیمت نہیں دی تو میں دوں گا تو جائز ہے۔

وجہ :(۱) قیمت ادا کرنا یہ بھی ایک قسم کا قرض ہے اور قرض کا کفیل بن سکتا ہے تو قیمت کا بھی کفیل بن سکتا ہے (۲) قیمت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ بعینہ وہی رقم دے جو مشتری کے پاس ہے بلکہ اس کے مثل اپنی جانب سے بھی رقم دے سکتا ہے۔اس لئے کفیل بننا درست ہے (۳) اثر میں ہے کہ ثمن کے کفیل بننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **عن عبد الله بن عمر انه كان لا يرى بالرهن والحميل مع السلف بأسا.** (سنن للبیھقی، باب جواز الرھن والحمیل فی السلف، ج سادس، ص ۱۹) اس اثر میں بیع میں کفیل بننے سے عبد اللہ بن عمر کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے (۴) بخاری میں بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے کسی سے ایک ہزار کا سامان مانگا تو بائع نے ثمن کے لئے کفیل مانگا تو انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی هريرة عن رسول الله ﷺ انه ذكر رجلا من بنی اسرائيل سأل بعض بنی اسرائيل ان يسلفه الف دينار فقال ائتنی بالشهداء اشهدهم فقال كفى بالله شهيدا قال فأتنی بالكفيل قال كفى بالله كفيلا قال صدقت.** (بخاری شریف، باب الکفالة فی القرض والدیون بالابدان وغیرھا، ص ۳۰۵، نمبر ۲۲۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثمن کے لئے کفیل بنانا جائز ہے تب ہی تو اس بزرگ سے کفیل مانگا اور انہوں نے کہا کہ اللہ اس کا کفیل کافی ہے۔

ترجمہ :(۳۵۸) اگر بائع کی جانب سے مبیع کا کفیل بنے تو صحیح نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے جس چیز کی مثل نہیں دے سکتا ہو اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

تشریح :اگر یوں کفیل بنے کہ میں بائع پر زور دوں گا کہ وہ مبیع آپ کے حوالے ضرور کرے تب تو کفیل بننا صحیح ہے۔لیکن یوں کفیل بنے کہ وہ مبیع نہیں دے گا تو میں اپنی جانب سے مبیع دے دوں گا تو ایسا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

وجہ : مبیع میں ضروری ہے کہ وہی چیز دے جو طے ہوئی ہے۔اس کی مثل دوسری چیز اپنی جانب سے دوں گا یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کفیل بھی نہیں بن سکتا۔اتنا ہو گا کہ بائع مبیع حوالے نہیں کرے گا تو بیع ختم ہو جائے گی اور بائع کو قیمت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گی ۔

صاحب ہدایہ نے یہاں دس چیزوں کا حکم بیان کیا ہے، اور محاورات استعمال کئے ہیں اس لئے پہلے محاورات سمجھیں، پھر مسئلہ سمجھیں

محاورات

﴿[۱]اعیان غیر مضمونہ﴾

امانت کی چیز بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان لازم نہیں ہوتا اس لئے اس کو،اعیان غیر مضمونہ، کہتے ہیں، چونکہ اس کی قیمت ہی لازم نہیں ہے اس لئے اس کا کفیل بننا بھی درست نہیں ہے۔ نیچے کے پانچ قسمیں امانتیں ہیں۔

[۱]......امانت رکھی ہوئی چیز [۲]......مانگ کر لائی چیز [۳......]اجرت پر لی ہوئی چیز [۴]......تجارت کے لئے مضاربت پر لیا ہوا مال [۵]......شرکت کا مال	ان سب کا کفیل بننا درست نہیں ہے۔

﴿[۲]مضمون بنفسہ﴾

اسی چیز کا واپس کرنا واجب ہو، ہاں ہلاک ہوجائے تو اب اس کی قیمت واجب ہو اس کو مضمون بنفسہ، کہتے ہیں۔ نیچے کی تین چیزیں مضمون بنفسہ ہیں

[۱]......بیع فاسد میں مبیع مشتری کے پاس ہو تو اسی کو واپس کرنا ضروری ہے، وہ ہلاک ہوجائے تب اس کی قیمت لازم ہوگی

[۲]......مقبوض علی سوم الشراء: بیوی کو دکھلانے کے لئے کپڑا لے گیا کہ وہ پسند کرے گی تو خریدوں گا۔ تو ابھی بیع نہیں ہوئی ہے اس لئے اسی کپڑا کو واپس کرنا ضروری ہے، وہ ہلاک ہوجائے تب اس کی قیمت لازم ہوگی

[۳]......غصب کی چیز غاصب کے پاس ہو تو اسی چیز کو واپس کرنا ضروری ہے، وہ ہلاک ہوجائے تب اس کی قیمت لازم ہوگی

چونکہ ان میں ہلاک ہونے کے بعد اس کی قیمت لازم ہوتی ہے اس لئے اس میں کفیل بننا درست ہے۔

﴿[۳]عین مضمون بغیرہ﴾

رقم کے بدلے میں کوئی چیز مشتری کے پاس ہے تو چونکہ غیر کی وجہ سے مضمون ہے اس لئے اس کو،مضمون بغیرہ، کہتے ہیں۔۔ مبیع اور رہن مضمون بغیرہ ہے۔

[۱]......مبیع مشتری کے پاس ہوتی ہے، لیکن وہ ثمن کے بدلے میں ہوتی ہے، اس لئے اس کو عین مضمون بغیرہ، کہتے ہیں۔ مبیع ہلاک ہوجائے تو اس کے بدلے میں کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، بلکہ بیع ختم ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کا یوں کفیل بننا درست نہیں

ا؎ لأنه عين مضمون بغيره وهو الثمن ۲؎ والكفالة بالأعيان المضمونة وإن كانت تصح عندنا خلافا للشافعي رحمه الله لكن بالأعيان المضمونة بنفسها كالمبيع بيعا فاسدا والمقبوض على

ہے کہ میں مبیع کے بدلے میں دوسری مبیع دے دوں گا۔

[۲]......رہن کی چیز، قرضے کے بدلے میں یہ چیز رقم دینے والے کے قبضے میں ہوتی ہے، اس لئے اس کو عین مضمون بغیرہ، کہتے ہیں۔ اگر مرہون چیز قرض دینے والے کے قبضے میں ہلاک ہوجائے تو اس کی قیمت کی مقدار قرض کم ہوجاتا ہے، اس لئے اس کے بدلے میں کوئی چیز دینے کے کفیل بننے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ مبیع ایسا عین ہے جو مضمون بغیرہ ہے، اور وہ ثمن ہے۔

تشریح :مبیع کے لئے کفیل نہ بننے کے لئے یہ دلیل عقلی ہے۔ مشتری کے پاس مبیع ثمن کے بدلے میں ہوتی ہے، اس لئے وہ مضمون بغیرہ ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ مبیع ہی لازم ہوتی ہے، اور اگر بائع کے پاس مبیع ہلاک ہوجائے تو بیع ختم ہوجاتی ہے اس لئے اس کا کفیل بننا درست نہیں ہے۔ باقی تفصیل اوپر گزر گئی ہے۔

ترجمہ :۲؎ اعیان مضمونہ کی کفالت اگر چہ ہمارے یہاں درست ہے، خلاف ہے امام شافعیؒ کا، لیکن اس سے مراد اعیان مضمون بنفسہ ہے، جیسے بیع فاسد میں مبیع، یا بھاؤ کرنے کے لئے قبضہ کی ہوئی مبیع، یا غصب کی چیز، اس سے مراب مضمون بغیرہ نہیں ہے

تشریح : یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ اعیان مضمون بنفسہ کا کفیل بننا جائز ہے، اعیان مضمون بنفسہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو وہی چیز دینا لازم ہے، لیکن وہ ہلاگ ہوئی تو اب اس کی قیمت لازم ہوگی، چونکہ کسی نہ کسی درجے میں قیمت لازم ہوتی ہے اس لئے اس کی کفالت جائز ہے۔

اعیان مضمون بنفسہ یہ تین چیزیں ہیں [ا]......بیع فاسد ہوگئی اور مبیع مشتری کے ہاتھ میں ہے تو وہی واپس کرے، ہاں اگر ہلاک ہوگئی تو اب اس کی قیمت لازم ہوگی [۲]...... بھاؤ کے طور مشتری کپڑا لے گیا تو وہی کپڑا واپس کرے، ہاں وہ ہلاک ہوگیا تو اب اس کی قیمت واجب ہوگی [۳]......غصب کی چیز کو واپس کرے، ہاں وہ ہلاک ہوجائے تو اب اس کی قیمت لازم ہوگی۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی کفالت جائز نہیں ہے۔

وجہ :انکے یہاں کفیل پر بھی اصل قرض آجاتا ہے، اور یہاں اصل مبیع کفیل پر نہیں آسکتا اس لئے کفیل نہیں بن سکتا، اور حنفیہؒ کے یہاں اصل قرض تو اصیل پر ہی رہتا ہے، کفیل پر صرف مطالبہ آتا ہے اس لئے مضمون بنفسہ کا کفیل بن سکتا ہے۔

ترجمہ :۳؎ جو اعیان مضمون بغیرہ ہے جیسے مبیع اور رہن کی چیز اس کا کفیل نہیں بن سکتا۔

سوم الشراء والمغصوب ۳ لا بما كان مضمونا بغيره كالمبيع والمرهون ۴ولا بما كان أمانة كالوديعة والمستعار والمستأجر ومال المضاربة والشركة. ۵ ولو كفل بتسليم المبيع قبل القبض أو بتسليم الرهن بعد القبض إلى الراهن أو بتسليم المستأجَر إلى المستأجر جاز لأنه

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ مبیع ثمن کے بدلے میں مشتری کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور مبیع ہی لازم ہوتی ہے دوسری چیز نہیں، اور مبیع ہلاک ہو جائے تو بیع ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس کفیل نہیں بن سکتا، اسی طرح رہن کی چیز قرض دینے والے کے ہاتھ میں قرض کے بدلے میں ہوتی ہے، اور اسی کو مقروض کی طرف واپس کرنا پڑتا ہے، اور وہ ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کی مقدار قرض مقروض سے ختم ہو جاتا ہے اس لئے اس کا کفیل نہیں بن سکتا۔

ترجمہ :۴ جو امانت ہو اس کا بھی کفیل نہیں بن سکتا، جیسے امانت رکھی ہوئی چیز، عاریت پر لی ہوئی چیز، اجرت پر لی ہوئی چیز، مضاربت کا مال، شرکت کا مال۔

لغت : امانت: کسی نے کسی کے پاس رقم امانت رکھی۔ مستعار: مثلا کھانا پکانے کے لئے پڑوسی سے برتن مانگ کر لے گئے یہ عاریت کی چیز ہوئی۔ مال مضاربت: ایک آدمی کا مال ہو اور دوسرا آدمی کی محنت ہو اور تجارت کرے تو اس مال کو مضاربت کا مال کہتے ہیں۔ شرکت: دو آدمی کا مال ہو اور دونوں مل کر تجارت کرے تو یہ شرکت کا مال ہے، یہ سب مال بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں ہے، اس لئے اس کا کفیل بھی نہیں بن سکتا۔

ترجمہ :۵ اگر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع سپرد کرنے کا کفیل بنا، یا قبضے کے بعد مقروض کو شیء مرہون سپرد کرنے کا کفیل بنا، یا اجرت والے کو اجرت کی چیز سپرد کرنے کا کفیل بنے تو جائز ہے، اس لئے کہ فعل واجب کو لازم کیا ہے۔

تشریح :[۱]......کوئی آدمی کفیل بنے کہ بائع کو مبیع سپرد کرنے پر زور دوں گا تو یہ کفالت جائز ہے، اس لئے کہ یہاں مبیع کو اپنی جانب سے نہیں دینا صرف اس کے دینے پر زور دینا ہے۔ [۲] رہن کی چیز قرض دینے والے کے پاس تھی، کوئی آدمی کفیل بنے کہ میں رہن کی چیز مقروض کو واپس کرواؤں گا تو جائز ہے۔ [۲]......اجرت پر لینے والے کے پاس اجرت کی چیز تھی، کوئی آدمی کفیل بنے کہ میں اس کو چیز والے کے پاس واپس دلوانے کا کفیل ہوں تو جائز ہے۔

وجہ : یہاں چیز کے بدلے میں دوسری چیز نہیں دینی ہے، بلکہ بائع، اور مرتہن [قرض دینے والے] اور اجرت پر لینے والے پر واپس کرنے کا مطالبہ ہے، اور اسی مطالبہ کا کفیل بنا تو جائز ہوگا۔

لغت :التزم فعلا واجبا، جو فعل اصیل پر واجب تھا اسی کا کفیل بنا ہے اور مطالبہ میں شریک ہونے کا نام کفالت ہے اس لئے یہ کفالت جائز ہوگی۔

التزم فعلا واجبا. (۳۵۹) قال ومن استأجر دابة للحمل عليها فإن كانت بعينها لا تصح الكفالة بالحمل لأنه عاجز عنه (۳۶۰) وإن كانت بغير عينها جازت الكفالة لأنه يمكنه الحمل على دابة نفسه والحمل هو المستحق (۳۶۱) وكذا من استأجر عبدا للخدمة فكفل له رجل بخدمته

ترجمه:(۳۵۹) کسی نے سواری اجرت پر لی لادنے کے لئے، پس اگر وہ معین ہو تو لادنے کا کفالہ صحیح نہیں ہے۔

ترجمه: اس لئے کہ کفیل دوسرا دینے سے عاجز ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اسی اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے مثل نہیں دے سکتا ہو تو کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی سے سواری لادنے کے لئے اجرت پر لی، پس اگر وہ جانور متعین ہو کہ اسی جانور پر لادنا ہے تو اب اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

وجه: کفالت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر اس نے سواری نہیں دی تو میں اپنی سواری لادنے کے لئے دے دوں گا۔ اور اس صورت میں سواری متعین ہے اس لئے اپنی سواری دے نہیں سکتا اس لئے اس کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے۔

لغت: دابة : چوپایہ، سواری۔ الحمل : لادنا۔

ترجمه: (۳۶۰) اور اگر سواری غیر متعین ہو تو کفالہ جائز ہوگا۔

ترجمه: اس لئے کہ ممکن ہے کہ کفیل اپنی سواری پر لادوا دے، کیونکہ لادنا ہی مستحق ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنی جانب سے اس کی مثل دے سکتا ہو تو کفیل بننا درست ہے۔ کیونکہ کفیل اس کی مثل دے دیگا

وجه: اس صورت میں اگر مکفول عنہ نے سواری لادنے کے لئے نہیں دی تو اپنی جانب سے سواری دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سواری متعین نہیں ہے اس لئے کفیل بننا درست ہے۔

ترجمه: (۳۶۱) ایسے ہی متعین غلام کو خدمت کے لئے اجرت پر لیا، اور اس کی خدمت کے لئے کوئی آدمی کفیل بن گیا تو کفالہ باطل ہے۔

ترجمه: اس لئے دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

تشریح: کسی نے متعین غلام خدمت کے لئے اجرت پر لیا، تو اس کا کفیل نہیں بن سکتا، کیونکہ وہ متعین غلام کفیل کے پاس نہیں ہے جس سے خدمت کرائے اس لئے کفیل بھی نہیں بن سکتا۔ ہاں غیر متعین غلام اجرت پر لیا ہو تو کفیل بن سکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں اصیل کا غلام خدمت کے لئے میسر نہ ہو تو اپنا غلام خدمت کے لئے دے سکتا ہے۔

فهو باطل لما بينا. (۳۶۲)قال ولا تصح الكفالة إلا بقبول المكفول له في المجلس ا وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله. ٢ وقال أبو يوسف رحمه الله آخرا يجوز إذا بلغه أجاز ولم يشترط في بعض النسخ الإجازة والخلاف في الكفالة بالنفس والمال جميعا. له أنه تصرف التزام فيستبد به الملتزم وهذا وجه هذه الرواية عنه. ووجه التوقف ما ذكرناه في الفضولي في

ترجمه :(۳۶۲) نہیں صحیح ہے کفالہ مگر مکفول لہ کے قبول کرنے سے مجلس عقد میں ۔

ترجمه :ا یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہاں مطالبہ کرنے کا مالک بنانا ہے، اس لئے مجلس میں قبول کرنا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مکفول لہ کا مطالبہ اور واسطہ نئے آدمی سے ہوگا اس لئے اس کی رضامندی ضروری ہے۔

تشریح :جس مجلس میں کفیل بن رہا ہو اسی مجلس میں مکفول لہ [قرض دینے والا] نے قبول کیا ہو کہ ہاں میں فلاں کے کفیل بننے سے راضی ہوں تب کفالت صحیح ہوگی ۔تو گویا کہ دو شرطیں ہوئیں ۔ایک مکفول لہ کا قبول کرنا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مجلس کفالت میں قبول کرے اس سے باہر قبول کرے تو کفالت صحیح نہیں ہوگی۔

وجه : کفیل بن کر گویا کہ کفیل نے مکفول لہ کو اس بات کا مالک بنایا کہ اب آپ مجھ سے بھی مطالبہ کریں گے، اور کسی چیز کا مالک بنانا ہو تو دو قاعدے آتے ہیں [۱] ایک یہ کہ سامنے قبول کرے تب وہ مالک بنتا ہے، [۲] اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ مجلس میں قبول کرے، مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کرنے کا حق ساقط ہو جاتا ہے، جیسے بیع میں ہوتا ہے، اس لئے یہاں بھی مکفول لہ کو قبول کرنا ہوگا، اور مجلس میں قبول کرنا ہوگا، تب کفیل بنے گا۔

ترجمه :۲ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر مکفول لہ کو خبر پہنچ جائے اور وہ اجازت دے دے تب بھی کفالہ جائز ہے۔ اور انکے بعض نسخے میں یہ ہے کہ اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ اختلاف کفالہ بالنفس اور بالمال دونوں میں ہے ۔انکی دلیل یہ ہے کہ کفیل اپنے اوپر تصرف کو لازم کر رہا ہے اس لئے وہ لازم کرنے خود مختار ہے، اس آخری روایت کی وجہ یہی ہے۔ اور مکفول لہ کی اجازت پر موقوف ہونے کی وجہ وہ ہے جو ہم نے فضولی کے نکاح کے بارے میں کہا۔

تشریح :حضرت امام ابو یوسفؒ کی دو روایت ہے۔ایک روایت تو یہ ہے کہ کفیل اپنے اوپر مطالبے کو لازم کر رہا ہے اور احسان کر رہا ہے اس لئے مکفول لہ کے قبول کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ خود مختار ہے۔اس لئے کفیل نے کفالت لے لی اسی سے کفالت ہو جائے گی ۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ مکفول لہ مجلس میں قبول نہ کرے، بلکہ جب اس کو خبر پہنچے اس وقت وہ قبول کر لے تب بھی کفالت درست ہو جائے گی۔

النكاح. ۳؎ ولهما أن فيه معنى التمليك وهو تمليك المطالبة منه فيقوم بهما جميعا والموجود شطره فلا يتوقف على ما وراء المجلس (۳۶۳) إلا في مسألة واحدة وهي أن يقول المريض لوارثه تكفل عني بما علي من الدين فكفل به مع غيبة الغرماء جاز؎ لأن ذلك وصية في الحقيقة

وجہ: اس دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ، یہ نکاح فضولی کی طرح ہے، کتاب النکاح میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول گزرا کہ عورت اپنی جانب سے اصیل ہو اور شوہر کی جانب سے فضولی ہو، یعنی شوہر نے نکاح کرانے کا حکم نہیں دیا، پھر بھی دو گواہوں کے سامنے عورت یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح زید سے کیا، اور بعد میں زید کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا تو نکاح ہو جائے گا، اسی طرح کفیل اپنی جانب سے اصیل ہے اور مکفول لہ کی جانب سے گویا کہ فضولی ہے، اس لئے مکفول لہ کو بعد میں خبر پہنچی اور اس نے کفالت کو قبول کر لیا تب بھی کفالت درست ہو جائے گی، حاصل یہ ہے کہ مجلس کے اندر قبول کرنا ضروری نہیں ہے بعد میں بھی قبول کرلے تب بھی کفالت ہو جائے گی۔ ۔ اثمار ہدایہ، کتاب النکاح، فصل فی الوکالۃ بالنکاح، ص ۱۴۹، نمبر ۱۵۷۹)

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہ: اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مکفول لہ کو مطالبے کا مالک بنانا ہے، اس لئے کفیل اور مکفول لہ دونوں سے کفالت قائم ہوگی، اور موجود ایک ہی حصہ ہے، اس لئے مجلس کے باہر پر موقوف نہیں ہوگا۔

تشریح: طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفیل مکفول لہ کو مطالبے کا مالک بنا رہا ہے، کہ آج سے آپ ہم سے بھی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اور کسی چیز کا مالک بنانا ہو تو پھر مجلس میں ایجاب اور قبول کی ضرورت پڑتی ہے اس کے بغیر مالک نہیں بنے گا، جیسے بیع میں مجلس میں ایجاب اور قبول نہ ہو تو مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوتا، اور مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کرے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہاں مجلس کے بعد قبول کرے تو کفالت نہیں ہوگی۔

لغت: فیقوم بهما جمیعا: یہاں بھما سے مراد کفیل کا ایجاب، اور مکفول لہ کا قبول ہے، یعنی دونوں کے ایجاب اور قبول سے کفالت ہوگی۔ شطرہ: ایک حصہ، یعنی صرف کفیل کا ایجاب پایا گیا۔ ماوراء المجلس: مجلس سے باہر۔

ترجمہ: (۳۶۳) مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ کہ بیمار اپنے وارث سے کہے کہ میری جانب سے کفیل ہو جاؤ اس چیز کا جو میرے اوپر دین ہے، پس اس کا کفیل بن گیا قرضخواہوں کی عدم موجودگی میں تو جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ حقیقت میں وصیت ہے، اسی لئے مکفول لہ کا نام نہ لے تب بھی صحیح ہو جاتا ہے۔

تشریح: یہ ایک مسئلہ ایسا ہے کہ مکفول لہ کفالت کو قبول نہ کرے بلکہ مکفول لہ غائب ہو تب بھی کفالت درست ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے اور اپنے وارث سے کہتا ہے کہ مجھ پر جتنا دین ہے اس کا تم کفیل بن جاؤ اور وہ مکفول

ولهذا تصح وإن لم يسم المكفول لهم؟ ولهذا قالوا إنما تصح إذا كان له مال ٣ أو يقال إنه قائم مقام الطالب لحاجته إليه تفريغا لذمته وفيه نفع الطالب فصار كما إذا حضر بنفسه ٤ وإنما يصح بهذا اللفظ ولا يشترط القبول لأنه يراد به التحقيق دون المساومة ظاهرا في هذه الحالة فصار

لہ کی عدم موجودگی میں کفیل بن جائے تو اس صورت میں وارث کا کفیل بننا صحیح ہے۔

وجہ : یہ اصل میں کفیل بننا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں قرض خواہوں کو قرض ادا کرنے کے لئے وصیت ہے۔اور کفیل حقیقت میں وصی ہے اس لئے اس صورت میں مکفول لہ کے قبول کئے بغیر بھی کفیل بننا درست ہے (۲) یہاں مجبوری بھی ہے کیونکہ موت کے وقت تمام قرض دینے والے حاضر نہیں ہوتے ہیں۔اب اگر کفیل یا وصی نہ بنایا جائے تو قرض دینے والوں کا قرض ضائع ہو جائے گا۔اس لئے مکفول لہ کے قبول کئے بغیر کفیل بننا درست ہے۔

لغت:الغرماء : قرض دینے والے،قرض خواہ۔

ترجمہ :۲ اسی لئے حضرات نے کہا ہے کہ مریض کا یہ جملہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اس کے پاس مال ہو۔

تشریح :چونکہ مریض یہ جملہ ,**تکفل عنی بما علی من الدین** ،وصیت ہے اور وصیت جاری کرنے کے لئے مال ہونا ضروری ہے،اس لئے کچھ حضرات نے فرمایا کہ مال کا موجود ہونا ضروری ہے۔

ترجمہ :۳ یا یہ کہا جائے کہ مریض خود قرض دینے والے کے قائم مقام ہے کیونکہ اپنے ذمے کو فارغ کرنے کی ضرورت ہے،اور اس میں قرض دینے والے کا نفع ہے،جیسے کہ خود قرض دینے والے حاضر ہو جاتے اور وارث سے کہتے میرے لئے کفیل بن جائیں

تشریح : یہاں کفالت صحیح ہونے کے لئے یہ دوسری تاویل ہے،یوں سمجھا جائے گا کہ خود مریض قرض دینے والے کے قائم مقام ہو گیا،اس وقت مریض کا ,تکفل عنی، کہنا ہی ایجاب اور قبول دونوں ہو گیا اور کفالہ درست ہو گیا،کیونکہ مریض کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہے،اور قرض دینے والے کا اس میں نفع ہے اس لئے مریض کا ایک جملہ سب کے لئے کافی ہو گیا۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں خود قرض دینے والے حاضر ہو کر وارث سے کہتے کہ آپ میرا وکیل بن جائیں تو درست ہو جاتا،پس اسی طرح خود مریض طالب کے قائم مقام ہو گیا تب بھی کفالت ہو جائے گی۔

ترجمہ :۴ صرف تکفل عنی کے لفظ سے کفالہ صحیح ہو گیا اور مکفول لہ کی جانب سے قبول کی شرط نہیں لگائی گئی اس لئے کہ یہاں کرنا ہی مقصود ہے،بھاؤ تاؤ کرنا مقصود نہیں ہے،تو ایسا ہو گیا جیسے عورت کو نکاح کا حکم دے۔

تشریح :یہ اشکال کا جواب ہے،اشکال یہ ہے کہ یہاں مجلس میں مکفول لہ کے قبول کرنے کی شرط کیوں نہیں لگائی تو اس کا دو

كالأمر بالنكاح ۵ ولو قال المريض ذلك لأجنبي اختلف المشايخ فيه. (٣٦٤) قال وإذا مات الرجل وعليه ديون ولم يترك شيئا فتكفل عنه رجل للغرماء لم تصح عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا تصح ۱ لأنه كفل بدين ثابت لأنه وجب لحق الطالب ولم يوجد المسقط ولهذا يبقى في

جواب دے رہے ہیں۔[۱]......ایک یہ کہ بیع میں کبھی بھاؤ کرنا مقصود ہوتا ہے اور خریدنے کی نیت نہیں ہوتی ہے اس لئے وہاں قبول کرے گا تب بیع ہوگی، اور یہاں موت کا وقت ہے اس لئے کفیل بنانا ہی ہے اس لئے صرف مریض کے کہنے سے کفالت ہو جائے گی۔[۲]......دوسرا جواب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی عورت سے کہے کہ تم اپنی ذات سے میرا نکاح کرادو، اس کی وجہ سے وہ وکیل بن گئی، اب صرف عورت تزوجتُ، کہہ دے تو نکاح ہو جاتا ہے، اور قبول کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اسی طرح یہاں صرف مریض نے تکفل عنی، کہا تو وارث کفیل بن جائے گا۔

ترجمه :۵ اور اگر مریض نے اجنبی سے کہا تکفل عنی، تو کفیل بنے گا یا نہیں اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح :بعض حضرات نے کہا کہ اس صورت میں قبول کئے بغیر کفیل نہیں بنے گا، اور بعض حضرات نے کہا کہ موت کا وقت ہے اس لئے قبول کئے بھی کفیل بن جائے گا۔

ترجمه :(۳۶۴) اگر آدمی مر گیا اور اس پر قرض ہو اور کچھ چھوڑا نہ ہو اور اس کی جانب سے قرض دینے والوں کے لئے کوئی کفیل بن گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ صحیح ہے۔

تشریح :ایک آدمی مرا اور اس نے کفیل بھی نہیں چھوڑا اور مال بھی نہیں چھوڑا، اور اس پر قرض ہے، اب ایک آدمی اس کا کفیل بن جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا کفیل بننا درست نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک درست ہے۔ دلیل آگے آرہی ہے۔

اصول :امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ یہ قرض ہی میت سے ساقط ہو گیا ہے اس لئے کفیل بننا درست نہیں ہے، البتہ ادا کردے تو کفالت کے طور پر ادا نہیں ہوگا، تبرع اور احسان کے طور پر ادا ہوگا۔

اصول :صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ میت پر دین ابھی موجود ہے اس لئے کفیل بننا درست ہے۔

ترجمه :۱ اس لئے کہ ثابت قرض کا کفیل بنا ہے اس لئے کہ قرض دینے والے کے حق کے لئے واجب ہوا، اور ساقط کرنے والی کوئی بات نہیں پائی گئی، یہی وجہ ہے کہ آخرت کے احکام میں قرض باقی رہے گا، چنانچہ کوئی احسان کے طور پر قرض ادا کردے تو ادا ہو جاتا ہے، ایسے ہی کوئی پہلے سے کفیل ہو، یا میت کا مال ہو تو کفیل بننا صحیح ہوتا ہے۔

تشریح :یہ صاحبینؒ کی پانچ دلیلیں ہیں۔[۱]......میت پر قرض ثابت تھا اور اس کو نہ ادا کیا ہے اور نہ قرض والے نے

حق أحكام الآخرة ولو تبرع به إنسان يصح وكذا يبقى إذا كان به كفيل أو مال. ۲؎ وله أنه كفل بدين ساقط لأن الدين هو الفعل حقيقة ولهذا يوصف بالوجوب. لكنه في الحكم مال لأنه يؤول إليه في المآل وقد عجز بنفسه وبخلفه ففات عاقبة الاستيفاء فيسقط ضرورة ۳؎والتبرع لا

معاف کیا ہے اس لئے کفیل بننا درست ہوگا۔[۲] ...... چنانچہ آخرت میں میت کو حساب دینا ہوگا۔[۳] ......کوئی کفیل بنے بغیر احسان کے طور پر ادا کر دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی ادا ہو جاتا ہے اس لئے کفالت کے طور پر ادا کرے تب بھی ادا ہو جائے گا۔[۴] ......اگر زندگی میں کوئی کفیل بنا ہو تو اس کا ادا کرنا صحیح ہوتا ہے اسی طرح بعد میں کفیل بنے تو بھی کفیل بننا درست ہوگا۔[۵] ......اگر میت مال چھوڑے تو کفیل بننا درست ہوتا ہے، اس لئے بغیر مال کے بھی درست ہوگا۔

وجه :اس حدیث میں صحابی میت کے قرض کا کفیل بنے ہیں اس لئے بھی درست ہوگا۔**عن سلمة بن اکوعؓ قال کنا جلوسا عند النبی ﷺ اذا اتی بجنازة ...... قال هل ترک شیئا قالوا لا قال فهل علیه دین ؟ قالوا ثلاثة دنانیر قال صلوا علی صاحبکم فقال ابو قتادة صل علیه یا رسول الله و علی دینه فصلی علیه** ۔(بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز،، کتاب الحوالات،ص ۳۶۵،نمبر ۲۲۸۹ رترمذی شریف، باب ما جاء فی الصلوۃ علی المدیون،ص ۲۰۵،نمبر ۱۰۶۹) اس حدیث میں حضرت ابوقتادہ کفیل بنے ہیں۔

ترجمه :۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ساقط شدہ قرض کا کفیل بنا ہے اس لئے کہ قرض اصل میں ادا کرنا ہے اسی لئے دین کو وجوب کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے لیکن آخیر میں وہ مال پر جاتا ہے، کیونکہ ادائیگی مال ہی کی طرف لوٹتی ہے، اور میت اب ادا کرنے سے عاجز ہو گیا، اور مال خلیفہ بھی نہیں رہا اس لئے مجبورا وصول کرنا ختم ہو گیا اس لئے دنیا میں قرض ساقط ہو گیا۔

تشریح : یہاں دو باتیں یاد رکھیں[۱] ......ایک تو کہ کفالہ اس کو کہتے ہیں کہ مکفول عنہ سے بعد میں مال وصول کر سکے، اور یہاں میت کا مال بھی نہیں ہے تو وصول کیسے کرے گا، اسلئے کفالہ نہیں بن سکے گا، جو کچھ دے گا اور تبرع اور احسان ہوگا۔

[۲] ......دوسری بات یہ ہے کہ میت کے پاس مال بھی نہیں ہے اس لئے وصول بھی نہیں ہو پائے گا، اور وارث سے بھی وصول نہیں سکتے کیونکہ وہ اس کا ذمہ دار نہیں ہے اس لئے مجبورا دنیوی اعتبار سے قرض ساقط ہو گیا ہے، اس لئے کفیل بننا بھی درست نہیں ہے۔

یہاں صاحب ہدایہ نے لفظی بحث کی ہے آپ اس کو سمجھیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ساقط شدہ قرض کا کفیل بنا ہے، کیونکہ دین کہتے ہیں ادا کرنے کو اسی لئے ,دین واجب، کہتے ہیں اور قرض کو واجب کے ساتھ متصف کرتے ہیں، اور میت اب ادا کر نہیں سکتا اس لئے وہ ساقط ہو گیا، باقی رہا مال کو واجب کے ساتھ متصف کرتے ہیں، اور کہتے ہیں ,مال واجب، تو یہ اس لئے کہ

يعتمد قيام الدين ﴿۴﴾ وإذا كان به كفيل أو له مال فخلفه أو الإفضاء إلى الأداء باق. (۳۶۵)قال

ومن كفل عن رجل بألف عليه بأمره فقضاه الألف قبل أن يعطيه صاحب المال فليس له أن يرجع فيها ﴿۱﴾ لأنه تعلق به حق القابض على احتمال قضائه الدين فلا يجوز المطالبة ما بقي هذا الاحتمال

اداتو آخر مال ہی کو کرے گا، چونکہ مال کی طرف ہی قرض کی ادائیگی لوٹے گی اس لئے مال کو بھی, مال واجب، کہہ دیتے ہیں۔

ترجمہ :﴿۳﴾ اور قرض ادا کرنے کے لئے قرض کا قائم ہونا ضروری نہیں ہے، یہ تو بغیر قرض کے بھی کرسکتا ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ تبرع کرے تو جائز ہے اس لئے کفیل بنا بھی جائز ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ احسان کرنے کے لئے قرض کا ہونا ضروری نہیں ہے، مثلا زید کہتا ہے کہ عمر پر خالد کا ایک ہزار قرض ہے، اور میں اس کو ادا کرتا ہوں، عمر نے قرض کا انکار کیا پھر بھی زید ایک ہزار خالد کو دے سکتا، اس لئے کہ احسان کے لئے قرض ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ:﴿۴﴾ اور اگر میت کا پہلے سے کفیل ہو، یا اس کا مال موجود ہو تو کفیل خلیفہ موجود ہے، یا ادائیگی تک پہچانے کیلئے مال باقی ہے

تشریح : یہ بھی صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ کفیل ہو، یا مال ہو تو کفیل بنا درست ہے اور قرض ساقط نہیں ہوتا۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پہلے سے کفیل ہو تو میت کا خلیفہ موجود ہے، یا مال موجود ہو تو قرض کی ادائیگی تک پہنچنے کا راستہ موجود ہے اس لئے قرض ادا کیا جا سکتا ہے، اس لئے قرض کو باقی شمار کیا گیا، اور مال نہ ہو تو خلیفہ بھی نہیں ہے اس لئے مجبورا قرض ساقط ہو گیا اس لئے اب کفیل نہیں بن سکتا۔

ترجمہ :(۳۶۵) کوئی آدمی کسی آدمی کا اس کے حکم سے ایک ہزار کا کفیل بنا، غریب نے کفیل کے ادا کرنے سے پہلے اس کو ایک ہزار دے دیا تو اس غریب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس ہزار کو واپس لے۔

ترجمہ :﴿۱﴾ اس لئے کہ اس ہزار کے ساتھ کفیل کا حق متعلق ہو گیا ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ قرض ادا کرے گا اس لئے جب تک یہ احتمال باقی رہے گا اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا، جیسے کوئی جلدی زکوۃ دے دے اور زکوۃ لینے والے کو حوالہ بھی کر دے [تو اس سے زکوۃ کا مال واپس نہیں لے سکتا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کوئی رقم کا مالک بن جائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا، اور امانت کے طور پر ہو تو واپس لے سکتا ہے۔

تشریح :مثلا زید پر قرض تھا اس کے حکم سے عمر کفیل بنا، عمر نے خالد قرض دینے والے کو ابھی رقم نہیں دی ہے اس سے پہلے زید مقروض نے عمر کو ایک ہزار دے دیا، اب اس ایک ہزار کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا، ہاں مہربانی کر کے دے دے تو

كـمن عجل زكاته ودفعها إلى الساعي۲ ولأنـه ملكه بالقبض على ما نذكر۳ بخلاف ما إذا كان الدفع على وجه الرسالة لأنه تمحض أمانة في يده (۳۶۶) وإن ربح الكفيل فيه فهو لا يتصدق به ۱ لأنه ملكه حين قبضه۲ أمـا إذا قضى الدين فظاهر وكذا إذا قضى المطلوب بنفسه وثبت له حق

ٹھیک ہے لیکن قضا کے طور پر نہیں لے سکتا۔

وجہ:(۱) یہ ممکن ہے کہ کفیل اس ایک ہزار کو قرض دینے والے کو دے اس لئے اب اس کے ساتھ کفیل کا حق متعلق ہو گیا ہے اس لئے زید مقروض اس کو واپس نہیں لے سکتا۔(۲) زکوۃ دینے والا سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ ساعی [یعنی زکوۃ وصول کرنے والے] کو دے دیا تو اب اس سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ وہ سال گزرنے کے بعد زکوۃ ادا کرے گا، اسی طرح مقروض واپس نہیں لے سکتا

ترجمہ:۲ اور اس لئے کہ کفیل اس مال کا مالک بن گیا، جیسا کہ بعد میں ذکر کریں گے۔

تشریح:[۳] یہ تیسری وجہ ہے کہ کفیل قرض ادا کرنے کے لئے اس دین کا مالک بن گیا تھا، اس لئے زید اس کو واپس نہیں لے سکتا، ہاں زید خود ہی قرض ادا کر دے تب اس ہزار کو کفیل سے واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ:۳ بخلاف ہاں اگر زید نے قاصد بنا کر دیا [تو واپس لے سکتا ہے] اس لئے کہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔

تشریح: اگر زید نے عمر کو کفیل نہیں بنایا بلکہ قاصد بنا کر بھیجا کہ جا کر خالد کو دے آؤ۔ اور ابھی تک خالد کو دیا نہیں ہے تو زید عمر سے یہ رقم واپس لے سکتا ہے، کیونکہ عمر اس کا مالک نہیں بنا ہے بلکہ اس کے امانت کے طور پر ہے جو کبھی بھی واپس لے سکتا ہے۔

ترجمہ:(۳۶۶) اگر کفیل نے اس مال سے نفع اٹھایا تو یہ نفع کفیل کا ہے۔

ترجمہ:۱ اس لئے کہ جب اس نے قبضہ کیا تو کفیل اس کا مالک بن گیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل مقروض کی رقم کا مالک بن چکا ہے اس لئے اس نفع اٹھانا جائز ہے۔

تشریح: چونکہ ہزار پر قبضہ کے بعد اس کا مالک بن گیا ہے اس لئے اس مال سے نفع اٹھا تو یہ نفع خود کفیل کا ہے اس لئے اس کو صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ:۲ بہر حال اگر قرض ادا کر دیا تب ظاہر ہے کہ کفیل اس مال کا مالک ہی بن گیا۔، ایسے ہی اگر مقروض [مکفول عنہ] نے خود ادا کر دیا اور مقروض واپس لینے کا حق ہو گیا [تب بھی کفیل مال کا مالک بن گیا ہے] اس لئے کہ کفیل کا مقروض پر اتنا حق واجب ہو گیا ہے جتنا حق قرض دینے والے کا کفیل پر آیا ہے یہ اور بات ہے کہ کفیل کو مقروض سے قرض ادا کرنے کے بعد مطالبہ کرنے کا حق ملے گا۔ اس لئے یہ دین مؤخر کے درجے میں اتر گیا۔

الاسترداد لأنه وجب له على المكفول عنه مثل ما وجب للطالب عليه إلا أنه أخرت المطالبة إلى وقت الأداء فنزل منزلة الدين المؤجل ۳؎ ولهذا لو أبرأ الكفيل المطلوب قبل أدائه يصح فكذا إذا قبضه يملكه ۴؎ إلا أن فيه نوع خبث نبينه فلا يعمل مع الملک فيما لا يتعين وقد قررناه في

تشریح : اگر کفیل نے قرض دینے والے کو قرض دے دیا تب تو اس ایک ہزار کا مالک بن گیا، اور نفع اٹھانا درست ہو گیا۔ لیکن اگر مقروض نے قرض ادا کر دیا اور کفیل کو دی ہوئی کو واپس لینے کا حقدار بن گیا تب بھی کفیل اس رقم کا مالک بن گیا ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت سے کفیل بنا اسی وقت سے کفیل کا اتنا حق مقروض پر ہو گیا ہے جتنے کا کفیل بنا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس رقم کے مطالبے کا حق ادا کرنے کے بعد ہوگا، چونکہ رقم کا حقدار ہو گیا ہے اس لئے جب مقروض نے ایک ہزار دیا تو کفیل اس کا مالک بن گیا اس لئے اس سے نفع اٹھانا بھی جائز ہو گیا۔ اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ مثلا خالد نے ایک ماہ کی مہلت کے ساتھ قرض دیا تو وہ اس رقم کا حقدار ابھی سے ہو گیا ہے، لیکن ایک مہینے کی مدت دی ہے اس لئے ابھی اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا، اسی طرح یہاں کفیل ابھی مطالبہ نہیں کر سکتا، لیکن حقدار ہو گیا ہے اس لئے مالک بن جائے گا

لغت :نزل منزلۃ الدین المؤجل: مثلا زید نے ایک ماہ کی مدت کے ساتھ خالد کو قرض دیا ہے تو زید ابھی سے اس قرض کے واپس لینے کا حقدار ہو گیا ہے، البتہ ایک ماہ تک مانگنے کا حقدار نہیں ہے، تاہم خالد ماہ سے پہلے قرض واپس کرے گا تو زید اس کا مالک بن جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ اسی لئے اگر ادائیگی سے پہلے کفیل مقروض کو معاف کرنا چاہے تو صحیح ہے، ایسے ہی رقم پر قبضہ کر لے تو اس کا مالک بن جائے گا۔

تشریح :کفیل مالک بنے گا اس کی دوسری دلیل ہے کہ مقروض نے کفیل کو ابھی دیا نہیں ہے اس سے پہلے کفیل نے مقروض کو معاف کر دیا تو معاف ہو جائے گا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفیل کا حق مقروض پر ہو چکا ہے، اور جب ہو چکا ہے تو مقروض رقم دے گا تو کفیل مالک بھی بن جائے گا، اور اس سے نفع اٹھانا بھی جائز ہوگا۔

ترجمہ :۴؎ لیکن ایک قسم کی تھوڑی خباثت تو ہے جسکو ہم اگلے مسئلے میں بیان کریں گے، لیکن درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اس لئے اتنی سی خبث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس کو کتاب البیوع، فصل فی احکام البیع الفاسد، میں ثابت کر چکے ہیں۔

تشریح : چونکہ مقروض نے خود قرض ادا کر دیا ہے، اب کفیل کو رقم واپس کرنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کسی نہ کسی درجے میں یہ کفیل کا مال نہیں ہے اس لئے اس نفع میں تھوڑا سا خبث ضرور ہے، لیکن درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے

البيوع (۳۶۷) ولو كانت الكفالة بكر حنطة فقبضها الكفيل فباعها وربح فيها فالربح له في الحكم ا لما بينا أنه ملكه (۳۶۸) قال وأحب إلي أن يرده على الذي قضاه الكر ولا يجب عليه في الحكم ا وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله في رواية الجامع الصغير ٢ وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله هو له ولا يرده على الذي قضاه وهو رواية عنه وعنه أنه يتصدق به. لهما أنه ربح في

کہا جا سکتا ہے کہ اس رقم کا مالک کفیل بن گیا، اور اپنی طرف سے دوسرا درہم کفیل نے مقروض کو واپس کر دیا، اس لئے اتنی سی کراہیت پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ:(۳۶۷) اور اگر ایک کر گیہوں کا کفیل بنا اور کفیل نے سکو لے لیا اور اس کو بیچ کر نفع کمایا تو حکم کے اعتبار نفع کفیل کا ہے

ترجمہ: ا کیونکہ ہم نے بیان کیا کہ کفیل اس گیہوں کا مالک بن گیا ہے۔

تشریح: کر گیہوں متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے اس لئے اس سے نفع کمایا تو کراہیت کچھ زیادہ آگئی ہے اس لئے قضا کے اعتبار سے گیہوں دینے والے مقروض کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے، لیکن دیانت یہ نفع مقروض کو واپس کر دے، اور ایک روایت یہ ہے کہ اس نفع کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ:(۳۶۸) لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ جس نے گیہوں دیا ہے [مقروض کو] نفع واپس کر دے، لیکن قضاء یہ واجب نہیں ہے

ترجمہ: ا یہ امام ابو حنیفہؒ کی روایت جامع صغیر میں ہے۔

تشریح: جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ جس نے گیہوں دیا تھا اس کو نفع واپس کر دے، یعنی قرض لینے والے کو واپس کر دے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مکفول عنہ نے اس امید پر کفیل کو گیہوں دیا تھا کہ تم ادا کر دو گے، لیکن جب ادا نہیں کیا، اور گیہوں متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرض لینے والے کے مال سے نفع اٹھایا ہے اس لئے اصل گیہوں کے ساتھ نفع بھی مقروض کو واپس کر دے۔

ترجمہ: ٢ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نے فرمایا کہ یہ نفع کفیل کے لئے ہی ہے، اس کو مقروض کو واپس نہ کرے، یہی ایک روایت امام صاحب کی بھی ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ اس نفع کو صدقہ کر دے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ہے کہ اپنی ملکیت میں نفع اٹھایا ہے اس طرح جو ہم نے بیان کیا، اس لئے یہ نفع کفیل کے لئے ہی سلامت رہے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی تین روایتیں ہو گئیں [۱]...... بہتر یہ ہے کہ مقروض کو نفع واپس کرے، البتہ قضاء یہ فیصلہ نہیں کیا

ملكه على الوجه الذي بيناه فيسلم له. ۳؎ وله أنه تمكن الخبث مع الملك إما لأنه بسبيل من الاسترداد بأن يقضيه بنفسه أو لأنه رضي به على اعتبار قضاء الكفيل فإذا قضاه بنفسه لم يكن راضيا به وهذا الخبث يعمل فيما يتعين فيكون سبيله التصدق في رواية ويرده عليه في رواية لأن الخبث لحقه وهذا أصح لكنه استحباب لا جبر لأن الحق له. (۳٦۹) قال ومن كفل عن رجل بألف عليه بأمره فأمره الأصيل أن يتعين عليه حريرا ففعل فالشراء للكفيل والربح الذي ربحه

جا سکتا ہے۔[۲]...... یہ نفع کفیل کے لئے جائز ہے اس لئے کسی کو واپس نہ کرے۔[۳]......اس نفع کو صدقہ کردے۔
صاحبین نے فرمایا کہ یہ نفع کفیل ہی کا ہے اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس نے اپنی ملکیت میں کمایا ہے۔

ترجمہ :۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملک کے باوجود کچھ خباثت آ ہی گئی ہے، یا اس وجہ سے کہ خود ادا کرنے کی وجہ سے گیہوں واپس لینے کا حقدار ہو گیا، یا اس وجہ سے کہ مقروض اس لئے رقم دینے پر راضی ہوا تھا کہ کفیل قرض دینے والے کو دے گا، لیکن قرض لینے والے خود ادا کیا تو کفیل کو مالک بنانے پر راضی نہیں ہوا، اور یہ خباثت ان چیزوں میں ہوگی جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے، اور اس کا راستہ ایک روایت میں صدقہ کرنا ہے، اور دوسری روایت میں مقروض پر لوٹا دینا ہے کیونکہ اس کے حق کی وجہ سے خباثت آئی ہے، اور یہی صحیح ہے، لیکن یہ مستحب ہے جبر نہیں ہے، کیونکہ کفیل کا بھی حق متعلق ہو چکا ہے

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ گیہوں پر کفیل کی ملکیت تو ہوگئی ہے، لیکن اس میں تھوڑی سی خباثت آ گئی ہے، اس کی دو وجہ ہیں [۱] قرض لینے والے کی امید تھی کہ کفیل ادا کرے گا لیکن جب قرض لینے والے نے خود ادا کر دیا، اور اب اپنی رقم واپس لینے کا حقدار بن گیا تو پتہ چلا کہ کفیل کی ملکیت اتنی پکی نہیں تھی اس لئے اس کے نفع میں خباثت آ گئی۔[۲] دوسری وجہ یہ ہے کہ مقروض نے اس امید پر رقم دی تھی کہ کفیل ادا کرے گا، لیکن جب خود ادا کر دیا تو حقیقت میں وہ رقم دینے پر راضی نہیں ہوا اسلئے نفع میں خباثت آئی، اور یہ خباثت ان چیزوں میں آئے گی جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے، اب اس کا ایک راستہ یہ ہے کہ نفع کو صدقہ کرے، اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ مقروض کے گیہوں کی وجہ سے خباثت آئی ہے اس لئے اسی کو نفع واپس کر دے۔ تاہم یہ کرنا مستحب ہے، اس میں جبر نہیں ہے کہ واپس کرنا ہی پڑے۔ کیونکہ کفیل کا بھی حق گیہوں میں ہو چکا ہے، یعنی اس کی بھی ملکیت اس میں ہو چکی ہے۔

ترجمہ :(۳٦۹) کوئی کسی آدمی کا اس کے حکم سے ایک ہزار کا کفیل بنا پھر قرض لینے والے نے کفیل کو حکم دیا کہ میرے نام پر ریشم کا بیع عینہ کر لیں، کفیل نے ایسا کر لیا تو یہ خریدنا بھی کفیل کا ہوگا، اور جو بائع کو زیادہ نفع دینا پڑے گا وہ بھی کفیل ہی پر ہوگا۔

البائع فهو عليه۱ ومعناه الأمر ببيع العينة مثل أن يستقرض من تاجر عشرة فيتأبى عليه ويبيع منه ثوبا يساوي عشرة بخمسة عشر مثلا رغبة في نيل الزيادة ليبيعه المستقرض بعشرة ويتحمل عليه خمسة سمي به لما فيه من الإعراض عن الدين إلى العينوهو مكروه لما فيه من الإعراض

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کفیل اصیل کا وکیل نہیں بنا تو نفع اور نقصان کا ذمہ دار خود کفیل ہوگا، مقروض نہیں ہوگا۔

تشریح :مثلا زید پر ایک ہزار قرض تھا اس نے خالد کو حکم دیا کہ وہ کفیل بن جائے، خالد کے پاس بھی رقم نہیں تھی، اس لئے زید نے خالد کو کہا کہ میرے نام پر عبد الرحیم سے ریشم کا بیع عینہ کر لے، اس نے بارہ سو کا بیع عینہ کر لیا، پھر اس کو ایک ہزار میں بیچ کر زید نے کا قرض ادا کر دیا، اور گویا کہ دو مزید عبد الرحیم کو نفع دیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ دو سو کس کا گیا، زید کا یا خود کفیل خالد کا؟، ماتنؒ فرماتے ہیں کہ خریدنا بھی خالد کی جانب سے ہے، اور دو سو نفع بھی خالد ہی بھرے گا، زید نہیں بھرے گا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ زید نے جو کہا کہ میرے نام پر ریشم کا بیع عینہ کرلو اس سے خالد ریشم خریدنے وکیل نہیں بنا (۱) وکیل بننے کے علیّ، استعمال نہیں ہوتا، بلکہ الیّ، استعمال ہوتا ہے، اور یہاں زید یتعین علیّ، کہا ہے اس لئے خالد وکیل نہیں بنا، اور جب وکیل نہیں بنا تو یہ خریدنا اور نفع دینا سب خالد کے سر پر ہے اس لئے وہی نفع بھرے گا (۲) ریشم متعین نہیں ہے کہ کتنا کیلو ہے، اس لئے مبیع مجہول ہوگئی۔ (۳) ثمن بھی مجہول ہے کہ کتنے کا خریدے گا اور اس پر کتنا نفع دے گا، اس لئے مبیع اور ثمن مجہول ہونے کی وجہ سے وکالت فاسد ہوگئی، اس لئے بھی خریدنا اور نفع دینا خالد کفیل کے لئے ہوگا۔

لغت :بیع عینہ کی شکل یہ ہوتی ہے، مثلا زید خالد کے پاس دس درہم قرض مانگنے گیا، خالد نے دس درہم نہیں دیا، بلکہ دس درہم کا کپڑا پندرہ درہم میں ادھار دے دیا، تاکہ زید اس کپڑے کو بیچ کر دس درہم قرضہ ادا کر دے، اور بعد میں مجھے پندرہ درہم دے دے، اس میں درہم دینے کے بجائے عین چیز کپڑا دیا، اس لئے اس کو بیع عینہ، کہتے ہیں، یہ جائز تو ہے، لیکن بخالت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

ترجمہ :۱ اس کا معنی یہ ہے کہ عینہ کے طور پر بیچے، مثلا کسی تاجر سے دس درہم قرضہ مانگے، اور وہ انکار کر دے، اور قرض مانگنے والے سے دس درہم کا کپڑا پندرہ درہم میں بیچ دے نفع حاصل کرنے کے لئے تاکہ قرضہ مانگنے والا اس کپڑے کو دس درہم میں بیچے اور پانچ درہم اپنے اوپر برداشت کرے، اس کا نام عینہ اس لئے رکھا کہ اس میں قرض سے اعراض کر کے عین چیز کی طرف گیا ہے، یہ بیع عینہ مکروہ ہے، اس لئے کہ قرض کی نیکی سے اعراض کر رہا ہے اور بخل کی مذمت کی اطاعت کر رہا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

وجہ :اس حدیث میں ہے کہ بیع عینہ اچھا نہیں ہے۔ عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا تبايعتم

عن مبرة الإقراض مطاوعة لمذموم البخل. ۲؎ ثم قيل هذا ضمان لما يخسر المشتري نظرا إلى قوله علي وهو فاسد وليس بتوكيل ۳؎ وقيل هو توكيل فاسد لأن الحرير غير متعين وكذا الثمن غير متعين لجهالة ما زاد على الدين وكيفما كان فالشراء للمشتري وهو الكفيل والربح أي الزيادة عليه لأنه العاقد. (۳۷۰) قال ومن كفل عن رجل بما ذاب له عليه أو بما قضى له عليه فغاب المكفول عنه فأقام المدعي البينة على الكفيل بأن له على المكفول عنه ألف درهم لم تقبل

بالعينة و أخذتم اذناب البقر و رضيتم بالزرع و تركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم۔(ابوداود شریف، باب فی النھی عن العینۃ، ص ۵۰۱، نمبر ۳۴۶۲)

ترجمہ :۲؎ پھر کہا گیا کہ یہ مشتری[کفیل] کے نقصان کا ضمان ہے لفظ علی، کی طرف نظر کرتے ہوئے، لیکن یہ ضمان فاسد ہے، اور وکیل بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

تشریح :عبارت پیچیدہ ہے۔ متن میں جو لفظ ہے، یتعین علیہ، مقروض اس جملے سے یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ میں کفیل کے نقصان کا ذمہ دار ہوں، لیکن اس جملے سے وکیل ہی بنانا درست نہیں ہے، کیونکہ وکیل بنانے کے لئے یتعین الی، [میرے لئے بیع عینہ، کرلو] کہنا چاہئے، یتعین علی، [میرے اوپر بیع عینہ کرلو] نہیں کہنا چاہئے، اس لئے کفیل کو بیع عینہ کا وکیل بنانا ہی درست نہیں ہوا

ترجمہ :۳؎ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یتعین علی سے وکیل تو ہوا لیکن وکالت فاسد ہوگئی، اس لئے ریشم متعین نہیں ہے، ایسے ہی ثمن بھی معلوم نہیں ہے، کیونکہ ایک ہزار سے زیادہ مجہول ہے، بہر حال جو بھی ہو یہ خریدنا کفیل کے لئے ہے، اور نفع بھی اسی پر ہے، یعنی وہ زیادتی جو ایک ہزار کے اوپر ہے، اس لئے کہ وہی بیع کرنے والا ہے۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ یتعین علی، سے وکالت تو ہو جاتی لیکن وکیل بنانے والے نے یہ نہیں بتایا کہ کتنا ریشم خریدے، اس لئے مبیع مجہول ہوگئی۔ پھر ہزار سے اوپر کتنا نفع دے، یہ بھی نہیں بتایا، اس لئے ثمن بھی مجہول ہو گیا، اس لئے وکالت فاسد ہوگئی، اس لئے جو کچھ خریدا یہ کفیل کے لئے ہے اور اور جو نفع دیا وہ بھی اسی پر ہے کیونکہ وہی بیع کرنے والا ہے۔ قضاءً مقروض سے نہیں لے سکتا، ہاں دیانۃ دے تو بہتر ہے۔

ترجمہ :(۳۷۰) کوئی آدمی کسی آدمی کے بارے میں اس طرح کفیل بنا، جو کچھ اس پر ثابت ہو، یا جو کچھ اس پر فیصلہ کیا گیا ہو، اس کا میں کفیل ہوں، پھر مکفول عنہ [مقروض] غائب ہو گیا، اور قرض دینے والے نے کفیل پر بینہ قائم کیا کہ اس کا مقروض پر ہزار درہم ہے، تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

بينته ۱؎ لأن المكفول به مال مقضي به وهذا في لفظة القضاء ظاهر وكذا في الأخرى لأن معنى ذاب تقرر وهو بالقضاء ۲؎ أو مال يقضى به وهذا ماض أريد به المستأنف كقوله أطال الله بقاء

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ جس مال کا کفالہ لیا گیا ہے وہ مال ہے جسکا فیصلہ ہو چکا ہو، قُضِی، ماضی کے لفظ میں اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے، اور دوسرا لفظ ,ذاب، سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ ذاب کا ترجمہ ہے ,تقرر، جو ثابت ہو چکا ہے [اس لئے آگے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ثابت شدہ مال کا کفیل بنا ہو تو بعد میں فیصلے والے مال کا وہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

تشریح : کفیل نے ذاب، یا قُضِی، کہہ کر ثابت شداہ مال کا کفیل بنا، بعد میں مقروض غائب ہو گیا، اور قرض دینے والے نے قاضی کے یہاں گواہ پیش کیا کہ میرا ایک ہزار درہم مقروض پر تھا تو یہ گواہی قبول نہیں ہوگی۔

وجہ : قُضِی، کا جملہ فعل ماضی کا ہے کہ جس مال کا فیصلہ ہو چکا ہے اس کا میں کفیل ہوں۔ یا ذاب، کہا کہ جو مال ثابت ہو چکا ہے اس کا میں کفیل ہوں، اس لئے بعد میں فیصلہ کرانے سے اس مال کا ذمہ دار نہیں بنے گا، اور نہ قاضا میں اس کی گواہی سنی جائے گی۔

ترجمہ : ۲؎ یا ایسا مال جو فیصلہ کیا جائے گا، اس میں فعل ماضی بول کر فعل مستقبل مراد لی گئی ہے، جیسے کہتے ,اطال اللہ بقائک، [اللہ آپ کے باقی رہنے کو لمبا کرے]، لیکن مدعی کا دعوی مطلق ہے اس لئے دعوی ہی صحیح نہیں ہے اس لئے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح : یہ دوسری صورت ہے کہ ,قُضِی اور ذاب، فعل ماضی کو مستقبل کے معنی میں لے لیں جیسے ,اطال اللہ بقائک، میں اطال فعل ماضی ہے، لیکن مستقبل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کہ اللہ آپ کی عمر لمبی کرے۔ اور مطلب یوں بیان کریں کہ کفیل نے کہا کہ میرے کفیل بننے کے بعد جس مال کا فیصلہ کیا جائے گا، یا جو مال ثابت ہوگا میں اس مال کا کفیل ہوں۔ پھر بھی مدعی کا دعوی صحیح نہیں ہے

وجہ : مدعی نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ کفیل بننے سے پہلے والے مال کا فیصلہ کرانا چاہتا ہے، یا کفیل بننے کے بعد والے مال کا فیصلہ کرانا چاہتا ہے، حلانکہ دعوی صحیح ہونے کے لئے یہ وضاحت ضروری ہے، چونکہ مدعی نے یہ وضاحت نہیں کی ہے اس لئے دعوی صحیح نہیں ہوا اس لئے گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

لغت : مال مقضی بہ: وہ مال جس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ مال یقضی بہ: وہ مال جسکا آیندہ فیصلہ کیا جائے گا۔ ارید بہ المستانف: جس سے مستقبل کا ارادہ کیا ہو۔ ذاب: جو ثابت ہو چکا ہو۔

ک فالدعوى مطلق عن ذلک فلا تصح. (۳۷۱) ومن أقام البينة أن له على فلان كذا وأن هذا كفيل عنه بأمره فإنه يقضى به على الكفيل وعلى المكفول عنه وإن كانت الكفالة بغير أمره يقضى على الكفيل خاصة ١ وإنما تقبل لأن المكفول به مال مطلق بخلاف ما تقدم ٢ وإنما

ترجمه :(۳۷۱) کسی نے بینہ قائم کیا کہ اس کا فلاں پر اتنا قرض ہے، اور یہ بھی بینہ قائم کیا کہ یہ آدمی مقروض کے حکم سے کفیل ہے، تو قاضی کفیل پر بھی مال کا فیصلہ کرے گا اور مکفول عنہ [مقروض] پر بھی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر کفالہ بغیر مقروض کے حکم سے ہو تو صرف کفیل پر فیصلہ کرے گا۔

تشریح :اس متن میں تین باتیں بتانا چاہتے ہیں [۱] اوپر کے متن میں فیصلہ شدہ مال کا کفیل بنا تھا، اور مدعی نے دعوی میں اس کا ذکر نہیں کیا تھا، اس لئے دعوی قابل قبول نہیں ہوا۔ اور یہاں کفیل مطلق ہے، چاہے فیصلہ شدہ مال کا ہو یا مستقبل میں فیصلہ ہونے والا ہو، اور مدعی کا دعوی بھی مطلق ہے، اس لئے دونوں کی موافقت کی وجہ سے دعوی قابل قبول ہے اس لئے فیصلہ کیا جائے گا۔ [۲] دوسری بات یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کوشش کی جاتی ہے کہ غائب آدمی پر فیصلہ نہ کیا جائے، لیکن مدعی یہ کہے کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہے تو کفیل بعد میں مکفول عنہ سے ادا کی ہوئی رقم وصول کرے گا اس لئے کفیل کے ضمن میں غائب مکفول عنہ پر بھی رقم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ [۳] اور اگر مدعی کہتا ہے کہ مکفول عنہ کے حکم کے بغیر ہی کفیل بنا ہے، تو چونکہ مکفول عنہ سے رقم وصول نہیں کرنی ہے اس لئے غائب مکفول عنہ پر فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شرح کی تفصیل کا خلاصہ ہے۔

ترجمه :١ مدعی کا دعوی قبول کیا جائے گا کیونکہ جس مال کا کفالہ لیا ہے وہ مطلق ہے، بخلاف اوپر کے مسئلے کے۔

تشریح :اوپر کے مسئلہ میں ما قُضِی [فیصلہ شدہ] مال کا کفیل بنا تھا، اور مدعی نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ مطلق دعوی کیا تھا اس لئے کفالت اور دعوی میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے دعوی قبول ہی نہیں ہوا تھا۔ اور یہاں اس قسم کی قید نہیں ہے، بلکہ مطلق کفیل بنا ہے اور دعوی بھی مطلق مال کا ہے اس لئے دونوں میں موافقت کی وجہ سے دعوی قبول ہوگا اور فیصلہ بھی کیا جائے گا۔

ترجمه :٢ مقروض کے حکم دینے اور نہ دینے سے فیصلہ مختلف ہوگا، اس لئے کہ دونوں کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ اس لئے کہ حکم سے کفیل بنا ہو تو ابتداء میں تبرع ہے لیکن بعد میں رقم وصول کرنے کی وجہ سے معاوضہ ہو جائے گا۔ اور بغیر حکم کے کفیل بنا ہو تو ابتداء میں بھی تبرع ہے اور بعد میں بھی تبرع ہے۔ پس اگر ایک چیز کا دعوی کیا ہے تو اسی کا فیصلہ ہوگا دوسرے کا فیصلہ نہیں ہوگا

تشریح : کفیل بننے کا حکم دیا ہو تو بعد میں اس سے رقم وصول کرے گا، اور آخیر میں یہ معاوضہ ہو جائے گا، اور حکم نہ دیا ہو ابتداء اور انتہاء میں بھی تبرع ہوگا، چونکہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے اس لئے مدعی ایک چیز کا دعوی کرے گا تو اسی چیز کا قاضی

يختلف بالأمر وعدمه لأنهما يتغايران لأن الكفالة بأمر تبرع ابتداء ومعاوضة انتهاء وبغير أمر تبرع ابتداء وانتهاء فبدعواه أحدهما لا يقضى له بالآخر ۳؎ وإذا قضي بها بالأمر ثبت أمره وهو يتضمن الإقرار بالمال فيصير مقضيا عليه ۴؎ والكفالة بغير أمره لا تمس جانبه لأنه تعتمد صحتها قيام الدين في زعم الكفيل فلا يتعدى إليه ۵؎ وفي الكفالة بأمره يرجع الكفيل بما أدى على

فیصلہ کرے گا دوسری چیز کا نہیں کرے گا۔ چنانچہ یہ دعوی کیا کہ بغیر حکم کے کفیل بنا ہے تو صرف کفیل پر رقم دینے کا فیصلہ ہوگا، اور غائب مکفول عنہ پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر یہ دعوی کیا ہے کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہے تو پھر کفیل کے ضمن میں غائب مکفول عنہ [مقروض] پر بھی فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ بعد میں اس سے رقم وصول کرنی ہے۔

ترجمہ :۳؎ اگر مکفول عنہ کے حکم کی بنیاد پر فیصلہ کیا گیا ہو تو مکفول کا حکم ثابت ہوگا، اور اس کے ضمن یہ بھی ہوگا کہ کفول عنہ [مقروض] نے قرض دینے والے کے مال کا اقرار کیا ہے، اس لئے اس پر مال کا بھی فیصلہ ہوگا۔

اصول : مجبوری کے درجے میں غائب پر فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح : اگر قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ مقروض کے حکم سے کفیل بنا ہے تو اس کے ضمن میں یہ بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ مقروض نے قرض دینے والے کے لئے مال کا اقرار کیا ہے اس لئے اگر چہ مقروض اس وقت غائب ہے پھر بھی مجبورا اس پر مال کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمہ :۴؎ اور کفالہ بغیر حکم کے ہو غائب مکفول عنہ کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، کیونکہ صرف کفیل کے گمان میں قرض ہو کفالت کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس لئے قرض مکفول عنہ کی طرف نہیں جائے گا۔

تشریح : اگر مقروض کے حکم کے بغیر کفیل بننے کا دعوی ہے تو قاضی صرف کفیل پر قرض کا فیصلہ کرے گا، اور مقروض پر کچھ نہیں کرے گا، کیونکہ کفیل یہ گمان کرے کہ قرض ہے کفیل بننے کے لئے اتنا ہی کافی چاہے حقیقت میں قرض نہ ہو، کیونکہ مکفول عنہ غائب ہے جس پر حتی الوسع فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ :۵؎ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہو تو جتنا ادا کیا ہے کفیل اس کو حکم دینے والے سے وصول کرے گا۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ :۶؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ کفیل مکفول عنہ سے وصول نہیں کرے گا، اس لئے کہ کفیل نے جن انکار کر دیا [پھر بھی قاضی نے فیصلہ کیا] تو کفیل میں گمان میں یہ ہے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے، اس لئے یہ اب مکفول عنہ پر ظلم نہیں کرے گا، ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ قاضی نے اس کو جھوٹا قرار دیا تو کفیل کا جو گمان تھا وہ باطل ہو گیا۔

الآمر. ۶ وقال زفر رحمه الله لا يرجع لأنه لما أنكر فقد ظلم في زعمه فلا يظلم غيره ونحن نقول صار مكذبا شرعا فبطل ما زعمه. (۳۷۲) قال ومن باع دارا وكفل رجل عنه بالدرك فهو تسليم ۱ لأن الكفالة لو كانت مشروطة في البيع فتمامه بقبوله ثم بالدعوى يسعى في نقض ما تم من جهته ۲ وإن لم تكن مشروطة فيه فالمراد بها أحكام البيع وترغيب المشتري فيه إذ لا يرغب

تشریح :امام زفرؒ فرماتے ہیں کفیل نے پہلے کہا تھا کہ نہ میں کفیل ہوں اور نہ مکفول عنہ پر قرض ہے، اسی لئے مدعی نے دعوی کر کے فیصلہ کرایا ہے، پس کفیل نے جب پہلے کہا ہے کہ مکفول عنہ پر قرض نہیں ہے تو اب کیسے اس سے رقم وصول کرے گا، اس لئے وہ مقروض سے رقم نہیں وصول کرے گا، جب اس پر ظلم ہوا ہے تو یہ ظلم دوسرے پر کیوں ڈالے گا۔

حنفیہ کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی جب کفیل کو جھٹلا دیا اور فیصلہ کر دیا کہ مکفول عنہ پر قرض ہے، تو یہ قرض ثابت ہو چکا ہے، اور کفیل نے اس کی وجہ سے رقم دی بھی ہے، اس لئے مکفول عنہ سے وصول کرے گا۔

ترجمہ :(۳۷۲) کسی نے گھر بیچا اور اس کی جانب سے کوئی آدمی کفیل بالدرک بن گیا، تو کفیل یہ تسلیم کر رہا ہے کہ یہ پورا گھر مکفول عنہ کا ہے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ کفالہ اگر بیع میں شرط ہے تو کفیل کے قبول کرنے کے بعد ہی بیع پوری ہوگی، پھر یہ دعوی کرنا کہ میرا گھر، اپنی جانب سے جو چیز پوری کی اسی کو توڑنا ہوا۔

تشریح :مثلا زید نے گھر بیچا، اور عمر اس کا کفیل بن گیا اور مشتری سے کہا کہ کوئی اس گھر کا مستحق نکلے تو میں اس کا ضامن ہوں تو جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ گھر بائع کا ہی ہے، اب خود کفیل اس بات کا دعوی نہیں کر سکتا کہ یہ گھر میرا ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بیع میں کفیل کی شرط تھی، تو بغیر کفیل بنے ہوئے، اور اس کے قبول کئے ہوئے بیع ہی نہیں ہوگی، پس جب اس نے قبول کر لیا کہ یہ گھر بائع کا ہے، اب یہ دعوی کرنا کہ یہ گھر میرا ہے اپنی بات کے خلاف کرنا ہے، اس لئے اس کی بات سنی ہی نہیں جائیگی۔

لغت :کفیل بالدرک: درک کا معنی ہے پانا، کوئی مشتری کو یہ کہے کہ یہ گھر بائع ہی کا ہے، لیکن اگر کسی دوسرے کا نکل گیا تو میں گھر کی قیمت کا ذمہ دار ہوں، اس کو کفیل بالدرک، کہتے ہیں۔ **یسعی فی نقض ما تم من جهته** : جو بات کفیل ہی کی جانب سے پوری ہوئی اسی کو توڑنے کی کوشش کرنا ہوا۔

ترجمہ :۲ اور اگر کفالت کی شرط نہیں تھی تو کفیل کی مراد بیع کو مضبوط کرنا ہے، اور مشتری کو ترغیب دینا ہے، کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بغیر کفالہ کے رغبت نہیں کرتا، اس لئے کفیل کی ترغیب بائع کی ملک کے درجے میں ہو گیا۔

فيـه دون الـكـفـالة فنزل منزلة الإقرار بـملك البائع.(۳۷۳) قال ولـو شهد وختم ولم يكفل لم يـكن تسليما وهو على دعواه‎١‎ لأن الشهـادة لا تكون مشروطة في البيع ولا هي بإقرار بالملك لأن البيـع مـرة يوجد من المالك وتارة من غيره ولعله كتب الشهادة ليحفظ الحادثة‎٢‎ بخلاف

تشـــريــــح : بیع میں کفالت کی شرط تو نہیں تھی پھر بھی کفیل نے کفالہ لیا تھا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مشتری کو مبیع لینے کی ترغیب دے رہا تھا، تاہم اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفیل اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ یہ بائع کا گھر ہے اسلئے اب اس کے خلاف دعوی نہیں کر سکتا

ترجمه :(۳۷۳) اگر بیع کی گواہی دی اور مہر لگایا اور کفیل نہیں بنا تو اس بات کو تسلیم کرنا نہیں ہوا کہ یہ بائع کی ملکیت ہے، گواہی دینے والا اپنے دعوی پر ہے کہ [یہ میرا گھر ہے]

تشریح : بیع ہو رہی تھی ایک آدمی نے اس بات کی تحریری گواہی دی کہ یہ بیع ہوئی ہے اور اس پر اپنا مہر بھی لگا دیا، لیکن کفیل بالدرک نہیں بنا، تو گواہی اس بات کی علامت نہیں ہے کہ یہ گھر بائع کا ہی ہے۔ گواہ بعد میں یہ دعوی کر سکتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے۔

وجه : یہ تو بیع کی گواہی ہے بائع کی ملکیت کی گواہی نہیں ہے۔ اور اس نے گواہی اس لئے لکھی تا کہ یاد رہے کہ اس دن بکا ہے تا کہ اس کے خلاف دعوی کر سکے کہ یہ گھر میرا ہے۔

تـرجـمـه :‎١‎ اس لئے کہ گواہی دینا بیع میں شرط نہیں ہے، اور نہ یہ بائع کی ملک کا اقرار ہے، کیونکہ بیع کبھی مالک کی جانب سے ہوتی ہے، اور کبھی دوسرے کی جانب سے ہوتی ہے [یعنی وکیل، یا فضولی کی جانب سے] اور شاید گواہی اس لئے لکھی تا کہ تاریخ یاد رہے۔

تشـریح : بیع کی گواہی دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ گھر بائع کی ملکیت ہے، کیونکہ اگر بیچنے کا وکیل بیچ رہا ہو، اسکی ملکیت تو نہیں ہے، وہ تو دوسرے کا مال بیچ رہا ہے، یا فضولی بیچ رہا ہو تو یہ اس کی ملکیت نہیں ہے، وہ تو دوسرے کا گھر بیچ رہا ہے، اس لئے بیچنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ چیز اسی کی ملکیت ہے۔ اور نہ بیچنے کیلئے گواہی شرط ہوتی ہے، ہاں ایک مناسب چیز ہے، تا کہ جھگڑا نہ ہو

ترجمه :‎٢‎ بخلاف جو پہلے گزر چکا۔

تشریح : اوپر جو کفیل بالدرک بنا تھا وہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں اس بات کی ذمہ داری لی تھی کہ یہ مکان بائع کا ہی ہے، اس مسئلے میں کوئی ایسی ذمہ داری نہیں لی ہے۔

تـرجـمـه :‎٣‎ بزرگ حضرات فرماتے ہیں کہ چیک پر یوں لکھا، بائع نے اس حال میں بیچا کہ اس کی ملکیت ہے۔ یا بیع بات

ما تقدم ۳؎ قالوا إذا كتب في الصک باع وهو يملكه أو بيعا باتا نافذا وهو كتب شهد بذلک فهو تسليم ۴؎ إلا إذا كتب الشهادة على إقرار المتعاقدين.

اورنافذ بیچا، یہ لکھااوراس پر گواہی دیتو یہ تسلیم کرنا ہے کہ بائع ہی کی ملکیت ہے۔

تشریح : بڑے حضرات فرماتے ہیں کہ چیک پر یوں لکھااور گواہی بھی دی, بائع نے اس حال میں بیچا کہ اس کی ملکیت ہے، یا لکھا کہ بائع نے بیع بات اور نافذ کی ہے، ان جملوں سے ثابت ہوگا کہ گواہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ بائع کی ملکیت ہے، اب یہ دعوی کرے کہ یہ میری چیز ہے، تو دعوی غلط ہے، نہیں سنی جائے گی۔

ترجمہ : ۴؎ یوں گواہی لکھی کہ بائع اور مشتری اقرار کرتے ہیں کہ یہ بائع کی ملکیت ہے[تو اس سے یہ تسلیم کرنا نہیں ہے کہ واقعی بائع کی ملکیت ہے۔

تشریح: گواہ نے لکھا کہ بائع اور مشتری اقرار کرتے ہیں کہ یہ گھر بائع کا ہے، تو ہوسکتا ہے یہ دونوں جھوٹ بول رہے ہوں اس لئے اس سے یہ تسلیم نہیں ہوا کہ گواہ بائع کی ملکیت مانتا ہے اس لئے بعد میں گواہ اپنی ملکیت کا دعوی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

﴿فصل في الضمان﴾

(۳۷۴)قال ومن باع لرجل ثوبا وضمن له الثمن أو مضارب ضمن ثمن متاع رب المال فالضمان باطل ١ لأن الكفالة التزام المطالبة وهي إليهما فيصير كل واحد منهما ضامنا لنفسه ٢ ولأن المال أمانة في أيديهما والضمان تغيير لحكم الشرع فيرد عليه كاشتراطه على المودع

﴿فصل فی الضمان﴾

ترجمه :(۳۷۴) کوئی وکیل بن کر کسی کے لئے کپڑا بیچا اور کپڑے والے کے لئے ثمن کا ضامن بن گیا۔ یا مضارب تھا اور مال والے کے سامان کی قیمت کا ضامن بن گیا تو یہ ضامن بننا باطل ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خود ہی قیمت وصول کرنے والا ہوا اور خود ہی اس کا ضامن بھی بن جائے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں [۱] مثلا زید عمر کے کپڑے بیچنے کا وکیل بنا، کپڑا بیچنے کے بعد مشتری کی جانب سے وہ ضامن بن گیا کہ مشتری نہیں دے گا تو میں عمر کو قیمت دے دوں گا، تو یہ ضامن بننا باطل ہے۔

[۲] دوسرا مسئلہ ہے کہ زید عمر کا مضارب تھا، یعنی عمر کا مال تھا اور زید مضاربت کے طور پر کام کر رہا تھا اور نفع میں دونوں آدھا آدھا تھا، زید نے مال بیچا اور مشتری کی جانب سے وہ ضامن بن گیا کہ مشتری نہیں دے گا تو میں عمر کو قیمت دوں گا، تو یہ ضامن بننا باطل ہے

وجہ :دونوں مسئلوں میں زید عمر کی جانب سے قیمت وصول کرنے والا ہے، اور خود ہی اس کا ذمہ دار بھی بن گیا کہ مجھ ہی سے وصول کرو تو یہ باطل ہے، اس لئے یہ ضامن بننا باطل ہوگا۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ کفالہ مطلب ہے اپنے اوپر مطالبے کو لازم کرنا، اور خود مطالبہ کرنا بھی انہیں دونوں پر ہے تو دونوں اپنے لئے ہی ضامن بن گئے۔

اصول: ضامن لنفسہ [اپنی ہی رقم کے لئے ضامن بننا] درست نہیں ہے

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ۔ بیچنے کا وکیل اور مضارب دونوں مشتری سے مطالبہ کرنے کے لئے ہیں، اور کفیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دونوں سے مطالبہ کیا جائے گا، تو یہ دونوں اپنے ہی لئے ضامن بن گئے، اسلئے یہ کفیل بننا درست نہیں ہے

ترجمہ :٢ اور اس لئے کہ دونوں کے ہاتھ میں امانت کا مال ہے اور ضامن بننے سے شریعت کا یہ حکم بدل جائے گا، جیسے امانت رکھنے والے اور عاریت پر لے جانے والے پر ضمان کی شرط لگانے سے شریعت کا حکم بدل جاتا ہے۔

والمستعير (۳۷۵) وكذا رجلان باعا عبدا صفقة واحدة وضمن أحدهما لصاحبه حصته من الثمن‌۱ لأنه لو صح الضمان مع الشركة يصير ضامنا لنفسه ۲ ولو صح في نصيب صاحبه خاصة يؤدي إلى قسمة الدين قبل قبضه ولا يجوز ذلک ۳ بخلاف ما إذا باعا بصفقتين لأنه لا شركة ۴

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ وکیل اور مضارب کے ہاتھ میں یہ مال امانت کے طور پر ہے، اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ مال ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم نہیں ہوگا اور یہاں ضامن بن کر اس کا الٹا کر دیا، تو گویا کہ شریعت حکم کو بدل دیا اس لئے یہ رد کر دیا جائے گا، اور ضمان صحیح نہیں ہوگا، اس کی دو مثالیں دے رہے ہیں [۱] امانت رکھنے والے پر شرط لگا دے کہ تم کو ضمان دینا ہوگا، یا [۲] عاریت پر لینے والے پر شرط لگا دیا کہ ہلاک ہو جائے تو ضمان دینا ہوگا، تو یہ شرط نہیں مانی جائے گی، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

لغت : مودع: امانت رکھنے والے۔ مستعیر: عاریت پر رکھنے والے۔ مضارب: ایک آدمی کا مال ہو اور دوسرا آدمی کام کرے اور نفع دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو تو اس کو مضاربت کہتے ہیں۔

ترجمہ : (۳۷۵) ایسے ہی دو آدمیوں نے شرکت کے غلام کو ایک صفقے میں بیچا پھر دونوں اپنے ساتھی کا اس کے حصے کا قیمت کا ضامن بن گیا تو صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ شرکت کے ساتھ ضمان صحیح ہو تو اپنے ہی لئے ضامن بنا ہوا جو باطل ہے۔

تشریح : مثلا زید اور عمر دونوں کا ایک غلام تھا، دونوں نے ایک ہی عقد میں ایک ہزار میں غلام بیچا، پھر زید عمر کے حصے کا اور عمر زید کے حصے کا ضامن بن گیا تو یہ ضامن بننا صحیح نہیں ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو قیمت ہے وہ شرکت کا ہے، اس لئے ہز درہم میں آدھا درہم زید کا ہے اور آدھا عمر کا ہے اس لئے گویا کہ اپنے ہی درہم کا وہ ضامن بنا، اور اوپر قاعدہ گزرا کہ ضامن لنفسہ، اپنی ہی رقم کے لئے ضامن بننا درست نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲ اور اگر خاص طور پر ساتھی کے حصے میں ضمان صحیح قرار دیا جائے تو قرض پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو تقسیم کرنا لازم آئے گا، اور یہ جائز نہیں ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو قرض ہے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، ہاں قبضہ کے بعد عین شیء ہو جائے گا تب تقسیم کر سکتا ہے۔

تشریح : اگر یوں تاویل کریں کے اپنے حصے کا ضامن نہیں بنا ہے، صرف ساتھی کے حصے کا ضامن بنا ہے تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ اس میں قرض پر قبضہ سے پہلے تقسیم کرنا لازم آئے گا جو ٹھیک نہیں ہے۔

ألا ترى أن للمشتري أن يقبل نصيب أحدهما ويقبض إذا نقد ثمن حصته وإن قبل الكل.(۳۷۶)

قال ومن ضمن عن آخر خراجه ونوائبه وقسمته فهو جائز ۔ ۱ أما الخراج فقد ذكرناه ۲ وهو

ترجمہ :۳ بخلاف جبکہ دونوں نے دوعقد میں بیچا ہو [تو ساتھی کا ضامن بننا صحیح ہے] اس لئے کہ اب شرکت نہیں ہے۔

تشریح : دونوں شریکوں نے اپنے اپنے حصے کو الگ الگ عقد میں بیچا تو بیچتے ہی دونوں کے حصے الگ الگ ہو گئے، اس لئے اس صورت میں زید عمر کے حصے کا اور عمر زید کے حصے کا ضامن بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔

ترجمہ :۴ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ مشتری کے لئے جائز ہے کہ دونوں میں سے ایک کے حصے کو قبول کرے۔ اور یہ بھی جائز ہے پورے کو قبول کیا پھر بھی ایک حصے کی قیمت دیکر اس پر قبضہ کر لے۔

تشریح : یہاں شروع سے دونوں کا حصہ الگ الگ ہو گیا ہے اس کی دو مثالیں دے رہے ہیں [۱] مشتری دونوں میں سے ایک کے حصے کو لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ [۲] دوسری مثال یہ ہے کہ دونوں کے حصے کو لیا تھا لیکن ایک کے حصے کی قیمت دیکر اس کے حصے پر قبضہ کرے تو ایسا کر سکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ عقد کے وقت ہی دونوں کے حصے الگ الگ ہو چکے ہیں، اس لئے ایک دوسرے کی قیمت کا ضامن بن سکتا ہے۔

ترجمہ :(۳۷۶) کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے خراج کا، نوائب کا، قسمت کا، کفیل بنے تو جائز ہے۔

ترجمہ :۱ بہر حال خراج تو اس کا ذکر پہلے گزر گیا۔

اصول :[۱] ایسا دین جس کا مطالبہ کرنے والا انسان ہو، [۲] اور وہ دین صحیح ہو، [۳] اور ظلمانہ ہو اس کا کفیل بن سکتا ہے۔ چنانچہ زکوۃ کا کفیل نہیں بن سکتا، اس لئے کہ اس کا مطالبہ کرنے والا اللہ ہے، مال کتابت کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ دین صحیح نہیں ہے، اور بادشاہ جو ظلم کے طور پر ٹیکس لازم کرتے ہیں بعض حضرات کے نزدیک اس کا کفیل بننا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ انصاف کے طور پر نہیں ہے ظلم کے طور پر ہے۔

لغت :خراج: ذمی کے کھیت پر، تجارت پر، اور اس کی ذات پر حکومت جو ٹیکس لازم کرتی ہے اس کو خراج کہتے ہیں۔ کھیت پر خراج کی دو صورتیں ہیں [۱] کھیت سے جو پیداوار نکلے اس میں ایک حصہ حکومت کا اور دو حصے زمین والے کی ہو تو اس کو خراج مقاسمہ، کہتے ہیں، یہ ذمی پر دین نہیں ہوتا، کیونکہ پیداوار نکلنے کے بعد لازم ہوتا ہے، اس لئے اس کا کفیل بننا درست نہیں۔ [۲] اور پیداوار کچھ بھی ہو سال بھر میں کھیت پر کچھ رقم لازم کر دی جائے اس کو خراج موظف، کہتے ہیں، یہ ذمی پر قرض ہوتا ہے ،اس کا کفیل بننا درست ہے۔ نوائبؔ نائبۃ کی جمع ہے، ناب کا ترجمہ ہے، اچانک پیش آنے والی چیز، حادثہ، اچانک کوئی حادثہ پیش آجائے اور بادشاہ اس کے لئے ٹیکس متعین کرے، وہ نوائب ہے۔ قسمت: مثلا محلے کی حفاظت کے لئے چوکیداری

يخالف الزكاة لأنها مجرد فعل ولهذا لا تؤدى بعد موته من تركته إلا بوصية. ۳؎ وأما النوائب فإن أريد بها ما يكون بحق ككري النهر المشترک وأجر الحارس والموظف لتجهيز الجيش

کرنی ہوا سکے لئے حکومت قوم پر ماہانہ رقم متعین کرے، اس کو قسمت کہتے ہیں، کیونکہ ہر ماہ میں تقسیم شدہ ہے۔ جبایات: ہر ماہ میں ظلم کے طور پر ٹیکس متعین کیا جاتا ہے، یہ جبایات، ہے۔

تشریح: کوئی آدمی کسی خراج کا کفیل بن جائے، یا نوائب کا کفیل بن جائے، یا قسمت کا کفیل بن جائے تو جائز ہے۔ اور خراج کے بارے میں مسئلہ نمبر (۳۳۴) میں تفصیل گزر چکی ہے۔

وجه: اوپر کے تینوں دین کا مطالبہ بندے کی جانب سے ہوتی ہے، اور دین صحیح ہے، اور ظلم کے طور پر بھی نہیں ہے اس لئے اس کا کفیل بننا درست ہے۔

ترجمه: ۲؎ خراج زکوۃ کے خلاف ہے، اس لئے کہ زکوۃ صرف ادا کرنا ہے اسی لئے مرنے کے بعد اس کے ترکے سے ادا نہیں کیا جائے گا جب تک کہ زکوۃ دینے کی وصیت نہ کرے۔

تشریح: زکوۃ کا کفیل بننا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ قرض نہیں ہوتا ہے، صرف عبادت کے طور پر ادا کرنا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے مرنے کے بعد اس کے ترکے سے باقی رہی ہوئی زکوۃ ادا نہیں کی جائے گی جب تک کہ ادا کرنے کی وصیت نہ کرے، جبکہ بندے کا قرض ہو تو بغیر وصیت کے بھی اس کو ادا کرنا ضروری ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس کا مطالبہ کرنے والا انسان نہیں ہے، بلکہ اللہ ہے، اور کفیل بندے کے قرض کا ہوتا ہے، اللہ کے قرض کا نہیں۔

لغت: الزکوۃ مجرد فعل: یہ محاورہ ہے اور اس سے تین باتیں بتانا چاہتے ہیں [۱] زکوۃ عبادت ہے، بندے کی جانب سے قرض نہیں ہے۔ [۲] زکوۃ کسی چیز کے بدلے میں لازم نہیں ہوتی، وہ صرف عبادت ہے۔ [۳] زکوۃ واجب ہونے کے بعد زکوۃ کا مال ہلاک ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے یہ قابل ضمان نہیں ہے، اس لئے اس کا کفیل بننا بھی درست نہیں ہے۔

ترجمه: ۳؎ بہر حال نوائب، تو اگر اس سے مراد ہے حق اور انصاف والا ٹیکس، جیسے مشترک نہر کا کھودنا، اور چوکیداری کی تنخواہ، اور لشکر کو تیار کرنے کا اور قیدیوں کو چھڑانے کے ٹیکس وغیرہ تو بالاتفاق اس کا کفیل بننا جائز ہے۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب ٹیکس ظلم کے طور پر نہیں ہیں، اس لئے اصیل پر بھی اس کا ادا کرنا واجب ہے اس لئے اس کا کفیل بننا بھی جائز ہے۔

ترجمه: ۴؎ اور اگر نوائب سے مراد ایسا ٹیکس ہے جو برحق نہیں ہے جیسے ہمارے زمانے میں بہت سارے ٹیکس، تو اس کے کفیل بننے میں مشائخ کا اختلاف ہے، امام بزدویؒ اس کو صحیح فرماتے ہیں۔

وفداء الأسارى وغيرها جازت الكفالة بها على الاتفاق ۴ وإن أريد بها ما ليس بحق كالجبايات في زماننا ففيه اختلاف المشايخ رحمهم الله وممن يميل إلى الصحة الإمام علي البزدوي ۵ وأما القسمة فقد قيل هي النوائب بعينها أو حصة منها والرواية بأو وقيل هي النائبة الموظفة الراتبة والمراد بالنوائب ما ينوبه غير راتب والحكم ما بيناه. (۳۷۷) ومن قال لآخر لک علي مائة إلى شهر وقال المقر له هي حالة فالقول قول المدعي ومن قال ضمنت لک عن فلان مائة إلى شهر

تشریح :امام بزدویؒ فرماتے ہیں کہ حکومت کی جانب سے ظلما بھی ٹیکس ہواس کوادا تو کرنا ہی پڑے گا،اور مطالبہ کرنے والا بندہ ہےاس لئے اس کا کفیل بننا بھی درست ہوگا۔

ترجمہ :۵ قسمت وہ نوائب ہی ہے،اور دوسری روایت یہ ہے کہ قسمت نوائب کا ایک حصہ ہے،اس صورت میں متن کی عبارت ,او، کے ساتھ ہوگی ،بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ جو ہر ماہ میں متعین ٹیکس ہواس کو قسمت، کہتے ہیں ، اور نوائب کا مطلب یہ ہے کہ بغیر تعین کے کبھی حادثہ پیش آ جائے [اس وقت کے ٹیکس کونوائب، کہتے ہیں]اور دونوں کا حکم ہم نے بیان کر دیا کہ، برحق ہوتو کفیل بننا جائز ہے،اور ناحق ہوتو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح : یہاں قسمت ،اورنوائب کی تحقیق فرمارہے ہیں،ایک روایت یہ ہے کہ قسمت اورنوائب ایک ہی چیز ہے،دوسری روایت یہ ہے کہ قسمت نوائب کا ایک حصہ ہے،اس صورت میں متن میں عبارت نوائبہ،اور قسمتہ، ہوگی۔اس کی تفصیل یہ ہوگی۔ ہر مہینے میں متعین ٹیکس کو قسمت، کہیں گے۔اوراچانک کوئی حادثہ پیش آجائے جس کی وجہ سے حکومت ٹیکس لگائے اس کو نوائب، کہیں گے،اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ برحق ہوتو اس کی کفالت جائز ہے،اور ناحق ہوتو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔۔

الراتبۃ: مرتب، ہر مہینے میں۔

ترجمہ :(۳۷۷) کسی نے دوسرے سے کہا کہ تمہارا میرے اوپر ایک سو دین ہے،ایک مہینے کی مہلت کے ساتھ،اور جس کے لئے اقرار کیا اس نے یہ کہا کہ نہیں وہ فی الحال ہے،تو مدعی [یعنی جسکے لئے اقرار کیا] کی بات مانی جائے گی۔کسی نے کہا میں تمہارا فلاں کی طرف سے ایک سو کا کفیل ہوں،ایک مہینے کی مہلت کے ساتھ،اور جس کے لئے اقرار کیا،اس نے کہا فی الحال ہے،تو بات کفیل کی مانی جائے گی۔

لغت : یہاں دین کے اقرار،اور کفالے کے اقرار میں فرق سمجھیں۔دین میں صرف قرض آتا ہے،اس میں مہلت اور مدت نہیں آتی ہے،اس لئے ایک ماہ کی مہلت کے دعوی کے لئے الگ سے دلیل چاہئے۔اور کفالت میں مہلت شامل ہوتی ہے،

وقال المقر له هي حالة فالقول قول الضامن. ۱؎ **ووجه الفرق أن المقر أقر بالدين. ثم ادعى حقا لنفسه وهو تأخير المطالبة إلى أجل وفي الكفالة ما أقر بالدين لأنه لا دين عليه في الصحيح وإنما أقر بمجرد المطالبة بعد الشهر** ۲؎ **ولأن الأجل في الديون عارض حتى لا يثبت إلا بشرط فكان**

اس لئے اس کے لئے الگ سے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں، اور دونوں میں فرق کیا ہے وہ بھی سمجھیں۔[۱] مثلا زید نے عمر سے کہا کہ آپ کا میرے اوپر ایک سو درہم ہے، لیکن ایک مہینے کی تاخیر کے ساتھ ہے، اور عمر کہتا ہے کہ نہیں فی الفور دینے کا وعدہ ہے، اور زید کے پاس کوئی گواہی وغیرہ نہیں ہے تو عمر کی بات مانی جائے گی، اور ایک سو فی الفور لازم ہوگا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض میں مدت شامل نہیں ہے، اس لئے ایک سو کے اقرار کے بعد زید نے اپنے لئے ایک ماہ کی مدت کا دعوی کیا، اس لئے وہ مدعی ہوا، اور عمر اس کا منکر ہے، اس لئے زید کے پاس گواہ نہیں ہے تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ، کفیل نے قرض دینے والے سے کہا کہ میں تمہارے لئے ایک سو درہم کا ضامن ہوں، لیکن ایک ماہ کی مدت کے ساتھ، اور قرض دینے والے نے کہا کہ نہیں آپ فوری طور پر دینے کا ضامن ہیں، اور کفیل کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے پھر بھی یہاں اقرار کرنے والے کفیل کی بات مانی جائے گی۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ کفالت میں مدت شامل ہوتی ہے، اس لئے کفیل کو دعوی کئے بغیر ہی مدت مل جائے گی، اس لئے اقرار کرنے والے کفیل کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :۱؎ فرق کی وجہ یہ ہے کہ اقرار کرنے والے نے قرض کا اقرار کیا پھر اپنی ذات کے لئے الگ سے حق کا دعوی کیا، اور وہ ہے ایک مدت تک مطالبے کو مؤخر کرنا [اسلئے مؤخر کرنے کی بات نہیں مانی جائے گی، اور کفالہ میں دین کا اقرار نہیں کیا ہے اس لئے کہ صحیح روایت میں یہی ہے کہ کفیل پر قرض نہیں ہوتا [، صرف مطالبہ ہوتا ہے] اور کفیل نے ایک مہینے والا مطالبہ کا اقرار کیا ہے

تشریح : دین اور کفالت میں فرق یہ ہے کہ۔ قرض میں مدت داخل نہیں ہے، اس لئے اس نے قرض کا اقرار کیا پھر اپنے لئے تاخیر کا مطالبہ کیا، تو اس کے لئے گواہ چاہئے، اور گواہ نہیں ہے تو منکر کی بات مانی جائے گی۔ اور کفالے میں قرض کا اقرار نہیں ہوتا بلکہ صرف مطالبے کا اقرار ہوتا ہے، اور مطالبے میں مدت داخل ہے اس لئے خود بخود کفیل کو مدت مل جائے گی، اس کے لئے گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :۲؎ قرض میں مدت عارضی ہے اسی لئے شرط کے بغیر مدت نہیں ملے گی، اس لئے جس نے مدت کی شرط کا انکار کیا

القول قول من أنكر الشرط كما في الخيار ٣ أما الأجل في الكفالة فنوع منها حتى يثبت من غير شرط بأن كان مؤجلا على الأصيل ٤ والشافعي رحمه الله ألحق الثاني بالأول ٥ وأبو يوسف رحمه الله فيما يروى عنه ألحق الأول بالثاني والفرق قد أوضحناه.(٣٧٨) قال ومن اشترى

اس کی بات مانی جائے گی، جیسے خیار شرط میں ہوتا ہے، کہ جو انکار کرتا ہے قسم کے ساتھ اسکی بات مانی جاتی ہے۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے کہ قرض میں مدت شامل نہیں ہوتی، بلکہ عارضی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ الگ سے مدت لے گا تو مدت ملے گی، اور نہیں لے گا تو نہیں ملے گی، اور کبھی دعوی کرنا پڑے تو گواہ ہو تو فیصلہ کیا جائے گا، اور گواہ نہ ہو تو قسم کے ساتھ منکر کی بات مانی جائے گی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں، کہ بیع میں خیار شرط لینا عارضی ہے، بغیر لئے نہیں ملے گی چنانچہ گواہ نہ ہو تو منکر کی بات مانی جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی منکر کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ: ٣ بہر حال کفالہ میں مدت تو کفالہ ہی کی ایک قسم ہے، اس لئے بغیر شرط کے بھی مدت مل جائے گی، مثلا اصیل پر ہی تاخیر کر کے قرض ہو تو کفیل پر بھی تاخیر کر کے کفالت ہوگی۔

تشریح: کفالہ کی دو قسمیں مدت والی اور بغیر مدت کے، چنانچہ اصل قرض والے پر تاخیر کے ساتھ قرض ہو تو کفیل پر بھی تاخیر کے ساتھ ہی قرض لازم ہوگا، تو اس سے پتہ چلا کہ بغیر شرط لگائے بھی کفالت میں مدت ملتی ہے، اس لئے یہاں کہا جائے گا تاخیر والی کفالت ہے اس لئے گواہی دئے بغیر کفیل کو مدت مل جائے گی۔

ترجمہ: ٤ امام شافعیؒ نے دوسرا [یعنی کفالت کے مسئلے کو پہلے [یعنی قرض] کے مسئلے کے ساتھ ملا دیا۔

تشریح: قرض میں یہ تھا کہ مدت نہیں ملتی تھی اور اس بارے میں منکر [مقرلہ] کی بات مانی جاتی تھی، چنانچہ کفالت کے مسئلے میں بھی منکر کی بات مانی جائے گی اور کفیل کو مدت نہیں ملے گی۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ دونوں میں گواہ نہیں ہے تو دونوں میں منکر کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ: ٥ اور امام ابو یوسفؒ نے جیسا کہ ان سے روایت ہے کہ پہلے [قرض] کے مسئلے کو دوسرے [کفالت] کے ساتھ ملا دیا ہے، اور دونوں کے درمیان فرق ہم نے واضح کر دیا ہے۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ کفالت میں مہلت ملتی ہے اسی طرح قرض میں بھی مہلت ملے گی، اور اقرار کرنے والے کی بات مانی جائے گی۔

وجہ: جب قرض کے اقرار کرنے والے اقرار ہی کر رہا ہے مدت کی تو قرض میں مدت شامل ہو جائے گی، جیسے کفالہ میں مدت شامل ہوتی ہے، اس لئے اقرار کرنے والے کو دونوں میں مدت ملے گی، چاہے اس کے پاس گواہ نہ ہو۔

جارية فكفل له رجل بالدرک فاستحقت لم يأخذ الكفيل حتى يقضى له بالثمن على البائع ا؎ لأن بمجرد الاستحقاق لا ينتقض البيع على ظاهر الرواية ما لم يقض له بالثمن على البائع فلم يجب له على الأصيل رد الثمن فلا يجب على الكفيل بخلاف القضاء بالحرية لأن البيع يبطل بها لعدم

ترجمہ :(۳۷۸) کسی نے باندی خریدی، پھر ایک آدمی کفیل بالدرک بن گیا، پھر باندی کسی کی مستحق نکل گئی تو کفیل سے ابھی رقم نہیں لی جائے گی جب تک کہ بائع سے قیمت واپس لینے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ محض استحقاق سے ظاہر روایت میں بیع نہیں ٹوٹے گی جب تک کہ بائع پر ثمن لوٹانے کا فیصلہ نہ کیا جائے، اس لئے اصیل [بائع] پر ہی ثمن لوٹانا واجب نہیں ہے اس لئے کفیل پر بھی واجب نہیں ہوگا، بخلاف آزاد ہونے کے فیصلے کے اس لئے کہ آزاد ہونے کا فیصلہ ہوتے ہی بیع ٹوٹ جاتی ہے، کیونکہ اب بیع کا محل نہیں رہا اس لئے بائع سے رقم لی جائے گی، اس لئے کفیل سے بھی رقم لی جائے گی۔

اصول : یہاں دو اصول سمجھیں۔[ا]...... مستحق ہونے کے فیصلے سے بیع نہیں ٹوٹتی، کیونکہ ہوسکتا ہے باندی جسکی نکلی ہے وہ اس بیع کی اجازت دے دے، اور مشتری کی طرف رقم واپس نہ کرنی پڑے، اس لئے کفیل کو بھی رقم واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اس کے بعد بائع پر رقم واپس کرنے فیصلہ ہو جائے تب کفیل رقم دینے کا ذمہ دار بنے گا

[۲]......اور دوسرا اصول یہ ہے جیسے ہی آزادگی کا فیصلہ ہوا بیع ٹوٹ گئی اور آزاد ہونے کی وجہ دوبارہ بیع ہو بھی نہیں سکتی ہے، اس لئے کفیل بھی رقم واپس کرنے کا ذمہ دار بن جائے گا۔

تشریح : مثلا زید نے عمر بائع سے باندی خریدی، اور خالد کفیل بالدرک [استحقاق] کا بن گیا، پھر وہ باندی کسی اور کی نکل گئی اور اس کا فیصلہ ہو گیا، تب بھی ابھی کفیل پر رقم دینے کی ذمہ داری نہیں ہے، اس کے بعد قاضی یہ فیصلہ کرے کہ بائع کو باندی کی قیمت واپس کرنی ہوگی تب کفیل پر رقم دینے کی ذمہ داری آئے گی۔ اس کے برخلاف قاضی باندی کے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دے تو ابھی بائع کو قیمت واپس کرنے کا فیصلہ نہ بھی کیا ہو تب بھی کفیل پر رقم دینے کی ذمہ داری آجائے گی۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد ہونے فیصلے ہوتے ہی باندی بیع کا محل نہیں رہی اس لئے بیع مکمل ٹوٹ گئی اور بائع پر قیمت واپس کرنا لازم ہو گیا، اس لئے اس کے کفیل پر بھی قیمت واپس کرنا لازم ہوگی، اور استحقاق نکلے کے فیصلے کے بعد بہت ممکن ہے کہ جس کا مستحق نکلا وہ کہے کہ اس بیع کو باقی رکھو، اس لئے بائع پر قیمت واپس کرنا لازم نہیں ہوگا، اسلئے اس کے کفیل پر بھی قیمت واپس کرنا لازم نہیں ہوگا۔

لغت : کفالہ بالدرک: درک کا ترجمہ ہے، پانا۔ کفیل مشتری سے کہے یہ باندی خرید لیں، اس کا کوئی مستحق نکلے گا تو آپ کی

المحلية فيرجع على البائع والكفيل. ۲؎ وعن أبي يوسف أنه يبطل البيع بالاستحقاق فعلى قياس قوله يرجع بمجرد الاستحقاق وموضعه أوائل الزيادات في ترتيب الأصل. (۳۷۹) ومن اشترى عبدا فضمن له رجل بالعهدة فالضمان باطل ۱؎ لأن هذه اللفظة مشتبهة قد تقع على الصك القديم وهو ملك البائع فلا يصح ضمانه وقد تقع على العقد وعلى حقوقه وعلى الدرک وعلى

قیمت کا ذمہ دار ہوں، اس کو کفالہ بالدرک کہتے ہیں۔

ترجمہ :۲؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ استحقاق کے فیصلے کے بعد ہی بیع ٹوٹ جائے گی، اس لئے انکے قول پر قیاس کرتے ہوئے محض استحقاق سے ہی کفیل سے رقم لے سکتا ہے۔ اس کی تفصیل کی اصلی ترتیب میں زیادات کے شروع کا حصہ ہے۔

تشریح :حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جیسے ہی قاضی نے باندی کے مستحق ہونے کا فیصلہ کیا تو بیع ٹوٹ جائیگی، جب بیع ٹوٹ گئی تو قیمت کے واپس کرنے کے فیصلے سے پہلے ہی کفیل پر قیمت واپس کرنا لازم ہو جائے گا، کیونکہ اب تو بیع رہی نہیں

ترجمہ :(۳۷۹) کسی نے غلام خریدا اور کوئی آدمی اس کے لئے عہدے کا کفیل بن گیا تو یہ ضمان باطل ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ یہ لفظ مشتبہ ہے [اس کے بہت سے معانی ہیں] [۱]......کبھی پرانی رسید کو بولتے ہیں، اور یہ بائع کی ملکیت ہے اس لئے اس کا کفیل بننا صحیح نہیں [۲] ......کبھی عقد بیع کو بولتے ہیں ۔ [۳] ......کبھی بیع کے حقوق کو بولتے ہیں۔ [۴] ......کبھی استحقاق اور درک کو بولتے ہیں۔ [۵] ......اور کبھی خیار شرط کو بولتے ہیں۔ اسلئے عہدے کی کفالت جائز نہیں ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر ایسا لفظ استعمال کیا جسکے کئی معانی ہیں اور تمام معانی پر عمل کرنا مشکل ہے، اور عرف سے یا قرائن سے کسی ایک معنی کا متعین کرنا بھی ناممکن ہے تو اس لفظ کے ذریعہ کفالت صحیح نہیں ہوگی۔

تشریح : عہدہ کا لفظ چونکہ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے اور کسی ایک کو متعین کرنا ناممکن ہے اس لئے اس لفظ سے کفیل بننا درست نہیں ہے۔

لغت ؛عہدہ: عہد سے مشتق ہے۔ الصک القدیم: پچھلی بیع کی رسید۔ عقد: ابھی کی بیع۔ حقوقہ: بیع کے حقوق۔ الدرک: مستحق نکلنا۔ الخیار: سے مراد بیع میں جو خیار شرط لیتے ہیں۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف لفظ درک، کے اس لئے کہ وہ مستحق نکل آئے تو اس کے کفیل بننے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ [اس لئے درک کے لفظ کے ساتھ کفیل بننا درست ہے۔

الخيار ولكل ذلك وجه فتعذر العمل بها ؏بخلاف الدرك لأنه استعمل في ضمان الاستحقاق عرفا(۳۸۰) ولو ضمن الخلاص لا يصح ؏عند أبي حنيفة رحمه الله لأنه عبارة عن تخليص المبيع وتسليمه لا محالة وهو غير قادر عليه ؏وعندهما هو بمنزلة الدرك وهو تسليم البيع أو قيمته فصح.

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ :(۳۸۰)اور خلاص کا کفیل بنا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ خلاص کا مطلب یہ ہے کہ [مشتری صاحب] آپ کو مبیع ہی سپرد کروں گا،اور کفیل اس پر قدرت نہیں رکھتا[کیونکہ وہ تو صرف بائع کے پاس ہے]

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ,لفظ خلاص، کا ترجمہ ہے کہ کفیل مشتری سے کہے، کچھ بھی ہو میں مبیع ہی کو سپرد کروں گا،تو چونکہ مبیع صرف بائع کے پاس ہے،اور کفیل اس کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے،ہاں اس کی قیمت اپنی جانب سے دے سکتا ہے، لیکن وہ یہ نہیں کہہ رہا ہے اس لئے خلاص کے لفظ سے کفیل بننا درست نہیں ہے۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے،لفظ کا معنی قرینے سے متعین ہو جائے تو اس سے کفیل بننا درست ہے۔

ترجمہ :۲؎ صاحبینؒ کے نزدیک ,لفظ خلاص، کفالہ بالدرک، کے معنی میں ہے،اور وہ ہے مبیع کو سپرد کروں گا، یا اس کی قیمت سپرد کروں گا،اس لئے اس لفظ سے کفالہ درست ہے۔

تشریح :صاحبینؒ کے نزدیک خلاص کا ترجمہ ہے،کوشش کروں گا کہ مبیع سپرد کروں،لیکن اگر وہ نہ ہو سکا تو اس کی قیمت ادا کر دوں گا،چونکہ کفیل اپنی طرف سے قیمت ادا کر سکتا ہے اس لئے اس لفظ سے کفیل بالدرک بننا درست ہے۔

﴿باب كفالة الرجلين﴾

(۳۸۱)وإذا كان الدين على اثنين و كل واحد منهما كفيل عن صاحبه كما إذا اشتريا عبدا بألف درهم و كفل كل واحد منهما عن صاحبه فما أدى أحدهما لم يرجع على شريكه حتى يزيد ما

﴿باب کفالۃ الرجلین﴾

ترجمہ :(۳۸۱)اگر قرض دوآدمیوں پر ہواور دونوں میں سے ہر ایک کفیل اور ضامن ہو دوسرے کا تو جو کچھ ان میں سے ایک نے ادا کیا تو وہ شریک سے وصول نہیں کرے گا یہاں تک کہ زیادہ ہو جو ادا کیا آدھے سے، پس وصول کرے گا زیادہ کو۔

تشریح :دوآدمیوں پر قرض تھا۔مثلا دوآدمیوں نے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا تھا اور دونوں پر آدھی آدھی قیمت قرض تھی یعنی پانچ پانچ سو درہم تھے۔اور دونوں ایک دوسرے کے کفیل بھی تھے۔پس ایک نے اگر آدھا قرض یعنی پانچ سو ادا کیا ہے تو یہ آدھا خود اس کے حصے کا شمار کیا جائے گا،شریک کے حصے کا شمار نہیں کیا جائے گا۔اس لئے جب تک آدھا ادا کیا تو اس میں سے کچھ شریک سے وصول نہیں کرے گا۔ہاں آدھا سے زیادہ ادا کرے تو اپنے شریک سے وصول کرے گا۔

وجہ :آدھا قرض اصل ہے اور خود اپنے اوپر ذمہ داری ہے۔اور کفالت فرع ہے اور مطالبہ ہے۔اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل کا درجہ پہلے ہوتا ہے اور فرع کا درجہ بعد میں ہوتا ہے۔اس لئے آدھا جو ادا کیا وہ اصل قرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنے والے کی جانب سے ادا ہوگا۔کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا نہیں ہوگا۔اس لئے اس میں سے شریک سے کچھ وصول نہیں کر پائے گا۔البتہ آدھا سے زیادہ جو کچھ ادا کیا وہ ادا کرنے والے پر قرض نہیں ہے اس لئے طے ہے کہ وہ کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا کیا ہے اس لئے اب اس سے وصول کریگا۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل پہلے ادا ہوگا اور فرع اور مطالبہ بعد میں ادا ہوگا۔اپنا قرض پہلے ادا ہو اس کی (۱) وجہ یہ ہے کہ قرض ادا نہ کرنے پر کافی وعید آئی ہے۔حدیث میں ہے۔عن محمد بن جحش ... فقال والذی نفسی بیده لو ان رجلا قتل فی سبیل الله ثم احیی ثم قتل ثم احیی ثم قتل و علیه دین ما دخل الجنة حتی یقضی عنه دینه. (نسائی شریف، باب التغلیظ فی الدین، ص۲۰۲، نمبر ۴۶۸۸) اس حدیث کی بنا پر اپنا دین پہلے ادا ہوگا (۲) عن سلمة بن اکوع ؓ قال کنا جلوسا عند النبی ﷺ اذا اتی بجنازة ...... قال هل ترک شیئا قالوا لا قال فهل علیه دین ؟ قالوا ثلاثة دنانیر قال صلوا علی صاحبکم فقال ابو قتادة صل علیه یا رسول الله و علی دینه فصلی علیه ۔(بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز، کتاب الحوالات، ص ۳۶۵، نمبر ۲۲۸۹ رترمذی

يؤديه على النصف فيرجع بالزيادة ۱؎ لأن كل واحد منهما في النصف أصيل وفي النصف الآخر كفيل ولا معارضة بين ما عليه بحق الأصالة وبحق الكفالة لأن الأول دين والثاني مطالبة ثم هو تابع للأول فيقع عن الأول وفي الزيادة لا معارضة فيقع عن الكفالة ۲؎ ولأنه لو وقع في النصف ن صاحبه فيرجع عليه فلصاحبه أن يرجع لأن أداء نائبه كأدائه فيؤدي إلى الدور (۳۸۲) وإذا كفل رجلان عن رجل بمال على أن كل واحد منهما كفيل عن صاحبه فكل شيء أداه أحدهما رجع

شریف، باب ما جاء فی الصلوۃ علی المدیون، ص ۲۰۵، نمبر ۱۰۶۹) اس حدیث میں حضرت ابوقتادہؓ کوقرض ادا کرنے کے لئے کہا تب نماز جنازہ پڑھائی۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ ہر ایک آدھے قرض میں اصیل ہے، اور دوسرے آدھے میں کفیل ہے، اور اصل حق اور کفالہ میں کوئی معارضہ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ پہلا قرض ہے اور دوسرا مطالبہ ہے، پھر دوسرا پہلے کے تابع ہے، اس لئے آدھی رقم پہلے یعنی قرض کی جانب سے ادا ہوگی، اور اس سے زیادہ میں معارضہ نہیں ہے اس لئے کفالہ کی جانب سے ادا ہوگی۔

تشریح : آدھی رقم جو ادا کی وہ اصل ہے اور قرض ہے، اور باقی آدھی رقم کفالہ ہے اور تابع ہے، اور دونوں میں کوئی معارضہ اور اختلاف نہیں ہے اس لئے دونوں کا آدھا آدھا ہوسکتا ہے۔ اس لئے اصل پہلے ادا ہوگا اور جو اس سے زیادہ ہوگا وہ کفالہ کی جانب سے ادا ہوگا۔

ترجمہ :۲؎ اور اس لئے کہ اگر پہلے ہی آدھے میں ساتھی کی جانب سے ادا ہو جائے تو وہ اپنے ساتھی سے وصول کرے گا، پھر ساتھی کو بھی حق ہوگا کہ اس کا آدھا دینے والے سے وصول کرے کیونکہ نائب کا ادا کرنا خود اپنے ادا کرنے کی طرح ہے، تو یہ سلسلہ دور تک چلتا رہے گا، جو فضول ہے۔

تشریح : مصنف نے ایک منطقی دلیل دی ہے۔ مثلا پہلے پانچ سو کی ادائیگی میں آدھا [ڈھائی سو] ساتھی کی جانب سے مان لی جائے تو یہ آدھی رقم دینے والے ساتھی سے واپس لے گا، پھر دینے والا اپنے ساتھی سے واپس لے گا جس سے لین دین کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جائے گا، جو باطل ہے، اس لئے یہی کہنا بہتر ہے کہ پہلا پانچ سو اپنی جانب سے ہو، اور اس سے زیادہ ہو تو کفالہ کی جانب سے ہوگا۔

ترجمہ :(۳۸۲) اگر دو آدمی کفیل بنے ایک آدمی کی جانب سے مال کا [ایک ہزار کا] اس طور پر کہ ان میں ہر ایک دوسرے کا کفیل ہوگا تو جو کچھ ان میں سے ایک ادا کرے گا اس کا آدھا شریک سے وصول کرے گا تھوڑا ہو یا زیادہ۔

على شريكه بنصفه قليلا كان أو كثيرا۱؎ ومعنى المسألة في الصحيح أن تكون الكفالة بالكل عن الأصيل وبالكل عن الشريك والمطالبة متعددة فتجتمع الكفالتان على ما مر وموجبها التزام المطالبة فتصح الكفالة عن الكفيل كما تصح الكفالة عن الأصيل وكما تصح الحوالة من المحتال عليه. ۲؎ وإذا عرف هذا فما أداه أحدهما وقع شائعا عنهما إذ الكل كفالة فلا ترجيح

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دونوں برابر درجے کے فروع ہوں تو آدھا شریک سے وصول کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ ادا کیا اس میں سے آدھا اپنے شریک کی جانب سے بطور کفالت ادا کیا۔

تشریح: دو آدمی ایک آدمی کے ایک ہزار درہم کے کفیل بنے۔ پھر یہ دونوں کفیل آپس میں بھی ایک دوسرے کے کفیل بن گئے تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک کفیل جتنا ادا کرے گا اس کا آدھا اپنے شریک کفیل سے وصول کرے گا مثلا پانچ سو ادا کیا ہو تو ڈھائی سو اپنے شریک کفیل سے لے گا۔ پھر دونوں ملکر اصیل سے وصول کریں گے۔

وجہ: یہاں دونوں کفیلوں پر ذاتی قرض نہیں ہے بلکہ دونوں پر کفالت ہے اور فرع ہے اس لئے دونوں فرع ہونے میں برابر ہے۔ اور چونکہ دونوں ایک دوسرے کے کفیل اور ضامن ہیں اس لئے جو کچھ ادا کیا اس کا آدھا اپنی جانب سے ادا کیا اور آدھا بطور کفالت کے شریک کی جانب سے ادا کیا۔ اس لئے آدھا اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شریک کے بجائے اصل مقروض سے وصول کرے۔ کیونکہ اصل میں تو اسی کا قرض ادا کیا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اصل میں مسئلے کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی نے پورا کفالہ اصیل سے لیا، پھر پورا کفالہ شریک سے بھی لیا، اور مطالبہ متعدد ہے اس لئے ایک آدمی پر دو کفالے جمع ہو گئے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور کفالہ کا مطلب ہے مطالبے کا لازم کرنا، اس لئے کفیل سے کفیل بننا درست ہے جیسے اصیل سے کفیل بننا درست ہے، جیسے محتال علیہ [کفیل] سے حوالہ لینا درست ہے۔

تشریح: یہاں کفالت کی صورت بیان کر رہے ہیں کہ، یہاں اصل قرض لینے والے سے بھی پورے قرض کی کفالت لی ہے، اور کفیل سے بھی پوری کفالت لی ہے، اس لئے ہر ایک پر دو کفالے ہیں۔ آگے بتاتے ہیں کہ کفیل سے بھی کفیل بننا درست ہے، اس لئے کہ مطالبے کو لازم کرنا ہے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ محتال علیہ [جس آدمی پر قرض حوالہ کر دیا گیا ہے، اس سے کوئی دوسرا آدمی اپنے سر پر پورا قرض لینا چاہے تو لے سکتا ہے، اسی طرح کفیل سے کوئی کفیل بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ جب اس کا علم ہو گیا تو، تو جو کچھ ان میں سے ایک نے ادا کیا تو دونوں کی جانب سے ادا ہوا، اس لئے کہ کل کفالہ ہے اور بعض کو بعض پر ترجیح نہیں ہے، بخلاف پہلے مسئلے کے [اس میں ایک اصل دوسرا فرع تھا] اس لئے دینے والا اپنے شریک سے آدھا وصول کرے گا۔

للبعض على البعض بخلاف ما تقدم فيرجع على شريكه بنصفه ۳؎ ولا يؤدي إلى الدور لأن قضيته الاستواء وقد حصل برجوع أحدهما بنصف ما أدى فلا ينتقض برجوع الآخر عليه بخلاف ما تقدم ۴؎ ثم يرجعان على الأصيل لأنهما أديا عنه أحدهما بنفسه والآخر بنائبه

تشریح :جب یہ پتہ چل گیا کہ دونوں ہی کفالت ہیں اور کسی کو ترجیح نہیں ہے تو ایک جو کچھ بھی ادا کرے گا وہ شائع یعنی دونوں کی جانب سے ادا ہوگا، اس لئے اس کا آدھا اپنے ساتھی سے وصول کرے گا۔

ترجمہ :۳؎ اور دور بھی لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ یہاں معاملہ برابری کا ہے، پس جتنا ادا کیا اس کا آدھا وصول کرنے سے دونوں برابر ہو گئے ،اب دوسرا آدمی دوبارہ وصول کر کے اس برابری کو نہیں توڑے گا۔

تشریح : پہلے مسئلے میں یہ تھا کہ آدھا اپنی جانب سے اصیل تھا، اور دوسرا آدھا دوسرے کی جانب سے کفیل تھا، یہاں یہ ہے کہ پورا ہی کفیل ہے، اس لئے دونوں برابر ہیں، اس لئے رقم بھی دونوں پر برابر ہونی چاہئے، اس لئے پہلے نے مثلا پانچ سو ادا کیا، اور اس کا آدھا ڈھائی سو اپنے شریک سے لے لیا تو دونوں برابر ہو گئے، اب دوسرے کو ڈھائی سو میں سے آدھا سوا سو وصول کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ پھر برابری باقی نہیں رہے گی، دینے والے کا خرچ 375 ہو جائے گا، اور شریک کا خرچ 125 رہ جائے گا اور دونوں کے درمیان برابری نہیں ہوگی، اس لئے شریک دوبارہ اصل دینے والے سے نہیں لے سکتا۔

لغت :دور: پہلا دوسرے سے لے، پھر دوسرا پہلے سے لے، پھر پہلا دوسرے سے لے، اس طرح مسلسل چلتا رہے اس کو ,دور، کہتے ہیں، یہ منطق والوں کے نزدیک باطل ہے۔ بخلاف ما تقدم سے پہلا مسئلہ نمبر ۳۸۱ مراد ہے، جس میں آدھا اپنا قرض تھا اور آدھا کفالت کے طور پر لیا۔

ترجمہ :۴؎ پھر دونوں کفیل اصیل سے وصول کرے اس لئے کہ دونوں کفیلوں نے ادا کیا ہے ایک نے اپنی جانب سے، اور دوسرے نے نیابت کے طور پر۔

تشریح : یہاں دو صورتیں ہیں [۱] ایک صورت یہ ہے کہ جس نے پورا قرض پانچ سو ادا کیا، اس کو یہ حق ہے کہ اصیل [مقروض] سے پورا پانچ سو وصول کرے، [۲] اور یہ بھی حق ہے کہ پانچ سو کا آدھا ڈھائی سو دوسرے کفیل سے وصول کرے، پھر دونوں اصیل کے پاس جا کر پانچ سو وصول کرے۔

وجہ :براہ راست اصیل سے پانچ سو وصول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا کرنے والا اس کا بھی پورے قرض کا کفیل ہے۔ اور دوسرے کفیل سے وصول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آدھا قرض اس کی جانب سے بھی ادا کیا ہے، پھر دونوں اصیل کے پاس اس لئے جائے گا کہ دونوں نے گویا کہ آدھا آدھا ادا کیا ہے، اس لئے دونوں اصیل کے پاس جا کر وصول کرے گا۔

(۳۸۳) وإن شاء رجع بالجميع على المكفول عنه لأنه كفل بجميع المال عنه بأمره. (۳۸۴) قال وإذا أبرأ رب المال أحدهما أخذ الآخر بالجميع لأن إبراء الكفيل لا يوجب براءة الأصيل فبقي المال كله على الأصيل والآخر كفيل عنه بكله على ما بيناه ولهذا يأخذه به. (۳۸۵) قال وإذا افترق المتفاوضان فلأصحاب الديون أن يأخذوا أيهما شاؤا بجميع الدين لأن كل واحد منهما كفيل عن صاحبه على ما عرف في الشركة (۳۸۶) ولا يرجع أحدهما

ترجمہ :(۳۸۳) اور اگر چاہے تو تمام رقم اصیل [مکفول عنہ] سے وصول کرے۔

ترجمہ : اس لئے کہ اصیل کے حکم سے تمام مال کا کفیل بنا ہے۔

تشریح : چونکہ اصل مقروض کے حکم سے پورے قرض کا کفیل بنا ہے اس لئے قرض ادا کرنے والے کفیل کو یہ بھی حق ہے کہ سارا مال مکفول عنہ [اصل قرض لینے والے سے وصول کرے۔

ترجمہ:(۳۸۴) اگر مکفول لہ نے دو کفیل میں سے ایک کو مال سے بری کر دیا تو وہ دوسرے کفیل سے پورا مال لے سکتا ہے

ترجمہ : اس لئے کہ کفیل کو بری کرنے سے اصیل بری نہیں ہوتا اس لئے پورا مال اصیل پر باقی ہے، اور دوسرا آدمی اس کے پورے مال کا کفیل ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے، اس لئے پورا مال دوسرے کفیل سے لے گا۔

تشریح : پہلے اصول گزرا کہ کفیل کو بری کرنے سے اصیل کا قرض معاف نہیں ہوگا، اس پر تو قرض رہے گا ہی، اس لئے اگر ایک کفیل کو قرض دینے والے نے مال سے بری کر دیا تو اصیل پر قرض باقی ہے، اور دوسرا آدمی پورے مال کا کفیل ہے اس لئے قرض دینے والا دوسرے کفیل سے پورا قرض وصول کرے گا۔

ترجمہ :(۳۸۵) اگر شرکت مفاوضہ والے الگ ہو گئے تو قرض دینے والوں کو حق ہے کہ دونوں میں سے جس سے چاہے پورا قرض وصول کرے۔

ترجمہ : اس لئے کہ دونوں اپنے ساتھی کا کفیل ہے، جیسے کہ کتاب الشرکۃ میں معلوم ہوا۔

تشریح : شرکت مفاوضہ میں دونوں ایک دوسرے کا کفیل بھی ہوتا ہے اور وکیل بھی ہوتا ہے، اس لئے اگر دونوں جدا ہو گئے اور شرکت چھوڑ دی تو قرض دینے والوں کو یہ حق ہے جن سے چاہے پورا قرضہ وصول کر لے، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے کفیل ہیں۔

وجہ :عن الحكم قال اذا لحق احد المتفاوضين دين فهو عليهما جميعا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی

على صاحبه لے حتى يؤدي أكثر من النصف لما مر من الوجهين في كفالة الرجلين. (٣٨٧)قال وإذا كوتب العبدان كتابة واحدة وكل واحد منهما كفيل عن صاحبه فكل شيء أداه أحدهما

التفاوضين یلحق احدھما الدین، ج رابع ،ص ۵۳۰ ،نمبر ۲۲۸۳۱)اس قول تابعی میں ہے کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں پر برابر قرض ہوگا

لغت :مفاوضہ:فوض ،تفویض سے مشتق ہے، سپرد کرنا۔

ترجمہ :(۳۸۶) اور دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی سے وصول نہ کرے یہاں تک کہ آدھے سے زیادہ ادا کردے،

ترجمہ :لے اس دلیل کی وجہ سے جو دو آدمی کے کفالے کے بارے میں گزرا۔

تشریح :شرکت مفاوضہ میں ہر شریک آدھے کے بارے میں اصیل ہے، یعنی اس کا اپنا قرض ہے، اور دوسرے آدھے کے بارے میں کفیل ہے اس لئے آدھا سے زیادہ قرض ادا کرے گا تو اپنے شریک سے وصول کرے گا، اور آدھا ادا کرے گا تو اس کا اپنا قرض ادا ہوا اس لئے ابھی شریک سے وصول نہیں کرے گا۔اس مسئلے کی تفصیل مسئلہ نمبر ۳۸۱) میں گزری۔

ترجمہ :(۳۸۷) دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں مکاتب بنایا، پھر دونوں ایک دوسرے کے کفیل بن گئے، تو جو کچھ ایک ادا کرے گا تو اس کا آدھا اپنے ساتھی سے لے گا۔

لغت :دین صحیح اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے بدلے میں لازم ہوا ہو، اور مقروض بغیر ادا کئے ساقط کرنا چاہے تو ساقط نہ کر سکے ۔کتابت دین صحیح نہیں ہے کیونکہ آقا نے احسانا رقم لیکر آزاد کیا ہے کسی چیز کے بدلے میں نہیں ہے، اور مکاتب عاجز ہو جائے تو کتابت ساقط ہو جاتی ہے، اور دوبارہ غلام بن جاتا ہے، اور کفالہ دین صحیح کا ہوتا ہے، اس لئے مال کتابت کا کفیل کوئی نہیں بن سکتا، لیکن یہاں ایک ہزار ادا کرنے کی شرط پر دونوں کی آزادگی کو معلق کیا ہے، اس لئے استحسانا دونوں ایک دوسرے کا کفیل بن سکتے ہیں

تشریح :دو غلاموں کو ایک ہزار کی ادائیگی مکاتب بنایا، اور دونوں ایک دوسرے کے پورے پورے کفیل بن گئے تو جائز ہے

ترجمہ :لے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقد کفالہ استحسانا جائز ہے، اس کا طریقہ یوں بنائیں گے کہ دونوں کو ہزار کے واجب ہونے میں اصیل بنایا جائے ، اور دونوں کی آزادگی کو ایک ہزار کی ادائیگی پر معلق کیا جائے ، اور ساتھی کے حق میں ایک ہزار کا کفیل بنایا جائے ،جسکو کتاب المکاتب میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ، پس جب یہ پتہ چل گیا [کہ دونوں اصیل ہونے اور کفیل ہونے میں برابر ہیں] تو جو کچھ ایک نے ادا کیا اس کا آدھا ساتھی سے لیگا، کیونکہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ پورا وصول کرے تو برابری نہیں رہے گی۔

رجع على صاحبه بنصفه[۱] ووجهه أن هذا العقد جائز استحسانا وطريقه أن يجعل كل واحد منهما أصيلا في حق وجوب الألف عليه فيكون عتقهما معلقا بأدائه ويجعل كفيلا بالألف في حق صاحبه وسنذكره في المكاتب إن شاء الله تعالى وإذا عرف ذلک فما أداه أحدهما رجع بنصفه على صاحبه لاستوائهما ولو رجع بالكل لا تتحقق المساواة. (۳۸۸) قال ولو لم يؤديا شيئا حتى أعتق المولى أحدهما جاز العتق[۱] لمصادفته ملكه وبرئ عن النصف لأنه ما رضي بالتزام المال إلا ليكون المال وسيلة إلى العتق وما بقي وسيلة فيسقط ويبقى النصف على الآخر لأن المال في الحقيقة مقابل برقبتهما. [۲] وإنما جعل على كل واحد منهما احتيالا لتصحيح الضمان وإذا جاء

تشریح: چونکہ مال کتابت کا کفالہ صحیح نہیں ہے اس لئے اس کا طریقہ یہ بتا رہے ہیں کہ ایک ہزار کو دونوں پر آدھا آدھا نہ کیا جائے بلکہ پورا پورا ہزار کے آدیگی کی ذمہ داری دونوں پر رکھی جائے، اور یوں کہا جائے کہ ایک ہزار کی ادائیگی پر دونوں کی آزادگی کو معلق کیا ہے، اور ایک ہزار کے بارے میں دونوں اصیل ہیں، اور پھر دونوں پورے پورے قرض کے کفیل بھی ہیں، اس طرح دونوں اصیل اور کفیل ہونے میں برابر ہو گئے،، جب دونوں برابر ہو گئے تو ایک جو کچھ ادا کرے گا تو اس کا آدھا شریک سے لے گا، کیونکہ شریک سے نہیں لے گا تو برابری نہیں ہوگی، اور پورا بھی نہیں لے سکتا، کیونکہ اس میں بھی برابری نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۳۸۸) اگر ابھی تک کچھ ادا نہیں کیا تھا کہ آقا نے دونوں میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو آزاد کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: [۱] اس لئے کہ اس کی ملکیت ہے، اور آدھی قیمت ختم ہو گئی اس لئے کہ مکاتب آزادگی حاصل کرنے کے لئے ہی مال کو لازم کیا تھا، اور اب [آزاد ہونے کے بعد] وسیلے کی ضرورت نہیں رہی اس لئے مال ساقط ہو گیا، اور آدھا مال دوسرے مکاتب پر باقی رہے گا، اس لئے کہ ایک ہزار مال حقیقت میں دونوں کی گردن کے مقابلے پر تھا۔

تشریح: ایک ہزار کے بدلے میں دو غلاموں کو مکاتب بنایا تھا، اس میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو اس سے پانچ سو ساقط ہو گیا، کیونکہ پانچ سو آزادگی حاصل کرنے کے لئے اپنے اوپر لازم کیا تھا، اب وہ حاصل ہو گئی تو رقم کیوں ادا کرے گا، البتہ جس کو آزاد نہیں کیا ہے اس پر پانچ سو باقی رہے گا۔

ترجمہ: [۲] اور اوپر کے مسئلے میں دونوں پر پورا پورا ہزار رکھا تھا کفالت صحیح ہونے کے حیلے کے لئے، اور جب آزدگی آگئی تو اس حیلے کی ضرورت نہیں رہی، اس لئے اب ایک ہزار کو دونوں کی گردن کے مقابلے پر رکھ دیا اس لئے اب آدھا آدھا ہو گیا۔

تشریح: یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ اوپر کے مسئلہ نمبر ۳۸۷) میں دونوں مکاتب پر پورا پورا ہزار کیا

العتق استغنى عنه فاعتبر مقابلا برقبتهما فلهذا يتنصف ۳؎ وللمولى أن يأخذ بحصة الذي لم يعتق أيهما شاء المعتق بالكفالة وصاحبه بالأصالة وإن أخذ الذي أعتق رجع على صاحبه بما يؤدي لأنه مؤد عنه بأمره وإن أخذ الآخر لم يرجع على المعتق بشيء لأنه أدى عن نفسه والله أعلم.

تھا،اور یہاں ایک پر پانچ سو کر دیا تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ وہاں مکاتب کا کفیل بننا مشکل تھا اس لئے دونوں پر پورا پورا کرنے کا حیلہ تھا،اور یہاں ایک آزاد ہو گیا ہے اس لئے پورا پورا کرنے کی ضرورت نہیں رہی،اس لئے ایک ہزار کو دونوں کے مقابل کر دیا،اور آزاد ہونے کی وجہ سے دونوں پر آدھا آدھا لازم ہوا۔

ترجمه :۳؎ آقا کو یہ حق ہے کہ جو حصہ آزاد نہیں کیا ہے وہ دونوں میں سے جس سے چاہے وصول کرے،آزاد شدہ مکاتب سے کفالہ کی وجہ سے،اور اس کے شریک سے اصل قرض ہونے کی وجہ سے،پس اگر آزاد شدہ سے لیا تو وہ اپنے شریک سے وصول کرے گا،اس لئے کہ اس کے حکم سے کفیل بنا تھا،اور اگر اصل مقروض سے لیا تو وہ آزاد شدہ سے کچھ نہیں لے سکے گا،اس لئے کہ اس نے اپنی ذات کا قرض ادا کیا ہے۔

تشريح :واضح ہے۔واللہ اعلم۔

﴿باب كفالة العبد وعنه﴾

(۳۸۹)ومن ضمن عن عبد مالا لا يجب عليه حتى يعتق ولم يسم حالا ولا غيره فهو حال ل لأن المال حال عليه لوجود السبب وقبول الذمة إلا أنه لا يطالب لعسرته إذ جميع ما في يده ملك المولى ولم يرض بتعلقه به والكفيل غير معسر فصار كما إذا كفل عن غائب أو مفلس

﴿باب کفالۃ العبد وعنہ﴾

﴿غلام کفیل بن جائے، یا غلام کا کوئی کفیل بنے اس کا باب﴾

ضروری نوٹ :چونکہ غلام کے پاس مال نہیں ہے اس لئے وہ کسی کا کفیل نہیں بن سکتا۔(۱)اس کے لئے قول صحابی یہ ہے۔عن جابر عن عامر قال لا کفالة للعبد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی العبد یکفل، ج رابع، ص ۵۳۴، نمبر ۲۲۸۷۷)اس قول صحابی میں ہے کہ غلام کے لئے کفالہ نہیں ہے۔(۲)عن ابی لیلة فی کفالة العبد لیست بشیء ، لیست من التجارة ۔(مصنف عبد الرزاق، باب کفالۃ العبد، ج ثامن، ص ۱۳۵، نمبر ۱۴۸۵۱)اس قول تابعی میں ہے کہ غلام کفیل بنے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ : (۳۸۹) کوی غلام کے ایسے مال کا کفیل بنا جو اس پر آزاد ہونے کے بعد لازم ہوتا تھا، اور کفیل ابھی دینے کا یا بعد میں دینے کی قید نہیں لگائی تو کفیل کو ابھی دینا پڑے گا۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ اس لئے کہ غلام پر تو مال فی الحال ہی لازم تھا، کیونکہ مال واجب ہونے کا سبب پایا گیا، اور کفیل نے ذمہ کو قبول کیا، یہ اور بات ہے کہ غلام کی تنگدستی کی وجہ سے اس سے ابھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ سب آقا کا ہے اور فی الحال غلام کے ساتھ قرضہ متعلق ہو جائے اس پر آقا راضی نہیں ہے [اس لئے غلام سے بعد میں مطالبہ کیا جائے گا] اور کفیل تنگدست نہیں ہے [اس لئے اس سے ابھی لیا جائے گا]، جیسا کہ غائب آدمی کا کفیل بنے، یا مفلس کا کفیل بنے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصیل پر حقیقت میں ابھی رقم لازم تھی لیکن رقم کے نہ ہونے کی مجبوری سے مؤخر کیا گیا تو اس کے کفیل پر یہ مجبوری نہیں ہے اس لئے اس پر ابھی ہی لازم ہوگی۔

تشریح :یہ بات یاد رہے کہ غلام کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس کے آقا کی ملکیت ہے اس لئے اس پر جو بھی قرض ہوگا وہ اپنے آزاد ہونے کے بعد ادا کرے گا، اب مثلا آقا کی اجازت کے بغیر شادی کی اور وطی بھی کر لی، بعد میں آقا نے نکاح کی

۲؎ بخلاف الدين المؤجل لأنه متأخر بمؤخر ۳؎ ثم إذا أدى رجع على العبد بعد العتق لأن الطالب لا يرجع عليه إلا بعد العتق فكذا الكفيل لقيامه مقامه.(۳۹۰) ومن ادعى على عبد مالا و كفل له رجل بنفسه فمات العبد برء الكفيل ۱؎ لبراء ة الأصيل كما إذا كان المكفول عنه بنفسه حرا.

اجازت نہیں دے تو غلام پر عورت کا عقر[مہر] لازم ہوگا، قاعدے کے اعتبار سے ابھی ہی عقر ادا کرنا چاہئے لیکن اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اس مجبوری کی وجہ سے وہ آزاد ہونے کے بعد ادا کرے گا، اور اگر اس عقر کا کوئی کفیل بن جائے، اور وہ یہ نہ طے کرے کہ میں غلام کے آزاد ہونے کے بعد دوں گا تو اس پر ابھی دینا لازم ہوگا۔

وجہ :(۱) کیونکہ حقیقت میں غلام پر بھی ابھی ہی لازم تھا غلامیت کی وجہ سے رقم نہ ہونے کی مجبوری آزاد ہونے پر لازم ہوا، اور کفیل کے پاس ابھی رقم ہے، کیونکہ وہ تو آزاد ہے اس لئے اس پر ابھی لازم ہوگی۔(۲) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ غائب آدمی کا کفیل بنا تو غائب آدمی پر آنے کے بعد رقم لازم ہوگی، لیکن اس کے کفیل سے ابھی وصول کیا جائے گا۔(۳) دوسری مثال یہ ہے کہ مفلس آدمی سے رقم آنے کے بعد وصول کی جاتی ہے، لیکن اس کے کفیل سے ابھی وصول کی جائے گی، کیونکہ اس کے پاس تو ابھی ہے، اسی طرح غلام سے آزاد ہونے کے بعد وصول کیا جائے گا، لیکن اس کے کفیل سے ابھی وصول کیا جائے گا۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف مؤخر دین کے [کہ کفیل سے بھی بعد میں وصول کیا جائے گا] کیونکہ بنیادی طور پر ہی مؤخر ہے۔

تشریح :اگر حقیقت میں خود مکفول عنہ پر دین مؤخر ہو کر لازم ہوا ہو اور اس کا کفیل بنا ہو تو کفیل پر بھی مؤخر ہو کر ہی لازم ہوگا، لیکن یہاں حقیقت میں غلام پر فی الحال واجب ہے، اس لئے کفیل پر بھی فی الحال لازم ہوگا۔

لغت :متأخر بموخر: یہ ایک محاورہ استعمال کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بنیادی طور پر مؤخر کرنے کی وجہ سے مؤخر ہوا ہو تو وہ دین مؤجل [مؤخر] ہے، اب چونکہ اصیل پر مؤجل ہے اس لئے اس کے کفیل پر بھی مؤجل [مؤخر] ہی لازم ہوگا۔

ترجمہ :۳؎ پھر کفیل نے فی الحال ادا کر دیا، تو غلام سے آزاد ہونے کے بعد وصول کرے گا، اس لئے کہ مطالبہ کرنے والا بھی آزاد ہونے کے بعد ہی وصول کرتا، اسی طرح کفیل بھی آزاد ہونے کے بعد ہی وصول کرے گا، کیونکہ کفیل مطالبہ کرنے والے کے قائم مقام ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :(۳۹۰) کسی نے غلام پر مال کا دعوی کیا، پھر ایک آدمی اس کو لانے کا کفیل بن گیا، پھر غلام مر گیا تو کفیل بری ہو جائے گا

ترجمہ :۱؎ اس لئے اصیل بری ہو گیا، جیسے مکفول بنفسہ آزاد ہوتا تو کفیل بری ہو جاتا۔

(۳۹۱) قال فإن ادعى رقبة العبد فكفل به رجل فمات العبد فأقام المدعي البينة أنه كان له ضمن الكفيل قيمته[ا] لأن على المولى ردها على وجه يخلفها قيمتها وقد التزم الكفيل ذلك وبعد الموت تبقى القيمة واجبة على الأصيل فكذا على الكفيل بخلاف الأول. (۳۹۲) قال وإذا كفل العبد عن مولاه بأمره فعتق فأداه أو كان المولى كفل عنه فأداه بعد العتق لم يرجع واحد منهما

تشریح : کسی نے غلام پر مال کا دعوی کیا، جسکی وجہ سے ایک آدمی اس کا کفیل بالنفس بن گیا، یعنی غلام کو قاضی کے سامنے حاضر کرنے کا کفیل بن گیا، پھر غلام مر گیا تو اب غلام پر قاضی کے سامنے حاضر ہونا ساقط ہو گیا، اسلئے اس کے کفیل پر بھی حاضر کرنا ساقط ہو جائے گا، جیسے آزاد کا کوئی آدمی کفیل بنتا اور اس کا انتقال ہو جاتا تو کفیل سے حاضر کرنے کی کفالت ختم ہو جاتی ہے

ترجمہ :(۳۹۱) اگر کسی نے خود غلام کی ذات کا دعوی کیا، اور کوئی آدمی قبضہ کرنے والے کا کفیل بن گیا، پھر غلام مر گیا، اور مدعی نے بینہ قائم کیا تو کفیل اس کی قیمت کا ضامن بنے گا۔

تشریح : اس مسئلے میں اور اوپر کے مسئلے میں فرق بتا رہے ہیں۔ اوپر کے مسئلے میں غلام پر مال ثابت کیا تھا، خود غلام کی ملکیت کا دعوی نہیں تھا، اور کفیل اس کو مجلس قضا میں حاضر کرنے کا کفیل بنا تھا، اس کے مال کو دینے کا کفیل نہیں بنا تھا، اس لئے غلام مرنے سے کفالت ساقط ہو گئی۔ اس مسئلے میں خود غلام کی ذات پر ملکیت کا دعوی ہے، کہ قبضہ کرنے والا یا غلام مجھے دے یا اس کی قیمت دے، اس لئے غلام کے مرنے سے قبضہ کرنے والے پر اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے اس لئے اس کے کفیل پر بھی غلام کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

ترجمہ :[ا] اس لئے کہ آقا پر غلام کو اس انداز میں واپس کرنا لازم تھا کہ قیمت اس کا خلیفہ بنتی، اور کفیل نے اس کو لازم کیا ہے، اور غلام کی موت کے بعد اصیل پر قیمت واجب ہے تو کفیل پر بھی قیمت واجب ہوگی، پہلے مسئلے سے یہ الگ ہے [وہاں غلام کو زندہ حاضر کرنے کا کفیل بنا تھا اس لئے مر جانے کے بعد اس کا حاضر کرنا ساقط ہو گیا۔

تشریح : یہ مسئلے کی دلیل ہے، کہ آقا پر، یا قبضہ کرنے والے پر دو میں سے ایک لازم ہے، یا زندہ غلام مدعی کے حوالے کرے، یا اس کی قیمت حوالے کرے، اور غلام مر چکا ہے اس لئے اب اس کی قیمت ہی حوالے کرے گا، اس لئے اس کے کفیل پر بھی اس کی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ :(۳۹۲) اگر غلام آقا کی جانب سے اس کے حکم سے کفیل بنا، پھر آزاد کیا گیا، پھر اس نے رقم ادا کی۔ یا آقا غلام کی جانب سے کفیل بنا، پھر غلام کے آزاد ہونے کے بعد آقا نے رقم ادا کی تو کوئی کسی سے وصول نہیں کرے گا۔

اصول :(۱) غلام پر اتنا قرض ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو جائے تو قرض دینے والے کے حق کی وجہ سے کسی کا کفیل نہیں

على صاحبه ا وقال زفر يرجع ٢ ومعنى الوجه الأول أن لا يكون على العبد دين حتى تصح كفالته بالمال عن المولى إذا كان بأمره أما كفالته عن العبد فتصح على كل حال. ٣ له أنه تحقق

بن سکتا۔، ہاں اس پر قرض نہ ہوتو کفیل بن سکتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس حال میں کفیل بنا تھا آزاد ہونے کے بعد بھی اسی حال کا اعتبار کیا جائے گا۔

اصول:(۲) امام زفرؒ کا اصول: یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں[۱] غلام آقا کے لئے کفیل بن گیا، اور آزاد ہونے کے بعد کفالت کی رقم ادا کی تو یہ رقم آقا سے واپس نہیں لے سکتا ہے۔

وجہ :غلامیت کی حالت میں غلام کی ساری رقم آقا کی ہے اس لئے غلام کچھ ادا کرے تو آقا سے واپس نہیں لے سکتا، اور اسی غلامیت کی حالت میں کفیل بنا ہے اس لئے رقم واپس لینے کا حقدار نہیں رہا، اس لئے آزاد ہونے کے بعد ادا کیا تب بھی حقدار نہیں ہوگا، جیسے کہ بغیر آقا کے حکم کے کفیل بنے تو واپس لینے کا حقدار نہیں ہے اسی طرح یہاں واپس لینے کا حقدار نہیں ہے۔

[۲]......دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آقا غلام کے حکم سے کفیل بنا اور غلام کے آزاد ہونے کے بعد رقم ادا کی تب بھی آقا اس رقم کو واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ کفیل بننے کی حالت میں آقا جو کچھ غلام کو دے گا وہ گویا کہ اپنے ہی جیب میں ڈالا ہے، اور یہی کفالہ دینے کا سبب بنا ہے اس لئے آزاد ہونے کے بعد دیا تب بھی غلام سے واپس نہیں لے سکتا۔

ترجمہ :ا امام زفرؒ نے فرمایا کہ غلام اور آقا وصول کریں گے۔

تشریح :امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ غلام کے آزاد ہونے کے بعد غلام نے کفالت کی رقم ادا کی تو وہ اب آقا کا غلام نہیں رہا، اجنبی ہو چکا ہے اس لئے وہ آقا سے اپنی رقم وصول کریں گے۔ اسی طرح آزاد ہونے کے بعد آقا کا غلام نہیں رہا اس لئے وہ غلام سے اپنی ادا کی ہوئی رقم وصول کر سکتا ہے۔

ترجمہ :۲ پہلے مسئلے کا مطلب یہ ہے کہ غلام پر کوئی قرض نہ ہوتا کہ آقا کی جانب سے کفالہ بالمال جائز ہو سکے، جبکہ اس کے حکم سے ہو۔، بہر حال آقا کا کفیل بننا غلام کی جانب سے تو ہر حال میں جائز ہے۔

تشریح :یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ غلام پر اتنا قرض ہو کہ اس کی ذات بک جائے تو قرض دینے والوں کے حق کی وجہ سے وہ آقا کا بھی کفیل نہیں بن سکتا، اور آقا پر قرض ہو پھر بھی کسی کا کفیل بن سکتا ہے، کیونکہ وہ آزاد ہے، کہیں سے رقم لا سکتا ہے۔

ترجمہ :۳ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ رقم واپس کرنے کا سبب متحقق ہے، اور وہ ہے آقا کے حکم سے کفیل بننا، اور غلامیت مانع تھی جو زائل ہوگئی۔

الـمـوجب للرجوع وهو الكفالة بأمره والمانع وهو الرق قد زال. ؎ولـنا أنها وقعت غير موجبة لـلـرجـوع لأن الـمولى لا يستوجب على عبده دينا وكذا العبد على مولاه فلا تنقلب موجبة أبدا كـمـن كفل عن غيره بغير أمره فأجازه. (۳۹۳) ولا تـجـوز الكفالة بمال الكتابة حر تكفل به أو

تشـريح : یہ امام زفرؒ کی دلیل ہے رقم واپس لینے کا سبب مکفول عنہ کا حکم ہے، البتہ غلامیت کی وجہ سے واپس نہیں لے لے سک رہا تھا اب وہ زائل ہو گیا اس لئے واپس لے گا۔

تـرجـمـه : ؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب کفیل بنا تھا تو اس وقت رقم وصول کرنے کا سبب واقع نہیں ہوا تھا، اس لئے کہ آقا اپنے غلام پر قرض واجب نہیں کر سکتا، اور ایسے ہی غلام اپنے آقا پر واجب نہیں کر سکتا، اس لئے بعد میں بھی واجب نہیں کر سکے گا ، جیسے دوسرے کا کفیل بغیر اس کے حکم کے بن جائے تو نہیں لے سکتا ہے۔

تشـريح : یہ حنفیہ کی جانب سے دلیل ہے کہ، جب کفیل بنے تھے تو رقم واپس لینے کا سبب نہیں تھا، کیونکہ آغلام سے اور غلام آقا سے رقم نہیں لے سکتا، تو آزاد ہونے کے بعد میں بھی لینے کا سبب نہیں بنے گا ، جیسے بغیر حکم کے دوسرے کا کفیل بنتا تو ادا کرنے کے بعد واپس نہیں لے سکتا، اسی طرح یہاں بھی نہیں لے سکتا ہے۔

لغت: فلا تنقلب موجبة ابدا: کبھی بھی پلٹ کر رقم لینے کا سبب نہیں بنے گا۔

ترجمه : (۳۹۳) نہیں جائز ہے کفالہ مال کتابت کا چاہے آزاد اس کا کفیل بنے چاہے غلام۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مکفول عنہ پر دین لازم نہ ہو تو اس کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔

تشريح : مکاتب نے کتابت کے لئے مولی کا قرض اپنے سر لیا۔ اس قرض کا کوئی کفیل بنا چاہے تو کفیل نہیں بن سکتا۔

وجه : (۱) مکاتب پر مولی کا قرض لازم نہیں ہے کیونکہ جب مکاتب مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو مکاتب سے مولی کا قرض ساقط ہو جائے گا اور مکاتب دوبارہ غلام بن جائے گا۔ پس جب اصیل پر ہی قرض لازم نہ ہو تو کفیل پر کیسے لازم ہوگا، کفیل کی کفالت تو توثق اور لزوم کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہاں مکاتب پر قرض کا لزوم ہی نہیں ہے اس لئے اس کی کفالت صحیح نہیں چاہے آزاد کفیل بنے چاہے غلام کفیل بنے (۲) قول تابعی میں ہے۔ عـن ابن جريج قال قلت لعطاء كاتبت عبـديـن لـي وكتبـت ذلـك عـليهما قال لا يجوز في عبديك وقالها سليمان بن موسى قال ابن جريج فـقـلـت لـعطاء لم لايجوز؟ قال من اجل ان احدهما ان افلس رجع عبدا لم يملك منك شيئا . (سنن للبیھقی ، باب حمالۃ العبید ، ج عاشر ، ص ۵۴۴ ، نمبر ۲۱۶۳۴ / مصنف عبد الرزاق ، باب الحمالۃ عن المکاتب ، ج ثامن ، ص ۳۲۴ ، نمبر ۱۵۸۴۸) اس اثر میں ہے کہ مکاتب کا کفیل بنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ عاجز ہو کر دوبارہ غلام بن جائے تو کیسے کفیل بنا

عبداً ا لأنه دين ثبت مع المنافي فلا يظهر في حق صحة الكفالة ٢ ولأنه لو عجز نفسه سقط ولا يمكن إثباته على هذا الوجه في ذمة الكفيل وإثباته مطلقا ينافي معنى الضم لأن من شرطه الاتحاد ٣ وبدل السعاية كمال الكتابة في قول أبي حنيفة لأنه كالمكاتب عنده.

درست ہوگا۔(۳)اور دوبارہ غلام بن جانے کے لئے حضرت علیؓ کا قول ہے۔**عن علی قال اذا تتابع علی المکاتب نجمان فدخل فی السنة فلم یؤد نجومه رد فی الرق** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴ ۱۷من رد المکاتب اذا عجز، ج رابع، ص ۳۹۹،نمبر ۲۱۴۰۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکاتب قسط ادا نہ کر سکے تو دوبارہ غلام بن جائے گا اور قرض ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ یہ قرض منافی کے ساتھ ثابت ہوا ہے، اس لئے کفالہ کے صحیح ہونے کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔

تشریح :مال کتابت کے کفیل نہ ہونے کی یہ پہلی دلیل ہے۔ اصل یہ ہے کہ آقا کا غلام پر کوئی قرض نہیں ہوتا، جو کچھ غلام کے پاس ہے وہ آقا کا ہی ہے، اس لئے مکاتب پر آقا کا قرض منافی کے ساتھ ہے اس لئے کوئی دوسرا اس کا کفیل نہیں بن سکتا۔

ترجمہ :۲ اور اس لئے کہ اگر مکاتب اپنے آپ کو عاجز کر دے، تو کتابت ختم ہو جاتی ہے اور اس صورت حال میں کفیل پر قرض لازم کرنا ممکن نہیں ہے، اور مطلقا ثابت کرنا یہ ضم کے معنی کے خلاف ہے، اسلئے کہ کفالت کے شرط میں سے متحد ہونا ہے

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ۔مکاتب مال کتابت دینے سے عاجز ہو جائے تو کتابت ختم ہو جاتی ہے، اب کفیل پر بھی اسی انداز کا قرض ڈالیں تو ممکن نہیں، اور ہمیشہ والا ڈال دیں تو کفالت کے قاعدے کے خلاف ہے، کیونکہ کفالت میں اتحاد ہوتی ہے، اس لئے اس کی کفالت ہی نہیں ہوگی۔

ترجمہ :۳ اور بدل سعایۃ امام ابو حنیفہؒ کے قول میں مال کتابت کی طرح ہے اسلئے ساعی غلام انکے نزدیک مکاتب کی طرح ہے

لغت :بدل سعایہ: آقا غلام کے ایک حصے کو آزاد کر دے، اور باقی حصے کے برابر مال کما کر آقا کو دے تا کہ وہ آزاد ہو جائے اس کو ،بدل سعایۃ، کہتے ہیں۔

تشریح :مکاتب بھی رقم دے کر آزاد ہوتا ہے، اور سعی والا غلام بھی رقم دیکر آدھا حصہ آزاد ہوتا ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سعی کرنے والا غلام مکاتب کی طرح ہے اس لئے جس طرح مال کتابت کا کفالہ صحیح نہیں ہے بدل سعایہ کا کفیل بننا بھی صحیح نہیں ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک یہ فرق ہے کہ مکاتب عاجز ہو جائے تو کتابت ختم ہو جاتی ہے، لیکن بدل سعایہ عاجز ہونے سے ختم نہیں ہوتی، اس لئے وہ دین مستقر [نہ ساقط ہونے والا دین] ہے اس لئے اس کی کفالت جائز ہے۔

﴿كتاب الحوالة﴾

(۳۹۴) قال وهي جائزة بالديون ١ قال عليه الصلاة والسلام من أحيل على ملىء فليتبع ٢ ولأنه التزم ما يقدر على تسليمه فتصح كالكفالة ٣ وإنما اختصت بالديون لأنها تنبئ عن النقل

﴿ کتاب الحوالۃ ﴾

ضروری نوٹ : حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ دین اصل مقروض سے کفیل کی طرف چلا جائے اور اب صرف کفیل ذمہ دار ہو۔ چونکہ اس میں قرض دوسرے کی طرف حوالہ ہو گیا اس لئے اس کو حوالہ کہتے ہیں۔ حوالہ کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا احلت علی ملی فاتبعه ولا تبع بیعتین فی بیعة ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی مطل الغنی ظلم ،ص ۳۱۷، نمبر ۱۳۰۹/ ابن ماجہ شریف، باب الحوالۃ ص ۳۴۴ نمبر ۲۴۰۴/ بخاری شریف، باب الحوالۃ وھل یرجع فی الحوالۃ ،ص ۳۶۵، نمبر ۲۲۸۷) اس میں حوالہ کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ کسی مالدار کی طرف حوالہ کیا تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے

اس باب میں چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے (۱) جو آدمی قرض کا ذمہ دار یعنی کفیل بنے کہ اب میں قرض ادا کروں گا اس کو محتال علیہ' کہتے ہیں (۲) اور جس آدمی پر قرض تھا مدیون یعنی مکفول عنہ اس کو 'محیل' کہتے ہیں (۳) اور جس کا قرض تھا یعنی مکفول لہ اس کو محتال لہ' یا محتال' کہتے ہیں (۴) اور جس مال کا ضامن بنا یعنی مکفول بہ اس کو محتال بہ' کہتے ہیں۔

ترجمہ :(۳۹۴) حوالہ جائز ہے دین کا۔

ترجمہ: ١ حضور ؐ نے فرمایا کہ اگر مال والے پر حوالہ کیا گیا ہے تو اس سے وصول کرنے کے لئے اس کا پیچھا کیا جائے۔

تشریح: جو قرض صحیح کسی آدمی پر ہو اس کا حوالہ کسی آدمی پر کرے تو جائز ہے۔

وجہ :(۱) محتال علیہ یعنی کفیل کا اپنا مال ہے اس لئے وہ کسی کو بھی دے سکتا ہے (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال مطل الغنی ظلم واذا احلت علی ملی فاتبعه ولا تبع بیعتین فی بیعة ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی مطل الغنی ظلم ،ص ۳۱۷، نمبر ۱۳۰۹) کسی مالدار پر حوالہ کیا جائے تو اس کا پیچھا کرنا چاہئے (۳) خود حضرت ابو قتادہ نے اپنے اوپر میت کا حوالہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ فقال ابو قتادة صل علیه یا رسول الله وعلی دینه فصلی علیه (بخاری شریف، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز ص ۳۰۵ نمبر ۲۲۸۹) اسلئے ان احادیث کی وجہ سے حوالہ جائز ہے

ترجمہ :٢ اس لئے کہ ایسی چیز کو لازم کیا جسکو سپرد کرنے پر قادر ہے، اس لئے کفالہ کی طرح حوالہ بھی صحیح ہے۔

والتحويل والتحويل في الدين لا في العين.(۳۹۵) قال وتصح الحوالة برضا المحيل والمحتال والمحتال عليه ل أما المحتال فلأن الدين حقه وهو الذي ينتقل بها والذمم متفاوتة فلا بد من رضاه ٢ وأما المحتال عليه فلأنه يلزمه الدين ولا لزوم بدون التزامه ٣ وأما المحيل فالحوالة

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: ۳ خاص رقم ہی کا حوالہ ہوسکتا ہے، اس لئے کہ حوال کا مطلب ہے منتقل کرنا اور رقم منتقل ہوتی ہے عین چیز منتقل نہیں ہوتی

لغت: عین، اور دین: گیوں، چاول وغیرہ کو عین کہتے ہیں جو متعین ہوتا ہے، اور وہی چیز لازم ہوتی ہے۔ سونا چاندی روپے پیسے کو دین کہتے ہیں، متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی، اور اس جیسی کوئی رقم بھی دے دو ادا ہو جائے گی۔ تحویل: منتقل ہونا، حوالہ میں قرض کفیل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس لئے اس کو حوالہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۳۹۵) حوالہ صحیح ہوتا ہے محیل اور محتال لہ اور محتال علیہ کی رضا مندی سے۔

تشریح: حوالہ میں تینوں آدمی راضی ہوں تو حوالہ صحیح ہوتا ہے۔ محیل یعنی مقروض محتال لہ یعنی قرض دینے والا اور محتال علیہ یعنی جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہو۔ دلیل خود شارح بیان کر رہے ہیں۔

ترجمہ: ل بہر حال محتال [قرض دینے والا] کی رضا مندی اس لئے ضروری ہے کہ قرض اس کا حق ہے اسی سے قرضہ منتقل ہوگا اور ذمہ داری لینے والے الگ الگ قسم کے لوگ ہوتے ہیں اس لئے قرض دینے والے کی رضا مندی ضروری ہے۔

تشریح: محتال لہ [قرض دینے والا] کی رضا مندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ قرض اس کا ہے۔ اور آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ محتال لہ دوسرے آدمی یعنی محتال علیہ سے قرض وصول نہیں کرنا چاہتا ہو۔ اس لئے محتال لہ کی رضا مندی کی ضرورت ہے۔

ترجمہ: ٢ بہر حال محتالہ [قرض ادا کرنے والا، کفیل] اس لئے کہ وہ قرض اپنے اوپر لازم کرتا ہے اور بغیر لازم کئے لازم نہیں ہوگا، اس لئے اس کی رضا مندی کی ضرورت ہے۔

تشریح: اور محتال علیہ [جو قرض ادا کرے گا، کفیل] کی رضا مندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کی رضا مندی کے بغیر وہ قرض کیسے ادا کرے گا؟ حضرت ابو قتادۃ قرض ادا کرنے پر راضی ہوئے تب ہی میت کا قرض ان پر حوالہ ہوا۔

ترجمہ: ۳ بہر حال محیل [قرض لینے والا] تو زیادات کتاب میں ہے کہ اس کی رضا مندی کے بغیر بھی حوالہ صحیح ہو جاتا ہے اس لئے کہ محتال علیہ [قرض ادا کرنے والا] اپنے اوپر قرض لازم کرنا اپنے حق میں تصرف کرنا ہے اور اس سے مقروض کو کوئی

تصح بدون رضاه ذكره في الزيادات لأن التزام الدين من المحتال عليه تصرف في حق نفسه وهو لا يتضرر به بل فيه نفعه لأنه لا يرجع عليه إذا لم يكن بأمره. (٣٩٦) قال وإذا تمت الحوالة برئ المحيل من الدين بالقبول ۱؎ وقال زفر لا يبرأ اعتبارا بالكفالة إذ كل واحد منهما عقد توثق ۲؎ ولنا أن الحوالة للنقل لغة ومنه حوالة الغراس والدين متى انتقل عن الذمة لا يبقى

نقصان بھی نہیں ہے بلکہ نفع ہے اس لئے کہ مقروض کے حکم کے بغیر ہو تو اس سے وصول بھی نہیں کرے گا۔

تشریح : زیادات کی روایت یہ ہے کہ مقروض کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے

وجہ :(۱) اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرض ادا کرنے والا محتال علیہ اپنی مرضی سے لے رہا ہے، تو مقروض کا کیا نقصان ہے! اس کا تو فائدہ ہی ہے کہ اس کے حکم کے بغیر ہوگا تو بعد میں اس کو رقم بھی نہیں دینی ہوگی۔(۲) حضرت ابو قتادہ نے میت کا قرض اپنے اوپر لیا اور بغیر میت کی رضامندی کے لیا۔ اس لئے بغیر محیل [مقروض] کی رضامندی کے حوالہ صحیح ہو جائے گا۔

دوسری روایت ہے کہ مقروض کی رضامندی ضروری ہے۔

وجہ: محیل [قرض لینے والا] کی رضامندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کا احسان اپنے اوپر نہیں لینا چاہتا ہو اس لئے اس کی رضامندی کی ضروت ہت۔

ترجمہ :(۳۹۶) اور جب حوالہ پورا ہو جائے تو محیل قرض سے بری ہو جائے گا

تشریح : تینوں کی رضامندی سے حوالہ مکمل ہو گیا تو محیل یعنی اصل مقروض قرض سے بری ہو جائے گا۔ اب اس پر قرض نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اس سے قرض منتقل ہو گیا۔ اور محتال لہ یعنی قرض دینے والا اب محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول نہیں کرے گا۔

ترجمہ ۱؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ قرض لینے والا بری نہیں ہوگا، وہ کفالہ پر قیاس کرتے ہیں۔ اس لئے کہ دونوں عقد مضبوطی کے لئے ہیں۔

تشریح :امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ حوالہ میں بھی قرض لینے والا قرض سے بری نہیں ہوگا، بلکہ وہ بھی ذمہ دار ہوگا۔

وجہ :انکی دو دلیلیں ہیں[۱] ایک یہ کہ حوالہ بھی کفالہ کی طرح ہے۔[۲] اور دوسری دلی یہ ہے کہ کفالہ اور حوالہ اس بات کو مضبوط کرنے کے لئے ہیں کہ قرض ضرور واپس ملے گا، اور کفالہ میں اصل قرض لینے والا بری نہیں ہوتا تو حوالہ میں بھی بری نہیں ہوگا

ترجمہ :۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ لغت میں حوالہ کا ترجمہ ہے منتقل کرنا، چنانچہ اسی سے ,حوالۃ الغرس، [پودا منتقل کرنا] ہے، اور قرض جب ذمے سے منتقل ہو جاتا ہے تو قرض والے کے ذمے باقی نہیں رہتا، اور کفالہ کا ترجمہ ہے ملانا، اور احکام شرعیہ

فيها. أما الكفالة فللضم والأحكام الشرعية على وفاق المعاني اللغوية ۳؎ والتوثق باختيار الأملإ والأحسن في القضاء ۴؎ وإنما يجبر على القبول إذا نقد المحيل لأنه يحتمل عود المطالبة إليه بالتوى فلم يكن متبرعا. (۳۹۷)قال ولا يرجع المحتال على المحيل إلا أن يتوى حقه ۱؎ وقال

لغوی معنی کے مطابق ہوتے ہیں۔

تشریح :ہماری دلیل یہ ہے کہ حوالہ کا ترجمہ ہے منتقل کرنا، چنانچہ کہتے ہیں حوالۃ الغرس، پودے کو منتقل کرنا، اس لئے جب قرض لینے والے سے قرض منتقل ہوگیا تو اب اس پر باقی نہیں رہے گا۔ اور کفالہ کا ترجمہ ہے ملانا، اسلئے دونوں پر قرض باقی رہے گا، اور احکام شرعیہ چونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے اسلئے حوالہ اور کفالہ اپنے اپنے معانی کے اعتبار سے باقی رہے گا

ترجمہ :۳؎ اور مضبوطی مالدار آدمی کو، یا ادائیگی میں اچھا اور احسن منتخب کرنے سے بھی ہوتا ہے۔

تشریح :یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ پھر حوالہ عقد توثق [مضبوط کرنے والا عقد] نہیں رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اور دو طریقوں سے بھی توثق ہو سکتا ہے وہی کافی ہے [۱] املأ کو منتخب کرو یعنی مالدار آدمی کو قرض ادا کرنے کے لئے منتخب کرو تو توثق ہو جائے گا، [۲] یا احسن القضاء یعنی فوری طور پر ادا کرنے والا، یا اچھے انداز میں ادا کرنیوالا ہو تو بھی توثق حاصل ہو جائے گا، چاہے قرض ایک ہی پر کیوں نہ رہے

ترجمہ :۴؎ اگر قرض لینے والا ادا کرے تو قرض دینے والے کو اس لئے مجبور کیا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مال ہلاک ہونے کی وجہ سے قرض لینے والے کی طرف مطالبہ لوٹ آئے، اس لئے قرض لینے والا ادا کر کے کوئی احسان نہیں کر رہا ہے۔

تشریح :یہ بھی ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ قرض جب محتال علیہ [کفیل] کے اوپر چلا گیا اور قرض لینے والے [محیل] کے اوپر نہیں رہا تو اگر یہ قرض دینے والے کو رقم دے تو گویا کہ اس پر احسان کرنا ہوا، اور احسان کا قاعدہ یہ ہے کہ لینے والا انکار بھی کر سکتا ہے، اس کو لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، حالانکہ یہاں محتال [قرض دینے والے] کو رقم لینے پر مجبور کیا جاتا ہے اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ قرض تو محتال علیہ [کفیل] پر چلا گیا ہے، لیکن یہ خطرہ ہے کہ کفیل بن جائے اور اس کے پاس مال نہ رہے تو پھر واپس قرض لینے والے کو دینا پڑے، اس خطرے کی وجہ سے قرض لینے والے کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری ابھی موجود ہے، اس لئے یہ جب دے تو گویا کہ اپنا ہی قرض دیا، احسان نہیں کیا اس لئے قرض دینے والے کو لینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

لغت:بالتوی: توی، یتوی: مال کا برباد ہونا۔ متبرعا: تبرع سے مشتق ہے، احسان کرنا۔

ترجمہ :(۳۹۷) اور محتال لہ وصول نہیں کرے گا محیل سے مگر یہ کہ اس کا حق تلف ہو جائے۔

تشریح :قرض والے اب وصول نہیں کرے گا، لیکن کفیل کے مال ہلاک ہونے کی وجہ سے، یا مفلس ہونے کی وجہ سے اس

الشافعي رحمه الله لا يرجع وإن توي لأن البراءة حصلت مطلقة فلا تعود إلا بسبب جديد. ۲؎ **ولنا أنها مقيدة بسلامة حقه له إذ هو المقصود أو تنفسخ الحوالة لفواته لأنه قابل للفسخ فصار**

سے رقم وصول نہ ہوسکتی ہوتو اب اصل مقروض سے وصول کرے گا۔

وجہ :(۱) حوالہ اس امید پر کیا تھا کہ قرض دینے والے کو قرض ملے گا۔ اور جب نہیں ملا تو اصل مقروض ذمہ دار ہوگا (۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عثمان بن عفان قال ليس على مال امرئ مسلم توى يعني حوالة** (سنن للبیھقی ، باب من قال یرجع علی المحیل لاتوی علی مال مسلم، ج سادس ،ص ۱۱۷، نمبر ۱۱۳۹۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ ان یرجع فیھا، ج رابع ،ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے مال میں ضیاع نہیں ہے یعنی حوالہ میں ضائع نہیں ہوگا بلکہ اصل مقروض سے وصول کرے گا۔ (۳) اس قول تابعی میں ہے، **عن الحكم بن عتيبة قال لا يرجع في الحوالة الى صاحبه حتى يفلس او يموت ولا يدع فان الرجل يوسر مرة و يعسر مرة** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ ان یرجع فیھا، ج رابع ،ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) اس میں ہے کہ مفلس ہوجائے، یا اس حال میں مرے کہ کچھ نہ چھوڑا ہوتو اصل مقروض سے لے گا۔

ترجمہ :۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دوبارہ مقروض کی طرف قرض نہیں آئے گا چاہے کفیل کے پاس مال نہ ہو، اس لئے کہ ہمیشہ کے لئے برائت حاصل ہوگئی، اس لئے سبب جدید کے بغیر قرض مقروض کی طرف نہیں آئے گا۔

تشریح :امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرض محتال علیہ [کفیل] کی طرف منتقل ہو چکا ہے اس لئے چاہے کفیل کے پاس مال نہ ہو اور قرض ملنے کی امید نہ ہوتب بھی یہ قرض محیل [مقروض] کی طرف واپس نہیں آئے گا، اس لئے کہ مقروض سے برات کاملہ ہوگئی ہے اس لئے نئے سبب سے قرض لاحق ہوتو ٹھیک ہے ورنہ یہ قرض مقروض کی طرف واپس نہیں آئے گا۔

وجہ: وہ حوالہ کی وجہ سے ہر اعتبار سے بری ہوگیا ہے(۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **عن شريح في الرجل يحيل الرجل فيتوى قال لا يرجع على الاول** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ اَلہ ان یرجع فیھا، ج رابع، ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاہے مال ضائع ہونے کا خطرہ ہو پھر بھی اول یعنی اصل مقروض سے وصول نہیں کرے گا۔

ترجمہ :۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرض اس قید کے ساتھ منتقل ہوا کہ قرض دینے والے کا حق سلامت رہے، کیونکہ یہی مقصود ہے، یا یوں کہو کہ مقصد فوت ہونے کی وجہ سے حوالہ فسخ ہوگیا، کیونکہ حوالہ فسخ ہونے کے قابل ہے، جیسے مبیع میں سلامت کا وصف ہے [کہ مبیع میں عیب نکلے تو بیع فسخ ہوجاتی ہے، یہاں بھی قرض ادا نہ ہوتو حوالہ فسخ ہوجائے گا]

كـوصف السلامة في المبيع. (۳۹۸)قال والتـوى عـند أبي حنيفة رحمه الله أحد الأمرين إما أن يـجـحد الحوالة ويحلف ولا بينة له عليه أو يموت مفلسا لِ لأن الـعجز عن الوصول يتحقق بكل واحـد مـنهما وهو التوى في الحقيقة(۳۹۹) وقالا هـذان الـوجهان. ووجه ثالث وهو أن يحكم الـحـاكم بإفلاسه حال حياته لِ وهـذا بـنـاء على أن الإفلاس لا يتحقق بحكم القاضي عنده خلافا

تشريح : یہاں دو دلیلیں دے رہے ہیں اور ایک مثال دے رہے ہیں۔[ا] قرض مقروض سے کفیل کی طرف اس شرط کے ساتھ منتقل ہوا تھا کہ اس کا حق سلامت رہے اور مل جائے ، لیکن جب سلامت نہیں رہا تو قرض لینے والے کی طرف واپس آجائے گا۔[۲] یا یوں کہو کہ ادائیگی کا مقصد پورا نہ ہونے کی وجہ سے حوالہ فسخ ہو گیا ، اور قرض مقروض کی طرف واپس آ گیا [۳] اس کی مثال یہ ہے کہ مبیع میں عیب دیکھے تو مشتری کو حق ہے کہ بیع فسخ کر دے اور بائع سے ثمن واپس لے لے ، ایسے ہی یہاں حوالہ فسخ ہو جائے گا ، اور قرض مقروض سے واپس لیا جائے گا۔

ترجمہ :(۳۹۸)اور حق تلف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو معاملوں میں سے ایک سے ہوتا ہے، یا حوالے کا انکار کر دے اور قسم کھا لے اور اس پر کوئی بینہ نہ ہو یا وہ مفلس ہو کر مر جائے۔

ترجمہ:ل اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں عاجزی متحقق ہو جاتا ہے اور وہ ہے حقیقت میں حق برباد ہونا۔

تشريح : امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو باتوں میں سے ایک ہو تو حق تلف ہونا سمجھا جائے گا۔ پہلی بات یہ ہے کہ محتال علیہ یعنی ضامن حوالہ کا انکار کر دے کہ میں نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس پر وہ قسم بھی کھا لے اور قرض دینے والا [محتال لہ] کے پاس اس پر کوئی گواہ بھی نہ ہو کہ ہاں قرض کا ذمہ دار بنا تھا۔ اب چونکہ قرض وصول کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے اس لئے اب اصل مقروض سے وصول کرے گا۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ محتال علیہ مفلس ہو کر انتقال کیا ہو۔ اب اس کے پاس کوئی چیز ہے ہی نہیں اور نہ وہ زندہ ہے کہ اس سے وصول کر سکے۔ اس لئے اب اصل مقروض یعنی محیل سے وصول کرے گا۔

وجه: اثر میں اس کا ثبوت ہے کہ مفلس مرنے سے قرض اصل مقروض کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ عن الحكم بن عتبة قال لايرجع في الحوالة الى صاحبه حتى يفلس او يموت ولا يدع فان الرجل يوسر مرة ويعسر مرة ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۸۴ فی الحوالة اله ان یرجع فیھا ، ج رابع ، ص ۳۳۶ ، نمبر ۲۰۷۱۶) اس اثر میں ہے کہ مفلس بن کر مر جائے تو قرض اصل مقروض سے وصول کیا جائیگا۔ ۔۔ یجحد : انکار کر جائے۔

ترجمہ :(۳۹۹)امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا یہ دو وجہ اور تیسری وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ حاکم حکم لگا دے اس کی مفلسی کا اس کی زندگی میں۔

لهـما لأن مال الله غاد ورائح.(۴۰۰) قال وإذا طالب المحتال عليه المحيل بمثل مال الحوالة فقال المحيل أحلت بدين لي عليك لک يقبل قوله وكان عليه مثل الدين۱ لأن سبب الرجوع

ترجمہ :۱ یہ فرق اس بنیاد پر ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاضی کے فیصلے سے افلاس متحقق نہیں ہوتا، خلاف صاحبینؒ کے، اس لئے کہ مال آج جاتا ہے تو کل آجاتا ہے۔

تشریح: دووجہ کے علاوہ تیسری یہ بھی ہے جس کی وجہ سے محتال لہ اصل مقروض یعنی محیل سے قرض وصول کرسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم مقروض کی زندگی میں اس کے مفلس ہونے کا فیصلہ کردے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل اوپر کا اثر ہے جس میں ہے۔**قال لا يرجع في الحوالة الى صاحبه حتى يفلس** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ الہ ان یرجع فیھا، ج رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۶) جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں محتال علیہ مفلس ہوجائے تب بھی اصل مقروض سے قرض وصول کرسکتا ہے (۲) **عن الحسن قال اذا احتال على ملى ثم افلس بعد فهو جائز عليه**۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۴ فی الحوالۃ الہ ان یرجع فیھا؟ ج، رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۲۰۷۱۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زندگی میں محتال علیہ مفلس ہوجائے تو محتال لہ محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کرسکتا ہے۔

اصول: امام صاحبینؒ کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ حاکم کسی کی زندگی میں افلاس کا فیصلہ کردے تو وہ مفلس بحال رہتا ہے۔ اور جب وہ مفلس ہوگیا تو اصل مقروض سے قرض لے گا۔

اصول: اور امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ مال کبھی آتا ہے اور کبھی چلا جاتا ہے اس لئے کسی کے افلاس کے فیصلے سے وہ ہمیشہ مفلس برقرار نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کے پاس مال آنے کی امید ہے اس لئے محتال لہ دائن محتال علیہ کفیل سے ہی قرض وصول کرے گا۔

ترجمہ: (۴۰۰) محتال علیہ [کفیل] نے محیل [مقروض] سے مطالبہ کیا حوالت کے مثل مال کا، پس محیل نے کہا کہ میں نے حوالہ کیا اس دین کے بدلے جو میرا آپ پر ہے تو بغیر گواہ کے اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور اس پر [مقروض پر] دین کے برابر رقم لازم ہوگی۔

تشریح: محتال علیہ [کفیل] نے محیل [مقروض] سے کہا کہ میں نے جو قرض محتال لہ کو ادا کیا ہے وہ رقم مجھے دیں۔ اس پر محیل نے کہا کہ میرا آپ پر پرانا قرض تھا اس کی وصولی کے لئے آپ پر دین کا حوالہ کیا تھا اور اس پر محیل کے پاس بینہ نہیں ہے تو محیل کی بات نہیں مانی جائے گی۔ بلکہ محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے واپس لیگا۔۔ دلیل آگے آرہی ہے۔

قد تحقق وهو قضاء دينه بأمره إلا أن المحيل يدعي عليه دينا وهو ينكر والقول للمنكر ولا تكون الحوالة إقرارا منه بالدين عليه لأنها قد تكون بدونه. (۴۰۱)قال وإذا طالب المحيل المحتال بما أحاله به فقال إنما أحلتك لتقبضه لي وقال المحتال لا بل أحلتني بدين كان لي عليك فالقول قول المحيل ﴿ لأن المحتال يدعي عليه الدين وهو ينكر ولفظة الحوالة

ترجمه : ﴿ اس لئے کہ مقروض سے رقم لینے کا سبب متحقق ہے، اور وہ اس کے حکم سے قرض کا ادا کرنا، مگر محیل [مقروض] محتال علیہ [کفیل] پر قرض کا دعوی کرتا ہے، اور محتال علیہ منکر ہے اس لئے منکر کی بات مانی جائے گی، اور حوالہ مان لینے سے اپنے اوپر قرض کا اقرار نہیں ہے اس لئے کہ بغیر قرض کے بھی حوالہ ہوتا ہے۔

وجہ: (۱) محتال علیہ نے قرض ادا کیا جو ظاہری ثبوت ہے کہ وہ قرض کے مطابق محیل سے رقم وصول کر لے۔ اور محیل کے پاس محتال علیہ پر قرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے بات محتال علیہ کی بات مانی جائے گی (۲) محیل محتال علیہ پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور محتال علیہ منکر ہے اس لئے محیل کے پاس بینہ نہ ہو تو منکر کی بات مانی جائے گی۔ اس لئے بھی محتال علیہ کی بات مانی جائے گی۔ اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ (۳) اور محتال علیہ کے حوالہ مان لینے سے یہ دلیل نہیں ہے کہ محتال علیہ پر پہلے سے قرض تھا، کیونکہ محتال پر پہلے سے قرض نہ ہو تب بھی اس پر حوالہ ہوتا ہے، اس لئے حوالہ ہونا قرض کی
دلیل نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظاہری علامت جس کے لئے ہے اسی کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ : (۴۰۱) اگر محیل [مقروض] نے محتال لہ [قرض دینے والا] سے مطالبہ کیا اس دین کا جو حوالت کرائی تھی۔ اور محیل [مقروض] نے کہا میں نے اس لئے حوالت کرائی تھی تا کہ اس قرض کو میرے قبضہ میں دیں۔ اور محتال لہ [قرض دینے والے] نے کہا کہ آپ نے حوالہ کرایا تھا اس دین کی وجہ سے جو میرا آپ پر تھا تو بات محیل [مقروض] کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

ترجمہ : ﴿ اس لئے کہ محتال [قرض دینے والا] محیل [مقروض] پر قرض کا دعوی کرتا ہے اور مقروض اس کا انکار کر رہا ہے [اس لئے منکر کی بات مانی جائے گی]

تشریح : محتال [قرض دینے والے] نے محتال علیہ [کفیل] سے محیل [مقروض] پر جو قرض تھا وہ وصول کیا۔ جب وصول کر لیا تو اب محیل [مقروض] محتال [قرض دینے والے] سے کہنے لگا کہ جو قرض آپ نے محتال علیہ سے وصول کیا ہے وہ مجھے دیدو۔ کیونکہ آپ کا مجھ پر کوئی قرض نہیں تھا۔ یہ تو محتال علیہ پر میرا قرض تھا اس کو وصول کرنے کے لئے آپ کو حوالہ کیا تھا۔ تا کہ

مستعملة في الوكالة فيكون القول قوله مع يمينه. (۴۰۲)قال ومن أودع رجلا ألف درهم وأحال بها عليه آخر فهو جائز لأنه أقدر على القضاء فإن هلكت برئ ۱ لتقيدها بها فإنه ما التزم

محتال علیہ سے وصول کر کے مجھے دیں۔اور محتال کہتا ہے کہ میرا آپ پر قرض تھا جس کی وجہ سے آپ نے حوالہ کیا اس لئے میں وصول کیا ہوا قرض آپ کو نہیں دوں گا۔تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ۔

وجہ:(۱) حوالہ کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ محتال لہ[قرض دینے والے] کا محیل[مقروض] پر قرض ہو، ہوسکتا ہے کہ محتال علیہ نے قرض وصول کرنے کے لئے حوالہ بول کر محتال لہ کو وکیل بنایا ہوتا کہ وہ وکالت کے طور پر محتال علیہ سے رقم وصول کر کے محیل کو دے۔اس لئے محیل کی بات مانی جائے گی (۲) محتال لہ محیل پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور اس کے پاس اس پر بینہ نہیں ہے اور محیل اس کا منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ: ۲ے اور لفظ حوالہ، وکیل بنانے، کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے محیل[مقروض] کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے کہ یہاں مقروض[محیل] حوالہ بول کر یہ مراد لی ہے کہ میں تمکو قرض وصول کرنے کا وکیل بناتا ہوں، اس لئے قسم کے ساتھ محیل کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ:(۴۰۲) کسی نے ایک ہزار درہم کفیل کے پاس امانت رکھا، پھر دوسرے سے کہا کہ کفیل سے ایک ہزار لے لوتو یہ جائز ہے کیونکہ کفیل ایک ہزار ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے، لیکن یہ امانت کا ایک ہزار ہلاک ہو گیا تو حوالہ ختم ہو گیا، اور کفیل بری ہو گیا۔

ترجمہ: ۱ے اس لئے کہ وہی ایک ہزار رقم دینی تھی، اور کفیل نے اسی سے دینے کا التزام کیا تھا۔[اور وہ نہیں رہا تو حوالہ ختم ہو جائے گا۔ یہاں بری کا ترجمہ یہی ہے]

نکتہ: یہاں چار نکتے بیان کر رہے ہیں انکو سمجھیں تو مسئلہ سمجھ میں آئے گا [۱] پہلا۔مقروض نے کفیل[محتال علیہ] کو رقم دی اور کہا کہ وہی رقم قرض دینے والے کو ادا کرنا ہے، پس اگر یہ متعین رقم ہلاک ہو جائے تو حوالہ ختم ہو جائے گا، ہاں کفیل پر اس کا خلیفہ یعنی قیمت لازم ہوتی ہو تو حوالہ ختم نہیں ہوگا[۲] دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کفیل کو کوئی متعین رقم دینے کے لئے نہیں کہا تو اس رقم کے ہلاک ہونے سے حوالہ ختم نہیں ہوگا، کیونکہ کوئی اور رقم اپنی طرف سے ادا کر دے گا۔[۳] تیسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ رقم اب مقروض کفیل سے واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ اس کے ساتھ قرض دینے والے کا حق متعلق ہو چکا ہے۔[۴] اور چوتھا نکتہ یہ ہے کفیل کے پاس یہ رقم، کبھی امانت کی ہوتی ہے، کبھی غصب کی ہوتی ہے، اور کبھی قرض دی ہوئی ہوتی ہے۔

الأداء إلا منها ۲؎ بخلاف ما إذا كانت مقيدة بالمغصوب لأن الفوات إلى خلف كلا فوات ۳؎ وقد تكون الحوالة مقيدة بالدين أيضا وحكم المقيدة ۴؎ في هذه الجملة أن لا يملك المحيل مطالبة

تشریح: مثلا زید [مقروض] نے عمر [کفیل] کے پاس ایک ہزار درہم امانت کے رکھے اور اس کو یہ کہا کہ ساجد [قرض دینے والے] کو یہ رقم دے دینا، تو یہ حوالہ جائز ہے کیونکہ عمر کفیل آسانی سے یہ رقم قرض دینے والے کو دے سکتا ہے، لیکن اگر یہ ہزار ہلاک ہوجائے تو حوالہ ختم ہوجائے گا، کیونکہ یہی ہزار دینا تھا، اور وہ نہیں رہا، اور عمر پر اس کی قیمت بھی لازم نہیں ہوگی، کیونکہ امامت کی چیز ہلاک ہونے کے بعد اس کا ضمان لازم نہیں ہوتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ زید اب اس کو واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ اس کے ساتھ ساجد [قرض دینے والے] کا حق متعلق ہو چکا ہے۔

لغت: بری: یہاں بری کا ترجمہ ہے بری ہوگیا یعنی حوالہ ختم ہوگیا۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف جبکہ حوالہ غصب کے مال کے ساتھ مقید ہو اس لئے کہ فوت تو ہوا ہے، لیکن خلیفہ [قیمت] موجود ہے اس لئے گویا کہ فوت ہی نہیں ہوا۔

تشریح: یہ دوسرا نکتہ بیان کر رہے ہیں۔ مثلا زید نے امانت کا ہزار نہیں دیا بلکہ عمر نے زید کا ایک ہزار غصب کیا تھا پھر زید نے ساجد کو یہ ہزار دینے کو کہا، لیکن یہ ہزار ہلاک ہوگیا تو حوالہ ختم نہیں ہوگا، کیونکہ غصب کی چیز غاصب کے پاس ہلاک ہوجائے تو اس کی قیمت لازم ہوتی ہے اس لئے عمر [کفیل] غاصب] پر اس کی قیمت لازم ہوگی، اور حوالہ ختم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ اور کبھی حوالہ مقید ہوتا ہے قرض کے ساتھ۔

تشریح: مثلا زید [مقروض] کا عمر [کفیل] پر ایک ہزار قرض تھا، زید نے کہا کہ ساجد [قرض دینے والے] کو یہ ہزار دے دینا تو یہ حوالہ ہوا، اسکا ایک حکم تو یہ ہے کہ یہ ہزار امانت کا نہیں ہے اس لئے اس کے ہلاک ہونے سے حوالہ ختم نہیں ہوگا، بلکہ عمر پر اپنی جانب سے ایک ہزار ساجد کو دینا ہوگا، کیونکہ قرض کے ہلاک ہونے سے دوسرا لازم ہوتا ہے۔ [۱] اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اسکے ساتھ ساجد کا حق متعلق ہو چکا ہے اسلئے زید عمر سے واپس نہیں مانگ سکتا۔ نوٹ: صاحب ہدایہ نے یہ حکم بیان نہیں کیا ہے میں نے بیان کر دیا

ترجمہ: ۴؎ ان تینوں صورتوں میں محیل [مقروض] محتال علیہ [کفیل] سے رقم واپس نہیں مانگ سکتا اس لئے کہ محتال [قرض دینے والے] کا حق رقم کے ساتھ متعلق ہے، جیسے کہ شیء مرہون کے ساتھ مرتہن [قرض دینے والے] کا حق متعلق ہوجاتا ہے۔

تشریح: اوپر کے تینوں صورتوں میں [۱] مقروض نے کفیل کے پاس امانت رکھی ہو [۲] کفیل کے پاس غصب کا مال ہو [۳]

المحتال عليه لأنه تعلق به حق المحتال على مثال الرهن ۵ وإن كان أسوة للغرماء بعد موت المحيل ٦ وهذا لأنه لو بقي له مطالبته فيأخذه منه لبطلت الحوالة وهي حق المحتال. ۷ بخلاف المطلقة لأنه لا تعلق لحقه به بل بذمته فلا تبطل الحوالة بأخذ ما عليه أو عنده.

کفیل کے پاس مقروض کا قرض ہوتو اس کو کفیل سے واپس نہیں مانگ سکتا، کیونکہ اس کے ساتھ محتال [قرض دینے والے] کا حق متعلق ہو چکا ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جیسے رہن پر رکھی ہوئی چیز کو مرتہن [قرض دینے والے] سے واپس نہیں مانگ سکتا کیونکہ اس کے ساتھ قرض دینے والے کا حق متعلق ہو چکا ہے۔

ترجمہ :۵ اور اگر چہ محیل [مقروض] کے موت کے بعد قرض دینے والوں کے برابر رہے گا۔

لغت :اسوة للغرماء: یہ محارۃ ہے اسوۃ کا ترجمہ ہے برابر اور غرماء کا ترجمہ ہے قرض دینے والے، اسوۃ للغرماء: کا مطلب یہ ہے کہ قرض لینے والے کے مرنے کے بعد اس کے مال میں سب کو برابر برابر حصہ ملے گا۔

تشریح : یہاں سے رہن کی چیز، اور کفیل کے پاس امانت کی چیز ہو، غصب کا مال ہو، یا قرض کا مال ہو اس کے درمیان فرق بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں رہن کی چیز قرض دینے والے کے پاس ہو اور قرض لینے والا مر جائے تو تو پہلے قرض دینے والے [مرتہن] کا حق چکایا جائے گا، اس سے بچے گا تب دوسرے قرض والوں کو دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مرتہن کے قبضے میں ہے۔ اور کفیل [محتال علیہ] کے پاس امانت، یا غصب، یا قرض کا مال ہو اور قرض لینے والا [محیل] مر جائے تو محتال اور دوسرے سارے قرض دینے والے کو اس مال میں برابر برابر ملے گا، کیونکہ ابھی تک محتال [اس قرض دینے والے] کے ہاتھ میں یہ چیز نہیں گئی ہے، صرف کفیل کے پاس ہے۔ رہن کی چیز اور حوالہ کی چیز میں یہ فرق ہے اسی کو، اسوۃ للغرماء، کہا ہے۔

ترجمہ :٦ مقروض کفیل سے مطالبہ اس لئے نہیں کر سکتا ہے کہ اگر اس کو مطالبہ کا حق دیا جائے تو تو رقم کفیل سے لے لے گا اور حوالہ ختم ہو جائے گا حلانکہ وہ محتال [قرض دینے والے] کا حق ہے۔

تشریح : کفیل [محتال علیہ] کے پاس جو مقروض کی رقم ہے اس کو لینے کا حق اس لئے نہیں دیا جائے گا کہ اگر اس نے لے لیا تو حوالہ ختم ہو جائے گا، کیونکہ وہی رقم قرض دینے والے کو دینا تھا۔

ترجمہ :۷ بخلاف مطلق حوالے کے اس لئے کہ اس رقم کے ساتھ قرض دینے والے [محتال] کا حق متعلق نہیں ہے بلکہ کفیل کے ذمے میں ہے اس لئے جو کچھ کفیل کے ذمے میں ہے، یا کفیل کے پاس ہے اس کے لینے سے حوالہ باطل نہیں ہوگا۔

لغت :ماعلیہ، او ماعندہ: ماعلیہ سے مراد جو کچھ محتال علیہ [کفیل] کے ذمے میں قرض ہے، یا اس کے اوپر غصب کا مال ہے۔ اور ماعندہ: سے مراد جو کچھ کفیل کے پاس مقروض کی امانت کا مال ہے۔

(۴۰۳) قال ويكره السفاتج وهي قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق ۱؎ وهذا نوع نفع

تشریح : زید مقروض نے کفیل سے یہ نہیں کہا کہ آپ کے پاس جو کچھ میرا ہے اسی کے بدلے حوالہ کرتا ہوں بلکہ یہ کہا کہ کوئی بھی رقم میرے قرض دینے والے کو دیں اس صورت میں زید [مقروض] نے اپنی رقم کفیل سے لے لی تو اس سے حوالہ ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ

زید [مقروض] کے لینے کے باوجود کفیل اپنی جانب سے محتال [قرض دینے والے] کو رقم دے سکتا ہے۔

ترجمہ : (۴۰۳) سفاتج مکروہ ہے اور وہ قرض ہے کہ اس کا دینے والا راستے کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔

ترجمہ : ۱؎ یہ ایک قسم کا استفادہ ہے اور حضورؐ نے ایسا قرض جس سے نفع اٹھایا جا رہا ہو اس سے منع فرمایا ہے۔

تشریح : سفاتج کی شکل یہ ہے کہ مثلا لندن میں پونڈ قرض دیدے اور کہے کہ انڈیا میں یہ قرض فلاں آدمی کو واپس دے دینا۔ اور قرض لینے والا اس کو قبول کر لے تو یہ مکروہ ہے۔ آج کل بینک سے چیک کی شکل یہی ہے

وجہ : (۱) قرض دینے والے کو اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا پونڈ ضائع ہوگا۔ کیونکہ اب جو کچھ بھی ضائع ہوگا وہ قرض لینے والے کا ہوگا۔ قرض دینے والے نے قرض دے کر یہ فائدہ اٹھایا کہ راستے کے خطرات سے محفوظ کر لیا (۲) اس حدیث میں ہے۔ **عن ابی بردة عن ابیه قال أتیت المدینة فلقیت عبد الله بن سلام فقال ألا تجئ فأطعمک سویقا و تمرا و تدخل فی بیت ؟ ثم قال انک بأرض الربا بها فاش ، اذا کان لک علی رجل حق فأهدی الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تأخذه فانه ربا** ۔ (بخاری شریف، باب مناقب عبداللہ بن سلامؓ، ص ۶۴۰، نمبر ۳۸۱۴) اس حدیث میں ہے کہ قرض والے سے کچھ نہ لو اس لئے کہ یہ بھی سود کے درجے میں ہے۔ (۳) اس قول صحابی میں ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ **عن زینب قالت اعطانی رسول الله ﷺ خمسین وسقا تمرا بخیبر وعشرین شعیرا قالت فجاء نی عاصم بن عدی فقال لی هل لک ان اوتیک ما لک بخیبر ههنا بالمدینة فاقبضه منک بکیله بخیبر فقالت لا حتی اسأل عن ذلک قالت فذکرت ذلک لعمر بن الخطاب فقال لا تفعلی فکیف لک بالضمان فیما بین ذلک** ۔ (سنن للبیهقی، باب ما جاء فی السفاتج، ج خامس، ص ۵۷۶، نمبر ۱۰۹۴۵) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خیبر میں مال دے کر مدینہ میں لینے سے منع فرمایا (۴) اس قول صحابی میں ہے جسکو صاحب ھدایہ نے ذکر کیا ہے ۔ **عن فضالة بن عبید صاحب النبی ﷺ انه قال کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا** . (سنن للبیهقی، باب کل قرض جر منفعة فهو ربا، ج خامس، ص ۵۷۳، نمبر ۱۰۹۳۳ / مصنف ابن ابی شیبة ۷۹ من کرہ کل قرض جر منفعة، ج رابع، ص ۳۲۳، نمبر ۲۰۶۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر قرض جس سے نفع

استفيد به وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قرض جر نفعا.

حاصل کیا گیا ہو وہ سود کی ایک قسم ہے۔اور یہاں راستے کے خطرات سے محفوظ ہونے کا فائدہ اٹھایا ہے۔اس لئے یہ بھی سود کی ایک قسم ہوگی جس کی وجہ سے مکروہ ہے۔

نوٹ :اگر بغیر شرط کے ایسا کیا کہ لندن میں قرض لیا اور ہندوستان میں ادا کیا، جو آج کل بینک کے چیک کی صورت میں ہوتا ہے تو مکروہ نہیں ہے۔ان کی دلیل یہ عمل صحابی ہے۔ **ان عبد الله بن الزبير كان يأخذ من قوم بمكة دراهم ثم يكتب بها الى مصعب بن الزبير بالعراق فيأخذونها منه فسئل ابن عباس عن ذلك فلم ير به بأسا فقيل له ان اخذوا افضل من دراهم قال لا بأس اذا اخذوا بوزن دراهمهم** (سنن للبیہقی ، باب ما جاء فی السفاتج، ج خامس،ص ۵۷۷،نمبر ۱۰۹۴۷)اس عمل صحابی سے معلوم ہوا کہ بغیر شرط کے ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

﴿كتاب أدب القاضي﴾

(۴۰۴)قال ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة ويكون من أهل

﴿ کتاب آداب القاضی ﴾

ضروری نوٹ : قاضی کیسے ہو اور وہ کس طرح فیصلہ کرے اس کو آداب قاضی کہتے ہیں۔(۱) قضا کے ثبوت کے لئے یہ آیت ہے۔ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون .(آیت ۴۵، سورۃ المائدۃ ۵)(۲) دوسری آیت میں ہے۔وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم وکنا لحکمهم شاهدین O ففهمناها سلیمان وکلا اتینا حکما وعلما O (آیت ۷۸/۷۹، سورۃ الانبیاء ۲۱) ان دونوں آیتوں میں فیصلے کرنے کا ثبوت ہے۔(۳) حدیث میں ہے۔عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما اراد ان یبعث معاذا الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء ؟ قال اقضی بکتاب الله ،قال فان لم تجد فی کتاب الله ؟ قال فبسنة رسول الله،قال فان لم تجد فی سنة رسول الله ولا فی کتاب الله ؟ قال اجتهد برایی ولا الو ،فضرب رسول الله ﷺ صدره فقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله۔(ابوداؤد شریف، باب اجتہاد الرای فی القضاء، ص ۵۱۶، نمبر ۳۵۹۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی، ص ۳۲۲، نمبر ۱۳۲۷/نسائی شریف، باب الحکم باتفاق اهل العلم، ص ۷۳۲، نمبر ۵۳۹۹) اس حدیث میں قضاء کا ثبوت ہے، اور کس ترتیب سے استدلال کرے اس کا بھی ثبوت ہے۔

ترجمہ (۴۰۴) نہیں صحیح ہے قاضی بنانا یہاں تک کہ جمع ہو جائے قاضی میں شہادت کی شرطیں اور وہ اہل اجتہاد میں سے ہو

تشریح : جس آدمی کو قاضی بنایا جارہا ہو اس میں اجتہاد کی شرطیں موجود ہوں۔مثلا [۱] عاقل، [۲] بالغ، [۳] آزاد، [۴] مسلمان [۵] نا بینا نہ ہو۔[۶] حد قذف نہ لگی ہو [۷] اور اتنا علم ہو کہ جس مسئلے میں کوئی قول نہ ہو تو اس میں اجتہاد کر سکتا ہو۔[۸] بہتر ہے کہ عادل بھی ہو۔

وجه :(۱) قاضی شاہد کی شہادت سے فیصلہ کرے گا تو خود قاضی میں بھی شاہد کی صفتیں ہونی چاہئے (۲) آیت میں ہے۔فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم (آیت ۹۵، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ فیصلہ کرنے والا عادل ہو۔(۳) اس آیت میں ہے کہ فیصلہ کرنے والا عادل ہونا چاہئے۔واشهدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشهادة لله ذالکم یوعظ به (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵)(۴) اس قول تابعی میں ہے۔قال عمر بن عبد

الاجتهاد

العزيز لا ينبغي ان يكون قاضيا حتى تكون فيه خمس آيتهن اخطاته كانت فيه خللا،يكون عالما بما كان قبله، مستشيرا لاهل العلم ملغيا للرثغ يعني الطمع، حليما عن الخصم، محتملا للائمة (مصنف عبد الرزاق، باب كیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن، ص۲۳۱، نمبر ۱۵۳۶۵) اس اثر میں ہے کہ پانچ باتیں قاضی میں ہوں (۱) شریعتوں کو جاننے والا ہو(۲) اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو(۳) لالچ سے دور ہو(۴) خصم سے بردباری کا معاملہ کرنے والا ہو(۵) دوسرے کی ملامت کو برداشت کرنے والا ہو۔ یہاں الائمۃ لوم کی جمع ہے جس کے معنی ملامت ہے۔

اور قاضی اہل اجتہاد ہو اس کی دلیل اوپر کی حدیث معاذ ہے۔ جس میں ہے کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی اہل اجتہاد ہو گا تب ہی تو اجتہاد کر سکے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما اراد ان يبعث معاذ الى اليمن ... فان لم تجد في سنة رسول الله ولا في كتاب الله؟ قال اجتهد برايي ولا آلو.** (ابوداؤد شریف، باب اجتہاد الرای فی القضاء ،ص ۵۱۶، نمبر ۳۵۹۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی ،ص ۳۲۲، نمبر ۱۳۲۷ رنسائی شریف، باب الحکم باتفاق اهل العلم، ص ۷۳۲، نمبر ۵۳۹۹) اس حدیث میں ہے کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور یہ اسی وقت ہوگا جب قاضی صاحبِ اجتہاد ہو (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن عمرو بن العاص انه سمع رسول الله ﷺ قال اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر.** (مسلم شریف، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ ،ص ۷۶۱، نمبر ۱۷۱۶ ر ۴۴۸۷) اس میں ہے کہ اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو دو اجر ہیں اور غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔ اور اجتہاد اسی وقت کر سکتا ہے جب قاضی میں صفت اجتہاد ہو۔

فائدہ : علماء فرماتے ہیں کہ صفت اجتہاد ہو تو بہتر ہے ورنہ غیر مجتہد کو بھی قاضی بنا سکتا ہے۔

وجہ :(۱) کیونکہ دوسروں کے لئے فیصلے کو یا فتوی کو نافذ کرے اور خود اجتہاد نہ کرے (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نو عمر تھے اور ابھی ان میں صفت اجتہاد نہیں آئی تھی پھر بھی حضورؐ نے ان کو قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ **عن علي قال بعثني رسول الله ﷺ الى اليمن قاضيا فقلت يا رسول الله ﷺ ترسلني وانا حديث السن ولا علم لي بالقضاء فقال ان الله سيهدي قلبك** الخ (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء ،ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث میں حضرت علی نو عمر تھے اور صفت اجتہاد نہیں تھی پھر بھی قاضی بنائے گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر صفت اجتہاد کے بھی قاضی بنائے جا سکتے ہیں۔

نوٹ : شہادت کی ساری شرطیں کتاب الشہادت میں دیکھیں۔

۱؎ أما الأول فلأن حكم القضاء يستقى من حكم الشهادة لأن كل واحد منهما من باب الولاية فكل من كان أهلا للشهادة يكون أهلا للقضاء وما يشترط لأهلية الشهادة يشترط لأهلية القضاء. ۲؎ والفاسق أهل للقضاء حتى لو قلد يصح إلا أنه لا ينبغي أن يقلد كما في حكم الشهادة

لغت:المولی : ولی سے مشتق ہے جس کو قضا سپرد کیا جا رہا ہو۔

ترجمہ :۱؎ بہرحال پہلی بات [یعنی قاضی اہل شہادت ہو] اس لئے کہ قاضی کا فیصلہ گواہ سے مستنبط ہوتا ہے، اس لئے کہ دونوں ولایت کے باب سے ہیں اس لئے ہر وہ آدمی جو شہادت کا اہل ہو وہ قضا کا اہل ہوگا، اور شہادت کی اہلیت کے لئے جو شرطیں ہیں قضا کی اہلیت کے لئے بھی وہی شرطیں ہوں گی۔

تشریح :متن میں فرمایا کہ قاضی میں شہادت کی شرطیں ہونی چاہئے اس کی دلیل دے رہے ہیں کہ [۱] قاضی گواہ کے ذریعہ فیصلہ کرتے ہیں اس لئے خود قاضی میں بھی شہادت کی اہلیت ہونی چاہئے۔ [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ فیصلہ کرنا اور گواہی دینا ولایت کے باب میں سے ہیں ولایت کا مطلب یہ ہے کہ گواہ بھی اپنی بات دوسرے پر نافذ کرواتے ہیں، اور قاضی بھی اپنی بات دوسرے پر نافذ کرتے ہیں اس لئے جو شرطیں گواہ بننے کے لئے ہیں وہ شرطیں قاضی بننے کے لئے ہونی چاہئے۔

لغت :یستقی :سقی سے مشتق ہے سیراب کرنا، یہاں مراد ہے حاصل کرنا، مستنبط کرنا۔ ولایت: ولی سے مشتق ہے، دوسرے پر اپنی بات نافذ کرنا۔

ترجمہ:۲؎ اور فاسق آدمی قاضی بننے کا اہل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر قاضی بنا دیا جائے تو صحیح ہے مگر مناسب یہ ہے کہ نہ بنایا جائے جیسا کہ گواہی میں ہوتا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ قاضی فاسق کی گواہی قبول نہ کرے، لیکن اگر کر لیا تو ہمارے نزدیک جائز ہے

تشریح :زنا کی تہمت کی وجہ سے حد لگی ہو اور فاسق ہوا تو جب تک توبہ نہ کرے اس کی نہ شہادت قبول کی جائے اور نہ اس کو قاضی بنایا جائے گا، چوری، زنا وغیرہ کی وجہ سے فاسق ہوا ہو بہتر یہ ہے کہ اس کو قاضی نہ بنایا جائے، لیکن اگر بنا ہی دیا تو حنفیہ کے نزدیک قاضی ہو جائے گا۔

وجہ :(۱) زنا کی تہمت کی وجہ سے فاسق ہوا تو اس کی گواہی قبول نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ و الذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمٰنین جلدة و لا تقبلوا لهم شهادة أبدا و اولٰئک هم الفاسقون ○ الا الذین تابو من بعد ذالک و اصلحوا فان الله غفور رحیم ○ (آیت ۴، ۵، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ زنا کی تہمت کی وجہ سے حد لگی ہو تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ (۲) و اشهدوا ذوا عدل منکم و اقیموا الشهادة لله ذالکم یوعظ به (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ عادل کی گواہی قبول کرو۔ (۳)

فإنه لا ينبغي أن يقبل القاضي شهادته ولو قبل جاز عندنا. ٣ ولو كان القاضي عدلا ففسق بأخذ الرشوة أو غيره لا ينعزل ويستحق العزل وهذا هو ظاهر المذهب وعليه مشايخنا رحمهم الله. ٤ وقال الشافعي رحمه الله الفاسق لا يجوز قضاؤه كما لا تقبل شهادته عنده وعن علمائنا الثلاثة

عن خريم بن فاتک قال صلی رسول الله ﷺ صلاة الصبح فلما انصرف قام قائما فقال عدلت شهادة الزور بالاشراک ثلاث مرات ثم قرأ فاجتنبوا الرجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين به (آیت ٣١، سورۃ الحج ٢٢) اس حدیث اور آیت میں ہے کہ جھوٹی گواہی دینے کی وجہ سے فاسق بنا ہو تو اس کی گواہی قبول نہ کرو۔ (٣) ان رسول الله رد شهادة الخائن و الخائنة وذی الغمر علی اخیه و رد شهادة القانع لاهل البيت و أجازها لغيرهم (ابو داود شریف، باب من ترد شهادته، ص ٥١٧، نمبر ٣٦٠٠) اس حدیث میں ہے کہ خیانت کرنے والی کی گواہی قبول نہیں ہے۔ (٤) لیکن اگر قاضی بنا دیا تو جائز ہو جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ و اجازه عمر بن حريث قال : و كذالک يفعل بالكاذب الفاجر ، و قال الشعبی و ابن سيرين و عطاء و قتادة السمع شهادة ۔ (بخاری شریف، باب شہادۃ المختبی، ص ٤٢٦، نمبر ٢٦٣٨) اس قول تابعی میں ہے کہ جھوٹے اور فاجر کی گواہی قابل قبول ہے۔

ترجمہ : ٣ اگر قاضی عادل تھا پھر رشوت، وغیرہ لینے کی وجہ سے فاسق ہو گیا تو خود معزول نہیں ہوگا، البتہ معزول ہونے کا مستحق ہو جائے گا، یہ ظاہری مذہب ہے اور اسی پر ہمارے مشائخ ہیں۔

تشریح : جب قاضی بنائے گئے تو عادل تھے بعد میں رشوت لینے کی وجہ سے یا کوئی گناہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو گئے تو وہ معزول نہیں ہوں گے، البتہ معزول کرنے کے قابل ہو جائیں گے،

وجہ: کیونکہ لوگوں نے اس کو عادل سمجھ کر اعتماد کیا تھا اس لئے اس بات کے مستحق ہو جائیں گے کہ معزول کر دیا جائے۔

ترجمہ : ٤ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فاسق کو قاضی بنانا ہی جائز نہیں ہے، جیسا کہ انکے نزدیک اس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی ہے۔ اور نوادر کتاب میں ہمارے تینوں علما کے نزدیک یہ ہے کہ فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق کی گواہی قبول نہیں جاتی ہے اس لئے انکے یہاں فاسق کو قاضی بنانا بھی جائز نہیں ہے ۔ نوادر کتاب میں ہمارے علماء کرام کی بھی یہی روایت ہے۔

ترجمہ : ٥ بعض مشائخ نے فرمایا کہ فاسق ہونے کی حالت میں قاضی بنایا تھا تو قاضی بنانا صحیح ہے، اور اگر عادل ہونے کی حالت میں قاضی بنایا تھا تو فاسق ہونے سے خود ہی معزول ہو جائے گا، اس لئے کہ قاضی بنانے والوں نے اس کی عدالت

رحمهم الله في النوادر أنه لا يجوز قضاؤه. ۵ؕ وقال بعض المشايخ رحمهم الله إذا قلد الفاسق ابتداء يصح ولو قلد وهو عدل ينعزل بالفسق لأن المقلد اعتمد عدالته فلم يكن راضيا بتقليده دونها. ٦ؕ وهل يصلح الفاسق مفتيا ؟ قيل لا لأنه من أمور الدين وخبره غير مقبول في الديانات ۷ؕ وقيل يصلح لأنه يجتهد كل الجهد في إصابة الحق حذار النسبة إلى الخطإ ۸ؕ وأما الثاني

پر اعتماد کر کے بنایا تھا، اس لئے بغیر عدالت کے اس کی قضا پر راضی نہیں ہوں گے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :٦ؕ کیا فاسق مفتی بن سکتا ہے؟ تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ دینی امور ہیں، اور فاسق کی خبر دینی امور میں قابل قبول نہیں ہے [اس لئے فاسق مفتی نہیں بن سکتا]

تشریح:واضح ہے۔

وجہ :انکی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ضعيت الامانة فانتظر الساعة قال كيف اضاعتها يا رسول الله ؟ قال اذا اسند الامر الى غير اهله فانتظر الساعة** ۔(بخاری شریف، باب رفع الامانۃ، ص ۱۱۲٦، نمبر ٦٤٩٦) اس میں ہے قضا کا معاملہ غیر اہل کو سونپنا علامت قیامت میں سے ہے۔

ترجمہ :۷ؕ اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ فاسق مفتی بن سکتا ہے، اس لئے کہ اس کی طرف غلطی کی نسبت کرنے سے بچنے کے لئے صحیح حکم بیان کرنے کی کوشش کرے گا۔

تشریح :بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ آدمی فاسق ہو تب بھی مفتی بنانا جائز ہے،

وجہ :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ذات کے اعتبار سے فاسق ہے، لیکن غلط فتوی دے گا تو لوگ اس کو طعنہ دئیں گے اس ڈر سے وہ غلط فتوی نہیں دے گا اس لئے فاسق آدمی کو بھی مفتی بنانا جائز ہے، اگر چہ اچھا نہیں ہے

لغت : قاضی اور مفتی میں فرق۔ قاضی اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور مفتی اس کو کہتے ہیں جو دینی امور کا فتوی دیتا ہے۔

ترجمہ:۸ؕ بہر حال دوسری شرط [اجتہاد] کے بارے میں تو صحیح بات یہ ہے کہ قاضی میں اجتہاد کی شرط ہونا بہتر ہونے کی شرط ہے تاہم اس سے جاہل کو قاضی بنانا ہمارے نزدیک صحیح ہے۔

تشریح :جو آدمی عالم تو ہو لیکن اس میں معاملے کے بارے میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو ہمارے نزدیک یہ صلاحیت بہتر ہے، لیکن اس کے بغیر بھی بنا دیا تو قاضی بنانا جائز ہوگا۔

فالصحيح أن أهلية الاجتهاد شرط الأولوية. فأما تقليد الجاهل فصحيح عندنا۹ خلافا للشافعي رحمه الله وهو يقول إن الأمر بالقضاء يستدعي القدرة عليه ولا قدرة دون العلم.۱۰ ولنا أنه يمكنه أن يقضي بفتوى غيره ومقصود القضاء يحصل به وهو إيصال الحق إلى مستحقه. ۱۱ وينبغي للمقلد أن يختار من هو الأقدر والأولى لقوله عليه الصلاة والسلام من قلد إنسانا عملا

وجه : اس حدیث میں ہے کہ قضا کو اتنا نہیں جانتے تھے پھر بھی حضورؐ نے قاضی بنایا۔ **عن علی قال بعثنی رسول الله ﷺ الی الیمن قاضیا فقلت یا رسول الله ﷺ ترسلنی و انا حدیث السن و لا علم لی بالقضاء فقال ان الله سیهدی قلبک** الخ (ابوداؤد شریف، باب کیف القاضاء، ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲)

ترجمه :۹ خلاف امام شافعیؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ فیصلے کرنے کا معاملہ یہ چاہتا ہے کہ اجتہاد کرنے کی قدرت ہو، اور بغیر علم کے قدرت نہیں ہوتی [اس لئے اس کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے۔

وجه :انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن اناس من اهل حمص من اصحاب معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما اراد ان یبعث معاذا الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء ؟ قال اقضی بکتاب الله ،قال فان لم تجد فی کتاب الله ؟ قال فبسنة رسول الله،قال فان لم تجد فی سنة رسول الله و لا فی کتاب الله ؟ قال اجتهد برایی و لا الو ،فضرب رسول الله ﷺ صدره فقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله** ۔(ابوداؤد شریف، باب اجتہاد الرای فی القضاء، ص ۵۱۶، نمبر ۳۵۹۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ قاضی میں صفت اجتہاد ہو۔

ترجمه :۱۰ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ دوسرے کے فتوے سے فیصلہ کرے اور اس سے قضا کا مقصد حاصل کرلے اور وہ ہے مستحق تک حق پہونچانا۔

تشریح :غیر مجتہد کو قاضی بنانا ہمارے نزدیک جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آدمی دوسرے کے فتوے سے استفادہ کر کے مستحق کو اس کا حق پہونچا سکتا ہے جو اصل مقصد ہے اس لئے اس کو قاضی بنانا جائز ہے، اگر چہ بہتر نہیں ہے۔

ترجمه :۱۱ قاضی بنانے والے کے لئے مناسب ہے کہ جو زیادہ قدرت رکھنے والا ہو اور علم اور دین کے اعتبار سے بہتر ہو اس کو قاضی بنائے، حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے جس نے ایسے آدمی کو عمل دیا، حالانکہ اس کی رعیت میں اس سے بہتر ہے تو اس نے اللہ، اس کے رسول اور جماعت مسلمین کی خیانت کی۔

تشریح :واضح ہے۔

وفي رعيته من هو أولى منه فقد خان الله ورسوله وجماعة المسلمين. ۱۲؎ وفي حد الاجتهاد كلام عرف في أصول الفقه. وحاصله أن يكون صاحب حديث له معرفة بالفقه ليعرف معاني الآثار أو صاحب فقه له معرفة بالحديث لئلا يشتغل بالقياس في المنصوص عليه وقيل أن يكون مع

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من استعمل رجلا من عصابة و فی تلک العصابة من هو ارضی لله منه فقد خان رسوله و خان المومنین ۔(مستدرک للحاکم، باب کتاب الاحکام، ص۱۰۴، نمبر۷۰۲۳ رسنن بیہقی، باب لا یولی الوالی امراة ولا فاسقا ولا جاھلا، امر القضاء، ج عاشر، ص ۲۰۱، نمبر ۲۰۳۶۴)
اس حدیث میں ہے کہ اولی کو قاضی نہیں بنایا تو اللہ اور رسول کی خیانت کی۔

لغت : مقلد: قلادہ سے مشتق ہے، ہار ڈالنے والا، یہاں مراد ہے، قاضی بنانے والا۔ یختار: پسند کرے۔

ترجمہ :۱۲؎ اجتہاد کی تعریف میں کلام ہے اصول فقہ میں اس کی تفصیل ملتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ، حدیث والا ہو جسکو جس کو فقہ کا بھی علم ہو تا کہ حدیث کے معانی کو پہچان سکے۔ یا فقہ والا ہو جسکو حدیث کا بھی علم ہو تا کہ جس مسئلے میں حدیث موجود ہے وہاں بھی قیاس نہ کرنے لگے، اور کچھ حضرات نے فرمایا کہ اس کے ساتھ ذہین بھی ہو تا کہ تا کہ لوگوں کی عادتوں سے واقف ہو، کیونکہ بہت سے احکام لوگوں کی عادتوں پر ہیں۔

تشریح :اجتہاد کی تعریف کیا ہے اس بارے میں تین باتیں ہیں [۱] اگر وہ آدمی محدث ہے تو اس کے ساتھ فقہ بھی خاصا علم ہو تا کہ حدیث کے مطلب اور معانی کو پہچان سکے اور اس کے مطابق فیصلہ دے سکے۔ [۲] اور اگر فقیہ ہے تو اس کے ساتھ حدیث کا بھی خاصا علم ہو تا کہ ایسا نہ ہو کہ جس مسئلے کے بارے میں حدیث موجود ہو اس میں بھی قیاس کرنے لگے۔ [۳] اور تیسری بات ی ہے کہ لوگوں کے مزاج شناس بھی ہو اور معاملہ فہم ہو تا کہ جو مسئلے لوگوں کی عادتوں پر مبنی ہوں اس بارے میں عادت کی بصیرت کے ساتھ فیصلہ دے سکے۔

وجہ : اس قول تابعی میں اس کی جھلک ہے۔قال عمر بن عبد العزیز لا ینبغی ان یکون قاضیا حتی تکون فیه خمس آیتهن اخطاته کانت فیه خللا، یکون عالما بما کان قبله، مستشیرا لاهل العلم ملغیا للرثغ یعنی الطمع، حلیما عن الخصم، محتملا للائمة (مصنف عبد الرزاق، باب کیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن، ص ۲۳۱، نمبر ۱۵۳۶۵) اس اثر میں ہے کہ پانچ باتیں قاضی میں ہوں [۱] شریعتوں کو جاننے والا ہو [۲] اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو [۳] لالچ سے دور ہو [۴] خصم سے بردباری کا معاملہ کرنے والا ہو [۵] دوسرے کی ملامت کو برداشت کرنے والا ہو۔

ذلک صاحب قريحة يعرف بها عادات الناس لأن من الأحكام ما يبتني عليها.(۴۰۵) قال ولا بأس بالدخول في القضاء لمن يثق بنفسه أن يؤدي فرضه ل لأن الصحابة رضي الله عنهم تقلدوه وكفى بهم قدوة ولأنه فرض كفاية لكونه أمرا بالمعروف.(۴۰۶) قال ويكره الدخول فيه لمن

ترجمه: (۴۰۵) اورکوئی حرج نہیں ہے قضاء میں داخل ہونے میں جس کو اعتماد ہو کہ وہ اپنا فرض پورا کرے گا۔

ترجمه: ل اس لئے کہ صحابہ قاضی بنے تھے اس لئے اقتداء کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اور اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہے، اس لئے کہ اس میں امر بالمعروف ہے۔

تشریح: جس کو اس بات کا اعتماد ہو کہ میں قضا کے فرائض پورا کرلوں گا تو اس کے لئے قضا میں داخل ہونے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ صحابہ نے قضا کا عہدہ سنبھالا ہے اور اس میں معروف کا حکم بھی کرنا ہے اس لئے جائز ہے۔

وجه: (۱) یہ امر بالمعروف ہے اس لئے اعتماد ہو تو اس کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ میں امور سلطنت نہیں لوں گا تو امت ہلاک ہو جائے گی تو خود سلطنت مانگی۔ **قال اجعلني على خزائن الارض انی حفيظ عليم** (آیت ۵۵، سورۂ یوسف ۱۲) اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خود سلطنت مانگی ہے اس لئے اعتماد ہو اور امت کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو قضا مانگ بھی سکتا ہے (۳) قضا ایک فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے لئے انبیاء کو حکم دیا، اس لئے اس میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ آیت میں ہے۔ **یا داؤد انا جعلناک خليفة في الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله** (آیت ۲۶، سورۃ ص ۳۸) (۴) دوسری آیت میں ہے۔ **انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراک الله ولا تكن للخائنين خصيما** (آیت ۱۰۵، سورۃ النساء ۴) ان دونوں آیتوں میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو صحیح فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ (۵) صحابہ نے کیا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **عن علی قال بعثنی رسول الله ﷺ الی اليمن قاضيا فقلت يا رسول الله ﷺ ترسلني وانا حديث السن ولا علم لي بالقضاء فقال ان الله سيهدی قلبک** الخ (ابوداؤد شریف، باب کیف القاضاء، ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث میں حضرت علیؓ کو قاضی بنایا ہے۔ یثق: اعتماد ہو۔

ترجمه: (۴۰۶) اور اس میں داخل ہونا مکروہ ہے اس کے لئے جس کو اس سے عاجز ہونے کا خوف ہو۔ اور اس بات پر اطمینان نہ ہو کہ اپنی ذات پر اس میں ظلم ہو جائے گا۔

ترجمه: ل تاکہ یہ داخل ہونا امر قبیح کے مرتکب ہونے کا وسیلہ نہ ہو۔

يخاف العجز عنه ولا بأس على نفسه الحيف فيه[۱] كي لا يصير شرطا لمباشرته القبيح[۲] وكره بعضهم الدخول فيه مختارا لقوله عليه الصلاة والسلام من جعل على القضاء فكأنما ذبح بغير سكين[۳] والصحيح أن الدخول فيه رخصة طمعا في إقامة العدل والترک عزيمة فلعله يخطء ظنه ولا يوفق له أو لا يعينه عليه غيره ولا بد من الإعانة إلا إذا كان هو أهلا للقضاء دون غيره

تشريح: کسی کو یہ خوف ہو کہ میں صحیح فیصلہ کرنے سے عاجز رہوں گا، اور فرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اپنے اوپر ظلم ہو جائے تو ایسے آدمی کے لئے قاضی بننا مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے جو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین (ابوداؤد شریف، باب فی طلب القاضاء، ص ۱۴۷، نمبر ۳۵۷۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی، ص ۲۴۷، نمبر ۱۳۲۵) اس حدیث میں ہے کہ قاضی بنایا گیا تو سمجھو کہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ جس سے معلوم ہو کہ عاجز ہو تو قضاء لینا اچھا نہیں ہے (۲) دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ عن ابی ذر ان رسول اللہ ﷺ قال یا ابا ذر ! انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم (مسلم شریف، باب کراہۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، ص ۸۱۹، نمبر ۱۸۲۶ / ۴۷۲۰ / ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الدخول فی الوصایا، ص ۴۱۷، نمبر ۲۸۶۸) اس حدیث میں ہے کہ آدمی قضاء سے عاجز ہو تو قضاء نہ لے (۳) اوپر کی آیت میں بھی ہے کہ اگر خواہش نفس کی اتباع کی تو گمراہ ہو جائے گا۔ اس لئے اگر عاجزی کا خوف ہو تو قضاء نہ لے تاکہ گمراہ نہ ہو۔

لغت: شرطا: یہاں شرط کا معنی وسیلہ کا ہے۔

ترجمہ: [۲] بعض لوگوں نے قضا میں داخل ہونا مکروہ کہا ہے حضورؐ کے قول کی وجہ سے جو قاضی بنایا گیا تو گویا کہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

تشریح: یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

ترجمہ: [۳] صحیح بات یہ ہے کہ قضا میں داخل ہونا رخصت ہے، کیونکہ انصاف کرنے کی بھی لالچ ہے اور چھوڑنا عزیمت ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ فیصلے کے بارے اس کا جو گمان ہو وہ صحیح پر نہ ہو، اور صحیح فیصلے کرنے پر توفیق نہ ہو سکے، یا اس کا فیصلہ تو صحیح ہو لیکن دوسرا آدمی اس کی بات نہ مانے، حالانکہ دوسرے کی اعانت ضروری ہے

تشریح: صحیح بات یہ ہے کہ قضا میں داخل ہونا رخصت ہے اور اس کو چھوڑ دینا عزیمت ہے۔

وجہ: داخل ہونا تو اس لئے کہ انصاف قائم کرنے کی امید ہے، اور چھوڑنا اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ بہت سے مسئلے میں صحیح

فحينئذ يفترض عليه التقلد صيانة لحقوق العباد وإخلاء للعالم عن الفساد.(۴۰۷) قال وينبغي أن لا يطلب الولاية ولا يسألها[۱] لقوله عليه الصلاة والسلام من طلب القضاء وكل إلى نفسه ومن أجبر عليه نزل عليه ملك يسدده ولأن من طلبه يعتمد على نفسه فيحرم ومن أجبر عليه يتوكل

فیصلہ نہ کرسکے،یا فیصلہ تو صحیح کیا لیکن لوگوں نے اس کو نافذ نہیں کیا تو گناہ قاضی پر ہی ہوگا اس لئے چھوڑ نا عزیمت ہے۔

ترجمہ :[۴] ہاں یہی آدمی صرف قضا کا اہل ہو تو اس وقت اس پر قاضی بننا فرض ہے بندوں کے حق کو بچانے کے لئے اور دنیا کو فساد سے خالی کرنے کے لئے۔

تشریح :صرف یہی اہل ہو اور دوسرا نہ ہو تو لے لینا فرض ہے تا کہ انصاف قائم کرسکے

وجہ : حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ میں امور سلطنت نہیں لوں گا تو امت ہلاک ہو جائے گی تو خود سلطنت مانگی۔**قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** (آیت ۵۵،سورۂ یوسف ۱۲)

ترجمہ :(۴۰۷) نہ ولایت کی درخواست کرنا مناسب ہے اور نہ اس کا مانگنا۔

ترجمہ :[۱] حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جس نے قضا کو طلب کیا اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور جس کو مجبور کیا جاتا ہے اس پر ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اس کو درست رکھتا ہے،اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو قضا کو طلب کرتا ہے وہ اپنی ذات پر اعتماد کرتا ہے اس لئے وہ رحمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے،اور جسکو اس پر مجبور کر دیا گیا وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے،پس اس کو الہام کیا جاتا ہے۔

تشریح :اگر قضاء چلانے کے لئے دوسرا آدمی موجود ہے اور اپنے نہ ہونے سے امت کی ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے تو اس کی خواہش رکھنا بھی مناسب نہیں اور اس کا مانگنا بھی مناسب نہیں۔

وجہ :(۱) کسی آدمی کا غلط فیصلہ ہو جائے تو اس کا گناہ قاضی کے سر پر ہے۔اس لئے بلا وجہ اس مصیبت میں پڑنا اچھا نہیں ہے(۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔**عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ من سأل القضاء وكل الى نفسه و من اجبر عليه ينزل الله عليه ملكا فيسدده** ۔(ترمذی شریف،باب ما جاء عن رسول اللہ ﷺ فی القاضی ،ص ۳۲۰،نمبر ۱۳۲۳ ربخاری شریف،باب من سأل الامارۃ وکل الیھا ،ص ۱۰۵۸،نمبر ۷۱۴۷) اس حدیث میں ہے کہ جو خود قضا مانگتا ہے اللہ کی جانب سے اس کی مدد نہیں کی جاتی،اور جو مجبور کیا جاتا ہے اللہ تعالی اس کی مدد کرتے ہیں۔(۳) دوسری حدیث میں ہے۔**عن ابی موسى قال : دخلت على النبي ﷺ انا ورجلان من بني عمي،فقال احد الرجلين: يا رسول الله ! امرنا على بعض ما ولاک الله عز وجل، وقال الآخر مثل ذلک.فقال: انا والله لا نولی**

على ربه فيلهم.(۴۰۸) ثم يجوز التقلد من السلطان الجائر كما يجوز من العادل ۱؎ لأن الصحابة رضي الله عنهم تقلدوه من معاوية رضي الله عنه والحق كان بيد علي رضي الله عنه في نوبته والتابعين تقلدوه من الحجاج وكان جائزا ۲؎ إلا إذا كان لا يمكنه من القضاء بحق لأن المقصود لا يحصل بالتقلد بخلاف ما إذا كان يمكنه.(۴۰۹) قال ومن قلد القضاء يسلم إليه ديوان القاضي الذي كان قبله ۱؎ وهو الخرائط التي فيها السجلات وغيرها لأنها وضعت فيها لتكون

على هذا العمل احدا سأله ولا احدا حرص عليه (مسلم شریف، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا،ص۱۲۰، نمبر۴۷۱۷/۱۷۳۳ر بخاری شریف، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ،ص ۱۰۵۸،نمبر۷۱۴۹) اس سے معلوم ہوا کہ جو قضاء مانگے یا اس کی حرص کرے اس کو قضاء نہ دی جائے

ترجمہ :(۴۰۸) ظالم بادشاہ سے بھی قاضی بننا درست ہے جیسے عادل بادشاہ سے قاضی بننا درست ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ صحابہ کرام حضرت معاویہؓ کے قاضی بنانے سے قاضی بنے ہیں حالانکہ حضرت علیؓ کی باری میں حق حضرت علیؓ کی طرف تھا، اور حضرات تابعین حجاج بن یوسف سے قاضی بنے ہیں، حالانکہ وہ ظالم تھا۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ :۲؎ مگر جبکہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ناممکن ہو [تو قاضی بننا درست نہیں ہے] اس لئے کہ قاضی بننے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا، بخلاف جبکہ حق فیصلہ کرنا ممکن ہو تو [تو قاضی بننا درست ہے]

تشریح : حق فیصلہ کرنا ممکن ہو تو ظالم بادشاہ سے قاضی بننا درست ہے، لیکن اگر اس کی نگرانی میں حق فیصلہ کرنا ناممکن ہو تو اب قاضی بننا درست نہیں ہے، کیونکہ غلط فیصلہ کرنے کا گناہ اپنے سر پر ہوگا۔

ترجمہ :(۴۰۹) جس کو قاضی بنایا گیا وہ پہلے قاضی کے رجسٹر کے بارے میں پوچھے۔

تشریح : جس کو قاضی بنایا گیا ہو اس کو وہ رجسٹر دیا جائے جو پہلے قاضی کے پاس تھا۔

وجہ: تاکہ رجسٹر میں غور کر کے حقوق والوں کے حقوق ادا کر سکے۔

لغت :قلد: مجہول کا صیغہ ہے بنایا جائے، قاضی ہونے کا قلادہ ڈالا جائے۔یسلم: سپرد کرے۔دیوان: دون سے مشتق ہے، ترتیب دینا، رجسٹر میں نام لکھنا۔سجل: احکام کا رجسٹر۔

ترجمہ :۱؎ دیوان چمڑے کے وہ تھیلے ہیں جن میں سرکاری فائلیں اور دوسرا ریکارڈ موجود ہو، کیونکہ ان فائلوں کو تھیلوں میں رکھا جاتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت حجت ہو، پس ان کو اس شخص کے قبضہ میں دیا جائے گا جسکو منصب قضا دیا گیا۔

حـجة عند الحاجة فتجعل في يد من له ولاية القضاء. ۲؎ ثم إن كان البياض من بيت المال فظاهر وكـذا إذا كـان من مال الخصوم في الصحيح لأنهم وضعوها في يده لعمله وقد انتقل إلى المولى وكـذا إذا كان من مال القاضي هو الصحيح لأنه اتخذه تدينا لا تمولا ۳؎ ويبعث أمينين ليقبضاها

تشریح : چمڑے کے جس تھیلے میں سرکاری کاغذات ہوتے ہیں اس کو دیوان کہا جاتا ہے، وہ اس کو دیا جائے جو قاضی بنا ہے ، کیونکہ یہ اسی کا حق ہے۔

ترجمہ : ۲؎ [۱] پھر اگر بیت المال کا سفید کاغذ ہے تب تو ظاہر ہے کہ اسی قاضی کو دیا جائے [۲] اور اگر مدعی اور مدعی علیہ کے مال سے خریدا تھا تب بھی صحیح روایت یہی ہے کہ موجودہ قاضی کو دیا جائے ، کیونکہ ان لوگوں نے معزول قاضی کے ہاتھ میں کام کرنے کے لئے رکھا تھا اور یہ کام موجودہ قاضی کی طرف منتقل ہو گیا ہے [۳] اور اگر معزول قاضی کے مال سے خریدا گیا تھا تب بھی موجودہ قاضی کو دے صحیح روایت یہی ہے، کیونکہ یہ کاغذات تجارت کے لئے نہیں خریدا ہوگا بلکہ دین کا کام کرنے کے لئے خریدا ہوگا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر بیت المال کا مال ہے اگر بغیر لکھا ہوا کاغذ بھی ہے تو موجودہ قاضی کو سپرد کرے، کیونکہ وہ بیت المال کا مال ہے، اور اگر سرکاری کام کی چیز ہے تو چاہے مدعی اور مدعی علیہ کی چیز ہو، یا خود معزول قاضی کی چیز ہو تو موجودہ قاضی کو سپرد کرنا ہوگا تاکہ وہ کام کر سکے۔

تشریح : یہاں کاغذات چار قسم کے ہیں، سب کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں [۱] اگر بیت المال کا بغیر لکھا ہوا کاغذ ہے تب بھی موجودہ قاضی کو دے، کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہے، [۲] اور اگر مدعی اور مدعی علیہ کا دیا ہوا سفید کاغذ ہے تب بھی موجودہ قاضی کو دے، کیونکہ معزول قاضی کو کام کرنے اور فیصلے کرنے کے لئے یہ کاغذ دئے ہوں گے، اور اب یہ حق موجودہ قاضی کا ہے [۳] اور اگر معزول قاضی کے مال سے سفید کاغذ خریدا ہے تو ایک رائے یہ ہے کہ یہ سرکاری کام کا نہیں ہے اور معزول قاضی کا مال ہے اس لئے اسی کے پاس رہنے دیا جائے، اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ کاغذات دینی کام کرنے کے لئے خریدا ہوگا، تجارت کے لئے نہیں خریدا ہوگا اس لئے یہ بھی موجودہ قاضی کو دے دیا جائے۔ [۴] اور اگر معزول قاضی کے مال سے کاغذ یا کوئی چیز خریدی گئی ہو جس میں سرکاری کام کی چیز نہ ہو تو یہ مال خالص معزول قاضی کی ہے اور دفتر کے کام کی نہیں ہے اس لیء یہ معزول قاضی کو دے دیا جائے۔ نوٹ : یہ مسئلہ کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہے۔

لغت : مولی: ولی سے مشتق ہے۔ جس قاضی کو ابھی ولی بنایا گیا ہو۔ تدینا: دین کا کام کرنے کے لئے۔ تمولا: مالداری حاصل کرنے کیلئے، تجارت حاصل کرنے کے لئے۔

بحضرة المعزول أو أمينه ويسألانه شيئا فشيئا ويجعلان كل نوع منها في خريطة كي لا يشتبه على المولى وهذا السؤال لكشف الحال لا للإلزام.(۴۱۰) قال وينظر في حال المحبوسين لأنه نصب ناظرا فمن اعترف بحق ألزمه إياه ل لأن الإقرار ملزم

ترجمه :۳ے دوامین آدمی کو بھیجے تا کہ معزول قاضی کے سامنے دستاویزات پر قبضہ کرے، اور ہر ہر کھاتے کے بارے میں پوچھے اور ہر قسم کے کاغذات کو الگ الگ تھیلے میں رکھے تا کہ موجودہ قاضی کو کسی کاغذ کے بارے میں شبہ نہ ہو جائے، اور یہ پوچھنا احوال معلوم کرنے کے لئے ہے، کوئی حتمی فیصلے کے لئے نہیں ہے۔

تشریح :موجودہ قاضی معزول قاضی سے کس طرح اختیارات لے اس کی یہ تفصیل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دو آمانت آدمی کو معزول قاضی کے پاس بھیجے اور ان سے کاغذات وصول کرے، اور ہر ہر کاغذ کے بارے میں پوچھے کہ یہ کس کھاتے میں رکھنا ہے پھر اس میں رکھے تا کہ موجودہ قاضی کو کسی کاغذ کے بارے میں شبہ نہ ہو، کاغذ کے بارے میں یہ پوچھنا اس لئے نہیں ہے کہ اس کے کہنے پر فیصلہ ہی کر دیا جائے، کیونکہ وہ تو بعد میں تحقیق کے بعد میں فیصلہ کیا جائے گا، بلکہ صرف اس لئے ہے کہ ہر کاغز کا حال معلوم ہو جائے۔

ترجمه :(۴۱۰) اور قیدیوں کے حالات میں غور کرے، کیونکہ وہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ہی منتخب کیا گیا ہے، پس جو ان میں سے حق کا اعتراف کرے وہ اس پر لازم کر دے۔

ترجمه :لے کیونکہ اقرار سے جرم لازم ہو جاتا ہے۔

تشریح :قاضی بننے کے بعد وہ قیدیوں کے حالات کا معائنہ کرے۔ جو قیدی اعتراف کرے کہ مجھ پر فلاں کا حق ہے تو اس پر وہ حق لازم کر دے۔

وجه : (۱) جب قیدی نے خود اعتراف کر لیا کہ مجھ پر فلاں کا حق ہے تو اب گواہی کی بھی ضرورت نہیں ہے اس کا اقرار کرنا کافی ہے۔ اس لئے اس پر فلاں کا حق لازم کر دیا جائے گا۔ (۲) **عن ابی امية المخزومی ان النبی ﷺ اتی بلص قد اعترف اعترافا و لم یوجد معه متاع فقال رسول الله ﷺ ما اخالک سرقت ؟ قال بلی فاعاد علیه مرتین او ثلاثا فامر به فقطع** ۔(ابو داود شریف، باب فی التلقین فی الحد، ص ۶۱۶، نمبر ۴۳۸۰) اس حدیث میں ہے کہ جرم کا اقرار کیا تو حد کا فیصلہ کر دیا۔ (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **عن ابن سیرین قال اعترف رجل عند شریح بامر ثم انکره فقضی علیه باعترافه** (مصنف عبد الرزاق، باب الاعتراف عند القاضی، ج ثامن، ص ۲۳۴، نمبر ۱۵۳۸۰) اس قول تابعی میں ہے کہ اقرار کرنے کی وجہ سے فیصلہ کیا۔

(۴۱۱) ومن أنكر لم يقبل قول المعزول عليه إلا ببينة ۱؎ لأنه بالعزل التحق بالرعايا وشهادة الفرد ليست بحجة لا سيما إذا كانت على فعل نفسه (۴۱۲) فإن لم تقم بينة لم يعجل بتخليته حتى ينادى عليه وينظر في أمره ۱؎ لأن فعل القاضي المعزول حق ظاهر فلا يعجل كي لا يؤدي إلى

لغت: محبوس : حبس سے مشتق ہے جس کو حبس کیا گیا ہو تا کہ لگائے گئے الزام کی تحقیق کی جائے۔

ترجمہ :(۴۱۱) اور اگر کسی نے انکار کیا تو معزول قاضی کا قول مقبول نہیں ہے مگر گواہی کے ساتھ۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ معزول ہونے کی وجہ سے وہ عام رعایا بن گیا، باقی رہی اس کی گواہی تو اس کی ایک گواہی حجت نہیں ہے، خاص طور پر جب اپنے ہی بارے میں دے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی معزول ہونے کے بعد ایک عام آدمی ہو گیا اب وہ قاضی نہیں رہا اس لئے جس طرح عام آدمیوں کی بات گواہی کے ذریعہ قبول کی جاتی ہے اسی طرح معزول قاضی کی بات بھی گواہی کے ذریعہ قبول کی جائے گی

وجہ :(۱) اس قول صحابی میں ہے کہ قاضی کے عہدے پر ہوتے ہوئے بھی ایک عام آدمی کی شہادت کی طرح ان کی شہادت ہے تو معزول ہونے کے بعد بدرجۂ اولی ایک عام آدمی کی طرح ہو جائے گا۔ قال عمرؓ لعبد الرحمن بن عوف لو رأيت رجلا على حد زنا او سرقة وانت امير ؟ فقال شهادتک شهادة رجل من المسلمين قال صدقت (بخاری شریف، باب الشهادة تكون عند الحاكم فی ولاية القضاء، ص۱۰۶۲، نمبر ۷۱۷۰)

ترجمہ :(۴۱۲) پس اگر بینہ قائم نہ ہو تو اس کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اس کے بارے میں منادی کرائے اور اس کے معاملے کے لئے غور کرے۔

ترجمہ :۱؎ کیونکہ معزول قاضی نے جو قید کیا ہے اس کی ایک ظاہری وجہ معلوم ہوتی ہے اس لئے رہا کرنے میں جلدی نہ کرے تا کہ غیر کا حق باطل نہ ہونے پائے۔

تشریح :کسی قیدی کے جرم کے سلسلے میں کوئی گواہ قائم نہیں ہوا تو اس کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا گواہ کہیں دور ہو۔ بلکہ اس کے بارے میں منادی کرائے اور اس کے معاملے کے واضح ہونے کا انتظار کرے۔ منادی کرنے اور انتظار کرنے کے بعد اگر واضح ہو جائے کہ یہ بری ہے تو چھوڑ دے اور جرم ثابت ہو جائے تو سزا عائد کرے۔

وجہ:معزول قاضی نے کسی کو قید کیا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ کوئی وجہ ضرور ہے تب ہی اس کو قید کیا ہے۔ اس لئے رہا کرنے میں جلدی نہ کرے۔

لغت:تخلیۃ : چھوڑنا، رہا کرنا۔ یستظہر : ظہر سے مشتق ہے، ظاہر ہونے کا انتظار کرنا۔

إبطال حق الغير.(۴۱۳) ويـنـظر في الودائع وارتفاع الوقوف فيعمل فيه على ما تقوم به البينة أو يعترف به من هو في يده ۱؎ لأن كل ذلک حجة. ۲؎ ولا يـقبل قول المعزول لما بينا إلا أن يعترف الـذي هو في يده أن المعزول سلمها إليه فيقبل قوله فيها لأنه ثبت بإقراره أن اليد كانت للقاضي

ترجمہ :(۴۱۳)اورغورکرےامانتوں میں اوروقف کی آمدنیوں میں اورعمل کرےاس کےمطابق جوبینہ قائم ہو یا جس کے ہاتھ میں ہو وہ اقرار کرے۔

ترجمہ :۱؎ یہ سب صورتیں فیصلے کی دلیل ہیں۔

تشریح :نئے قاضی کا کام یہ بھی ہے کہ رکھی ہوئی امانت کی چیزوں میں غور کرے کہ کس کی چیز ہے۔جس کے متعلق بینہ قائم ہوا امانت کا مال حقدار تک پہنچائے۔یا جس کے ہاتھ میں امانت ہو وہ اقرار کرے کہ یہ امانت فلاں کی ہے تو فلاں کو وہ امانت دلوائی جائے۔اسی طرح وقف کی آمدنی میں غور کرے کہ کتنی آمدنی آرہی ہے اور کہاں کہاں خرچ ہو رہی ہے۔اس سلسلے میں بھی جس بات پر بینہ قائم ہو اس کو پورا کرے۔یا جو اقرار کرے کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے اور فلاں کی ہے اسکے مطابق عمل کرے

وجہ :کوئی فیصلہ کرنے کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا اس پر بینہ قائم ہو یا قبضہ والا اس کا اقرار کرے کہ یہ فلاں کا ہے۔اس لئے انہیں دونوں صورتوں پر عمل کیا جائے گا۔

لغت:ودائع : ودیعۃ کی جمع ہے امانت۔ارتفاع : آمدنی،ارتفاع رفع سے مشتق ہے اٹھنا۔یہاں آمدنی مراد ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور نہیں قبول کیا جائے گا معزول کا قول مگر یہ کہ وہ اعتراف کرے جس کے قبضے میں ہے کہ معزول قاضی نے اس کے سپرد کیا تھا۔تو اس بارے میں قاضی کی بات مانی جائے گی۔اس لئے کہ قبضہ کرنے والے کے اقرار کے سے ثابت ہوا کہ پہلے معزول قاضی کے لئے امانت کا قبضہ تھا اس لئے قاضی کا اقرار صحیح ہوگا،اس لئے کہ گویا کہ ابھی بھی قاضی کے ہاتھ ہی میں ہے۔

تشریح :پہلے گزر چکا ہے کہ معزول قاضی ایک عام آدمی کی طرح ہو گیا ہے اس لئے اس کی بات اس وقت تک نہیں مانی جائے گی جب تک کہ قبضہ والا یہ نہ کہے کہ مجھے معزول قاضی نے یہ چیز امانت رکھنے کے لئے دی تھی۔

وجہ :جس کے پاس امانت رکھی ہے وہ یہ کہہ دے کہ یہ معزول قاضی نے امانت کے طور پر میرے پاس رکھی تھی تو یہی سمجھا جائے گا کہ معزول قاضی ابھی بھی اس کا امین ہے اور امین کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اس لئے معزول قاضی کی بات مان لی جائے گی کہ یہ چیز فلاں آدمی کی ہے۔

ترجمہ :۳؎ لیکن اگر پہلے دوسرے کے لئے اقرار کیا،پھر اقرار کیا کہ قاضی نے دیا تھا،تو اقرار کرنے والے کے ہاتھ میں

فيصح إقرار القاضي كأنه في يده في الحال ۲؎ إلا إذا بدأ بالإقرار لغيره ثم أقر بتسليم القاضي فيسلم ما في يده إلى المقر له الأول لسبق حقه ويضمن قيمته للقاضي بإقراره الثاني ويسلم إلى المقر له من جهة القاضي . (۴۱۴)قال ويجلس للحكم جلوسا ظاهرا في المسجد ۱؎ كي لا يشتبه مكانه على الغرباء وبعض المقيمين والمسجد الجامع أولى لأنه أشهر. ۲؎ وقال الشافعي

جو کچھ ہے وہ پہلے والے کے لئے ہوگا ، اس لئے کہ اس کا حق پہلے ہوگیا ، اور قاضی کے اقرار کرنے کی وجہ سے دوسرے والے کے لئے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور قاضی کی جانب سے دوسرے والے کو قیمت دی جائے گی۔

تشریح : یہاں الگ الگ دو آدمیوں کے لئے اقرار ہے ،[۱] جس آدمی کے ہاتھ میں امانت ہے وہ مثلا زید کے لئے اقرار کرتا ہے ، بعد میں معزول قاضی خالد کے لئے اقرار کرتا ہے ، تو چونکہ زید کے لئے اقرار پہلے ہے اس لئے یہ چیز زید کو ملے گی ، اور معزول قاضی کا اقرار بعد میں ہے اس لئے بعد والے کی اس کی قیمت دلوائی جائے گی ، اور اگر وہ مثلی چیز ہے ، مثلا گیہوں ہے تو گیہوں دلوادی جائے گی۔

ترجمہ : (۴۱۴) اور فیصلے کے لئے عام طور پر مسجد میں بیٹھے۔

ترجمہ : ۱؎ تا کہ آنے والے اجنبی آدمی پر قاضی مشتبہ نہ ہو جائے ، اور بعض مقیم آدمی کو بھی پتہ نہ چلے ، اور جامع مسجد اس کے لئے بہتر ہے اس لئے کہ وہ زیادہ مشہور ہے۔

تشریح : حاکم مسجد میں ایسی ظاہری جگہ پر فیصلے کے لئے بیٹھے جس سے ہر آنے والے کو پتا چل جائے کہ یہ قاضی صاحب بیٹھے ہیں۔ اور وہاں ہر شخص آسانی سے آسکے۔

وجہ : (۱) حضورؐ نے زنا کا فیصلہ مسجد میں کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ فیصلے کیلئے مسجد میں بیٹھ سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هریرةؓ قال: اتی رجل رسول الله ﷺ وهو فی المسجد فناداه فقال : یا رسول الله ! انی زنیت فاعرض عنه الخ** (بخاری شریف ، باب من حکم فی المسجد الخ ، ص ۱۲۳۴ ، نمبر ۷۱۶۷ / مسلم شریف ، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی ، ص ۷۵۰ ، نمبر ۱۶۹۲ / ۴۴۲۰) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن سهل اخی بنی ساعدة ان رجلا من الانصار جاء الی النبی ﷺ فقال ارأیت رجلا وجد مع امرأته رجلا ایقتله ؟ فتلاعنا فی المسجد وانا شاهد ۔** (بخاری شریف ، باب من قضی ولاعن فی المسجد ، ص ۱۲۳۴ ، نمبر ۷۱۶۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں فیصلہ کر سکتا ہے

ترجمہ : ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فیصلے کے لئے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے اس لئے کہ مشرک بھی حاضر ہوگا اور وہ ناپاک ہے ، اور حیض والی بھی حاضر ہوگی اور اس کا مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے۔

رحمه الله يكره الجلوس في المسجد للقضاء لأنه يحضره المشرک وهو نجس بالنص والحائض وهي ممنوعة عن دخوله. ٣؎ ولنا قوله عليه الصلاة والسلام إنما بنيت المساجد لذكر الله تعالى والحكم. وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفصل الخصومة في معتكفه وكذا

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں فیصلے کے لئے نہ بیٹھے۔

وجہ: (١) وہاں فیصلے کے لئے مشرک آئیں گے جو نجس ہیں وہ مسجد میں کیسے داخل ہوں گے۔ اس آیت میں ہے کہ مشرک نجس ہے۔ **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** (آیت ٢٨، سورۃ التوبۃ ٩) دوسری بات یہ ہے کہ حائضہ اور نفساء عورتیں فیصلے کے لئے آئیں گی جو مسجد میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے مسجد میں فیصلے کے لئے نہ بیٹھے۔

ترجمہ: ٣؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مسجد اللہ کے ذکر کے لئے اور فیصلے کے لئے بنائی گئی ہے، چنانچہ حضورؐ جھگڑوں کے فیصلے اعتکاف کی حالت میں کیا کرتے تھے، اور ایسے ہی خلفاء راشدین بھی جھگڑوں کے فیصلے کے لئے مسجدوں میں بیٹھا کرتے تھے۔

تشریح: حدیث میں یہ تو ہے کہ مسجد اللہ کے ذکر کے لئے ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ یہ فیصلے کے لئے بنائی گئی ہے، البتہ دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ مسجد میں فیصلہ کیا کرتے تھے دونوں قسم کی حدیثیں یہ ہیں۔

وجہ: (١) **عن ابی هریرة قال دخل اعرابی...... فقال ان هذا المسجد لا یبال فیه و انما بنی لذکر الله و للصلواة** ۔ (ابن ماجہ شریف، باب الارض یصیبها البول کیف تغسل، ص ٧٥، نمبر ٥٢٩) (٢) اور مسجد میں فیصلہ فرماتے تھے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن سهل اخی بنی ساعدة ان رجلا من الانصار جاء الی النبی ﷺ فقال أرأیت رجلا وجد مع امراته رجلا أیقتله؟ فتلاعنا فی المسجد و انا شاهد** ۔ (بخاری شریف، باب من قضی ولاعن فی المسجد، ص ١٢٣٤، نمبر ٧١٦٦) اس حدیث میں ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کرتے تھے۔ (٣) اور خلفاء راشدین مسجد میں فیصلہ کرتے تھے اس کے لئے یہ عمل صحابی ہے۔ **و لاعن عمر عند منبر النبی ﷺ و قضی شریح و الشعبی و یحی بن یعمر فی المسجد و قضی مروان علی زید بن ثابت بالیمن عند المنبر و کان الحسن وزرارة بن اوفی یقضیان فی الرحبة خارجا من المسجد** ۔ (بخاری شریف، باب من قضی ولاعن فی المسجد، ص ١٢٣٣، نمبر ٧١٦٥) اس قول صحابی میں ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کرتے تھے (٤) یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی جگہ بیٹھے جہاں ہر آدمی آسکے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **قال عمرو بن مرة لمعاویة انی سمعت رسول الله ﷺ یقول : ما من امام**

الخلفاء الراشدون كانوا يجلسون في المساجد لفصل الخصومات ۴ ولأن القضاء عبادة فيجوز إقامتها في المسجد كالصلاة. ۵ ونجاسة المشرك في اعتقاده لا في ظاهره فلا يمنع من دخوله ۶ والحائض تخبر بحالها فيخرج القاضي إليها أو إلى باب المسجد أو يبعث من يفصل

يغلق بابه دون ذوى الحاجة والخلة والمسكنة الا اغلق الله ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنته (ترمذی شریف، باب ما جاء فی امام الرعیة، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فیصلے چاہنے والوں کے لئے ظاہر مقام پر بیٹھے تا کہ فیصلہ چاہنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

ترجمہ :۴ اور اس لئے کہ قضا عبادت ہے اس لئے مسجد میں اس کا قائم کرنا جائز ہے، جیسے نماز مسجد میں جائز ہے۔

تشریح :واضح ہے

ترجمہ : ۵ مشرک کا ناپاک ہونا اس کے اعتقاد میں ہے ظاہر جسم پر نہیں ہے اس لئے مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا جائے گا۔

تشریح :یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ آیت میں جو نجس ہے وہ اعتقاد کے اعتبار سے نجس ہے ورنہ غسل کر لے تو جسم کے اعتبار سے پاک ہے اور اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

وجه :(۱) اس حدیث میں ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا ہے۔ انه سمع ابا هريرة قال بعث النبى ﷺ خيلا قبل نجد فجائت برجل من بنى حنيفة يقال له ثمامة بن اثال فربطوه بسارية من سوارى المسجدفخرج اليه النبى ﷺ فقال اطلقوا ثمامة (بخاری شریف، باب الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر ایضا فی المسجد، ص ۸۰، نمبر ۴۶۲) (۲) و كان شريح يأمر الغريم ان يحبس الى سارية المسجد۔ (بخاری شریف، باب الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر ایضا فی المسجد، ص ۸۰، نمبر ۴۶۲) اس عمل تابعی میں ہے کہ کافر کو مسجد میں قید رکھا کرتے تھے۔

ترجمہ:۶ اور حائضہ عورت قاضی کو اپنی مجبوری بتائے گی تو قاضی عورت کے پاس آجائے گا، یا مسجد کے دروازے تک آجائے گا، یا کسی کو بھیجے گا تا کہ عورت اور اس کے مدعی کے درمیان فیصلہ کر دے، جیسے جانور کے بارے میں جھگڑا ہو تو یہی کرتے ہیں۔

تشریح :یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ حائضہ عورت کو فیصلے کے لئے مسجد میں جانے کی ضرورت پڑے تو اس کی تین شکلیں ہیں [۱] خود قاضی مسجد سے نکل کر عورت کے پاس آجائے۔ [۲] قاضی مسجد کے دروازے تک آجائے اور وہاں اس کی شکایت سن کر فیصلہ کر دے [۳] کسی سمجھدار آدمی کو عورت کے پاس بھیجے اور وہ اس کی شکایت سن کر صحیح فیصلہ کر دے، اس لئے

بينها وبين خصمها كما إذا كانت الخصومة في الدابة. ۷ ولو جلس في داره لا بأس به ويأذن للناس بالدخول فيها ۸ ويجلس معه من كان يجلس قبل ذلك لأن في جلوسه وحده تهمة.

عورت کومسجد کے اندر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔،اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ جانور کا مسئلہ ہوتو وہ مسجد کے اندر نہیں جائے گا،لیکن اس کے لئے خود قاضی باہر آجائے گا، یا دوسرے کو بھیجے گا،اسی طرح حائضہ عورت کے بارے میں ہوگا۔

ترجمہ :۷ اور اگر قاضی فیصلے کے لئے اپنے گھر میں بیٹھا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے لیکن لوگوں کو گھر میں داخل ہونے کی عام اجازت دے دے۔

تشریح :واضح ہے۔

وجه :(۱)حدثنا انس بن مالکؓ قال بینما و النبی خارجان من المسجد فلقینا رجل عند سدة المسجد فقال یارسول الله متی الساعة ؟ قال النبی ﷺ ما عددت لها ؟ فکان الرجل استکان ثم قال یا رسول الله ما اعددت لها کبیر صیام و لا صلاة و لا صدقة و لکنی احب الله و رسوله قال انت مع من احببت ۔(بخاری شریف، باب القضاو الفتیا فی الطریق:ص۱۲۳۱،نمبر ۷۱۵۳)اس حدیث میں ہے کہ دروازے اور راستے میں فتوی دیا جاسکتا ہے۔(۲) و قضی یحی بن یعمر فی الطریق و قضی الشعبی علی باب داره ۔(بخاری شریف، باب القضاو الفتیا فی الطریق:ص۱۲۳۱،نمبر ۷۱۵۳)اس قول تابعی میں ہے کہ دروازے اور راستے میں فتوی دیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ :۸ اور قاضی کے ساتھ وہ لوگ بیٹھ سکتے ہیں جو پہلے بیٹھا کرتے تھے، کیونکہ اس میں کوئی تہمت نہیں ہے۔

تشریح :قاضی بننے سے پہلے جو لوگ بیٹھا کرتے تھے وہ لوگ قاضی بننے کے بعد بھی ب بیٹھ سکتے ہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ فیصلے کے وقت چند اہل علم قاضی کے ساتھ بیٹھے تا کہ اس پر رشوت لینے کی تہمت نہ لگے اور مشورہ کے ساتھ صحیح فیصلہ کر سکے،اسی لئے برطانیہ میں اہل علم کی ایک جماعت ہوتی ہے جنکے مشورے سے فیصلے کرتے ہیں اور واقعی انصاف کا فیصلہ کرتے ہیں[اس کو جوری، کہتے ہیں۔ مجھے خود اس کا تجربہ ہوا ہے۔

وجه :اس قول تابعی میں ہے کہ قاضی اہل علم کے ساتھ مشورہ کرنے والا ہو۔قال عمر بن عبد العزیز لا ینبغی ان یکون قاضیا حتی تکون فیه خمس آیتهن اخطاته کانت فیه خللا،یکون عالما بما کان قبله، مستشیرا لاهل العلم ملغیا للرثغ یعنی الطمع، حلیما عن الخصم، محتملا للائمة (مصنف عبدالرزاق، باب کیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن،ص۲۳۱،نمبر ۱۵۳۶۵)اس قول تابعی میں ہے کہ اہل علم سے مشورہ کرنے والا ہو۔

(۴۱۵) قال ولا يقبل هدية إلا من ذي رحم محرم أو ممن جرت عادته قبل القضاء بمهاداته لـ لأن الأول صلة الرحم والثاني ليس للقضاء بل جرى على العادة ۲ وفيما وراء ذلک يصير آكلا

ترجمہ :(۴۱۵)اور ہدیہ قبول نہ کرے مگر ذی رحم محرم سے یا جن کی قاضی بننے سے پہلے ہدیہ دینے کی عادت تھی۔

ترجمہ : لـ اس لئے کہ ذی رحم محرم سے ہدیہ قبول کرنا صلہ رحمی ہے،اور دوسرا یعنی جسکی عادت پہلے سے جاری ہے اس سے ہدیہ قبول کرنا فیصلے کے لئے نہیں ہے بلکہ عادت کے طور پر ہے۔

تشریح :ہدیہ میں رشوت کا بھی خطرہ ہے کہ ہدیہ دیکر غلط فیصلہ نہ کروالے۔اس لئے قاضی ذی رحم محرم سے ہدیہ قبول کرے یا قاضی بننے سے پہلے جن لوگوں کی عادت تھی کہ وہ ہدیہ دیا کرتے تھے انہیں لوگوں سے ہدیہ قبول کرے۔اور اس کا بھی خیال رکھے کہ وہ لوگ بھی کہیں رشوت کے لئے ہدیہ نہیں دے رہے ہوں۔اگر ایسا ہو تو ان کا ہدیہ بھی قبول نہ کرے۔

وجہ:(۱) ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شبہ ہو اس کو لینے سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اخبرنا ابو حميد الساعدى قال استعمل النبى ﷺ رجلا من بنى اسد يقال له ابن الاتبية على صدقة .فلما قدم قال : هذا لكم وهذا اهدى لى فقام النبى ﷺ على المنبر... ثم قال: ما بال العامل نبعثه فيأتى فيقول هذا لک وهذا لى؟ فهلا جلس فى بيت ابيه وامه فينظر ايهدى له ام لا؟ الخ ۔(بخاری شریف، باب ھدایا العمال،ص ۱۰۶۴،نمبر ۷۱۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمال اور قاضیوں کے لئے بے وقت ہدیہ لینا اچھا نہیں ہے۔(۲)اور رشوت کے طور پر لے تو حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عبد الله بن عمرو قال لعن رسول الله ﷺ الراشى والمرتشى (ابو داؤد شریف، باب فی کراہیۃ الرشوۃ،ص ۵۱۴،نمبر ۳۵۸۰ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم،ص ۳۲۳، نمبر ۱۳۳۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت لینا حرام ہے۔

اور جہاں رشوت کا خطرہ نہ ہو اس سے ہدیہ قبول کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة ان الناس كانوا يتحرون بهداياهم يوم عائشة يبتغون بها او يبتغون بذلک مرضاة رسول الله. (بخاری شریف، باب قبول الہدیۃ، ص ۴۱۶،نمبر ۲۵۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قریب والوں سے اور جنکی عادت پہلے سے ہدیہ دینے کی ہے اس کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے

لغت: مھادات : ہدیہ سے مشتق ہے، ہدیہ دینا۔یتحاماہ: حمی سے مشتق ہے، پرہیز کرنا۔

ترجمہ : ۲ اور ان تین کے علاوہ جو لوگ بھی ہیں وہ فیصلے کے لئے کھلانے والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ رشتہ دار کا کوئی فیصلہ کرنا ہو تو اس کا ہدیہ قبول نہ کرے، ایسے ہی جتنی عادت تھی اس سے زیادہ ہدیہ دیا، یا اس کا کوئی فیصلہ قضا میں تھا تو اس کا

بقضائه حتى لو كانت للقريب خصومة لا يقبل هديته وكذا إذا زاد المهدي على المعتاد أو كانت له خصومة لأنه لأجل القضاء فيتحاماه. ٣ ولا يحضر دعوة إلا أن تكون عامة لأن الخاصة لأجل القضاء فيتهم بالإجابة بخلاف العامة ٤ ويدخل في هذا الجواب قريبه وهو قولهما. وعن محمد رحمه الله أنه يجيبه وإن كانت خاصة كالهدية ٥ والخاصة ما لو علم المضيف أن

ہدیہ قبول نہ کرے] اس لئے کہ یہ فیصلہ کروانے والے کے لئے ہے اس لئے اس سے بچے۔

ترجمه : ٣ اور دعوت میں حاضر نہ ہو مگر یہ کہ عام ہو، اس لئے کہ خاص دعوت فیصلے کے لئے ہوتی ہے اس لئے قاضی کے قبول کرنے سے متہم ہوسکتا ہے، بخلاف عام دعوت کے [اس لئے کہ اس میں اتہام نہیں ہے۔]

تشریح : خاص طور پر قاضی صاحب کے لئے ہی دعوت کا کھانا بنایا گیا ہو تو ہوسکتا ہے کہ قاضی صاحب کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کھانا بنایا ہو۔ اس لئے خاص دعوت میں نہ جائیں۔ البتہ سبھی کی عام دعوت ہو اس میں قاضی کی بھی دعوت ہو تو جا سکتا ہے۔

وجه : (١) حدیث میں ہے۔ قال البراء بن عازبؓ امرنا النبی ﷺ بسبع ونهانا عن سبع، امرنا بعيادة المريض واتباع الجنازة وتشميت العاطس وابرار المقسم ونصر المظلوم وافشاء السلام واجابة الداعی۔ (٢) دوسری حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال اذا دعی احدکم الی الوليمة فليأتها (بخاری شریف، باب حق اجابۃ الولیمۃ والدعوۃ ومن اولم سبعۃ ایام ونحوہ، ص ٩٢٤، نمبر ٥١٧٣/٥١٧٥/ مسلم شریف، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، ص ٩٦٢، نمبر ٥٦٥٠/٢١٦٢) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام دعوت جیسے ولیمہ وغیرہ میں قاضی کیلئے شرکت کرنا جائز ہے

ترجمه : ٤ اس جواب میں قریبی رشتہ دار بھی داخل ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے [کہ اس کی خصوصی دعوت میں شریک نہ ہو] لیکن امام محمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ رشتہ دار کی خصوصی دعوت قبول کرسکتا ہے، جیسے کہ اس کا ہدیہ قبول کرسکتا ہے۔

تشریح : اوپر آیا کہ قاضی خصوصی دعوتوں میں شریک نہ ہو چنانچہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قریبی رشتہ دار کے خصوصی دعوت میں بھی شریک نہ ہو، کیونکہ رشوت کا اتہام ہے، لیکم امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ رشتہ دار کی خصوصی دعوت میں شریک ہوسکتا ہے، جس طرح اس کا ہدیہ قبول کرسکتا ہے۔ یجیبہ : دعوت قبول کرنا، جواب دینا۔

ترجمه : ٥ اور خاص دعوت یہ ہے کہ میزبانی کرنے والا یہ جان لے کہ قاضی نہیں آئے گا تو دعوت ہی نہیں بنائے گا۔

تشریح : واضح۔

القاضي لا يحضرها لا يتخذها.(۴۱۶) قال ويشهد الجنازة ويعود المريض لأن ذلك من حقوق المسلمين قال عليه الصلاة والسلام للمسلم على المسلم ستة حقوق وعد منها هذين.(۴۱۷) ولا يضيف أحد الخصمين دون خصمه لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن

ترجمہ :(۴۱۶)جنازے میں حاضر ہواور بیمار کی عیادت کرے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے حقوق ہیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا مسلمان پر چھ حق ہیں ان میں سے جنازہ میں حاضری اور بیمار پرسی کو گنایا۔

تشریح : جنازے میں شرکت کرنے اور بیمار کی عیادت کرنے میں رشوت کا خطرہ نہیں ہے بلکہ یہ انسانی حقوق ہیں اور حدیث کے اعتبار سے ضروری ہیں اس لئے یہ سب قاضی کریں گے۔

وجہ : اس حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ مریض کی عیادت کرے اور جنازے میں شرکت کرے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **قال البراء بن عازبؓ امرنا النبی ﷺ بسبع ونهانا عن سبع، امرنا بعيادة المريض واتباع الجنازة وتشميت العاطس وابرار المقسم ونصر المظلوم وافشاء السلام واجابة الداعی۔** (بخاری شریف، باب حق اجابة الوليمة والدعوة ومن اولم سبعة ايام ونحوه، ص۹۲۴، نمبر ۵۱۷۵ رمسلم شریف، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، ص۹۶۲، نمبر ۲۱۶۲ / ۵۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں شرکت کرے اور بیماروں کی عیادت کرے۔

ترجمہ :(۴۱۷)اور نہ مہمان نوازی کرے خصمین میں تنہا ایک کی۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے، اور اس لئے بھی اس صورت میں ایک طرفہ فیصلہ کرنے کی تہمت ہے

اصول : یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ جہاں رشوت کا خطرہ ہو ایک طرف میلان کا خطرہ ہو قاضی وہاں شرکت نہ کرے۔

تشریح : قاضی کے پاس دو آدمیوں کا مقدمہ چل رہا ہو تو ان میں سے ایک کی دعوت کرے اور ایک کی نہ کرے ایسا نہ کرے۔ دعوت کرے تو دونوں کی کرے۔

وجہ :(۱) ایک کی طرف میلان سے شبہ ہوتا ہے کہ فیصلہ میں اس کی رعایت کی جائے گی۔ اس لئے ایک کی دعوت کرنا اچھا نہیں (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ام سلمةؓ قالت قال رسول الله ﷺ من ابتلی بالقضاء بين الناس فليعدل بينهم فی لحظه و اشارته ومقعده** (دار قطنی، کتاب فی الاقضیة والاحکام، ج رابع، ص۱۳۱، نمبر ۴۴۲۰ رسنن للبیہقی، باب انصاف الخصمین فی المدخل علیہ والاستماع منهما حجتہ وحسن الاقبال علیهما، ج عاشر، ص۲۲۸، نمبر ۲۰۴۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں خصمین کے درمیان لحظے میں۔ اشارے اور بٹھانے میں برابری کرے (۳) حدیث میں ہے۔ **عن عبد**

ذلک ولأن فيه تهمة.(۴۱۸) قال وإذا حضرا سوى بينهما في الجلوس والإقبال لقوله عليه الصلاة والسلام إذا ابتلي أحدكم بالقضاء فليسو بينهم في المجلس والإشارة والنظر(۴۱۹) ولا يسار أحدهما ولا يشير إليه ولا يلقنه حجة للتهمة ولأن فيه مكسرة لقلب الآخر فيترک

الله بن الزبير قال: قضى رسول الله ﷺ ان الخصمين يقعد ان بين يدى الحكم (ابوداؤدشریف، باب کیف تجلس بين يدى القاضی،ص۵۱۵،نمبر۳۵۸۸)اس حدیث میں ہے کہ دونوں خصموں کو برابر بٹھائے جس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک کو ترجیح نہ دے(۴)حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ عن الحسن قال نزل على عليؓ رجل وهو بالكوفة ثم قدم خصما له فقال له عليؓ اخصم انت؟ قال نعم ،قال فتحول فان رسول الله ﷺ نهانا ان نضيف الخصم الا وخصمه معه (سنن للبیہقی ،باب لاینبغی للقاضی ان یضیف الخصم الا وخصمہ معہ، ج عاشر،ص۲۳۲،نمبر۲۰۴۷۰رمصنف عبدالرزاق، باب عدل القاضی فی مجلسہ، ج ثامن،ص۲۳۲،نمبر۱۵۳۷۰)اس حدیث میں صاف ہے کہ ایک خصم کی دعوت نہ کرے۔

ترجمه :(۴۱۸) پس جب دونوں حاضر ہوں تو برابری کرے بیٹھنے میں،متوجہ کرنے میں

ترجمه :۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ تم میں سے کوئی ایک قاضی ہونے میں مبتلا ہو تو مجلس میں سب کو برابر رکھے،اور اشارہ کرنے میں اور دیکھنے میں بھی برابر رکھے۔

وجه : (۱)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن الزبير قال: قضى رسول الله ﷺ ان الخصمين يقعد ان بين يدى الحكم (ابوداؤدشریف، باب کیف تجلس بين يدى القاضی،ص۵۱۵،نمبر۳۵۸۸)اس حدیث میں ہے کہ دونوں خصموں کو برابر بٹھائے جس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک کو ترجیح نہ دے۔

لغت :یسوی:سوی سے مشتق ہے برابر رکھنا۔النظر :دیکھنا۔

ترجمه :(۴۱۹)اور سرگوشی نہ کرے کسی ایک سے اور نہ اس کی طرف اشارہ کرے،نہ کوئی حجت سکھائے۔

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ اس میں دوسرے کا دل ٹوٹے گا،اور اس کا حق چھوٹ جائے گا۔

تشریح : دونوں مدعی اور مدعی علیہ قاضی کے پاس حاضر ہوں تو قاضی کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے محسوس ہو کہ یہ کسی ایک کی طرف مائل ہے۔اس لئے دونوں کو برابر درجے میں بٹھائے۔دونوں کی طرف برابر درجے میں متوجہ ہو۔کسی ایک سے چپکے چپکے بات نہ کرے۔کسی ایک کی طرف اشارہ نہ کرے۔کسی ایک کو بچنے کی دلیل نہ بتائے۔

وجه :(۱) کیونکہ اس طرح انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہو سکے گا(۲)۔عن ام سلمةؓ قالت قال رسول الله ﷺ من

حقه(۴۲۰) ولا يضحک في وجه أحدهما[لأنـه يجترء على خصمه] ولا يمازحهم ولا واحدا منهم[لأنـه يذهب بمهابة القضاء. (۴۲۱)قال ويكره تلقين الشاهد[ومعناه أن يقول له أتشهد بـكـذا وكـذا وهـذا لأنه إعانة لأحد الخصمين فيكره كتلقين الخصم. ۲ واستـحسنه أبو يوسف

ابتـلـى بالقضاء بين الناس فليعدل بينهم فى لحظه و اشارته ومقعده (دارقطنی، کتاب فی الاقضیة والاحکام، ج رابع، ص ۱۳۱، نمبر ۴۴۲۰؍سنن للبیہقی، باب انصاف الخصمین فی المدخل علیہ والاستماع منھما حجتہ وحسن الاقبال علیھما، ج عاشر، ص ۲۲۸، نمبر ۲۰۴۵۷)(۲) اس حدیث میں ہے کی دونوں کے ساتھ برابر کا معاملہ کرے۔

لغت:۔ لایسار : سر سے مشتق ہے، سرگوشی نہ کرے۔ ولایلقنہ : تلقین سے مشتق ہے، کسی چیز کو بتانا، دلائل سمجھانا۔

ترجمہ :(۴۲۰) دو خصم میں سے ایک سے ہنسی نہ کرے کیونکہ وہ اپنے خصم پر دلیر ہو جائے گا اور نہ دونوں ہنسی مذاق کرے اور نہ ایک سے ہنسی مذاق کرے۔

ترجمہ :۱ کیونکہ اس سے قاضی کا رعب ختم ہو جائے گا۔

وجہ:اس حدیث میں ہے۔**عـن ام سلمة قالت قال رسول الله ﷺ من ابتلى بالقضاء بين الناس فلا يرفعن صـوتـه عـلـى احد الخصمين ما لا يرفع على الآخر** ۔(سنن للبیہقی، باب انصاف الخصمین فی المدخل علیہ والاستماع منھما حجتہ وحسن الاقبال علیھما، ج عاشر، ص ۲۲۸، نمبر ۲۰۴۵۶)اس حدیث میں ہے ایک خصم سے زیادہ باتیں نہ کرے۔

لغت:یجتری: جرأت نہ کرے۔ مازح: باب مفاعلت سے ہے، ہنسی مذاق کرنا۔ مہابۃ: رعب۔

ترجمہ :(۴۲۱) گواہ کو تلقین کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ ۱ اس کا معنی یہ ہے کہ گواہ سے کہے کہ اس طرح گواہی دو، یا اس طرح گواہی دو، اس لئے کہ اس میں ایک خصم کی مدد کرنا ہے اس لئے مکروہ ہوگا، جیسے خود خصم کو تلقین کرے تو مکروہ ہے۔

تشریح : قاضی گواہ سے یوں کہے کہ اس طرح گواہی دو، یو خود مدعی یا مدعی علیہ سے یہ کہے کہ اس طرح دعوی دائر کرو تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ :(۱) کیونکہ اس میں ایک فریق کی مدد کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔(۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔**عـن ابـن عـمـر عـن النبی ﷺ بمعناه قال و من اعان على خصومة بظلم فقد بأ بغضب من الله عز وجل** (ابوداود شریف، باب الرجل یعین علی خصومۃ من غیر ان یعلم امرھا، ص ۶۱۶، نمبر ۳۵۹۷)اس میں ہے کہ ظلم پر اعانت کرے تو اللہ کا غضب اس پر اترے گا

رحمه الله في غير موضع التهمة لأن الشاهد قد يحصر لمهابة المجلس فكان تلقينه إحياء للحق ۳؎ بمنزلة الإشخاص و التكفيل.

ترجمه :۲؎ جہاں غلط مدد کرنے کی تہمت نہ ہوتو وہاں امام ابو یوسفؒ نے گواہ کوتلقین کرنے کواچھا سمجھا ہے، کیونکہ گواہ کبھی عدالت کی ہیبت سے رک جاتا ہے تو اس کوتلقین کرنا حق کوزندہ کرنا ہے۔

تشریح :جہاں کسی کا حق نہیں مارا جاتا ہو بلکہ تلقین کرنے سے اس کا حق زندہ ہوتا ہوتو وہاں گواہ کوتلقین کرنا حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مستحسن ہے۔

وجه : اس حدیث میں حضور نے خود مجرم کوتلقین کی ہے کہ کہیں ایسا تونہیں ہے کہ آپ نے چوری نہیں کی ہے پھر بھی چوری سمجھ کراس کا اقرار کررہے ہیں۔ عن ابی امیة المخزومی ان النبی ﷺ اتی بلص قد اعترف اعترافا و لم یوجد معه متاع فقال رسول الله ﷺ ما اخالک سرقت ؟ قال بلی فأعاد علیه مرتین او ثلاثا فامر به فقطع ۔(ابوداودشریف، باب فی التلقین فی الحد۔(ابوداودشریف، باب التلقین فی الحد،ص ۶۱۶ ،نمبر ۴۳۸۰)اس حدیث میں حضورﷺ نے تلقین کی ہے مگر خصم کومجبور کرنے کے لئے نہیں بلکہ تحقیق حال کے لئے کی ہے۔

ترجمه :۳؎ جیسے کسی فریق کو بلانے کو بھیجنا، یا کسی فریق سے کفیل لینا۔

تشریح : مدعی، یا مدعی علیہ کو بلانے کے لئے بھیجنا تا کہ جلد فیصلہ کیا جا سکے، یہ مستحسن ہے، اسی طرح دونوں میں سے ایک سے کفیل لینا، مستحسن ہے، اسی طرح حق زندہ کرنے کے لئے گواہ کی صحیح تلقین کرنا بھی حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مستحسن ہے، ہاں ظلم کرنے کے لئے ایسا کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

﴿فصل في الحبس﴾

(۴۲۲)قال وإذا ثبت الحق عند القاضي وطلب صاحب الحق حبس غريمه لم يعجل بحبسه وأمره بدفع ما عليه ۱؎ لأن الحبس جزاء المماطلة فلا بد من ظهورها ۲؎ وهذا إذا ثبت الحق

﴿فصل فی الحبس﴾

ضروری نوٹ : فیصلے سے پہلے مجرم کے حالات کی تحقیق کے لئے جو قید کیا جاتا ہے اس کو حبس، کہتے ہیں۔اور فیصلے کے بعد جو قید کیا جاتا ہے اس کو جیل، اور سجن کہا جاتا ہے۔ یہاں کی بحث فیصلے سے پہلے حالات کی تحقیق کے لئے ہے۔

ترجمہ :(۴۲۲) جب ان کے نزدیک حق ثابت ہو جائے اور حق والا قرض خواہ کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو اس کو قید کرنے میں جلدی نہ کرے۔اور اس کو حکم دے ادا کرنے کا جو اس پر ہے۔

ترجمہ :۱؎ کیونکہ حبس ٹال مٹول کرنے کی سزا ہے تو ٹال مٹول کا ظاہر ہونا بھی ضروری ہے تب حبس کیا جا سکتا ہے۔

تشریح :اقرار کے ذریعہ ثابت ہو گیا کہ مدعی علیہ پر حق ہے۔اور مدعی درخواست کرتا ہے کہ فورا مدعی علیہ کو قید کیا جائے تو قاضی کو چاہئے کہ فورا اس کو قید نہ کرے بلکہ اس کو حکم دے کہ تم مدعی کا حق ادا کرو۔ اگر وہ ادا نہ کرے اور بغیر کسی عذر کے ٹال مٹول کرے تب قاضی کو اختیار ہے کہ اس کو قید کرے۔

وجہ :(۱) قید کرنا ٹال مٹول کی سزا ہے۔اور اقرار کرنے والا خود اقرار کرتا ہے کہ اتنی چیز میرے اوپر لازم ہے۔اس لئے ممکن ہے کہ رقم ساتھ نہ لایا ہو اس لئے ابھی اس کا ٹال مٹول ظاہر نہیں ہوا۔اس لئے ابھی قید نہ کرے۔اتنی مہلت ضرور دے جس میں گھر جا کر وہ چیز لا کر مدعی کے حوالے کر سکے۔ٹال مٹال ظاہر ہو تب ہی قید کرے (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عمر بن الشريد عن ابيه عن رسول الله ﷺ قال: لى الواجد يحل عرضه وعقوبته،قال ابن المبارک يحل عرضه يغلظ له وعقوبته يحبس له**۔(۳) دوسری رویت میں ہے۔**عن بهر بن حكيم عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ حبس رجلا فى تهمته**۔(ابوداؤد شریف، باب فی الدین ھل یحبس بہ،ص ۵۲۱،نمبر ۳۶۲۸ ۳۶۳۰/ بخاری شریف، باب لصاحب الحق مقال،ص ۳۸۵،نمبر ۲۴۰۱، کتاب الاستقراض/النسائی شریف، باب مطل الغنی،ص ۶۴۵، نمبر ۴۶۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹال مٹول کرے تو اس کو حبس یعنی قید کیا جا سکتا ہے۔(۴) اگر واقعی مجبور ہو تو مال پانے تک اس کو مہلت دینی چاہئے اس کے لئے یہ آیت ہے **و ان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة و ان تصدقوا خير لكم ان كنتم تعلمون** (آیت ۲۸۰،سورت البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ تنگدست ہو تو اس کو مال پانے تک مہلت دو۔

بإقراره لأنه لم يعرف كونه مماطلا في أول الوهلة فلعله طمع في الإمهال فلم يستصحب المال فإذا امتنع بعد ذلک حبسه لظهور مطله أما إذا ثبت بالبينة حبسه كما ثبت لظهور المطل بإنكاره.(۴۲۳)قال فإن امتنع حبسه في كل دين لزمه بدلا عن مال حصل في يده كثمن المبيع

لغت :حدیث میں لیُّ الواجد: کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کی چیز تھی اس کو پالیا، پھر بھی دینے والا اس کے دینے میں ٹال مٹول کر رہا ہے تو اس کی عزت بھی حلال ہے، اور اس پر سزا دینا بھی حلال ہے۔ مماطلة :مطل سے مشتق ہے، رسی تاننا، یہاں مراد ہے ٹال مٹول کرنا۔

ترجمہ : ۲؎ دیر سے حبس کرنا جب ہے کہ مجرم کے اقرار سے حق ثابت ہوا ہو اس لئے کہ ابھی فوری طور پر یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ ٹال مٹول کر رہا ہے اس لئے کہ اقرار کرنے والے کو کچھ امید ہوگی کہ کچھ مہلت ملے گی، اس لئے مال ساتھ نہیں لایا، ہاں اس کے بعد دینے سے رکا تو اس کو حبس کرے گا، کیونکہ ٹال مٹول کرنا ظاہر ہو گیا۔ بہر حال جبکہ گواہوں کے ذریعہ جرم ثابت ہوا تو تو اسی وقت حبس کرے گا اس لئے کہ اس کے انکار کرنے کی وجہ سے ٹال مٹول ظاہر ہو گیا۔

تشریح :جرم ثابت ہونے کے دو طریقے ہیں [۱] ایک یہ ہے کہ مجرم نے خود اقرار کیا کہ میرے او پر زید کا ایک ہزار درہم ہے، اس صورت میں حاکم کہے گا کہ اسکو ادا کرو اور کچھ دنوں کے لئے مہلت دے گا، اس وقت پر ادا نہ کرے تب جا کر اسکو حبس کیا جائے گا

وجہ :ہوسکتا ہے کہ اقرار کرنے کے بعد اس کو اندازہ ہو کہ مجھے مہینے کی مہلت ملے گی اس لئے رقم ساتھ نہیں لایا اس لئے ابھی ٹال مٹول کرنا ظاہر نہیں ہوا اس لئے اس کو ابھی حبس نہیں کیا جائے گا۔ [۲] دوسری صورت یہ ہے کہ مجرم ہزار کا انکار کرتا رہا، لیکن گواہوں کے ذریعہ ہزار ثابت کر دیا تو اسی وقت اس کا ٹال مٹول ظاہر ہو گیا اس لئے قاضی مناسب سمجھے گا تو اسی وقت حبس کر دے گا۔ اس کے لئے حدیث او پر گزر گئی ہے۔

ترجمہ :(۴۲۳) اگر حق دینے سے رک گیا تو جس دین کے بدلے میں مال حاصل ہوا ہے اس میں قید کیا جائے گا جیسے مبیع کی قیمت [نہ دینے میں قید کیا جائے گا] یا کسی عقد کے ذریعہ سے اس کو اپنے او پر لازم کیا ہے جیسے مہر اور کفالہ تو اس میں قید کیا جائے گا۔

اصول :جن صورتوں میں مال ہونے کے باوجود ٹال مٹول ظاہر ہوگا ان صورتوں میں قید کیا جائے گا، اور جن صورتوں میں ٹال مٹول کا اظہار نہیں ہوگا ان میں قید نہیں کیا جائے گا۔ اس کے لئے او پر کی حدیث گزر گئی ہے۔

تشریح :یہاں لمبی بحث ہے اور حقوق کی چھ قسمیں ہیں ہر ایک کی بحث مختصر سن لیں

أو التزمه بعقد كالمهر والكفالة

[۱]......مبیع کے بدلے میں قرض آیا ہو تو چونکہ اس کے پاس مبیع موجود ہے اس کو بیچ کر قرض ادا کر سکتا ہے اس لئے قاضی فوری طور پر قید کرے گا۔

[۲]......نکاح اور مہر معجّل کے بدلے میں قرض آیا ہے تو نکاح کا اقدام دلیل ہے رقم ہونے کی اس لئے ٹال مٹول کرنے پر قید کرے گا

[۳]......اپنے اختیار سے قرض ادا کرنے کا کفیل ہے تو اختیار سے کفیل بننا مال ہونے کی دلیل اس لئے قید کرے گا۔

[۴]...... ہاتھ کاٹنے، یا دیت کی وجہ سے اس پر قرض آ گیا، تو چونکہ اس کے پس مال نہیں آیا ہے اور نہ مال کا اظہار معلوم ہوتا ہے اس لئے جب تک مدعی گواہ کے ذریعہ یہ ثابت نہیں کرے گا کہ اس کے پاس دینے کے لئے مال ہے، قاضی اس کو قید نہیں کرے گا۔ کیونکہ لیُّ الواجد نہیں پایا گیا۔ اس لمبی بحث کی یہ تفصیل ہے۔

[۵]...... بیوی کا نفقہ یہ صلہ رحمی ہے، یہ قرض نہیں ہے اس لئے اس میں قید نہیں کیا جائے گا۔

[۶]......مشترک غلام کو آزاد کیا پس اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو غلام کے باقی کے حصے کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، یہ قرض بھی صلہ رحمی ہے اس لئے اس میں بھی آقا کو قید نہیں کیا جائے گا۔

وجہ :(۱) اس کے ہاتھ میں بدل آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عوض دے سکتا ہے تب ہی تو اس نے مثلا مبیع خریدا، قرض لیا یا شادی کی (۲) اوپر جو حدیث گزری۔ (**لیُّ الواجد یحل عرضه وعقوبته**) اس میں فرمایا کہ مال پانے والے کے ٹال مٹول کی سزا یہ ہے کہ اس کی عزت بھی حلال ہے یعنی برا بھلا کہہ سکتے ہو اور اس کی سزا بھی حلال ہے یعنی حبس کر سکتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مال پانے والا ہو تو اس کو قید کر سکتے ہو۔

اور اگر ابھی فوری طور پر مال نہیں ملا ہے مثلا کسی کا ہاتھ کاٹا جس کی دیت ایک ہزار درہم دینے ہے تو ہاتھ کے بدلے میں قاطع کو بھی کچھ نہیں ملا ہے تو یہ ابھی مال کا پانے والا نہیں ہے اس لئے اس کو ابھی حبس نہیں کریں گے بلکہ تحقیق کے بعد معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس دیت ادا کرنے کے لئے مال ہے پھر بھی ٹال مٹول کر رہا ہے تب حبس کریں گے (۲) اس قول صحابی میں ہے۔

عن جابر عن الشعبی قال: الحبس فی الدین حیاة قال وقال جابر كان علیؓ یحبس فی الدین (مصنف عبد الرزاق، باب الحبس فی الدین، ج ثامن، ص ۲۳۶، نمبر ۱۵۳۹۱) اس اثر میں ہے کہ دین میں اور قرض میں حبس فرماتے تھے۔ اور اسی میں وہ تمام صورتیں داخل ہوں گی جس میں مدعی علیہ کو بدلہ مل گیا ہو۔

لغت: حبس : قید کرے، حبس کرے۔ غریم : مقروض۔

۱؎ لأنـه إذا حـصـل الـمـال في يده ثبت غناه به وإقدامه على التزامه باختياره دليل يساره إذ هو لا يـلتزم إلا ما يقدر على أدائه ۲؎ والـمراد بالمهر معجله دون مؤجله. (۴۲۴)قال ولا يحبسه فيما سوى ذلک إذا قـال إني فقير إلا أن يثبت غريمه أن له مالا فيحبسه۱؎ لأنه لم توجد دلالة اليسار

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ اگر اس کے ہاتھ میں مال حاصل ہوا ہے تو اس کی مالداری حاصل ہوگئی ہے [اس لئے قید کیا جانا چاہئے] یا اپنے اوپر اپنے اختیار سے مال لازم کرنے کا التزام کیا تو یہ دلیل ہے کہ وہ مالدار ہے اس لئے کہ اس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہوتا تو اپنے اوپر لازم نہ کرتا۔

تشریح : یہاں دو صورتیں بیان کی ہیں [۱]......اذا حصل الخ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مشتری کے ہاتھ میں مبیع آئی تو اس کی مالداری ثابت ہوگئی، وہ اس کو بیچ کر قیمت ادا کرسکتا ہے، پھر بھی ٹال مٹول کر رہا ہے اس لئے اس کو قید کیا جائے گا۔ [۲]......اور اقدامہ علی التزامہ، الخ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اپنے اختیار سے کسی کے مال ادا کرنے کا کفیل بنا تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے تب ہی تو کفیل بنا پھر بھی نہیں دیتا ہے تو اب یہ ٹال مٹول ہے۔ یا اپنے اختیار سے مہر معجّل [جلدی مہر] پر نکاح کیا تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے پھر بھی نہیں دیتا ہے تو یہ ٹال مٹول ہے اس لئے اب اس کو قید کیا جائے گا۔

لغت :غناوہ: اس کی مالداری۔ یسارہ :یسر سے مشتق ہے، اس کی مالداری۔

ترجمہ :۲؎ مہر سے مراد مہر معجّل ہے، مہر مؤخر نہیں ہے۔

تشریح: متین میں جو آیا کہ مہر میں قید کیا جائے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ جلدی دینے والے مہر کے بدلے میں نکاح کیا تھا اور اب ٹال مٹول کر رہا ہے تو قید کیا جائے گا۔ اور اگر تاخیر والے مہر کے ساتھ نکاح کیا تھا اور ابھی نہیں دے رہا ہے تو ابھی قید نہیں کیا جائے گا، کیونکہ خود بیوی نے مانا تھا کہ تاخیر کے ساتھ مہر دینا، ہاں مہر موخر ادا کرنے کا قاضی نے ایک وقت دیا اس میں بھی ادا نہیں کیا تو اب ٹال مٹول ثابت ہوا تو اب قید کیا جائے گا۔

ترجمہ :(۴۲۴) اور اس کو اس کے علاوہ میں قید نہ کرے اگر وہ کہے کہ میں فقیر ہوں، مگر یہ کہ قرض دینے والا یہ ثابت کر دے کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح :ایسے حقوق جس میں مدعی علیہ کے پاس اس کا بدل ہاتھ میں نہ آیا ہو جیسے جنایت کی دیت، مثلا کسی کا ہاتھ کاٹ دیا اس کے بدلے میں ایک ہزار درہم دینا ہے تو اس صورت میں مجرم کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا صرف جرم کی وجہ سے ایک ہزار درہم دینا پڑ رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر مدعی گواہ کے ذریعہ ثابت کر دے کہ اس کے پاس دیت ادا کرنے کے لئے مال ہے تب تو

فيكون القول قول من عليه الدين وعلى المدعي إثبات غناه ٢ ويروى أن القول لمن عليه الدين

حبس کیا جائے گا۔اور یہ ثابت نہ کر سکے تو حبس نہیں کیا جائے گا۔

وجہ:(۱) چونکہ مدعی علیہ کے ہاتھ میں بدلے میں مال نہیں آیا ہے اسلئے اسکے مالدار ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے فوری طور پر قید بھی نہیں کیا جائے گا (۲) اس صحابی کے قول میں ہے۔ وقال جابر کان علیؓ یحبس فی الدین (مصنف عبد الرزاق، باب الحبس فی الدین، ج ثامن، ص ۲۳۶، نمبر ۱۵۳۹۱) اس قول صحابی میں ہے کہ دین میں اور قرض میں حبس فرماتے تھے (۳) اور اوپر کی حدیث، لّي الواجد یحل عرضه وعقوبته (ابوداؤد شریف، باب فی الدین ھل یحبس بہ، ص ۵۲۱، نمبر ۳۶۲۸) حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس مال ہو اس کی سزا حلال ہے یعنی قید کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ چونکہ ابھی مال نہیں پا رہا ہے اسلئے فوری طور پر اس کو قید کرنا اچھا نہیں ہے جب تک گواہ کے ذریعہ اس کی مالداری ثابت نہ ہو جائے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ مال پائے جانے کی دلیل نہیں پائی گئی اس لئے اس کی بات مانی جائے گی جس پر قرض ہے، اور جو مال ہونے کا دعوی کرتا ہے اس پر اس کی مالداری ثابت کرنا ہوگا۔

تشریح: مبیع وغیرہ کے علاوہ کے بارے میں جلدی قید نہ کرنے کی یہ یہ دلیل عقلی ہے، کہ مثلا ہاتھ کاٹنے کی دیت ایک ہزار درہم واجب ہے تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس آدمی کے پاس ایک ہزار درہم موجود ہو، اس لئے یا تو مدعی گواہ سے ثابت کرے کے ہاتھ کاٹنے والے کے پاس مال ہے، اور گواہ کے ذریعہ ثابت نہیں کر سکتا تو پھر مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مان لے، کیونکہ مبیع وغیرہ کوئی ایسی چیز اس کے پاس نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے کہا جا سکے کہ اس کے پاس مال ہے۔

ترجمہ: ۲ دوسری روایت یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں جس پر قرض ہے اسی کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ آدمی تنگدست ہوتا ہے۔

تشریح: دوسری روایت یہ ہے کہ چاہے اس کے ہاتھ میں مبیع آئی ہو، یا دیت جیسے رقم کا قرض ہو جب تک مدعی گواہ کے ذریعہ یہ ثابت نہ کر دے کے اس کے پاس دینے کے مال ہیں اس کو قید نہیں کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ آدمی فطری طور پر بے مال کا پیدا ہوا ہے اس لئے مال ثابت کرنے کے لئے گواہ چاہئے۔ (۲) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ ووجدک عائلا فأغنی. (آیت ۸، سورت الضحیٰ ۹۳) اس آیت میں ہے حضور مالدار نہیں تھے بعد میں مال دیا۔ (۳) اس آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے و ان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة و ان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (آیت ۲۸۰، سورت البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ تنگدست ہو تو اس کو مال پانے تک مہلت دو۔

في جميع ذلک لأن الأصل هو العسرة. ۳؎ویروی أن القول له إلا فیما بدله مال.۴؎ وفي النفقة القول قول الزوج إنه معسر ۵؎وفي إعتاق العبد المشترک القول للمعتق۶؎ والمسألتان تؤدیان القولین الأخیرین والتخریج علی ما قال في الکتاب أنه لیس بدین مطلق بل هو صلة حتی تسقط النفقة بالموت علی الاتفاق وکذا عند أبي حنیفة رحمه الله ضمان الإعتاق۷؎ ثم فیما کان القول

ترجمه:۳؎ ایک روایت یہ ہے کہ ہر معاملے میں مجرم ہی کے قول کا اعتبار ہوگا، مگر جس کا بدلہ اس کو مال مل گیا ہو[تو مدعی کے قول کا اعتبار ہوگا]

تشریح: یہ تیسرا قول ہے کہ جہاں اقرار کرنے والے کے ہاتھ میں بدل، مثلا مبیع موجود ہو وہاں تو اقرار کرنے والے کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے پاس بدل موجود ہے، لیکن جہاں اس کے پاس بدل موجود نہ ہو وہاں اقرار کرنے والے ہی کے بات کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اصل یہی ہے کہ اس کے پاس مال نہیں ہوگا۔

ترجمہ:۴؎ اور نفقہ کے سلسلے میں شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا کہ میرے پاس مال نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر بدلہ نہیں بلکہ صلہ رحمی ہے تو اس بارے میں مدعی علیہ کی بات مانی جائے گی۔

تشریح: مہر کے بدلے میں تو بضعہ لے چکا ہے اس لئے اس بارے میں تو قید کر دیا جائے گا، لیکن نفقہ ایک قسم کا صلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شوہر کے مرتے ہی نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اس لئے اس سلسلے میں شوہر کی بات مانی جائے گی، کیونکہ انسان کی اصل یہ ہے کہ اس کے پاس مال نہیں ہوتا، ہاں بیوی گواہ سے مال ثابت کر دے تب قید کیا جائے گا۔

ترجمہ:۵؎ مشترک غلام کے آزاد کرنے میں آزاد کرنے والے کی بات مانی جائے گی۔

تشریح: مشترک غلام کو آزاد کرنا صلہ رحمی ہے، اس کے بدلے میں کوئی چیز نہیں آتی اس لئے آزاد کرنے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، الا یہ کہ گواہ کے ذریعہ اس کے پاس مال ثابت کر دے۔

ترجمہ:۶؎ یہ آخری مسئلہ آخری دونوں قولوں کی تائید کرتا ہے اور متن میں جو تخریج ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق دین نہیں ہے، بلکہ وہ صلہ رحمی ہے، یہی وجہ ہے کہ شوہر کے مرنے سے بالاتفاق نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آزاد کرنے کا ضمان صلہ رحمی ہے۔

تشریح: نفقے کے بارے میں بھی آیا کہ شوہر کی بات مانی جاتی ہے، اور آزاد کے بارے میں بھی آیا کہ آقا کی بات مانی جاتی ہے، تو یہ دونوں مسئلے اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ مدعی کی بات نہیں مانی جائے گی، اس لئے صاحب ہدایہ متن کے مسئلے کی تاویل کر رہے ہیں کہ اوپر قرض کی چھ قسمیں گزری ہیں ہیں، ان میں جو قسم صلہ رحمی ہو اس میں مقروض یہ کہے کہ میں استطاعت

قول المدعي إن له مالا أو ثبت ذلک بالبينة فيما كان القول قول من عليه يحبسه شهرين أو ثلاثة ثم يسأل عنه فالحبس لظهور ظلمه في الحال وإنما يحبسه مدة ليظهر ماله لو كان يخفيه فلا بد من أن تمتد المدة ليفيد هذه الفائدة فقدره بما ذكره ويروى غير ذلک من التقدير بشهر أو أربعة إلى ستة أشهر. والصحيح أن التقدير مفوض إلى رأي القاضي لاختلاف أحوال

نہیں رکھتا ہوں، تو جب تک گواہ کے ذریعہ اسکی استطاعت کو ثابت نہ کیا جائے اس کو قید نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ قرض نہیں ہے حقیقت میں صلہ رحمی ہے

وجه :اخبرنا هرماس بن حبيب ـ رجل من اهل البادية ـ عن ابيه عن جده قال أتيت النبى بغريم لى فقال لى الزمه ، ثم قال لى يا اخا بنى تميم ما تريد ان تفعل باسيرک ـ (ابو داود شریف، باب فی الدین ھل یحبس بہ، ص ۵۲۱، نمبر ۳۶۲۹) اس حدیث میں ہے کہ واقعی قرض ہو تو قید کیا جائے گا۔ یہاں صلہ رحمی ہے اس لئے قید نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ :ے جس صورت میں مدعی کی بات مانی جائے گی کہ اس کے پاس مال ہے۔ یا گواہ کے ذریعہ سے ثابت ہو جائے کہ اس کے مال ہے، جس صورت میں مدعی علیہ کی بات مانی جائے گی تو مجرم کو دو ماہ، یا تین ماہ قید کرے گا، پھر اس کے بارے میں پوچھ تاچھ کرے،، اس لئے کہ فی الحال ظلم ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے اس کو اتنی دیر تک قید رکھے تا کہ اگر وہ مال چھپا رہا ہو تو وہ ظاہر ہو جائے، اس لئے اتنی لمبی مدت ہو تا کہ یہ فائدہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا مال ظاہر ہو جائے، اس لئے ان دو، یا تین مہینے کا ذکر کیا ہے، اور اس کے علاوہ بھی مہینوں سے اندازہ کیا ہے، مثلا چار مہینے اور چھ مہینے تک، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لوگوں کے احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے قاضی کی رائے پر سونپا گیا ہے

تشریح : قید کی مدت حالات اور آدمی کے حسب حال ہے۔ البتہ اندازہ نہ ہو تو دو تین ماہ حبس کرے۔ اس کے درمیان میں اس کے مال کی تحقیق کرتا رہے۔ اگر اس کے مال کا پتا نہ چلے تو اس کو رہا کر دے۔ بعض حضرات نے چار، اور چھ ماہ کی بھی رائے دی ہے۔

وجه :(۱) حبس کیا تھا مال کی تحقیق کے لئے۔ اور اتنی لمبی مدت مال کی تحقیق کے لئے کافی ہے اس لئے اس مدت میں بھی مال کا پتا نہ چلے تو اب قید میں رکھنا ظلم ہے اس لئے رہا کر دے۔ اور اگر اس سے پہلے ثابت ہو جائے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس سے پہلے بھی رہا کر دے (۲) حدیث میں ہے۔ عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ حبس رجلا فى تهمة ثم خلى عنه (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الحبس فی التھمۃ، ص ۳۴۳، نمبر ۱۴۱۷) اس حدیث میں بھی

الأشخاص فيه. (۴۲۵) **فإن لم يظهر له مال خلي سبيله** ا یعني بعد مضي المدة لأنه استحق النظرة إلى الميسرة فيكون حبسه بعد ذلك ظلما. ۲ ولو قامت البينة على إفلاسه قبل المدة تقبل في رواية ولا تقبل في رواية وعلى الثانية عامة المشايخ رحمهم الله. ۳ قال في الكتاب

ہے۔اخبرنا هرماس بن حبيب ۔ رجل من اهل البادية ۔عن ابيه عن جده قال أتيت النبی بغريم لی فقال لی الزمه ، ثم قال لی يا اخا بنی تميم ما تريد ان تفعل باسيرک ۔(ابوداود شریف، باب فی الدین ھل یحبس بہ،ص ۵۲۱،نمبر ۳۶۲۹)اس حدیث میں بھی ہے کہ قرض لینے والے کو قید کیا

ترجمہ :(۴۲۵) پھر بھی مال کا پتہ نہ چلے تو مجرم کو چھوڑ دے۔

ترجمہ :ا ایک مدت گزرنے کے بعد چھوڑ دے،، کیونکہ وہ مالدار بننے کا مستحق ہو گیا،اس کے بعد اس کو روکے رکھنا ظلم ہے

تشریح :دو یا تین مہینے قید کرنا تحقیقات کے لئے تھا جب پتہ چل گیا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو اب اس کو قید میں رکھنا ظلم ہے،اور آیت کے اعتبار سے اس بات کا مستحق ہو گیا کہ اب اس کو مال پانے تک کی مہلت دی جائے۔

وجہ :اس آیت میں ہے کہ مہلت دی جائے۔ و ان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة و ان تصدقوا خير لكم ان كنتم تعلمون (آیت ۲۸۰،سورت البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ تنگدست ہو تو اس کو مال پانے تک مہلت دو۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ چند دنوں کے بعد اس کو چھوڑ دے۔عن نعمان بن بشير انه رفع اليه نفر من الكلاعيين ان حاكة سرقوا متاعا فحبسهم اياما ثم خلی سبيلهم ۔(نسائی شریف، باب امتحان السارق بالضرب والحبس،ص ۶۷۲،نمبر ۴۸۸۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کچھ دنوں تک قید رکھے پھر اس کو آزاد کر دے۔

ترجمہ :۲ مثلا اگر تین مہینے کی مدت سے پہلے اس کا مفلس ہونا ثابت ہو جائے تو ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کو قبول کر لیا جائے گا[اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا] اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ قبول نہیں کیا جائے گا۔اور دوسری روایت میں عام مشائخ ہیں۔

تشریح : مثلا تین مہینے کی قید تھی اس سے پہلے گواہ کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ اسکے پاس دینے کا مال نہیں ہے تو ایک روایت یہی ہے کہ اب اس کو رہا کر دو، کیونکہ ٹال مٹول ظاہر نہیں ہوا،اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہیں تین مہینے رکھا جائے، عام مشائخ اسی پر ہیں

وجہ :(۱)اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قاضی کے پہلے فیصلے کی تردید نہیں ہوگی۔(۲)اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابھی تو رقم ظاہر نہیں ہوئی، ممکن ہے کہ اگلے مہینوں میں اس کا اظہار ہو جائے، یا کہیں سے اس کے پاس مال آجائے اس لئے قاضی کے فیصلے کے

خلي سبيله ولا يحول بينه وبين غرمائه وهذا كلام في الملازمة وسنذكره في كتاب الحجر إن شاء الله تعالى. ۴؎ وفي الجامع الصغير رجل أقر عند القاضي بدين فإنه يحبسه ثم يسأل عنه فإن كان موسرا أبد حبسه وإن كان معسرا خلى سبيله ومراده إذا أقر عند غير القاضي أو عنده مرة

مطابق ابھی قید میں رکھا جائے۔

ترجمه :۳؎ متن میں خلی سبیلہ، [مقروض کو رہا کردے کہا] یہ نہیں کہا کہ قرض دینے والے کے درمیان قاضی حائل ہوگا یا نہیں۔ یہ بات پیچھا کرنے کی ہے اور اس کی پوری تفصیل کتاب الحجر میں ہے۔

تشریح : یہ پتہ چل جائے کہ مقروض کے پاس رقم نہیں ہے تو متن میں صرف اتنا کہا کہ اس کو قید سے نکال دے، آگے یہ نہیں کہا کہ قرض دینے والے کو قاضی مقروض کے پیچھا کرنے سے روکے گا یا نہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ بات کتاب الحجر میں آئے گی۔ نوٹ: وہاں یہ ہے کہ قاضی قرض دینے والے کو مقروض کے پیچھا کرنے سے نہیں روکے گا، بلکہ اس کو یہ کہے گا جب کبھی اس کے پاس رقم آئے اپنی رقم وصل کر لینا۔ (ہدایہ، کتاب الحجر، باب الحجر بسبب الدین،)

وجه :(۱) قرض دینے والے کا حق وصول نہیں ہوا ہے اس لئے وہ پیچھا کرے گا ۔(۲) اس حدیث مرسل میں اس کا ذکر ہے۔ **عن مكحول قال قال رسول الله ﷺ ان لصاحب الحق اليد و اللسان** ۔(دار قطنی، باب کتاب فی الاقضیۃ وغیر ذالک، ج رابع، ص ۱۴۸، نمبر ۴۵۰۷) اس حدیث مرسل میں ہے کہ حق والے کو ہاتھ لگانے کا حق ہے، یعنی پیچھا کرنے کا حق ہے۔ (۳) **عن ابی هريرةؓ ان رجلا تقاضى رسول الله ﷺ فاغلظ له فهم به اصحابه فقال دعوه فان لصاحب الحق مقالا** ۔(بخاری شریف، باب استقراض الابل، ص ۳۸۴، نمبر ۲۳۹۰) اس حدیث کے اشارے سے معلوم ہوا کہ قرض والا پیچھا کر سکتا ہے۔

لغت : ملازمۃ: پیچھا کرنا۔ غرماء: غریم کی جمع ہے، قرض لینے والا۔

ترجمه :۴؎ جامع صغیر میں ہے کہ کسی آدمی نے قاضی کے پاس قرض کا اقرار کیا تو اس کو قید کر دے گا پھر اس کے بارے میں پوچھ تاچھ کرے گا، پس اگر مالدار ہے تو دینے تک قید میں رکھے گا اور اگر تنگدست ہے تو اس کو رہا کر دے گا [اور ابھی قدوری کے متن میں یہ گزرا کہ جلدی قید نہیں کرے گا] تو اس کی مراد یہ ہے کہ قاضی کے علاوہ کے پاس اقرار کیا، یا قاضی ہی کے پاس ایک مرتبہ اقرار کیا پھر اس کا ٹال مٹول ظاہر ہوا، تو اب فوری طور پر قید کرے گا۔

تشریح : یہاں جامع صغیر کی عبارت اور قدوری کی عبارت کے درمیان تطابق بیان کر رہے ہیں۔ جامع صغیر کی عبارت میں ہے کہ فوری طور پر قید کرے، اور قدوری کی عبارت میں ہے کہ قید کرنے میں جلدی نہ کرے اس کو مہلت دے تو، اس کا

وظهرت مماطلته ۵؎ والحبس أولا ومدته قد بيناه فلا نعيده. (۴۲۶)قال ويحبس الرجل في نفقة زوجته۱؎ لأنه ظالم بالامتناع(۴۲۷) ولا يحبس والد في دين ولده۱؎ لأنه نوع عقوبة فلا يستحقه

فرق یہ بیان کر رہے ہیں کہ قاضی کے علاوہ کے سامنے اقرار کیا، یا قاضی ہی کے سامنے اقرار کیا اب ٹال مٹول کر رہا ہے اس لئے ٹال مٹول کے اظہار کے بعد فوری طور پر قید کرے گا، یہ جامع صغیر کی عبارت کا مطلب ہے۔ نوٹ : جامع صغیر میں بہت تلاش کی ناچیز کو ایسی کوئی عبارت نہیں ملی۔

ترجمہ :۵؎ اور کب سے قید کی جائے گی، اور کتنی مدت کے لئے قید کی جائے گی اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اس لئے دوبارہ بیان نہیں کیا جائے گا۔

تشریح :جامع صغیر اور قدوری کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ٹال مٹول کے ظاہر ہونے کے بعد ہی قید کی جائے گی، اور مجرم کے حالات، اور معاملے کی نزاکت کے تحت کبھی دو ماہ، کبھی تین ماہ، اور کبھی چھ ماہ بھی قید کی جاسکتی ہے۔

ترجمہ :(۴۲۶) آدمی بیوی کے نفقے میں قید کیا جائے گا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ نفقہ روک کر وہ ظالم بنا ہے۔

وجہ : قاضی نے بیوی کا نفقہ متعین کر دیا ہو یا میاں بیوی کے درمیان کسی مقدار پر صلح ہو گئی ہو پھر وہ نفقہ ادا نہ کرے تو اس پر شوہر کو حبس کیا جائے گا۔ کیونکہ قاضی کے متعین کرنے کے بعد یا صلح ہونے کے بعد یہ نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہو گیا۔ اور دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کے بعد حبس کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ:اگر قاضی نے متعین نہ کیا ہو تو اتنی جلدی حبس نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ :(۴۲۷)اور والد قید نہیں کئے جائیں گے اپنی اولاد کے دین میں، مگر جبکہ رک جائے اس پر خرچ کرنے سے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ قید کرنا ایک قسم کی سزا جسکے والدین مستحق نہیں ہیں، جیسے والدین سے حد نہیں لئے جاتے، قصاص نہیں لئے جاتے۔

تشریح:والد پر بیٹے، بیٹی، پوتے، پوتی، نواسے، نواسی کا قرض ہو تو اس کی وجہ سے والد یا دادا یا نانا قید نہیں کئے جائیں گے۔

وجہ :(۱) ان لوگوں کا مال والد کا مال ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال: جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان ابی اجتاج مالی فقال انت ومالک لابیک وقال رسول اللہ ﷺ ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من اموالکم۔ (ابن ماجہ شریف، باب ماللرجل من مال ولدہ، ص ۳۲۸، نمبر ۲۲۹۲)

اس حدیث میں ہے کہ اولاد کا مال باپ کا ہے اس لئے ان لوگوں کا جو قرض باپ یا دادا پر ہے وہ قرض کے بجائے احسان

الولد على الوالد كالحدود والقصاص ۲؎ إلا إذا امتنع من الإنفاق عليه لأن فيه إحياء لولده ۳؎ ولأنه لا يتدارک لسقوطها بمضي الزمان والله أعلم.

ہے۔اس لئے ان قرضوں کی وجہ سے قید نہیں کئے جائیں گے (۲) آیت میں ہے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو اور قید کرنا احسان اور احترام کے خلاف ہے اس لئے بھی قید نہیں کئے جائیں گے۔آیت یہ ہے۔**وصاحبهما في الدنيا معروفا** (آیت ۱۵،سورۂ لقمان ۳۱) اس آیت میں ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ احترام کا معاملہ کرو۔(۳) دلیل عقلی یہ ہے کہ یہ سزا ہے جسکے والدین مستحق نہیں ہیں۔

ترجمہ :۲؎ مگر اولاد پر خرچ کرنے سے رک جائے [تو قید کیا جائے گا] اس لئے کہ اس کے بچے کو زندہ کرنا ہے۔

تشریح :لیکن اگر اولاد کو کھانے کا خرچ نہ دے اور اولاد کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو والد قید کئے جائیں گے تاکہ نفقہ دے اور اولاد ہلاک نہ ہوں (۲) آیت میں ہے کہ اولاد کا نفقہ واجب ہے۔ **وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف** ۔(آیت ۲۳۳،سورۃ البقرۃ ۲) دوسری آیت میں ہے۔ **فان ارضعن لكم فأتوهن اجورهن وأتمروا بينكم بمعروف** (آیت ۶،سورۃ الطلاق ۶۵) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہے اس لئے نفقہ دینے میں کوتاہی کرے تو قید کیا جا سکتا ہے۔(۳) **عن ابی هريرة قال ان رسول الله ﷺ قال خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى و ابدا بمن تعول** ۔(بخاری شریف، باب وجوب النفقة على الاهل والعيال،ص ۹۵۶،نمبر ۵۳۵۶) اس حدیث میں ہے کہ عیال کا نفقہ واجب ہے اس لئے کوتاہی کرنے سے قید کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ زمانہ گزرنے سے یہ نفقہ ساقط ہو جائے گا [اس لئے اس کو قید کیا جائے گا]

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے کہ زمانہ گزر گیا اور عیال کا نفقہ نہیں دیا تو چونکہ یہ ایک قسم کا صلہ رحمی ہے،اس لئے یہ ساقط ہو جائے گا،اس لئے اس کو جلدی ادا کرنے کے لئے زبردستی کی جائے گی۔

﴿باب كتاب القاضي إلى القاضي﴾

(۴۲۸) قال ويقبل كتاب القاضي إلى القاضي في الحقوق إذا شهد به عنده ۱؎ للحاجة على ما نبين(۴۲۹) فإن شهدوا على خصم حاضر حكم بالشهادة[لوجود الحجة] وكتب بحكمه ۱؎

﴿كتاب القاضی الی القاضی﴾

ترجمه :(۴۲۸)ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حقوق میں مقبول ہے جب خط کی گواہی اس کے سامنے دے۔

ترجمه :۱؎ اس کی ضرورت کی وجہ سے جسکو ہم بعد میں بیان کریں گے۔

تشریح : حدود اور قصاص کے علاوہ جتنے حقوق ہیں ان میں ایک قاضی دوسرے قاضی کی طرف خط لکھے اور مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دے کہ واقعی یہ خط فلاں قاضی کا ہے تو وہ خط مقبول ہے۔اور جس قاضی کی طرف یہ خط لکھا ہے اس کو اختیار ہے کہ اس خط کے مطابق عمل کرے۔

وجه :(۱) کتاب القاضی الی القاضی کی دلیل کے لئے یہ آیت ہے۔ اذهب بكتابى هذا فالقيه اليهم ثم تول عنهم فانظر ماذا يرجعون . قالت يا آيها الملؤ انى القى الى كتاب كريم انه من سليمٰن و انه بسم الله الرحمن الرحمن (آیت ۲۸،۔۳۰،سورت النمل،۲۷)اس آیت میں خط بھیجنے کا بھی ثبوت ہے اور کس طرح بھیجے اس کا بھی ثبوت ہے۔(۲)اس حدیث میں بھی ثبوت ہے۔ان عبد الله بن سهل ومحيصة خرجا الى خيبر ... فكتب رسول الله ﷺ اليهم به فكتب ماقتلناه (بخاری شریف،باب کتاب الحاکم الی عمالہ والقاضی الی امناءہ،ص۱۲۳۹،نمبر ۷۱۹۲)اس حدیث میں حضورؐ نے حضرت عبد اللہ بن سہل کے قتل پر یہود کو خط لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حاکم اپنے عمال کو خط لکھ سکتا ہے(۳) اس قول صحابی میں ہے۔وقد كتب عمر الى عامله فى الحدود و كتب عمر ابن عبد العزيز فى سن كسرت ،وقال ابراهيم كتاب القاضى الى القاضى جائز اذا عرف الكتاب والخاتم وكان الشعبى يجيز الكتاب المختوم بما فيه من القاضى (بخاری شریف،باب الشہادۃ علی الخط المختوم وما یجوز من ذلک وما یضیق علیہ،وکتاب الحاکم الی عمالہ والقاضی الی القاضی،ص۱۲۳۲،نمبر۷۱۶۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر مکتوب الیہ قاضی کاتب قاضی کا خط اور مہر پہچانتا ہو تو وہ جائز ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

ترجمه :(۴۲۹)پس اگر گواہی دی مدعی علیہ کے سامنے تو گواہی پر حکم لگا دے اور اپنا فیصلہ بھی لکھے۔

ترجمه :۱؎ اس کا نام سجل ہے۔

وهو المدعو سجلا(۴۳۰) وإن شهدوا به بغير حضرة الخصم لم يحكم‌ا لأن القضاء على

تشریح : مدعی علیہ مجلس قضا میں حاضر ہے ایسی صورت میں گواہی دی گئی تو گواہی پر حکم لگائے اور قاضی اپنا فیصلہ بھی لکھے گا۔فیصلہ لکھ دینے کو عربی میں سجل، کہتے ہیں۔۔

وجہ :کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فیصلہ تو یہاں لکھا گیا لیکن مدعی علیہ دوسرے شہر میں ہے اس لئے اس پر نافذ کرنے کے لئے دوسرے شہر کے قاضی کو خط لکھنا پڑتا ہے۔

ترجمہ :(۴۳۰)اور اگر گواہی دی مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں تو فیصلہ نہ کرے بلکہ گواہی لکھ لے تا کہ مکتوب الیہ قاضی اس کا فیصلہ کرے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ غائب آدمی پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح :ایسی صورت ہے کہ گواہ حضرات ایک قاضی کے خطے میں ہیں اور مدعی علیہ دوسرے قاضی کے خطے میں ہے۔اور دونوں کو جمع کرنا مشکل ہے ایسی صورت میں جس قاضی کے سامنے گواہ پیش ہوئے وہ قاضی گواہی لکھ لے۔لیکن فیصلہ نہ کرے کیونکہ مدعی علیہ غائب ہو تو فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔اور یہ گواہی مکتوب الیہ قاضی کو بھیج دے تا کہ وہ فیصلہ کرے اور مدعی علیہ پر نافذ کرے۔

وجہ:(۱) غائب مدعی علیہ پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ کوئی ایسی بات کہے جس سے اس کے خلاف فیصلہ نہ ہوسکتا ہو۔اس لئے مدعی علیہ یا اس کا وکیل حاضر ہو تب فیصلہ کرے(۲) حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو فرمایا کہ مدعی علیہ کی بات سن لو پھر فیصلہ کیا کرو۔عن علیؓ قال بعثنی رسول الله ﷺ الی الیمن قاضیا ... فقال ان الله سیهدی قلبک ویثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانه احری ان یتبین لک القضاء ۔(ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء،ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲/ترمذی شریف، باب ما جاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین حتی یسمع کلاھما،ص ۳۲۲،نمبر ۱۳۳۱)اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کی بات سنو تب فیصلہ کرو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ یا اس کا وکیل حاضر ہو(۳)اثر میں ہے۔ قال سمعت شریحا یقول لا یقضی علی غائب. (مصنف عبد الرزاق، بالا یقضی علی غائب، ج ثامن،ص ۲۳۵، نمبر ۱۵۳۸۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ نہ کرے۔اس لئے صرف شہادت لکھ کر دوسرے قاضی کو بھیج دے تا کہ وہ فیصلہ کرے۔

فائدہ : امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کو حاضر کرنا مشکل ہو تو غائب مدعی علیہ کے خلاف بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔یا

الغائب لا يجوز (۴۳۱) وكتب بالشهادة ۱ ليحكم المكتوب إليه بها وهذا هو الكتاب الحكمي وهو نقل الشهادة في الحقيقة ويختص بشرائط نذكرها إن شاء الله تعالى ۲ وجوازه لمساس

غائب مدعی علیہ کا کوئی وکیل موجود ہو تب بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجه: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن عائشة ان هندا قالت للنبى ﷺ ان ابا سفيان رجل شحيح واحتاج ان اخذ من ماله، قال ﷺ خذى ما يكفيك وولدك بالمعروف** (بخاری شریف، باب القضاء علی الغائب، ص ۱۲۳۶، نمبر ۷۱۸۰) اس حدیث میں حضرت سفیانؓ حاضر نہیں تھے اس کے باوجود حضورؐ نے اس کے مال سے مناسب نفقہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قضا علی الغائب جائز ہے۔

ترجمه: (۴۳۱) اور گواہی لکھ دے۔

ترجمه: ۱ تاکہ جس قاضی کے پاس خط بھیجا جا رہا ہے وہ اس کا فیصلہ کر سکے، اس خط کا نام ,الکتاب الحکمی ، ہے، یہ حقیقت میں گواہی کو منتقل کرنا ہے اس کی کچھ شرائط ہیں جنکو بعد میں ذکر کروں گا۔

تشریح: مدعی علیہ موجود نہیں ہے اس لئے قاضی فیصلہ نہیں کر سکتا، اس لئے صرف گواہوں کی گواہی تحریر کر دے اور قلمبند کر دے، تاکہ جس قاضی کو خط بھیجا جا رہا ہے وہ آسانی سے فیصلہ کر سکے، ایسی تحریر جس پر فیصلہ درج نہ ہو اس کو عربی زبان میں , الکتاب الحکمی ، کہتے ہیں۔

ایسی تحریر لکھنے کے لئے 5 شرطیں ہیں

1......کون سا قاضی لکھ رہا ہے اس کا نام اور پتہ موجود ہو

2......کس قاضی کی طرف لکھا جا رہا ہے، اس کا نام اور پتہ موجود ہو۔

3...... کس بارے میں خط لکھا جا رہا ہے اس کی پوری تفصیل درج ہو۔

4......کس آدمی کے لئے لکھ رہا ہے [یعنی مدعی] اس کا نام اور پتہ موجود ہو

5......جس آدمی کے خلاف خط لکھ رہا ہے [یعنی مدعی علیہ] اس کا پورا نام اور پتہ موجود ہو۔

یہ پانچ باتیں خط میں ہوں اور اس پر مہر لگا ہو تب اس کو ,الکتاب الحکمی ، کہتے ہیں

ترجمه: ۲ اور ضرورت کی وجہ سے کتاب القاضی الی القاضی کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ مدعی پر کبھی مشکل ہوتا ہے کہ گواہ کو اور مدعی علیہ کو حاضر کرے، اس لئے جس طرح شہادت علی الشہادت جائز اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: واضح ہے

الحاجة لأن المدعي قد يتعذر عليه الجمع بين شهوده وخصمه فأشبه الشهادة على الشهادة. ٣ وقوله في الحقوق يندرج تحته الدين والنكاح والنسب والمغصوب والأمانة المجحودة والمضاربة المجحودة لأن كل ذلك بمنزلة الدين وهو يعرف بالوصف لا يحتاج فيه إلى الإشارة ويقبل في العقار أيضا لأن التعريف فيه بالتحديد. ولا يقبل في الأعيان المنقولة للحاجة

ترجمه : ٣ ماتن کا قول ,فی الحقوق، یہ آٹھ چیزیں شامل ہیں [۱] قرض [۲] نکاح [۳] نسب [۴] غصب کی چیز [۵] انکار کی ہوئی امانت کی چیز [۶] انکار کی ہوئی مضاربت کی چیز [۷] اس لئے کہ یہ چیزیں قرض کے درجے میں ہیں اور اس کی صفت بیان کرنے سے پہچانی جا سکتی ہیں اور اس کی طرف اشارے کی بھی ضرورت نہیں ہے، [۸] اور زمین میں کتاب القاضی الی القاضی قبول کی جائے گی اس لئے کہ اس کی چوحدی بیان کرنے سے زمین متعین ہو جاتی ہے۔

اصول : یہ مسئلے اس اصول پر ہیں، کہ جس چیز کی طرف اشارہ کئے بغیر اس کی صفت بیان کرنے سے متعارف ہو جائے تو اس کے لئے خط کو دوسرے قاضی کے پاس بھیجا جا سکتا ہے، کیونکہ وہاں وہ چیز نہ رہے تب بھی اس پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جس چیز کو متعین کرنے کے لئے اس کی طرف اشارہ کرنا پڑے اس کے بارے میں دوسرے قاضی کو خط نہیں بھیج سکتے، کیونکہ وہ چیز وہاں نہیں ہے تو اس کی طرف اشارہ کیسے کرے گا، اور پھر کیسے فیصلہ کرے گا۔

تشریح : مندرجہ ذیل ۸ چیزیں ایسی ہیں جنکی صفت بیان کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں اس لئے اس کے بارے میں ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کی طرف جا سکتا ہے۔

[۱] قرض [۲] نکاح [۳] نسب [۴] غصب کی چیز [۵] انکار کی ہوئی امانت کی چیز [۶] انکار کی ہوئی مضاربت کی چیز [۷] اس لئے کہ یہ چیزیں قرض کے درجے میں ہیں اور اس کی صفت بیان کرنے سے پہچانی جا سکتی ہیں اور اس کی طرف اشارے کی بھی ضرورت نہیں ہے، [۸] اور زمین میں کتاب القاضی الی القاضی قبول کی جائے گی اس لئے کہ اس کی چوحدی بیان کرنے سے زمین متعین ہو جاتی ہے اس لئے اس کا خط بھی دوسرے قاضی کو دے سکتے ہیں۔

لغت : الامانة المجحودہ : جحد کا معنی ہے انکار کرنا، الامانة المجحودہ : کا ترجمہ ہے جس امانت کا انکار کر دیا ہے وہ بھی اب قرض بن گیا، اور اس کی صفت بیان کرنے سے متعین ہو سکتی ہے اس لئے اس کا خط بھی دوسرے قاضی کے پاس بھیجا جا سکتا ہے۔ المضاربة المجحودة: رقم مضاربت کرنے کے لئے دی تھی، لیکن اس نے انکار کر دیا تو اب یہ امانت نہیں رہی بلکہ قرض بن گیا اس لئے اس کا خط دوسرے قاضی کے پاس بھیجا جا سکتا ہے۔ العقار : جس زمین کے بارے میں آپ کا مقدمہ ہے اس کے چاروں طرف کس کی زمین ہے اس کو بیان کر دینے سے اس کی چوحدی بیان ہو جاتی ہے اور زمین متعین ہو جاتی ہے، آج

إلى الإشارة. ۴؎ وعن أبي يوسف رحمه الله أنه يقبل في العبد دون الأمة لغلبة الإباق فيه دونها. وعنه أنه يقبل فيهما بشرائط تعرف في موضعها. ۵؎ وعن محمد رحمه الله أنه يقبل في جميع ما ينقل ويحول وعليه المتأخرون رحمهم الله. (۴۳۲) قال ولا يقبل الكتاب إلا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين ۱؎ لأن الكتاب يشبه الكتاب فلا يثبت إلا بحجة تامة ۲؎ وهذا لأنه ملزم فلا بد من

کل تو زمین کا داغ نمبر اور کھاتا نمبر اور کھسرا نمبر ہوتا ہے جس سے زمین متعین ہو جاتی ہے۔

ترجمہ :۴؎ امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ غلام میں خط قبول کیا جائے گا، باندی میں نہیں اس لئے کہ غلام زیادہ بھاگتا ہے باندی نہیں بھاگتی ہے، اور انہیں سے ایک روایت ہے کہ غلام اور باندی دونوں میں قبول کیا جائے گا ان شرائط کے ساتھ جن سے غلام باندی کی جگہ معلوم ہو جائے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت یہ ہے کہ غلام کے بارے میں قبول کیا جائے گا، کیونکہ وہ بھاگتا ہے اور باندی کے بارے میں قبول نہیں ہے کیونکہ اس کو بھاگنے کا موقع نہیں ہے۔ [۲] اور دوسری روایت یہ ہے کہ دونوں آدمی ہیں اس لئے دونوں کے بھاگنے کا امکان ہے اس لئے اگر بھاگنے کی جگہ معلوم ہو تو دونوں میں کتاب القاضی الی القاضی قبول کیا جائے گا۔۔

ترجمہ :۵؎ امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ جو چیز منتقل ہوتی ہو اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جا سکتی ہو اس میں خط قبول کیا جائے گا، اور اسی پر متأخرینؒ کا عمل ہے۔

تشریح :امام محمدؒ کی رائے ہے کہ ہر چیز میں دوسرے قاضی کو خط لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے جو چیز منتقل ہوتی ہو ان تمام میں کتاب القاضی الی القاضی مقبول ہے۔

ترجمہ :(۴۳۲) اور نہ قبول کرے خط مگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ ایک آدمی کا خط دوسرے آدمی کے مشابہ ہوتا ہے پوری حجت [یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس بات کی گواہی دے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہی ہے تب اس خط کو قبول کیا جائے گا۔

تشریح : مکتوب علیہ قاضی کے سامنے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے تب مکتوب الیہ قاضی اس کو قبول کرے۔

وجہ :(۱) ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی اور آدمی کا خط ہو، اور قاضی کو یہ کہہ کر دیا جا رہا ہو کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے، کیونکہ آدمی دوسرے خط کی نقل کر سکتا ہے [اور اس دور میں تو بہت ہوتا ہے] اس لئے یہ شرط لگائی گئی کہ دو آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ

الحجة بخلاف كتاب الاستئمان من أهل الحرب لأنه ليس بملزم ۳؎ وبخلاف رسول القاضي

واقعی یہ خط فلاں قاضی ہی کا ہے جو آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے (۲) اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **واول من سأل على كتاب القاضى البينة ابن ابى ليلى وسوار بن عبد الله** ۔(بخاری شریف، باب الشهادة على الخط المختوم الخ، ص۱۲۳۲، نمبر۷۱۶۲)اس اثر میں ہے کہ ابن ابی لیلیؒ اور سوار بن عبد اللہؒ نے کتاب القاضی الی القاضی پر گواہ مانگا (۳) اور نقل گواہی پر دو گواہ چاہئے اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **عن الشعبى قالا لاتجوز شهادة الشاهد على الشاهد حتى يكونا اثنين** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد شهود الفرع، ج عاشر، ص۴۲۴، نمبر۲۱۱۹۱ر مصنف ابن ابی شیبة، ۴۸۰ فی شهادة الشاهد على الشاهد، ج رابع، ص۵۵۴، نمبر۲۳۰۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شہادۃ علی الشہادۃ کے لئے دو گواہ چاہئے۔ اور کتاب القاضی الی القاضی بھی ایک قسم کی نقل شہادت ہے اس لئے اس خط پر بھی دو گواہ چاہئے (۴) ایک کی تحریر دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے بھی یقین ہو جائے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے اور اشتباہ باقی نہ رہے اس لئے بھی گواہی چاہئے۔

ترجمہ :۲؎ اور اس لئے کہ اس خط سے فیصلہ کرنا ہی پڑے گا اس لئے حجت کاملہ چاہئے بخلاف اہل حرب کی جانب سے امن مانگنے کے خط کے، اس لئے کہ امیر المسلمین پر اس کا ماننا لازم نہیں ہے۔

لغت : حجت لازمہ: جس خط کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہو اس کو، حجت لازمہ، کہتے ہیں، اس کو ثابت کرنے کے لئے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہی ہے دو گواہ ضروری ہے۔ اور جس خط پر قاضی کو فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے وہ خط حجت لازمہ نہیں ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے دو گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اصول : حجت ملزمہ کے لئے گواہی کی ضرورت ہے، حجت ملزمہ نہ ہو تو گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : یہاں تین مسئلے ایک طرف ہیں اور ایک مسئلہ ایک طرف ہے اور دونوں کے درمیان فرق بیان فرمارہے ہیں، اس کو غور سے سمجھیں۔ قاضی کا خط جس قاضی کے پاس گیا ہے اس کو اس خط کے مضمون پر فیصلہ کرنا ضروری ہے، اس لئے یہ خط حجت ملزمہ ہے، اس لئے اس کی بھی گواہی ضروری ہے کہ یہ خط فلاں قاضی ہی کا ہے تاکہ یہ خط مضبوط ہو جائے اور اس کے مضمون پر فیصلہ کیا جا سکے۔ [۱] اس کے برخلاف دار الحرب کے امیر نے دار الاسلام کے امیر کو خط لکھا کہ ہم لوگوں کو امن دے دیں، تو دار الاسلام کے امیر کو اس خط پر فیصلہ کرنا لازم نہیں ہے، اس کی مصلحت ہوگی اور مسلمانوں کا مشورہ ہوگا تو امن دے دیا جائے گا، اور مصلحت نہیں ہوگی تو امن نہیں دی جائے گی، اس لئے یہ خط حجت لازمہ نہیں ہے، اس لئے اس پر گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :۳؎ بخلاف قاضی کا قاصد مزکی کی طرف جائے۔

إلى المزكي ؎ ورسوله إلى القاضي لأن الإلزام بالشهادة لا بالتزكية. (۴۳۳) قال ويجب أن يقرأ الكتاب عليهم ليعرفوا ما فيه أو يعلمهم به لـ لأنه لا شهادة بدون العلم

تشریح :[۲] قاضی نے گواہوں کی تفتیش کرنے والے مزکی کی طرف قاصد بھیجا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ مزکی کے سامنے دو گواہ گواہی دیں کہ واقعی یہ قاضی ہی کا قاصد ہے، کیونکہ قاضی پر ضروری نہیں ہے کہ مزکی کے تزکئے پر فیصلہ کرے، اس لئے مزکی کی بات حجت ملزمہ نہیں ہے، قاضی فیصلہ تو گواہ پر کرے گا، اس لئے اس کے لئے دو گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت : مزکی: قاضی کسی آدمی کو مجرم کے حالات کی تحقیق کے لئے بھیجے تو اس کو مزکی کہتے ہیں، اس سے فیصلہ کرنے میں مدد تو ملتی ہے، لیکن اس پر فیصلہ نہیں کیا جاتا، بلکہ فیصلہ تو گواہ کی گواہی پر کیا جاتا ہے۔

ترجمہ :۳؎ مزکی اپنا قاصد قاضی کی طرف بھیجے [تو اس پر گواہ کی ضرورت نہیں ہے] اس لئے فیصلہ شہادت کی وجہ سے ہوگی ،تزکیہ کی وجہ سے نہیں ہوگی۔

تشریح :مزکی اپنا قاصد قاضی کی طرف بھیجے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ دو گواہ قاضی کے سامنے یہ ذکر کرے کہ یہ قاصد واقعی مزکی کے ہیں، اس لئے کہ اس قاصد کی خبر پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ قاضی کے سامنے جو مدعی کے گواہ پیش ہوں گے اس کی وجہ سے فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے مزکی کے قاصد پر گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :(۴۳۳) اور واجب ہے کہ گواہوں کے سامنے خط پڑھے تا کہ وہ جان لیں کہ خط میں کیا ہے، پھر اس پر مہر لگائے اور گواہوں کے سپرد کرے۔

ترجمہ :لـ اس لئے کہ بغیر جانے ہوئے یہ لوگ قاضی کے سامنے کیسے گواہی دیں گے۔

تشریح : کاتب قاضی پر ضروری ہے کہ لے جانے والے گواہوں کے سامنے خط پڑھے تا کہ وہ جان لیں کہ خط میں کیا لکھا ہوا ہے۔ اور مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دینے میں آسانی ہو۔ پھر خط پر مہر لگا کر گواہوں کے حوالے کرے تا کہ مکتوب الیہ قاضی کو خط دے سکے۔

وجہ :(۱) گواہوں کے سامنے تو اس لئے پڑھے کہ وہ یاد رکھے کہ خط میں مضمون کیا ہے تا کہ مکتوب الیہ قاضی کے سامنے اس کی گواہی دے سکے تا کہ خط کا مضمون اور گواہی ایک طرح کے ہوں (۲) قول تابعی میں ہے۔ وكره الحسن وابو قلابة ان يشهد على وصية حتى يعلم ما فيها لانه لايدرى لعل فيها جورا (بخاری شریف، باب الشهادة على الخط المختوم الخ، ص ۱۲۳۲، نمبر ۷۱۶۲ / سنن للبیہقی، باب الاحتیاط فی قراءة الكتاب ولاشهاد علیه وختمہ لئلا یزور علیہ، ج عاشر، ص ۲۱۹، نمبر ۲۰۴۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جب تک جان نہ لے کہ خط میں کیا ہے گواہی نہ دے (۳) عن ابراهيم فى الرجل يختم

(۴۳۴) **ثـم يختمه بحضرتهم ويسلمه إليهم** لے كي لا يتوهم التغيير وهذا عند أبي حنيفة ومحمد لأن علـم ما في الكتاب والختم بحضرتهم شرط وكذا حفظ ما في الكتاب عندهما ولهذا يدفع إليهم كتاب آخر غير مختوم ليكون معهم معاونة على حفظهم. ۲ وقال أبو يوسف رحمه الله آخرا شيء من ذلک ليس بشرط والشرط أن يشهدهم أن هذا كتابه وختمه وعن أبي يوسف أن الختم ليس بشرط أيضا فسهل في ذلک لما ابتلي بالقضاء وليس الخبر كالمعاينة. واختار

علـى وصيتـه وقال اشهدوا على ما فيها قال لايجوز حتى يقرأها او تقرأ عليه فيقربما فيها. (سنن للبیہقی، باب الاحتیاط فی قراءۃ الکتب والاشہاد علیہ وختمہ لئلا یزور علیہ، ج عاشر، ص ۲۲۰، نمبر ۲۰۴۲۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ گواہ کو علم ہو کہ خط میں کیا ہے تاکہ جھوٹ گواہی نہ دے سکے۔

ترجمہ :(۴۳۴) پھر قاضی گواہوں کے سامنے خط پر مہر لگائے، اور یہ خط گواہوں کو سپرد کر دے۔

ترجمہ :لے مہر لگانے سے کسی کو وہم نہ ہو کہ اس میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اس لئے کہ خط میں کیا ہے گواہوں کو اس کا جاننا، اور گواہوں کے سامنے مہر لگانا شرط ہے، اسی طرح خط میں کیا گواہوں کو اس کا یاد رکھنا بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضروری ہے، یہی وجہ ہے قاضی ایک اور خط گواہوں کو دے، جو مہر لگا ہوا نہ ہوتا کہ گواہ اس کے مفہوم کو یاد کرتے رہیں۔:

وجہ : (۱) اور خط پر مہر لگائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن انس بن مالک قال لما اراد النبی ﷺ ان يكتب الى الروم قالوا انهم لايقرؤن كتابا الا مختوما فاتخذ النبی ﷺ خاتما من فضة كانى انظر الى وبيضه ونقشه محمد رسول الله (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الخط المختوم الخ، ص ۱۲۳۳/۱۶۲/۱۷ رمسلم شریف، باب فی اتخاذ النبی ﷺ خاتما لما اراد ان یکتب الی العجم، ص ۹۳۶، نمبر ۲۰۹۲/۵۴۸۰) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے مہر بنوائی تاکہ خط پر مہر لگائی جا سکے (۲) مہر لگانے سے خط میں کوئی کمی زیادتی نہیں کر سکتا اس لئے بھی مہر لگائے۔

ترجمہ :۲ حضرت امام ابو یوسفؒ نے آخیر میں یہ فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز شرط نہیں ہے، صرف شرط یہ ہے کہ گواہوں کو خط پر گواہ بنائے کہ یہ قاضی صاحب کا خط ہے، اور یہ اس کا مہر ہے، بلکہ امام ابو یوسفؒ کی یہ بھی روایت ہے کہ خط پر مہر لگانا بھی ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ جب وہ قضا میں مبتلاء ہوئے تو یہ ساری سہولتیں دے دیں، اور جو مبتلاء ہوتا ہے اس کی طرح کوئی اور نہیں بتا سکتا ہے۔ اور حضرت شمس الائمہ سرخسیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

شمس الأئمة السرخسي رحمه الله قول أبي يوسف رحمه الله.(۴۳۵) قال وإذا وصل إلى القاضي لم يقبله إلا بحضرة الخصم ۱؎ لأنه بمنزلة أداء الشهادة فلا بد من حضوره ۲؎ بخلاف سماع القاضي الكاتب لأنه للنقل لا للحكم.(۴۳۶) قال فإذا سلمه الشهود إليه نظر إلى ختمه فإذا شهدوا أنه كتاب فلان القاضي سلمه إلينا في مجلس حكمه وقرأه علينا وختمه فتحه

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے آخیر عمر میں فرمایا کہ صرف دو باتوں کی ضرورت ہے [۱] ایک تو یہ کہ قاضی گواہوں کے مضمون پڑھ کر سنادے [۲] اور دوسرا یہ کہہ دے کہ یہ میرا خط ہے اور اس پر یہ میرا مہر ہے، بلکہ بعد میں فرماتے تھے کہ مہر لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بس اتنا ہی کافی ہے، باقی گواہوں کو بھی مضمون دے، اور انکو یاد کروائے ان سب کی ضرورت نہیں ہے ،حضرت شمس الائمہ سرخسیؒ اسی قول کو لیتے تھے، اصل حالات کیا ہیں انکو دیکھ کر یہ سب کام کرے۔

ترجمہ :(۴۳۵) جب خط قاضی کے پاس پہنچے تو اس کو قبول نہ کرے مگر مدعی علیہ کے سامنے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ یہ شہادت کے ادا کرنے کے درجے میں ہے اس لئے مدعی علیہ کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مکتوب الیہ قاضی کے سامنے خط پہنچے اور اس پر فیصلہ کرنے لگے تو اس وقت مدعی علیہ کا حاضر ہونا ضروری ہے، کیونکہ غائب پر فیصلہ نہیں ہوسکتا، لیکن جس دن خط پہنچا اس دن اس پر فیصلہ نہیں کر رہا ہے تو اس وقت مدعی علیہ کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس وقت فیصلہ نہیں کیا جا رہا ہے۔

وجہ :(۱) حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو آپؐ نے فرمایا۔ **فاذا جلس بين يديك الخصمان فلا تقضين حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الاول فانه احرى ان تبين لك القضاء** . (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ حاضر ہو تب اس کے سامنے فیصلہ کرے۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف لکھنے والا قاضی جس وقت گواہی سن رہا ہو تو [تو مدعی علیہ کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہے] اس لئے کہ یہ گواہی فیصلے کے لئے نہیں ہے صرف لکھنے کے لئے ہے۔

تشریح : لکھنے والا قاضی گواہوں سے گواہی سن رہا ہے اور لکھ بھی رہا ہے تو اس وقت مدعی علیہ کا وہاں حاضر ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو صرف گواہی سن کر لکھ رہے ہیں تا کہ اگلے قاضی کے پاس بھیجا جا سکے۔

ترجمہ :(۴۳۶) جب گواہ خط قاضی کو دے تو وہ اس کی مہر دیکھے۔ پس اگر گواہوں نے گواہی دی کہ وہ فلاں قاضی کا خط ہے اور اپنی مجلس قضا میں ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمارے سامنے پڑھا ہے تو قاضی اس کو کھولے اور اس کو مدعی علیہ پر پڑھے اور جو کچھ اس میں ہے اس کو مدعی علیہ پر لازم کرے۔

القاضي وقرأه على الخصم وألزمه ما فيه[۱] وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله. [۲] وقال أبو يوسف رحمه الله إذا شهدوا أنه كتابه وخاتمه قبله على ما مر [۳] ولم يشترط في الكتاب ظهور

ترجمہ :[۱] یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : جب گواہ مکتوب علیہ قاضی کو خط سپرد کرے تو قاضی پہلے اس کی مہر کو دیکھے کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔ کیونکہ مہر ٹوٹی ہوئی ہوتو اس کا مطلب یہ ہے کہ خط کسی نے کھولا ہے اور مضمون میں کمی زیادتی کی ہے۔ اس لئے پہلے مہر کو دیکھے کہ وہ سلامت ہے یا نہیں۔ پھر گواہ یہ گواہی دے کہ فلاں قاضی نے اپنی مجلس قضا میں یہ خط لکھا ہے اور ہمارے سپرد کیا ہے اور ہمارے سامنے اس کو پڑھا ہے پھر مہر لگائی ہے۔ اتنی باتوں کے بعد مکتوب الیہ قاضی خط کو کھولے اور مدعی علیہ کے سامنے پڑھے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کو مدعی علیہ پر لازم کرے۔

وجہ :۔(۱) و کان الشعبی یجیز الکتاب المختوم بما فیہ من القاضی۔ (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الخط المختوم الخ، ص۱۲۳۲، نمبر۷۱۶۲) اس قول تابعی میں ہے کہ خط پر مہر ہو تب سامنے والا قاضی خط کو قبول کرے۔ (۲) قال ابراھیم کتاب القاضی الی القاضی جائز اذا عرف الکتاب والخاتم (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الخط المختوم الخ، ص۱۲۳۲، نمبر۷۱۶۲) اس قول تابعی میں ہے کہ جس قاضی کو خط لکھا ہے وہ سمجھ جائے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے تب فیصلہ کرے۔ (۳) یہ سب شرطیں اس لئے ہیں کہ اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے۔ پھر اس خط کا مقصد یہ ہے کہ مدعی علیہ پر وہ بات لازم کر دی جائے جو اس خط میں ہے۔ اس لئے مکتوب الیہ قاضی اس بات کو مدعی علیہ پر لازم کریں گے۔

ترجمہ :[۲] امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر گواہی دے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے اور یہ اس کا مہر ہے تو جس قاضی کو خط لکھا ہے وہ اس کو قبول کر لے، جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے تو اس پر فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لمبی چوڑی باتوں کی ضرورت نہیں ہے، صرف گواہ اس بات کی گواہی دے دے یہ فلاں قاضی کا خط ہے، اور یہ اس پر لگا ہوا اس قاضی کا مہر ہے بس اتنا ہی ہو تو دوسرے قاضی کو قبول کر لینے کا حق ہے۔

وجہ :(۱) اس قول تابعی میں ہے۔ قال ابراھیم کتاب القاضی الی القاضی جائز اذا عرف الکتاب والخاتم (بخاری شریف، باب الشہادۃ علی الخط المختوم الخ، ص۱۲۳۲، نمبر۷۱۶۲) اس قول تابعی میں ہے کہ جس قاضی کو خط لکھا ہے وہ سمجھ جائے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے تو فیصلہ کر سکتا ہے۔ (۲) اس قول تابعی میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ وعبادۃ بن

العدالة للفتح والصحيح أنه يفض الكتاب بعد ثبوت العدالة كذا ذكره الخصاف رحمه الله لأنه ربما يحتاج إلى زيادة الشهود وإنما يمكنهم أداء الشهادة بعد قيام الختم ۴؎ وإنما يقبله المكتوب إليه إذا كان الكاتب على القضاء حتى لو مات أو عزل أو لم يبق أهلا للقضاء قبل

منصور يجيزون كتب القضاة بغير محضر من الشهود ۔(بخاری شریف، باب الشهادة علی الخط المختوم الخ،ص ۱۲۳۲،نمبر ۷۱۶۲)
اس قول تابعی میں ہے کہ بغیر گواہی کے بھی قاضی کا خط قبول کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ :۳؎ متن میں یہ شرط نہیں ہے کہ خط کھولنے کے لئے گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ عدالت ثابت ہونے کے بعد خط سپرد کرے، حضرت خصافؒ نے اسی کو ذکر کیا ہے، اس لئے کہ کبھی اور گواہوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اور مہر موجود ہو تب ہی اور گواہوں کی گواہی ممکن ہے۔

تشریح : صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ متن میں یہ نہیں کہا کہ یہ تحقیق کرلے کہ گواہ عادل ہیں تب ہی خط کھولے، حالانکہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ اگر گواہ مستور الحال ہے، یا غیر عادل ہے تو مدعی علیہ مطالبہ کرے گا کہ مدعی اس کے علاوہ عادل گواہ پیش کریں تب فیصلہ کیا جائے، ایسی صورت میں الگ سے عادل گواہ اس کو لانا پڑے گا، تاکہ وہ گواہی دیں کہ یہ خط واقعی فلاں قاضی کا ہے اور یہ مہر بھی فلاں قاضی کا ہے، لیکن اگر خط کا مہر توڑ چکا ہے تو وہ کیسے اس مہر کی گواہی دے سکیں گے! اس لئے الگ سے دوسرے عادل گواہی کی ضرورت پیش نہ آئے اس لئے یہ لازم قرار دیا جائے کہ گواہ عادل ہیں تب ہی دوسرا قاضی اس مہر کو توڑے۔

لغت :یفض :فض سے مشتق ہے، کاغذ توڑ کر ٹکڑا کرنا۔

ترجمہ :۴؎ جس قاضی کو خط بھیجا ہے وہ اس وقت قبول کر سکتا ہے جبکہ لکھنے والا قاضی ابھی بھی عہدہ قضا پر ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر مر گیا، یا معزول کر دیا گیا، یا خط پہونچنے سے پہلے قضا کا اہل باقی نہیں رہا تو دوسرا قاضی اس خط کو قبول نہیں کرے گا، کیونکہ اب وہ رعایا بن گیا۔

اصول : یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ خط پر اسی وقت عمل کر سکتا ہے جبکہ دونوں قضا کے عہدے پر ہوں، پس اگر دونوں میں سے ایک عہدے سے ہٹ گیا ہو تو اب وہ عام رعایا ہو گیا، قاضی نہیں رہا، اس لئے اب خط پر عمل نہیں کر سکتا۔

تشریح : جس وقت دوسرے قاضی کے پاس خط پہنچا ہے اور اس کو قبول کیا ہے اس وقت خط لکھنے والا قاضی قضا پر موجود ہو تب اس خط پر عمل ہو سکے گا، چنانچہ اگر وہ اس سے پہلے مر گیا، یا معزول ہو گیا، یا فاسق ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے قضا کا اہل باقی نہیں رہا تو اب دوسرا قاضی اس خط پر عمل نہیں کر سکتا ہے،، کیونکہ پہلے کا خط ایک عام آدمی کا خط بن گیا، ہاں مکتوب

وصول الكتاب لا يقبله لأنه التحق بواحد من الرعايا ۵ ولهذا لا يقبل إخباره قاضيا آخر في غير عمله أو في غير عملهما ٦ وكذا لو مات المكتوب إليه إلا إذا كتب إلى فلان بن فلان قاضي بلدة كذا وإلى كل من يصل إليه من قضاة المسلمين لأن غيره صار تبعا له وهو معرف

الیہ قاضی گواہوں کے ذریعہ الگ سے اپنا کوئی فیصلہ صادر کرنا چاہے تو یہ اس کی گنجائش ہے۔

ترجمہ :۵ اسی لئے قاضی کی خبر اپنی حکومت کے علاوہ میں قبول نہیں کی جائے گی، یا دونوں کی حکومت کے علاوہ میں ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں کا قاضی ہے صرف اسی جگہ کا فیصلہ کر سکتا ہے دوسری جگہ کا نہیں۔

تشریح :مثلا دہلی کا قاضی ہے اب اس کا فیصلہ لکھنو میں نہیں چلے گا، کیونکہ جس ضلع، یا صوبے کا قاضی ہے صرف اسی میں اس کو فیصلہ کرنے کا حق ہے، دوسرے ضلع میں وہ عام آدمی کی طرح ہے۔ دوسری مثال ہے کہ ایک قاضی دہلی کا ہے، دوسرا قاضی لکھنو کا ہے، اور یہ دونوں مل کر مدراس کا فیصلہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ دونوں مدراس کا قاضی نہیں ہیں۔

وجہ: اس قول تابعی کے اشارے میں ہے۔ **اخبرنا الثوری عن عاصم فی رجلین اتو الی عبیدة یختصمان الیه فقال أتؤامرانی ؟ قالا نعم فقضی بینهم** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یقضی الرجل بین الرجلین ولم یولی؟ وکیف ان فعل، ج ثامن، ص ۲۳۳، نمبر ۱۵۳۷۳) اس قول تابعی میں ہے کہ فیصل نہ بنائے تو فیصلہ نہیں کر سکتا، جس کا مطلب یہ نکلا کہ قاضی معزول ہو جائے تو اس کا فیصلہ کافی نہیں ہے۔

لغت : فی غیر عملہ: جن جن ضلعوں کا قاضی ہے وہ اس کا عمل ہوا، اور اس کے علاوہ کے ضلعوں کو، غیر عملہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ :٦ جس قاضی کو خط لکھا وہ مر گیا تو یہ خط قبول نہیں کیا جائے گا، ہاں یوں لکھا فلاں قاضی کی طرف یا اس کے علاوہ اس وقت جو بھی مسلمانوں کا قاضی ہو اس کی طرف یہ خط ہے تو [دوسرا قاضی بھی اس خط پر عمل کر سکتا ہے] کیونکہ اس صورت میں دوسرا قاضی پہلے کا تابع ہو گیا، اور وہ سب کو معلوم ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس قاضی کو خط لکھا جا رہا ہے وہ معلوم ہو، اگر وہ مجہول ہو گا تو خط قابل عمل نہیں ہو گا۔

تشریح :صاحب ہدایہ پتہ لکھنے کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ، پہلے مخصوص قاضی کا نام لکھے اس کے تابع کر کے یوں لکھے کہ جو کوئی بھی اس قاضی کے قائم مقام ہو اس کے نام یہ خط ہے تو قائم مقام قاضی اس خط پر عمل کر سکتا ہے، کیونکہ قائم مقام قاضی سب کو معلوم ہے۔

وجہ : (۱) اس حدیث میں ہے کہ پہلے لکھنے والے کا نام لکھے، اس کے بعد جس کے نام خط لکھنا ہے خاص اس کا نام لکھے

۷ بخلاف ما إذا كتب ابتداء إلى كل من يصل إليه على ما عليه مشايخنا رحمهم الله لأنه غير معرف ۸ ولو كان مات الخصم ينفذ الكتاب على وارثه لقيامه مقامه. (۴۳۷) ولا يقبل كتاب

-عن ابن سيرين ان العلاء بن الحضرمى كتب الى رسول الله ﷺ بسم الله الرحمن الرحيم من العلاء بن الحضرمى الى محمد رسول الله ﷺ (سنن بیہقی، باب الرجل يبدأ بنفسه فی الکتاب، ج عاشر،ص۲۲۰،نمبر ۲۰۴۲۲)اس حدیث میں ہے کہ پہلے لکھنے والا اپنا نام لکھے،اوراس کے بعد جسکو خط لکھ رہا ہے اس کا خاص طور پر نام لکھے۔(۲) اس حدیث میں مکتوب الیہ کسری کا باضابطہ نام لکھا ہوا ہے۔ان عبد الله بن عباس اخبره ان رسول الله ﷺ بعث بكتابه الى كسرى فامره ان يدفعه الى عظيم البحرين، يدفعه عظيم البحرين الى كسرى -(بخاری شریف باب دعوة الیھود والنصاری الخ،ص۴۸۵،نمبر ۲۹۳۹)اس حدیث میں ہے کہ جس کو خط لکھا گیا ہے اس کا نام ہے۔

ترجمہ :۷ بخلاف اگر شروع میں لکھے جسکو بھی خط پہنچے اس کے نام،[تو یہ خط قابل عمل نہیں ہوگا] اسی پر ہمارے مشائخ ہیں اس لئے کہ قاضی متعین نہیں ہوا۔

تشریح :اگر خط پر پتہ یوں لکھا کہ جس قاضی کو بھی پہنچے اس کے نام، یا جو اس کے قائم مقام ہو،تو اس صورت میں پہلا قاضی بھی متعین نہیں ہے اس لئے اس کا نائب بھی متعین نہیں ہوگا اس لئے یہ خط قابل عمل نہیں ہوگا۔ ہمارے مشائخ کی یہی رائے ہے۔

لغت :معرف:معروف ہو۔

ترجمہ:۸ اوراگر مدعی علیہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے وارث پر خط نافذ کیا جائے گا،کیونکہ وہ مدعی علیہ کے قائم مقام ہے

تشریح : خط میں کام ایسا ہے کہ وارث پر بھی نافذ کیا جا سکتا ہے،اور مدعی علیہ کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کے ورثہ پر اس خط کے مضمون کو نافذ کیا جائے گا،کیونکہ وہ اس کے قائم مقام ہے۔

وجہ : وارث پر نافذ ہوگا اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله انه اخبره ان اباه توفى و ترك عليه ثلاثين وسقا لرجل من اليهود فاستنظره جابر فابى فكلم جابر رسول الله ﷺ ان يشفع له اليه فجاء رسول الله ﷺ فكلم اليهودى ليأخذ ثمر نخله بالذى له عليه فابى عليه و كلمه رسول الله ﷺ ان ينظره فابى -(ابوداود شریف،باب ما جاء فی الرجل یموت وعلیہ دین،الخ،ص۴۱۹،نمبر ۲۸۸۴)اس حدیث میں ہے کہ والد کا انتقال ہوا تو وارث سے اس کا قرض وصول کیا گیا۔

ترجمہ :(۴۳۷) قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود اور قصاص میں قبول نہیں کیا جائے گا۔

القاضي إلى القاضي في الحدود والقصاص لـ لأن فيه شبهة البدلية فصار كالشهادة على الشهادة ولأن مبناهما على الإسقاط وفي قبوله سعي في إثباتهما.

وجه :(۱) حدود اور قصاص کے بارے میں یہ ہے کہ حتی الامکان ان کو ساقط کرو۔ اور کتاب القاضی الی القاضی سے اور مضبوط ہوگا اس لئے کتاب القاضی الی القاضی حدود اور قصاص میں مقبول نہیں ہے۔ (۲) اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطى فى العفو خير من ان يخطى فى العقوبة** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۲۴ / دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث، ص ۶۸، نمبر ۳۰۷۵) (۳) دوسری بات یہ ہے کہ حدود اور قصاص شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اور کتاب القاضی الی القاضی میں شبہ ہوتا ہے اس لئے بھی یہ حدود اور قصاص میں جائز نہیں ہوگا (۴) اس قول تابعی میں ہے۔ **وقال بعض الناس كتاب الحاكم جائز الا فى الحدود**۔ (بخاری شریف، باب الشهادة على الخط المختوم الخ، ص ۱۲۳۲، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ حدود میں کتاب القاضی الی القاضی جائز نہیں ہے

ترجمہ : لـ اس لئے کہ کتاب القاضی الی القاضی میں بدلیت کا شبہ ہے تو گواہی پر گواہی کی طرح ہوگئی، اس لئے جائز نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ حدود کا مدار ساقط کرنے پر ہے اور کتاب القاضی کو قبول کرنے میں اس کو نافذ کرنے کی کوشش کرنا ہے

تشریح : یہ دو دلیل عقلی ہیں [۱]......ایک یہ ہے کہ دوسرا قاضی جب فیصلہ کرنے جائے گا تو اس میں بدل ہونے کا شبہ ہو گیا، اور شبہ سے حدود، اور قصاص ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے یہ ساقط ہو جائیں گے۔ اور [۲]......دوسری دلیل یہ ہے کہ اوپر حدیث میں آیا کہ جہاں تک ہو سکے حدود و اور قصاص کو ساقط کرو اور کتاب القاضی سے یہ اور مضبوط ہوگا اس لئے حدود اور قصاص میں کتاب القاضی الی القاضی جائز نہیں ہے۔

﴿فصل آخر﴾

(۴۳۸)ويجوز قضاء المرأة في كل شيء إلا في الحدود والقصاص لـ اعتبارا بشهادتها. وقد مر الوجه.(۴۳۹) وليس للقاضي أن يستخلف على القضاء إلا أن يفوض إليه ذلك لـ لأنه قلد

﴿فصل آخر﴾

ترجمه :(۴۳۸)اور جائز ہے عورت کو قاضی ہونا ہر معاملے میں سوائے حدود اور قصاص کے۔

ترجمه :لـ اس کو گواہی پر قیاس کیا، اور اس کی وجہ گزر چکی ہے۔

تشریح : عورت ہر چیز کی قاضی بن سکتی ہے البتہ حدود اور قصاص کا قاضی نہیں بن سکتی۔

وجه :(۱)و استشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل و امرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى ۔(آیت۲۸۲،سورت البقرۃ۲)اس آیت میں ہے کہ گواہی میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لئے اس کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ، حدود اور قصاص جیسے معاملے میں اس کو قاضی بنانا ٹھیک نہیں ہے۔(۲)حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے تو اس کا فیصلہ کیا کرے گی (۳) حدیث مرسل میں ہے۔عن الزهرى قال: مضت السنة من رسول الله ﷺ والخليفتين من بعده الا تجوز شهادة النساء فى الحدود. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی شہادۃ النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، نمبر ۲۸۷۰۵ / مصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شہادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ، ج ثامن، ص ۲۵۵، نمبر ۱۵۴۸۹ / سنن للبیہقی، باب شہادۃ فی الطلاق والرجعۃ وما فی معناھما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر ۲۰۵۲۸)اس حدیث مرسل میں ہے کہ حدود اور قصاص میں عورت کی گواہی مقبول نہیں تو اس معاملے کا قاضی بننا کیسے درست ہوگا؟ اس لئے کہ قاضی تو گواہوں کی گواہی لیکر فیصلہ کرتا ہے۔(۴)عن ابى بكرة قال لقد نفعنى الله بكلمة ايام الجمل لما بلغ النبى ﷺ ان فارسا ملكوا ابنة كسرى قال : لن يفلح قوم ولو امرهم امراة ۔(بخاری شریف، باب، ص ۱۲۲۴، نمبر ۷۰۹۹) اس حدیث میں ہے کہ عورت کو امیر بنایا تو وہ قوم کامیاب نہیں ہوگی، اس سے اشارہ ہے کہ وہ حدود وا اور قصاص میں حاکم نہیں بنے گی۔

ترجمه :(۴۳۹) قاضی کا حق نہیں ہے کہ قاضی پر خلیفہ بنائے مگر یہ کہ اس کی طرف یہ سونپے۔

ترجمه :لـ اس لئے کہ اس کو فیصلہ کرنے کے لئے قاضی بنایا ہے، دوسروں کو قاضی بنانے کے لئے نہیں بنایا گیا ہے، تو

القضاء دون التقليد به فصار كتوكيل الوكيل۲ بخلاف المأمور بإقامة الجمعة حيث يستخلف لأنه على شرف الفوات لتوقته فكان الأمر به إذنا بالاستخلاف دلالة ولا كذلك القضاء. ۳ ولو

جیسے وکیل کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

تشریح قاضی اپنی جگہ پر کسی کو قاضی بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتا، ہاں امیر المومنین نے ان کو اختیار دیا ہو کہ وہ اپنی جگہ قاضی بنائیں تو اب بنا سکتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے عمر کو اپنا وکیل بنایا تو اب عمر اپنی جگہ پر کسے کو وکیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ اس کی اجازت نہیں ہے، ہاں زید نے عمر کو وکیل بنانے کا اختیار دیا ہو تو اب وکیل بنا سکتا ہے، اسی طرح قاضی بنانے کا معاملہ ہے

وجہ : (۱) قاضی بنانا امیر المومنین کا کام ہے اس لئے وہی قاضی بنائیں گے۔ یا اس کی اجازت سے قاضی بنا سکیں گے (۲) جس طرح قاضی کسی کو حد جاری کرنے کا حکم دے تو وہ حد جاری کر سکتا ہے اسی طرح امیر قاضی کو قاضی بنانے کا اختیار دے تو وہ قاضی بنا سکتا ہے۔ حد جاری کرنے کے اختیار کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: واغد يا انيس الى امرأة هذا فان اعترفت فارجمها.** (بخاری شریف، باب الوکالۃ فی الحدود، ص ۳۱۱، نمبر ۲۳۱۴) اس حدیث میں آپؐ نے حضرت انسؓ کو رجم کرنے کا اختیار دیا تو وہ رجم کر سکے۔

لغت :یفوض : سپرد کرے۔ قلد القضاء: قاضی بنایا گیا ہے۔ دون التقلید : دوسرے کو قاضی بنانے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔

ترجمہ :۲ بخلاف اگر جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا ہو تو خلیفہ بنا سکتا ہے اس لئے کہ وقت کے ساتھ متعین ہونے کی وجہ سے فوت ہونے کے کنارے پر ہے، اس لئے جمعہ قائم کرنے کا حکم دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ خلیفہ بھی بنا سکتا ہے، لیکن قاضی بنانے کا مسئلہ ایسا نہیں ہے۔

تشریح : امیر نے کسی کو جمعہ قائم کرنے کا خلیفہ بنایا، لیکن اس کو اپنا خلیفہ بنانے کا حق نہیں دیا پھر بھی وہ دوسرے کو جمعہ قائم کرنے کا اپنا نائب بنا سکتا ہے

وجہ : کیونکہ جمعہ عصر کا وقت داخل ہوتے ہیں ختم ہو جائے گا اس لئے اگر دوسرے کو نائب نہیں بنایا اور خود اس کو کوئی مجبوری ہوگئی تو جمعہ فوت ہو جائے گا اس لئے دلالت کے طور پر اس کو نائب بنانے کا حق ہوگا۔ لیکن قضا کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ معاملہ بھی بڑا ہے اس لئے امیر کے اختیار دئے بغیر اپنا نائب نہیں بنا سکتا۔

لغت :شرف الفوات: فوت ہونے کے قریب ہے۔ توقتہ: وقت کے ساتھ متعین ہونے کی وجہ سے اذنا فی الاستخلاف: گویا کہ خلیفہ بنانے کی اجازت ہے۔

ترجمہ :۳ اگر دوسرے قاضی نے پہلے قاضی کے سامنے فیصلہ کیا، یا دوسرے قاضی نے فیصلہ کیا اور پہلے قاضی نے اس کی

قضى الثاني بمحضر من الأول أو قضى الثاني فأجاز الأول جاز كما في الوكالة وهذا لأنه حضره رأي الأول وهو الشرط ۴؎ وإذا فوض إليه يملكه فيصير الثاني نائبا عن الأصيل حتى لا يملك الأول عزله إلا إذا فوض إليه العزل هو الصحيح. (۴۴۰) قال وإذا رفع إلى القاضي حكم حاكم أمضاه إلا أن يخالف الكتاب أو السنة أو الإجماع بأن يكون قولا لا دليل عليه.

اجازت دے دی تو فیصلہ جائز ہوجائے گا، جیسے دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کے سامنے کام کیا ہو۔ یہ اس لئے کہ پہلے قاضی کی رائے شامل ہوگئی اور یہی شرط تھی

تشریح :امیر نے قاضی کو اپنا نائب بنانے کا اختیار نہیں دیا تھا پھر بھی اس نے بنالیا، لیکن پہلے قاضی کے سامنے یہ کام کیا، یا پہلے قاضی نے فیصلے کو دیکھ کر تصحیح کر دی تو ٹھیک ہوجائے گا، کیونکہ اس کا مقصد ہے کہ اس میں پہلے قاضی جو امیر کا قابل اعتماد ہے اس کی رائے شامل ہوا اور وہ ہوگئی اس لئے جائز ہوجائے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ پہلے قاضی ہی نے یہ کام کیا ہے۔

ترجمہ :۴؎ اور اگر امیر نے قاضی بنانے کا بھی اختیار دیا تو دوسرا قاضی امیر کا ہی نائب ہوجائے گا، یہی وجہ ہے کہ پہلا قاضی اس کو معزول نہیں کرسکتا، ہاں امیر نے پہلے قاضی کو معزول کرنے کا بھی اختیار دیا ہو تو اب معزول بھی کرسکتا ہے۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ :(۴۴۰) اگر لایا جائے قاضی کے پاس کسی حاکم کا حکم تو اس کو نافذ کردے مگر یہ کہ قرآن کریم یا سنت یا اجماع کا مخالف ہو یا قول بغیر دلیل کے ہو۔

تشریح : اس میں دو مسئلے ہیں۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ پہلے قاضی کا فیصلہ قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف نہ ہو تو مکتوب الیہ قاضی اس کو نافذ کرے گا۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن، حدیث اور اجماع کے خلاف ہو تو اس فیصلے کو رد کر دے۔

وجہ : (۱) جب شریعت کے موافق ہے تو رد کرنے سے کیا فائدہ!۔ کیونکہ پہلے قاضی کا بھی اجتہاد ہے اور اس قاضی کا بھی اجتہاد ہے۔ اور پہلے قاضی کے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ بھی ہو چکا ہے اس لئے اس کو توڑنا اچھا نہیں ہے، نافذ کردے (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ حدثنا عبید الله بن محرز جئت بكتاب من موسى بن انس قاضی البصرة واقمت عنده البينة ان لی عند فلان كذا وكذا وهو بالكوفة وجئت به القاسم بن عبد الرحمن فاجازه (بخاری شریف، باب الشہادة علی الخط المختوم الخ، ص ۱۲۳۲، نمبر ۷۱۶۲) اس اثر میں قاسم بن عبد الرحمن نے حضرت موسی بن انس کے فیصلے کو نافذ فرمایا (۳) اس قول تابعی میں ہے۔ عن ابن سيرين قال سمعت شريحا يقول انی لا ارد قضاء كان قبلی. (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یرد قضاء القاضی؟ او یرجع عن قضاۂ، ج ثامن، ص ۲۳۴، نمبر ۱۵۳۷۶) اس تابعی سے

[۱] وفي الجامع الصغير وما اختلف فيه الفقهاء فقضى به القاضي ثم جاء قاض آخر يرى غير ذلك أمضاه والأصل أن القضاء متى لاقى فصلا مجتهدا فيه ينفذه ولا يرده غيره لأن اجتهاد الثاني

معلوم ہوا کہ خلاف شریعت نہ ہوتو ماقبل قاضی کے فیصلے کو رد نہیں کرنا چاہئے۔

اورقرآن، حدیث یا اجماع کے خلاف ہوتو اس کو رد کر دے گا۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے۔ عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ من احدث فی امرنا هذا مالیس فیه فهو رد۔ (بخاری شریف، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ص ۴۴۰، نمبر ۲۶۹۷ رابوداؤد شریف، باب فی لزوم السنة، ص ۶۵۱، نمبر ۴۶۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں نہ ہوتو مردود ہے۔ اسی باب میں ایک دیہاتی کے بیٹے کے زنا کا واقعہ ہے۔ لوگوں نے ان کے لئے رجم کا فیصلہ کیا تو آپؐ نے اس کو رد فرمایا اور فرمایا کہ تمہارے بیٹے پر سوکوڑے ہیں کیونکہ وہ محصن نہیں ہے۔ جاء اعرابی فقال...... انما علی ابنک جلد مائة و تعریب عام فقال النبی ﷺ لاقضین بینکما بکتاب الله اما الولیدة و الغنم فرد علیک وعلیابنک جلد مائة و تغریب عام (بخاری شریف، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ص ۴۴۰، نمبر ۲۶۹۵) اس حدیث میں ہے کہ اگر حدیث کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہوتو اس کو رد کیا جا سکتا ہے۔ (۳) حدیث میں ہے کہ حضرت خالدؓ نے قیدیوں کے سلسلے میں قتل کا فیصلہ فرمایا جو شریعت کے خلاف تھا تو حضورؐ نے اس کو رد فرمایا اور اس سے براءت ظاہر کی۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ بعث النبی ﷺ خالداؓ... فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال اللهم انی ابراء الیک مما صنع خالد بن الولید مرتین (بخاری شریف، باب اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اهل العلم فهو رد، ص ۱۲۳۸، نمبر ۷۱۸۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خلاف شریعت فیصلہ ہوتو اس کو رد کیا جائے گا اور نافذ نہیں کیا جائے گا (۴) اس قول تابعی میں اس کی صراحت ہے۔ عن الثوری قال اذا قضی القاضی بخلاف کتاب الله او سنة نبی الله او شیء مجتمع علیه، فان القاضی بعده یرده، فان کان شیئا برای الناس لم یرده ویحمل ذلک ما تحمل (مصنف عبد الرزاق، باب هل یرد قضاء القاضی او یرجع عن قضاءہ، ج ثامن، ص ۲۳۴، نمبر ۱۵۳۰۷) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف ہوتو رد کر دیا جائے گا۔

ترجمه: [۱] جامع صغیر میں یہ ہے کہ جس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور قاضی نے ایک کے مطابق فیصلہ کر دیا، پھر دوسرا قاضی آیا تو وہ پہلے فیصلے کو ہی نافذ کر دے گا، اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسئلے میں قضا ساتھ ہو گیا تو نافذ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ دوسرے قاضی کا اجتہاد درجے میں پہلے قاضی کی طرح ہے اور پہلے حکم کو قضا کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے ترجیح ہو گئی، اس لئے بعد والا فیصلہ جو کمزور ہے اس کو توڑے گا نہیں۔

كاجتهاد الأول وقد يرجح الأول باتصال القضاء به فلا ينقض بما هو دونه.(۱۴۴۱) ولو قضى في المجتهد فيه مخالفا لرأيه ناسيا لمذهبه نفذ عند أبي حنيفة رحمه الله وإن كان عامدا ففيه روايتان۱ووجه النفاذ أنه ليس بخطأ بيقين۲ وعندهما لا ينفذ في الوجهين لأنه قضى بما هو خطأ

جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔و ما اختلف فيه الفقهاء فقضى به القاضي ثم جاء قاض آخر يرى غير ذالک امضاه (جامع صغیر، باب من القضاء، ص۳۹۹)

تشریح : مثال کے طور پر ایک مسئلہ ہے جس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور دونوں کے پاس شرعی دلائل ہیں، اب اس مسئلے میں ایک قاضی نے ایک طرف کا فیصلہ دے دیا، پھر دوسرا قاضی آیا جسکی رائے اس کے خلاف تھی پھر بھی اس کو پہلا قضا نافذ کرنا پڑے گا۔

وجہ : کیونکہ مسئلے میں دونوں طرف دلائل ہیں اور دونوں طرف فقہاء ہیں، اور ایک طرف کے ساتھ قاضی کا فیصلہ ہو گیا ہے تو گویا کہ اس کی تائید ہوگئی اس لئے اب اسی کو نافذ کرنا پڑیگا۔لیکن اس میں شرط ہے کہ یہ فیصلہ قرآن اور حدیث کے خلاف نہ ہو۔

ترجمہ :(۱۴۴۱) مجتہد فیہ مسئلے میں بھول کر اپنے مذہب کے خلاف، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نافذ ہو جائے گا۔اور اگر جان کر فیصلہ دیا تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

ترجمہ :۱ نافذ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اختلاف کی وجہ سے یقینی طور پر وہ غلط فیصلہ تو نہیں ہے [اس لئے نافذ کر دیا جائے]

لغت : مجتہد فیہ: جس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہو اور دونوں کے پاس شرعی دلائل ہوں، اور وہ مسئلہ قرآن، حدیث، اور اجماع کے خلاف نہ ہو اس کو مسئلہ مجتہد فیہ، کہتے ہیں

تشریح : مسئلہ ایسا تھا جو مجتہد فیہ تھا، یعنی بعض فقہاء کا اجتہاد کچھ اور تھا اور بعض دوسرے کا اس کے مخالف تھا، قاضی نے بھول کر اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دے دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ دوسری طرف بھی دلیل شرعی ہے اس لئے وہ مذہب کوئی یقینی طور پر غلط نہیں ہے اس لئے اگر اس کے مطابق فیصلہ کر دیا تو قضا کی تائید کی وجہ سے نافذ ہو جائے گی۔

اور جان کر اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کیا تو صحیح بات یہ ہے کہ خود قاضی کا دل اس فیصلے کو نہیں مان رہا ہے، اور جب اس کا ہی دل مطمئن نہیں ہے تو فیصلہ نافذ کیسے کیا جائے۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس فیصلے کو نافذ کر دیا جائے کیونکہ دو دوسرے مذہب والے کے پاس بھی دلیل ہے، اس لئے چاہے دل نہ مانے لیکن اس کے ساتھ قضا ہو چکا ہے اس لئے نافذ کر دیا جائے گا

نوٹ :اگر دوسرے مذہب پر فتوی دینے کی شدید مجبوری ہو اور اس کے پاس احادیث بھی ہوں تو فتوی دینا جائز بھی ہے اور

عنده وعليه الفتوى ۳؎ ثم المجتهد فيه أن لا يكون مخالفا لما ذكرنا. والمراد بالسنة المشهورة منها ۴؎ وفيما اجتمع عليه الجمهور لا يعتبر مخالفة البعض وذلك خلاف وليس باختلاف

اس کونافذ بھی کیا جائے گا۔مثلا امام شافعیؒ کے یہاں بغیر ولی کے عورت کا نکاح جائز نہیں ہے،لیکن اس وقت لاکھوں عورتیں اپنی مرضی سے بغیر ولی کے نکاح کر رہی ہیں،اس لئے اگر حنفیت کے مذہب پر فتوی دے دیا جائے تو چوں کے شدید مجبوری ہے اس لئے نکاح جائز ہوجائے گا[یہ میری ناقص رائے ہے]

ترجمہ :۲؎ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں نافذ نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ جو اس کے نزدیک غلط ہے اسی پر فیصلہ کیا ہے۔اور صاحبینؒ کی رائے پر فتوی ہے۔

تشریح : صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ چاہے بھول سے ہو چاہے جان کر فیصلہ کیا ہو دونوں صورتوں میں نافذ نہیں کیا جائے گا کیونکہ صحیح معنی میں اس قاضی کے نزدیک غلط فیصلہ ہے،اور اس کے مذہب کے خلاف فیصلہ ہے،صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ فتوی اسی پر ہے۔

نوٹ:اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ جہاں واقعی شدید مجبوری ہو اور دوسرے مذہب والے کے پاس شرعی دلائل ہوں،جسکی بنیاد پر دوسرے مذہب پر جان کر فیصلہ کیا ہے تو اس کو نافذ کیا جائے گا،کیونکہ انسانی دنیا کے لئے شدید مجبوری ہوگئی۔

ترجمہ :۳؎ مجتہد فیہ مسئلہ اس کو کہتے ہیں کہ وہ اس کے مخالف نہ ہو جس کا میں نے اوپر ذکر کیا[یعنی قرآن کریم،حدیث، اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔اور حدیث سے بھی مراد حدیث مشہورہ ہے۔

تشریح : مجتہد فیہ مسئلہ کسکو کہتے ہیں اس کی تفسیر فرما رہے ہیں کہ،جو مسئلہ آیت،مشہور حدیث،اور اجماع کے خلاف نہ ہو اس کو مسئلہ مجتہد فیہ،کہتے ہیں،اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ آیت میں ہے۔**و لا تنکحوا ما نکح آبائکم من النساء الا ما قد سلف** ۔(آیت ۲۲،سورت ۴)اس آیت میں کہ تمہارے باپ نے جس عورت سے نکاح کیا،جسکو تم سوتیلی ماں کہتے ہو اس سے نکاح مت کرو، اس مسئلے پر سب اماموں کا اجماع ہے اس لئے یہ مسئلہ مجتہد فیہ کہلائے گا۔

لغت: لما ذکرنا: سے مراد،آیت،حدیث مشہورہ،اور اجماع ہے، کے اجتہاد اس کے خلاف نہ ہو۔

ترجمہ :۴؎ جس مسئلے پر جمہور کا اتفاق ہو گیا ہے اس میں بعض آدمی کی مخالفت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس کو خلاف کہتے ہیں اختلاف نہیں کہتے ہیں۔اور صدر اول یعنی صحابہ اور تابعین کے زمانے کے اختلاف کا اعتبار ہے۔

لغت :کسی مسئلے کے بارے میں اختلاف ہو اور دونوں کے پاس قرآن،اور حدیث کی دلیل ہو تو اس کو اختلاف کہتے ہیں،اس میں دونوں کے دلوں میں کینہ اور حسد نہیں ہوتا بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ دونوں میں ہوتا ہے۔اور خلاف میں کوئی دلیل

والمعتبر الاختلاف في الصدر الأول.(٤٤٢)قال وكل شيء قضى به القاضي في الظاهر بتحريم فهو في الباطن كذلک عند أبي حنيفة رحمه الله‌ا وكذا إذا قضى بإحلال

نہیں ہوتی، صرف اپنی سمجھ ہوتی ہے، یا اپنے آپ کو بڑا بتلانا ہوتا ہے، یا اپنی پارٹی کی حمایت کرنا مقصود ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ اگر حق بات سامنے آجائے تو اس پر عمل کرلیا جائے گا۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنی رائے پر ضد کرنے کے لئے الٹی سیدھی دلیل کی تائید حاصل کرلیتے ہیں اور اس پر پوری ضد کرتے رہتے ہیں، اسکو خلاف، کہتے ہیں یہ بالکل اچھی چیز نہیں ہے

تشریح :صحابہ اور تابعین کے جمہور نے جس بات پر اتفاق کرلیا اس کو اجماع، کہتے ہیں، لیکن جمہور سے مراد صحابہ اور تابعین کا جمہور ہے، اس کے بعد کے جمہور کے اتفاق کا اعتبار نہیں ہے۔ اگر جمہور صحابہ، یا جمہور تابعین نے کسی مسئلے پر اتفاق کر لیا، لیکن کچھ تھوڑے سے لوگوں نے اس کا خلاف کیا تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، جمہور کے اتفاق کا ہی اعتبار ہوگا۔

لغت : **المعتبر الاختلاف فی الصدر الاول** :سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شروع زمانہ، یعنی صحابہ اور تابعین کے زمانے کے اختلاف کا اعتبار ہے، بعد کے زمانے کے اختلاف کا اعتبار ہے۔ کیونکہ بعد میں تو ہوس غالب ہوگئی ہے۔

وجه :حدیث میں صدر اول کی تعریف کی ہے۔ **عن عمران بن حصين يقول قال رسول الله ﷺ خير امتى قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ،قال عمران فلا ادرى اذكر بعد قرنه قرنين او ثلاثة ثم ان بعدكم قوما يشهدون و لا يستشهدون ، و يخونون ولا يؤتمنون ، و ينذرون و لا يفون و يظهر فيهم السمن** ۔(بخاری شریف، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ ص ٦١٢، نمبر ٣٦٥٠ رابوداود شریف، باب فضل اصحاب النبی ﷺ ص ٦٥٨، نمبر ٤٦٥٧) اس حدیث میں صحابہ اور تابعین کے نیت طیبہ کی تعریف کی ہے بعد کی نہیں اس لئے انہیں کے اجماع کا اعتبار ہے۔

ترجمه :(٤٤٢) ہر وہ چیز جس کا قاضی نے ظاہر میں حرام ہونے کا فیصلہ کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطن میں بھی ویسے ہی ہوجائے گا۔

ترجمه :ا ایسے ہی قاضی نے کسے چیز کے حلال ہونے کا فیصلہ کیا [تو وہ حلال ہوجائے گی]

لغت :اس متن جو مسئلے ہیں وہ عبادات کے سلسلے میں نہیں ہے، عبادات کے بارے میں قاضی کوئی فیصلہ شریعت کے خلاف کرے تو وہ کسی حال میں نافذ نہیں ہوگا۔ یہاں جو مسئلے ہیں وہ عقود اور فسوخ ہیں، یعنی جو چیزیں ایجاب اور قبول سے طے ہو جاتی ہیں اور آدمی مالک بن جاتا ہے اس کے سلسلے میں فیصلے کے بارے میں ہے، مثلا [١]......نکاح [٢]...... طلاق [٣]......بیع [٤]......شراء سے ملکیت [٥]...... ہبہ [٦]...... وراثت، وغیرہ چیزیں جو ایجاب اور قبول سے وجود میں آجاتیں

ہیں، یا گواہی اور ثبوت کے بعد قاضی فیصلہ کر دے تو چیز مالک کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔

دوسری بات یہ یاد رکھنی ہے کہ اگر مدعی کسی چیز کا دعوی کرے اور اس کی وجہ بھی بتائے تو اس کو ,املاک مقیدہ، کہتے ہیں، کیونکہ اس نے ملک کی وجہ بھی بتائی ۔ مثلا زید یہ کہے کہ یہ باندی میری ہے اور اس کی وجہ بھی بتائے کہ میں نے اس کو خریدی ہے، تو خریدنا مالک ہونے کا سبب بتایا اس لئے یہ ,املاک مقیدہ، کہلائے گا ۔

حکم :املاک مقیدہ، کا حکم یہ ہے کہ چونکہ اس نے مالک ہونے کا سب بتایا ہے اور گواہ کے ذریعہ اس کو ثابت کیا ہے اس لئے مالک کے لئے ظاہرا اور باطنا حلال ہو گئے، مثلا شوہر نے دعوی کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور وجہ بھی بتائی کہ میں نے فلاں تاریخ میں نکاح کیا ہے تو یہ بیوی شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی، اور پہلے نکاح نہ ہوا تو اب قاضی کے فیصلے سے نکاح ہو جائے گا۔ اور ظاہرا اور باطنا، یعنی عند اللہ بھی عورت حلال ہو جائے گی، بشرطیکہ اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہو۔

املاک مرسلہ : قاضی کے سامنے مدعی دعوی کرے کہ یہ چیز میری ہے، لیکن کس طرح یہ چیز اس کی ہے اس کی وجہ نہ بتائے تو اس کو ,املاک مرسلہ، کہتے ہیں، مثلا یہ دعوی کرے کہ یہ میری بیوی ہے، لیکن کیسے بیوی بنی، کب نکاح ہوا یہ نہ بتائے تو چونکہ اس نے مالک ہونے کی وجہ نہیں بتائی مطلق چھوڑ دی تو اس کو ,املاک مرسلہ، کہتے ہیں۔

املاک مرسلہ کا حکم: چونکہ مالک بننے کی وجہ نہیں بتائی، اور گواہ حقیقت میں جھوٹی ہو تو ظاہری طور پر بیوی بن جائے گی، لیکن باطنی طور پر بیوی نہیں بنے گی اس لئے بیوی کو چاہئے کہ وطی پر قدرت نہ دے، اور شوہر کو چاہئے کہ اس سے وطی نہ کرے۔ لیکن امام شافعیؒ کا قول یہی ہے کہ نہ ظاہرا نافذ ہوگا، اور نہ باطنا نافذ ہوگا۔

وجہ :(۱) اس حدیث میں ہے کہ نافذ نہیں ہوگا اس لئے نہیں لینا چاہئے۔ **عن ام سلمةؓ ان رسول الله ﷺ قال انكم تختصمون الى و لعل بعضكم الحن بحجته من بعض ، فمن قضيت له بحق اخيه شيئا بقوله فانما اقطع له قطعة من النار فلا يأخذها** ۔(بخاری شریف، باب من اقام البینة بعد الیمین، ص ۴۳۶، نمبر ۲۶۸۰) اس حدیث میں ہے کہ اگر غلط فیصلہ کر دیا تو لینے والے کو نہیں لینا چاہئے ۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ ظاہری طور پر چاہے تو لے لے، لیکن باطنی طور پر نہ لے۔ **ان امها ام سلمةؓ زوج النبی ﷺ .....انما انا بشر و انه يأتينى الخصم فلعل بعضكم ان يكون ابلغ من بعض فاحسب انه صدق فاقضى له بذالک فمن قضيت له بحق مسلم فانما هى قطعة من النار فليأخذها او ليتركها** ۔(بخاری شریف، باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ، ص ۳۹۶، نمبر ۲۴۵۸) اس حدیث میں ہے کہ چاہے تو لے لے، جس سے استدلال کیا جا سکتا ہے، کہ ظاہری طور پر حلال ہو گیا، اور چاہے تو چھوڑ دے

۲؎ وهذا إذا كانت الدعوى بسبب معين وهي مسألة قضاء القاضي في العقود والفسوخ بشهادة الزور وقد مرت في النكاح.(۴۴۳) قال ولا يقضي القاضي على غائب إلا أن يحضر من يقوم مقامه ا؎ وقال الشافعي رحمه الله يجوز لوجود الحجة وهي البينة فظهر الحق.۲؎ ولنا أن العمل

جس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ باطنی طور پر حلال نہیں ہے۔

ترجمہ :۲؎ یہ جب ہے کہ سبب معین کے ذریعہ دعوی کیا ہو، اور جھوٹی گواہی کے ذریعہ عقد اور عقد کے فسخ میں فیصلے کا مسئلہ ہے، اور اس کا کچھ حصہ کتاب النکاح میں گزر گیا۔

تشریح :کسی چیز کی ملکیت کا دعوی کیا ہو اور یہ وجہ بھی بیان کیا ہو کہ یہ چیز کس وجہ سے میری ہے، جسکو املاک مقیدہ، کہتے ہیں اس کی پوری تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ :(۴۴۳) قاضی غائب پر فیصلہ نہ کرے مگر یہ کہ اس کا کوئی قائم مقام حاضر ہو۔

تشریح :پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ مدعی علیہ غائب ہو تو اس پر فیصلہ نہ کیا جائے۔ ہاں! اس کا کوئی قائم مقام موجود ہو، مثلا اس کا وکیل موجود ہو یا وصی موجود ہو یا ایسا سبب ہو جو غائب پر بھی لگتا ہو اور حاضر پر بھی لگتا ہو یا بار بار خبر دینے کے باوجود حاضر نہ ہوتا ہو، مثلا عورت غائب شوہر پر نفقہ کا دعوی کر رہی ہو اور شوہر زمانے سے غائب ہو اور عورت کے لئے نفقے کی کوئی صورت نہ ہو تو غائب پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

وجہ :(ا) **عن علیؓ ... فقال ان اللہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانہ احری ان یتبین لک القضاء** ۔(ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین حتی یسمع کلامھما، ص ۲۴۸، نمبر ۱۳۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ کی بات بھی سنو تب فیصلہ کرو۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مدعی علیہ حاضر ہو یا اس کا قائم مقام حاضر ہو اور اپنی بات سنا سکے (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **سمعت شریحا یقول لا یقضی علی غائب**. (مصنف عبد الرزاق، باب لا یقضی علی غائب، ج ثامن، ص ۲۳۵، نمبر ۱۵۳۸۵)

ترجمہ :ا؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز ہے کیونکہ حجت یعنی گواہ پایا گیا اس لئے حق ظاہر ہو گیا [اس لئے غائب پر فیصلہ کرنا جائز ہے]

تشریح :امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ مدعی علیہ مجلس قضا سے غائب ہو تب بھی اس پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔

وجہ :(ا) غائب آدمی پر فیصلہ نہ کریں تو مدعی کا حق ضائع ہوگا اس لئے غائب آدمی پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔ (۲) حدیث میں

بالشهادة لقطع المنازعة ولا منازعة دون الإنكار ولم يوجد ۳؎ ولأنه يحتمل الإقرار والإنكار من الخصم فيشتبه وجه القضاء لأن أحكامهما مختلفة ۴؎ ولو أنكر ثم غاب فكذلک لأن الشرط

ہے۔ عن عائشةؓ ان هندا قالت للنبی ﷺ ان ابا سفيان رجل شحيح واحتاج ان آخذ من ماله ،قال ﷺ خذی مايکفيک وولدک بالمعروف. (بخاری شریف، باب القضاء علی الغائب، ص۱۲۳۶، نمبر۷۱۸۰رمسلم شریف، باب قضية ہند، ص۷۶۰، نمبر۴۴۷۷ر۱۷۱۴) اس حدیث میں حضرت سفیانؓ حاضر نہیں تھے پھر بھی ان کے مال سے نفقہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ :۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہی پر عمل کرنا جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ہے اور انکار کے بغیر جھگڑا ہی نہیں ہے اور مدعی علیہ حاضر نہ ہونے کی وجہ سے انکار نہیں پایا گیا اس لئے گواہی پر عمل ہی نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ گواہی اس وقت پیش کی جاتی ہے جب مدعی علیہ کی جانب سے انکار ہوتا ہے، اور یہاں مدعی علیہ حاضر ہی نہیں ہے کہ وہ انکار کرے اس لئے گواہ کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے قاضی بغیر گواہ کے فیصلہ ہی نہیں کر سکتا ہے ۔اس لئے غائب پر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

ترجمہ :۳؎ اور اس لئے کہ احتمال رکھتا ہے کہ مدعی علیہ اقرار کر لے [تو فیصلے کی نوعیت اور ہو جائے گی] اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ انکار کر جائے تو [تو فیصلے کی نوعیت دوسری ہو جائے گی] اس لئے فیصلے کا طریقہ مشتبہ ہو گیا اس لئے اقرار اور انکار دونوں کے فیصلے کا طریقہ الگ الگ ہے۔

تشریح : غائب پر فیصلہ نہ کرنے کی یہ بھی دلیل عقلی ہے۔ کہ مدعی علیہ حاضر ہوتا تو اگر وہ اقرار کرتا تو فیصلے کی نوعیت الگ ہوتی، کہ گواہی کی ضرورت نہیں پڑتی اور انکار کرتا تو فیصلے کی نوعیت دوسری ہوتی کہ گواہی کی ضرورت پڑتی، اب مدعی علیہ حاضر ہی نہیں ہے تو کون سی نوعیت کا فیصلہ کرے، اس لئے غائب پر فیصلہ ہی نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ :۴؎ اگر مدعی علیہ نے انکار کیا پھر غائب ہو گیا تب بھی جواب یہی ہے کہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ فیصلے کے وقت تک انکار پر قائم رہنا چاہئے [اور یہاں غائب ہونے کی وجہ سے انکار قائم ہے یا نہیں پتہ نہیں چلتا، اس لئے فیصلہ نہیں ہوگا]

تشریح : مدعی علیہ ایک مرتبہ دار القضا میں حاضر ہو کر انکار کر گیا، لیکن فیصلہ کے وقت مدعی علیہ حاضر نہیں ہے، اس لئے کیا معلوم کہ وہ ابھی اپنے انکار پر برقرار ہے یا نہیں، چونکہ اقرار اور انکار کی صورت مشتبہ ہو گئی اس لئے قاضی اس غائب پر فیصلہ صادر نہ کرے۔ کیونکہ فیصلے کے وقت بھی حتمی طور مدعی علیہ کا انکار پر قائم رہنا ضروری ہے، تب فیصلہ کر سکے گا۔

ترجمہ :۵؎ امام ابو یوسفؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

قيام الإنكار وقت القضاء ۵؎ وفيه خلاف أبي يوسف رحمه الله ٦؎ ومن يقوم مقامه قد يكون نائبا بإنابته كالوكيل أو بإنابة الشرع كالوصي من جهة القاضي وقد يكون حكما بأن كان ما يدعي على الغائب سببا لما يدعيه على الحاضر وهذا في غير صورة في الكتب ۷؎ أما إذا كان شرطا لحقه فلا معتبر به في جعله خصما عن الغائب وقد عرف تمامه في الجامع. (۴۴۴) قال ويقرض

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ انکار کرنے کے بعد جب غائب ہو گیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ ابھی تک اپنے انکار پر قائم ہے اس لئے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ٦؎ اور مدعی علیہ کے قائم مقام ہو، کبھی خود مدعی علیہ کے نائب بنانے سے نائب بنتا ہے جیسے اس کا وکیل ہو، یا شریعت کے نائب بنانے سے نائب بنتا ہے، جیسے قاضی کی جانب سے وصی ہو، کبھی حکما نائب بن جاتا ہے جیسے جس سبب پر غائب پر دعوی ہے اسی سبب سے حاضر پر بھی دعوی ہو، اور کتاب میں اس کی بہت ساری صورتیں مذکور ہیں۔

تشریح: متن میں یہ تھا کہ غائب پر فیصلہ تو نہیں کر سکتا، لیکن یہ پانچ چیزیں ہوں تو غائب پر بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔ [۱] مدعی علیہ نے اپنا نائب بنایا ہو، یعنی اپنا وکیل بنایا اور وہ قاضی کے سامنے حاضر ہے تو قاضی فیصلہ کر سکتا ہے۔ [۲] یا شریعت نے نائب بنایا، جیسے مرنے والے کے لئے وصی بنایا تو وصی کی حاضری میں قاضی فیصلہ کر سکتا ہے۔ [۳] جس حکم میں غائب مدعی علیہ ہو اسی حکم میں حاضر مدعی علیہ بھی ہو تو حاضر پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے، جو غائب پر بھی نافذ ہو جائے گا۔ مثلا زید اور عمر دونوں کا ایک مکان تھا اس مکان پر کسی نے ملکیت کا دعوی کیا، زید قاضی کے سامنے حاضر تھا اور عمر حاضر نہیں تھا قاضی نے زید کے خلاف فیصلہ کر دیا کہ یہ مکان مدعی کا ہے تو یہ فیصلہ عمر پر بھی نافذ ہو جائے گا، کیونکہ زید اور عمر دونوں ایک حکم میں شریک ہیں۔

ترجمہ: ۷؎ اور اگر مدعی علیہ کے حق کی شرط ہو تو اس کی وجہ سے غائب کو خصم بنانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جامع صغیر میں اس کی پوری بحث ہے

تشریح: یہاں عبارت تھوڑا پیچیدہ ہے۔ سبب: سبب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کی ملکیت میں دونوں شریک ہوتے ہیں، اس لئے ایک شریک پر فیصلہ ہونے کی وجہ سے دوسرے شریک پر بھی فیصلہ ہو جائے گا، چاہے وہ غائب ہو۔ شرط: شرط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ بات ہوگی تو اس کی بنیاد پر دوسری بات بھی ثابت ہوگی۔ مثلا اگر زید گھر میں داخل ہوا تو اس کی وجہ سے اس کی بیوی کو طلاق ہوگی۔ یہاں دونوں ایک ملکیت میں شریک نہیں ہوتے، صرف بات پر بات بنتی ہے اس لئے شرط کی صورت میں حاضر پر فیصلہ ہوا تو اس کی وجہ سے غائب پر فیصلہ نہیں ہوگا، کیونکہ دونوں ایک ملکیت میں شریک نہیں ہیں۔

ترجمہ: (۴۴۴) قاضی یتیم کے مال کو قرض دے سکتا ہے، لیکن حق کے ذکر کو لکھے۔

القاضي أموال اليتامى ويكتب ذكر الحق ۱؎ لأن في الإقراض مصلحتهم لبقاء الأموال محفوظة مضمونة والقاضي يقدر على الاستخراج والكتابة ليحفظه(۴۴۵) وإن أقرض الوصي ضمن ۱؎

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ قرض دینے میں یتیم کی مصلحت ہے، کیونکہ مال محفوظ رہے گا، اور جو لے گا وہ اس کا ضمان ادا کرے گا، اور قاضی قرض لینے والے سے رقم واپس نکلوا سکتا ہے۔ اور لکھنا اس لئے کہ معاہدہ محفوظ رہے۔

تشریح :امانت کی چیز کسی کے پاس رکھ دو اور اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو امانت رکھنے والے پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوتا، اس لئے مال والے کا مال ضائع ہو جائے گا، لیکن اگر قرض لیا ہے اور قرض لینے والے کے پاس ہلاک ہو جائے تو قرض والے کو اس کا ضمان واپس کرنا پڑتا ہے، اس لئے مال والے کا مال کسی حال میں ضائع نہیں ہوگا۔ چونکہ یتیم کا مال قرض دینے کی صورت میں ضائع نہیں ہوگا اس لئے متن میں یہ کہا گیا کہ قاضی یتیم کے مال کو قرض پر رکھ دے تاکہ وہ محفوظ رہے، اور اس کو لکھ بھی دے، اور چونکہ قاضی ہے اس لئے قرض والے سے واپس بھی لے سکتا ہے۔

وجہ :(۱) و لا تقربوا مال اليتيم الا بالتی هی احسن حتی يبلغ اشده ۔(آیت ۳۴، سورت الاسراء ۱۷) اس آیت میں ہے کہ یتیم کے مال کے لئے جو فائدہ مند ہو وہ کام کر سکتے ہو۔ (۲) اس آیت میں بھی ہے کہ جو فائدہ مند ہو وہ کام کر سکتے ہو۔ و يسئلونک عن اليتامى قل اصلاح لهم خير و ان تخالطوهم فاخوانكم ۔(آیت ۲۲۰، سورت البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ یتیم کے مال کے ساتھ اصلاح کا معاملہ کرنا زیادہ اچھا ہے۔ (۳) اس حدیث میں ہے کہ تجارت بھی کر سکتے ہیں اس لئے قرض پر بھی رکھا جا سکتا ہے۔ عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولی يتيما له مال فليتجر فيه و لا يتركه حتى تاكله الصدقة (ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکوۃ مال الیتیم ص ۱۳۹ نمبر ۶۴۱ / دار قطنی، باب وجوب الزکوۃ فی مال الصبی والیتیم، ج ثانی، ص ۹۵، نمبر ۱۹۵۱) (۴) اس آیت میں ہے کہ معاملہ کرو تو لکھ لیا کرو۔ يا ايها الذين آمنوا اذا تداينتم بدين الى اجل مسمى فاكتبوه و ليكتب بينكم كاتب بالعدل ۔(آیت ۲۸۲، سورت البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو تاکہ یاد رہے۔

لغت: محفوظۃ، مضمونۃ: قرض دینے سے ہلاک ہونے کے باوجود قرض والے کو واپس دینا ہوگا اس لئے یتیم کا مال محفوظ بھی ہے اور اس کا ضمان بھی واجب ہونے والا ہے۔ استخراج: خرج سے مشتق ہے، نکالنا، واپس لینا۔

ترجمہ :(۴۴۵) اور اگر وصی نے یتیم کا مال قرض دیا تو ضامن ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ وہ واپس لینے پر قدرت نہیں رکھتا، اور باپ بھی وصی کے درجے میں ہے صحیح تر روایت میں، اس لئے

لأنه لا يقدر على الاستخراج والأب بمنزلة الوصي في أصح الروايتين لعجزه عن الاستخراج.

﴿باب التحكيم﴾

(۴۴۶)وإذا حكم رجلان رجلا فحكم بينهما ورضيا بحكمه جاز ا لأن لهما ولاية على أنفسهما

کہ قرض لینے والے سے واپس لینے میں وہ بھی عاجز ہے۔

تشریح :یتیم بچے کے لئے جو وصی متعین کیا گیا ہے، یا باپ کے پاس چھوٹے بچے کا مال ہے تو وہ دونوں اس کے مال کو قرض پر نہ دیں، کیونکہ وہ وصول نہیں کر پائیں گے، اور قاضی کے پاس جا کر فیصلہ کرواتے کرواتے مشکل ہو جائے گا، اس لئے ان کو قرض پر دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر دے دیا اور قرض لینے والے نے واپس نہیں کیا تو باپ، اور وصی کو ضمان دینا ہوگا

﴿حکم: پنچ بنانے کا بیان﴾

ضروری نوٹ : حکم کو اردو میں ,پنچ، کہتے ہیں ,فیصل، کہتے ہیں، اور پشتو میں ,جرگہ، کہتے ہیں۔

حکم بنانے اور قاضی بنانے میں فرق یہ ہے کہ قاضی بادشاہ، اور امیر کی جانب سے بنتا ہے۔ اور اس کا فیصلہ اس کی حدود میں ہر ایک پر نافذ ہوتا ہے۔ اور تحکیم :حکم بنانا جسکو فیصل بنانا کہتے ہیں، یہ مدعی اور مدعی علیہ کے بنانے سے بنتا ہے، اور اس کا فیصلہ انہیں دونوں پر نافذ ہوتا ہے، دوسروں پر نہیں۔، اگر مدعی یا مدعی علیہ حکم کو ساقط کر دے تو اب یہ فیصلہ نہیں دے سکتا۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ حکم کا فیصلہ قاضی چاہے تو رد کر دے، اور مناسب ہو تو نافذ کر دے۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ **و ان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا** (آیت ۳۵، سورت النساء۴) اس آیت میں ہے کہ میاں بیوی میں اختلاف ہو تو دونوں جانب سے فیصل مقرر کرے۔

ترجمہ :(۴۴۶) اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی کو پنچ بنایا تا کہ دونوں کے درمیان فیصلہ کرے اور دونوں اس کے فیصلے پر راضی ہوں تو جائز ہے [جبکہ وہ حاکم کی صفت پر ہو۔]

ترجمہ :ا اس لئے کہ مدعی اور مدعی مدعی علیہ کو اپنی ذات پر ولایت ہے اس لئے دونوں کو فیصل بنانے کا بھی حق ہے، اور فیصل کا فیصلہ دونوں پر نافذ ہوگا۔

تشریح : مدعی اور مدعی علیہ دونوں نے قاضی کے بجائے کسی آدمی کو درمیان میں حکم اور فیصل چن لئے، تو وہ جو فیصلہ کر دے اس کو مان لینا چاہئے۔

فصح تحكيمهما وينفذ حكمه عليهما ۲؎ وهذا إذا كان المحكم بصفة الحاكم لأنه بمنزلة القاضي فيما بينهما فيشترط أهلية القضاء ۳؎ ولا يجوز تحكيم الكافر والعبد والذمي والمحدود

وجه:(۱) حدیث میں ہے کہ بنو قریظہ کے یہود نے حضورؐ کے بجائے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنایا اور انہوں نے جو فیصلہ فرمایا وہ دونوں فریقوں کو ماننا پڑا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشةؓ قالت اصیب سعد یوم الخندق . . . فاشار الی بنی قریظة فاتاهم رسول الله ﷺ فنزلوا علی حکمه فرد الحکم الی سعد،قال فانی احکم فیهم الـخ** (بخاری شریف، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الی بنی قریظة ومحاصرته ایاهم، کتاب المغازی،ص ۶۹۸، نمبر ۴۱۲۲/ مسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل للحکم ،ص ۷۸۵ ، نمبر ۱۷۶۸/۴۵۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس میں کسی کو پنچ بنانا جائز ہے۔(۲) اوپر آیت بھی گزری۔(۳) دلیل عقلی یہ ہے۔ اختلاف ہونے کے بعد کسی فیصل کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو اپنی ذات پر ولایت اور حق ہے اس لئے دونوں کسی کو بھی اپنے اوپر فیصلہ کرنے کا حق دے سکتے ہیں۔

البتہ حکم بنانے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں حکم بنائیں تب فیصلہ کر سکیں گے، کیونکہ یہ امیر کی جانب سے قاضی نہیں ہے کہ دونوں پر قضاء کا اختیار رکھتا ہو۔ اس لئے دونوں کے ماننے سے ہوگا، اور دونوں میں سے ایک کے نہ ماننے سے حکم نہیں بن سکے گا۔

ترجمہ: ۲؎ حکم اس آدمی کو بنا سکتے ہیں جس میں حاکم بننے کی صفت ہو، اس لئے کہ حکم مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان قاضی کے درجے میں ہوتا ہے اس لئے قضا کی اہلیت شرط ہے۔

تشریح: حکم میں وہ صفات ہیں جو قاضی میں ہوا کرتے ہیں۔ مثلا مسلمان ہو، آزاد ہو، عاقل اور بالغ ہو، محدود فی القذف نہیں ہو اور عادل ہو تو ایسے آدمی کو حکم بنانا درست ہے۔

وجہ: کیونکہ یہ گواہوں سے گواہی لیکر فیصلہ کرینگے تو گواہوں میں جو صفتیں ہوں کم از کم پنچ میں بھی وہ صفتیں ہوں تا کہ وہ فیصلہ کر سکے

ترجمہ: ۳؎ اور نہیں جائز ہے کافر کو اور غلام کو اور ذمی کو اور تہمت میں حد لگے ہوئے کو اور فاسق کو اور بچے کو پنچ بنانا، اس لئے کہ ان میں گواہ بننے کی اہلیت نہیں ہے۔

تشریح: ان چھ قسم کے آدمیوں کو حکم بنانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں قاضی کی صفت پورے طور پر نہیں پائی جاتی ہے

وجہ: [۱] ......(۱) مثلا کافر کے بارے میں آیت ہے کہ اس کو مسلمان پر اختیار نہیں۔ **ولن یجعل الله للکافرین علی**

في القـذف والفاسق والصبي لانعدام أهلية القضاء اعتبارا بأهلية الشهادة [۴] **والفاسق إذا حكم**

المـومـنين سبيلا. (آیت ۱۴۱، سورۃ النساء ۴)(۲) اس قول تابعی میں ہے کہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم کی شہادت مقبول نہیں تو اس کی قضا کیسے مقبول ہوگی۔ **عن ابراهيم عن شريح قال: لا تجوز شهادة اليهودى والنصرانى الا فى سفر، ولا تجوز الا على وصية** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۵۵ ما تجوز فیہ شہادۃ الیہودی والنصرانی، ج رابع، ص ۴۹۵، نمبر ۲۲۴۳۹ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ اہل الکفر علی اہل الاسلام، ج ثامن، ص ۲۸۱، نمبر ۱۵۶۳۰) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ گواہی بھی جائز نہیں ہے۔ [۳] ذمی بھی اسی میں داخل ہے کہ اس کو حکم بنانا بھی جائز نہیں۔

[۲]......(۱) غلام کو حکم بنانا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہے تو دوسرے پر فیصلے کا اختیار کیسے ملے گا (۲) اس کو تو گواہی دینے کی بھی اجازت نہیں ہے فیصلہ کیسے کرے گا۔ قول صحابی میں ہے۔ **روى عن علىؓ والحسنؒ والنخعىؒ والزهرىؒ ومجاهدؒ وعطاءؒ لا تجوز شهادة العبيد.** (سنن للبیہقی، باب من رد شہادۃ العبید ومن قبلہا، ج عاشر، ص ۲۷۲، نمبر ۲۰۶۰۸) اس قول صحابی میں ہے کہ غلام کی گواہی درست نہیں۔ اس لئے اس کو حکم بنانا بھی درست نہیں ہے۔

[۴]......محدود فی القذف کو بھی حکم بنانا درست نہیں ہے۔

وجه: (۱) آیت میں ہے۔ **و الذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون** (آیت ۴، سورۃ النور ۲۴) اس کی جب گواہی مقبول نہیں تو یہ گواہ سے گواہی لیکر فیصلہ کیسے کرے گا۔

[۵]......فاسق کو حکم بنانا بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ وہ عادل نہیں ہے۔ تاہم اگر فاسق کو حکم بنا دیا تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

وجه: حجاج بن یوسف فاسق تھا پھر بھی وہ حکم تھا اور اس کے فیصلے نافذ ہوتے تھے۔ اس لئے فاسق کو قاضی یا حکم بنا دیا اور اس نے فیصلہ کر دیا تو نافذ ہو جائے گا۔

[۶]......(۱) بچے اور مجنون کو تو عقل ہی نہیں ہے ان کو حکم کیسے بنائے گا۔ اس کی تو گواہی بھی مقبول نہیں ہے۔ (۲) قول صحابی میں ہے۔ **ارسل الى ابن عباس ... يسأله عن شهادة الصبيان فقال: لا ارى ان تجوز شهادتهم** (مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الصبیان، ج ثامن، ص ۲۷۱، نمبر ۱۵۵۷۸) اس قول صحابی میں ہے کہ بچے کی گواہی مقبول نہیں تو اس کو حکم بنانا کیسے درست ہوگا۔ اور یہی حال مجنون کا ہے، کہ اس کو عقل ہی نہیں ہے۔ (۳) **عن ابن عباس ....اما علمت ان القلم رفع عن ثلاثة عن المجنون حتى يبرأ و عن النائم حتى يستيقظ و عن الصبى حتى يعقل.** (ابو داود شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، ص ۶۱۹، نمبر ۴۳۹۹) حدیث میں ہے کہ بچے اور مجنون کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

يجب أن يجوز عندنا كما مر في المولى(٤٤٧) ولكل واحد من المحكمين أن يرجع ما لم يحكم عليهما لأنه مقلد من جهتهما فلا يحكم إلا برضاهما جميعا(٤٤٨) وإذا حكم لزمهما

ترجمه : اور فاسق کو حکم بنایا تو لگتا ہے کہ ہمارے نزدیک جائز ہو جائیگا، جیسا کہ قاضی بنانے کے بارے میں تفصیل گزر گئی ہے

تشریح : کتاب آداب القاضی مسئلہ نمبر ۴۰۴) میں گزر چکا ہے کہ فاسق کو قاضی بنانا اچھا نہیں ہے لیکن بنا دیا تو بن جائے گا، اسی طرح فاسق کو حکم بنانا اچھا نہیں ہے، لیکن بنا دیا تو بن جائے گا۔۔مولی: جسکو قاضی بنایا جائے۔

وجه :(۱) لیکن اگر قاضی بنا دیا تو جائز ہو جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔و اجازه عمر بن حريث قال : و كذالک يفعل بالكاذب الفاجر ، و قال الشعبى و ابن سيرين و عطاء و قتادة السمع شهادة ۔(بخاری شریف، باب شہادۃ المختبی ،ص ۴۲۶، نمبر ۲۶۳۸) اس قول تابعی میں ہے کہ جھوٹے اور فاجر کی گواہی قابل قبول ہے۔

ترجمه:(۴۴۷) حکم بنانے والوں میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ وہ رجوع کریں جب تک کہ ان پر فیصلہ نہ کیا ہو۔

ترجمه : اس لئے کہ انہیں دونوں کے بنانے سے بنا تھا

تشریح : جن لوگوں نے حکم بنایا تھا ان کو یہ اختیار ہے کہ جب تک پنچ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اس سے پہلے پہلے حکم بنانا واپس لے لیں۔اگر انہوں نے واپس لے لیا تو یہ حکم برقرار نہیں رہے گا۔اور نہ اب اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

وجه : دونوں کے حکم بنانے سے حکم بنا تھا اس لئے فیصلہ سے پہلے حکم کا انکار کر دے تو وہ انکار کر سکتے ہیں۔یہ امیر المومنین کی جانب سے حکم نہیں تھا کہ ہمیشہ رہے۔

ترجمه :(۴۴۸) اور اگر دونوں پر فیصلہ کر دیا تو دونوں کو لازم ہو جائے گا۔

ترجمه : اس لئے کہ ان دونوں ہی نے اس کو حکم بنایا تھا جسکی وجہ سے اس نے فیصلہ صادر کیا۔

تشریح :حکم نے فیصلہ کر دیا تو اب دونوں کو ماننا ضروری ہے۔

وجه :(۱) کیونکہ دونوں نے حکم مانا تھا (۲) بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم مانا پھر انہوں نے جو فیصلہ فرمایا تو وہ بنو قریظہ کو ماننا پڑا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے.عن عائشةؓ قالت اصيب سعد يوم الخندق ... فاتاهم رسول الله ﷺ فنزلوا على حكمه فرد الحكم الى سعد.قال فانى احكم فيهم ان تقتل المقاتلة وان تسبى النساء والذرية وان تقسم اموالهم (بخاری شریف، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظۃ ومحاصرتہ ایاھم کتاب المغازی، ص ۶۹۸، نمبر ۴۱۲۲ رمسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحصن على حكم حاكم عدل اهل للحكم ،

لصدور حكمه عن ولاية عليهما(۴۴۹) وإذا رفع حكمه إلى القاضي فوافق مذهبه أمضاه ل لأنه لا فائدة في نقضه ثم في إبرامه على ذلك الوجه وإن خالفه أبطله ۲ لأن حكمه لا يلزمه لعدم التحكيم منه.(۴۵۰) ولا يجوز التحكيم في الحدود والقصاص ل لأنه لا ولاية لهما على دمهما

ص۷۸۴، نمبر ۱۷۶۸ ۴۵۹۶)اس حدیث میں ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے جو فیصلہ فرمایا یہود کو وہ ماننا پڑا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم فیصلہ کردے تو دونوں فریقوں کو ماننا پڑے گا (۲) ایک حدیث میں ہے۔ **عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ من دعی الی حکم من الحکام فلم یجب فهو ظالم،هذا مرسل .** (سنن للبیہقی، باب من دعی حکم حاکم، ج عاشر، ص ۲۳۶، نمبر ۲۰۴۸۵)اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ فیصلہ ہو جائے پھر اس کو قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے۔

ترجمه :(۴۴۹) اگر اس کا فیصلہ قاضی کے پاس لایا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق ہو تو اس کو نافذ کردے گا [اس لئے کہ اس کو توڑے اور اسی کو پھر مضبوط کرے اس میں فائدہ نہیں] اور اس کے مخالف ہو تو باطل کردے۔

ترجمه :۲ اس لئے کہ حکم کا فیصلہ قاضی پر لازم نہیں ہے، کیونکہ قاضی نے اس کو حکم نہیں بنایا۔

تشریح : پنچ کا فیصلہ قاضیٔ وقت کے پاس لے جایا گیا۔ پس اگر وہ فیصلہ قاضی کے مذہب اور صواب دید کے مطابق ہو تو قاضی اس کو نافذ کردے۔ اور اگر وہ ان کی صواب دید کے مخالف ہو یا شریعت کے مخالف ہو تو اسکو رد کردے اور اپنا فیصلہ نافذ کرے

وجه : (۱) چونکہ یہ باضابطہ قاضی نہیں ہے اس لئے اس کے فیصلے میں وہ قوت نہیں ہے۔ اس لئے قاضی کے اختیار میں ہے۔ البتہ اس کے مذہب کے موافق ہو تو اس کے توڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے اس کو نافذ کردے۔ اور مذہب کے مخالف ہو تو رد کردے، کیونکہ قاضی نے حکم کو فیصل نہیں بنایا ہے (۲) اس قول تابعی میں۔ **عن الثوری قال اذا قضی القاضی بخلاف کتاب الله او سنة نبی الله او شیء مجتمع علیه، فان القاضی بعده یرده،فان کان شیئا برای الناس لم یرده ویحمل ذلک ما تحمل** (۳) اور دوسری قول تابعی میں ہے۔ **سمعت شریحا یقول انی لا ارد قضاء کان قبلی.** (مصنف عبد الرزاق، باب هل یرد قضاء القاضی اویرجع عن قضاءٗ، ج ثامن، ص ۲۳۴، نمبر ۱۵۳۷۷ / ۱۵۳۷۶)اس اثر میں ہے کہ شریعت کے موافق ہو تو نافذ کرے اور مخالف ہو تو رد کرے، اسی پر حکم کے فیصلے کو قیاس کیا جائے گا۔

ترجمه :(۴۵۰) حدود اور قصاص میں حکم بنانا جائز نہیں ہے۔

ترجمه : ل اس لئے فیصل بنانے والوں کو اپنے خون [جان] پر ولایت نہیں ہے اس لئے یہ دونوں اپنی جان مباح کروانے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

تشریح : حدود اور قصاص کا فیصلہ صرف حاکم اور جج کر سکتے ہیں، اس کے لئے فیصل مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

ولهذا لا يملكان الإباحة فلا يستباح برضاهما ۲؎ قالوا وتخصيص الحدود والقصاص يدل على جواز التحكيم في سائر المجتهدات كالطلاق والنكاح وغيرهما وهو صحيح إلا أنه لا يفتى به ويقال يحتاج إلى حكم المولى دفعا لتجاسر العوام ۳؎ وإن حكماه في دم خطإ فقضى بالدية على العاقلة لم ينفذ حكمه لأنه لا ولاية له عليهم إذ لا تحكيم من جهتهم. ولو حكم على القاتل بالدية في ماله رده القاضي ويقضي بالدية على العاقلة لأنه مخالف لرأيه ومخالف للنص أيضا

وجه :حدوداور قصاص کا معاملہ اہم ہے۔یہ فیصلے صرف قاضی کی عدالت سے ہوتے ہیں اس لئے ان میں حکم بنا کر فیصلہ کرنا درست نہیں ہے(۲)اس قول صحابی میں ہے۔ **قال سفيان اذا حكم رجلان حكما فقضى بينهما فقضاء ہ جائز الا فی الحدود** (مصنف عبدالرزاق، باب ہل یقضی الرجل بین الرجلین ولم یول؟ وکیف ان فعل، ج ثامن، ص۲۳۳، نمبر ۱۵۳۷۳)اس اثر میں ہے کہ حدود اور قصاص میں حکم نہ بنائے۔البتہ معاملات میں بنا سکتا ہے۔

ترجمہ :۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ حد اور قصاص کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باقی اجتہادی معاملے میں حکم بنانا جائز ہے جیسے طلاق ہے، نکاح ہے، اور صحیح بات یہی ہے لیکن اس کا فتوی نہیں دیا جاسکتا ہے، اور کہہ دیا جائے گا کہ اس میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت ہے تا کہ عوام کو اس کی جرأت نہ ہو جائے۔

تشریح :واضح ہے۔

لغت :حسر: جرأت کرنا۔مولی :ولی بنانا، قاضی بنانا۔

ترجمہ :۳؎ اور اگر دونوں نے قتل خطا میں حکم بنایا اور عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا تو ان کا حکم نافذ نہیں ہوگا اس لئے کہ عاقلہ پر فیصل کی ولایت نہیں ہے اس لئے کہ عاقلہ نے ان دونوں کو حکم نہیں بنایا ہے۔اور اگر صرف قاتل پر اس کے مال میں دیت کا فیصلہ کیا تو قاضی اس کو رد کر دے گا اور عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کرے گا اس لئے کہ یہ اس کی رائے کے خلاف ہے، اور حدیث کے بھی مخالف ہے۔

لغت :عاقلہ :قتل کرنے والے کے رشتہ دار، قتل کرنے والے کے ساتھ تجارت کرنے والے، عاقلہ، کہلاتے ہیں، اگر اس نے غلطی سے کسی کو قتل کیا، جسکو قتل خطا، کہتے ہیں تو اس میں مقتول کی دیت کی رقم ایک سو اونٹ، ان سب عاقلہ پر لازم ہوتا ہے، اور سب پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور تین سال میں یہ سب مقتول کے وارث کو دیا جاتا ہے۔عاقلہ پر اس لئے لازم ہوتا ہے تا کہ یہ آئندہ قتل کرنے سے روکے۔القتل باقرارہ: اگر قاتل نے قتل کا اقرار کیا تب مقتول کی دیت خود قاتل کے مال میں لازم ہوتی

۴ إلا إذا ثبت القتل بإقراره لأن العاقلة لا تعقله(۴۵۱) ويجوز أن يسمع البينة ويقضي بالنكول وكذا بالإقرار۱ لأنه حكم موافق للشرع ۲ولو أخبر بإقرار أحد الخصمين أو بعدالة الشهود

ہے،اس کے عاقلہ پر لازم نہیں ہوتی۔اور اگر قتل عمد ہے،یعنی جان کر قتل ہے تو اس میں دیت لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کے بدلے میں قصاص لیا جاتا ہے اور خود قاتل بدلے میں قتل کر دیا جاتا ہے۔اور اگر قصاص کے بدلے میں کچھ رقم پر صلح کر لی تو یہ رقم عاقلہ پر لازم نہیں ہوتی، بلکہ خود قاتل کے مال میں لازم ہوتی ہے۔

تشریح :قتل خطا میں قاتل اور مقتول کے وارث نے کسی کو حکم بنالیا،اب اگر ان حکم نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا تو تو بھی سہی نہیں ہے، کیونکہ عاقلہ نے ان کو حکم نہیں بنایا ہے،اور اگر صرف قاتل پر دیت کا فیصلہ کیا تب بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ دیت صرف قاتل پر نہیں آتی بلکہ عاقلہ پر بھی آتی ہے اس لئے،اس لئے دونوں فیصلوں میں سے کوئی بھی فیصلہ صحیح نہیں ہے،حد اور قصاص کا فیصلہ تو حاکم ہی کریں گے جو سب کے لئے حاکم ہے۔

ترجمہ :۴ البتہ اگر قتل قاتل کے اقرار اسے ثابت ہو جائے تو فیصل کا فیصلہ صحیح ہے اس لئے اس صورت میں عاقلہ دیت ادا نہیں کریں گے۔

تشریح :قتل خطا میں خود قاتل نے اقرار کیا کہ میں نے قتل کیا ہے تو اس صورت میں قاعدہ یہ ہے کہ عاقلہ پر اس کی دیت لازم نہیں ہوتی ہے، بلکہ صرف قاتل پر ہوتی ہے اس لئے قاتل اور مقتول کے ورثہ نے حکم بنانا اور اس نے قاتل پر دیت کا فیصلہ کر دیا تو جائز ہوگا، کیونکہ انہیں دونوں نے حکم بنایا ہے۔

ترجمہ :(۴۵۱)حکم کے لئے جائز ہے کہ گواہوں کی بات سنے اور قسم کھانے سے انکار سے بھی فیصلہ کرے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ اس انداز کا فیصلہ شریعت کے موافق ہے۔

تشریح : فیصلہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ایک تو گواہوں کی گواہی سنے اور اس پر فیصلہ کرے۔دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے،اب وہ مدعی علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہے، وہ قسم کھانے سے انکار کر جائے تو حکم مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے۔جس طرح قاضی کو دونوں اختیار ہیں پنچ کو بھی دونوں طریقوں سے فیصلے کا اختیار ہے۔اور ایک تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مدعی علیہ حق کا اقرار کرے تب بھی فیصلہ کر سکتا ہے، پنچ کو اس کا بھی اختیار ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پنچ بہت سے معاملات میں قاضی کی طرح ہے۔

لغت: النکول :قسم کھانے سے انکار کرنے کو نکول کہتے ہیں۔

ترجمہ :۲ اگر حکم نے دو خصم میں سے ایک کے اقرار کرنے کی خبر دی، یا گواہوں کے عادل ہونے، کے بارے میں بتایا،

وهما على تحكيمهما يقبل قوله لأن الولاية قائمة ولو أخبر بالحكم لا يقبل قوله لانقضاء الولاية كقول المولى بعد العزل.(۴۵۲) وحكم الحاكم لأبويه وزوجته وولده باطل والمولى والمحكم فيه سواء ١ وهذا لأنه لا تقبل شهادته لهؤلاء لمكان التهمة فكذلك لا يصح القضاء لهم بخلاف ما إذا حكم عليهم لأنه تقبل شهادته عليهم لانتفاء التهمة فكذا القضاء ٢ ولو حكما

اور دونوں ابھی بھی حکم پر قائم ہیں تو قاضی اس کی بات قبول کرے گا، اس لئے کہ حکم کی ولایت ابھی قائم ہے، اور اگر فیصلہ کر دینے کی خبر دی تو قاضی اس کی بات قبول نہیں کرے گا، اس لئے کہ حکم کی ولایت ختم ہوگئی، جس طرح قاضی کے معزول ہونے کے بعد اس کی بات قبول نہیں کی جاتی ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے، کہ اگر حکم اپنے عہدے پر ابھی بھی موجود ہیں اور کوئی بات کہہ رہے ہیں تو قاضی اس کی بات مان کر نافذ کر دے گا، اور اگر حکم کے عہدے سے معزول ہو گئے ہیں اس کے بعد کوئی بات کہہ رہے ہیں تو اب وہ عام آدمی کی طرح ہو گئے اس لئے قاضی اس کی بات کو نافذ نہیں کرے گا، وہ الگ سے اپنا فیصلہ صادر کرے گا۔

تشریح : حکم کے عہدے پر رہتے ہوئے اگر حکم نے اس بات کی خبر دی کہ مدعی، یا مدعی علیہ نے میرے سامنے فلاں بات کا اقرار کیا ہے، یا یہ کہا کہ میں نے گواہوں کی جانچ پڑ تال کی ہے وہ عادل ہیں تو قاضی اس کی بات مان کر نافذ کر دے گا، اس لئے کہ ابھی وہ حکم کے عہدے پر ہیں، اس لئے اس کی بات قبول کی جائے گی۔ اور اگر یہ کہا کہ ہم نے فلاں چیز کا فیصلہ کیا تھا، اور اب وہ نافذ کروانا چاہتا ہے تو اس وقت کے کہنے کی بنیاد پر قاضی کو اس فیصلے کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

وجہ :(۱) کیونکہ جب حکم فیصلہ کر چکے تو فیصلہ کرتے ہی وہ حکم کے عہدے سے معزول ہو گئے اور اب وہ عام آدمی بن گئے اس لئے اب قاضی کو اس کی بات ماننا ضروری نہیں رہا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ قاضی معزول ہو جائے اس کے بعد یہ کہے کہ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا تو اس کہنے کی بنیاد پر قاضی کے فیصلے کو نافذ کرنا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اب ایک عام آدمی بن گیا

ترجمہ :(۴۵۲) حاکم کا فیصلہ اپنے والدین کے لئے اور اپنی بیوی کے لئے اپنی اولاد کے لئے باطل ہے۔ اور قاضی کا فیصلہ اور حکم کا فیصلہ اس بارے میں دونوں برابر ہیں [یعنی دونوں نہیں کر سکتے]۔

ترجمہ :١ اور یہ اس لئے کہ اس کی گواہی ان لوگوں کے لئے قبول نہیں کی جاتی، کیونکہ حمایت کرنے کی تہمت ہے، اسی طرح ان دونوں کا فیصلہ ان لوگوں کے حق میں صحیح نہیں ہے۔ بخلاف ان لوگوں کے خلاف فیصلہ کرے تو قابل قبول ہے، اس لئے کہ ان کے خلاف گواہی دے تو قابل قبول ہے، کیونکہ اس میں حمایت کی تہمت نہیں ہے اسی طرح فیصلے کا معاملہ ہے۔

تشریح : حاکم چاہے قاضی ہو یا پنچ ہو اپنے والدین کے لئے، اپنی اولاد کے لئے یا اپنی بیوی کے لئے فیصلہ کرے تو وہ باطل

رجلين لا بد من اجتماعهما لأنه أمر يحتاج فيه إلى الرأي والله أعلم بالصواب .

ہے۔البتہ ان کے خلاف فیصلہ کرے تو نافذ ہوگا۔کیونکہ اس میں حمایت کرنے کی تہمت نہیں ہے۔

وجہ :(١) یہ لوگ قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے شبہ ہے کہ ان کی رعایت کر کے فیصلہ کیا ہوگا۔اس لئے ان کے حق میں فیصلہ باطل ہے(٢) اس عمل صحابی میں ہے کہ حضرت عمرؓ امیر المومنین تھے اس زمانے میں کسی پر ان کا حق تھا تو خود فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ حضرت زید بن ثابتؓ کو فیصلے کا حکم بنایا۔ **سمعت الشعبی قال: كان بين عمرؓ وابیؓ خصومة فقال عمرؓ اجعل بيني وبينک رجلا قال فجعلا بينهما زيد بن ثابت قال فأتوه قال فقال عمرؓ اتيناک لتحكم بيننا الخ** ۔(سنن للبیہقی ، باب القاضی لا تحکم لنفسہ ، ج عاشر ،ص ۲۴۳، نمبر ۲۰۵۱۰)اس اثر میں ہے کہ قاضی اپنے معاملے کا فیصلہ خود نہ کرے۔کیونکہ تہمت ہوگی ۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے قریبی رشتہ دار کا بھی فیصلہ نہ کرے کیونکہ رعایت کرنے کی تہمت ہوگی (٣)ان لوگوں کے لئے گواہی جائز نہیں ہے تو فیصلہ کیسے جائز ہوگا۔اس قول تابعی میں ہے۔**عن ابراهيم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده،والولد لوالده، والمرأة لزوجها والزوج لامرأته، والعبد لسيده والسيد لعبده،والشريک لشريكه فی الشیء اذا كان بينهما،واما فيما سوى ذلک فشهادته جائزة .** (مصنف عبد الرزاق ، باب شہادۃ الاخ لاخیہ والابن لابیہ والزوج لامرأتہ، ج ثامن ،ص ۲۶۸ ،نمبر ۱۵۵۶۰ /مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۴۲۵ فی شھادۃ والولد لوالدہ ، ج رابع ،ص ۵۳۲ ،نمبر ۲۲۸۵۱)اس اثر میں ہے کہ والدین اور بچے اور بیوی کے لئے گواہی جائز نہیں تو ان کے حق میں فیصلہ کیسے جائز ہوگا؟

ترجمہ :۲؎ اور اگر دو آدمیوں کو پنچ بنایا تو رائے میں دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے اس لئے کہ یہ ایسا معاملہ ہے دونوں کی رائے کی ضرورت پڑتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح :دو آدمیوں کو پنچ بنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی رائے سے فیصلہ ہوا اسلئے رائے میں دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے

وجہ :(١)اس آیت کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے دونوں کی رائے کی ضرورت ہے۔**و ان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله و حكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما ان الله كان عليما خبيرا** ۔(آیت ۳۵،سورت النساء۴)اس آیت میں یریدا اصلاحا، میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ دونوں کی رائے کی ضرورت ہے۔

﴿مسائل شتى من كتاب القضاء﴾

(۴۵۳)قال وإذا كان علو لرجل وسفل لآخر فليس لصاحب السفل أن يتد فيه وتدا ولا ينقب فيه كوة عند أبي حنيفة رحمه الله ۱؎ معناه بغير رضا صاحب العلو (۴۵۴)وقالا يصنع ما لا يضر

﴿مسائل شتی من کتاب القضاء﴾

ضروری نوٹ : یہاں سے صاحب ہدایہ کا اپنا متن ہے قدوری کا متن نہیں ہے، اور اوپر کے حدیث، قول صحابی، اور قول تابعی سے مستنبط ہیں اس لئے ان مسئلوں کے نیچے احادیث کم ہوں گے، اکثر مسائل اصول پر منطبق ہیں، اس لئے ہر مسئلے کے اوپر اصول لکھ دئے گئے ہیں۔ تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

ترجمہ :(۴۵۳) اگر گھر کے اوپر کا حصہ ایک آدمی کا ہے اور نیچے کا حصہ دوسرے آدمی کا ہے تو نیچے والے کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ اپنی دیوار میں کیل ٹھونکے، اور نہ اس میں کھڑکی بنائے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ۱؎ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر اوپر والے کی رضامندی کے یہ کام نہ کرے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آپ کی چیز میں کوئی کام کرنے سے دوسرے کو نقصان ہوتا ہو تو بغیر اس کی اجازت کے نہ کریں۔ اور اگر نقصان ہوتا تو نہیں ہے صرف نقصان ہونے کا خطرہ ہے تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر اجازت کے نہ کریں۔

تشریح :ایک مکان دو منزلہ ہے، نیچے کا حصہ مثلا زید کا ہے اور اوپر کا حصہ عمر کا ہے، اب زید اپنی دیوار میں جو نیچے ہے کیل گاڑنا چاہتا ہے، یا کھڑکی کھولنا چاہتا ہے، جس سے اوپر والے کو کوئی خاص نقصان تو نہیں ہے،، اور زید کیل اپنی دیوار میں گاڑ رہا ہے، یا کھڑکی اپنی دیوار میں لگا رہا ہے، لیکن اس سے اوپر کی دیوار ضرور کمزور ہوگی تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نیچے کی دیوار اگر چہ زید کی اپنی ہے، لیکن اس سے اوپر والے کا بھی تعلق ہے کہ اس کی دیوار بھی کمزور ہوگی اس لئے اوپر والے کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا۔

وجہ :اس حدیث میں ہے کہ کسی کو نقصان نہ دو۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا ضرر ولا ضرار ۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ من ضار ضره الله و من شاق شق الله عليه ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ، ص ۳۳۵، نمبر ۲۳۴۱/۲۳۴۲/ دار قطنی ، باب کتاب البیوع، ج ثانی، ص ۶۴، نمبر ۳۰۶۰) اس میں ہے کہ کوئی کسی کو نقصان نہ دے۔

بالعلو١ وعلى هذا الخلاف إذا أراد صاحب العلو أن يبني على علوه. ٢ قيل ما حكي عنهما تفسير لقول أبي حنيفة رحمه الله فلا خلاف. ٣ وقيل الأصل عندهما الإباحة لأنه تصرف في ملكه والملك يقتضي الإطلاق والحرمة بعارض الضرر فإذا أشكل لم يجز المنع٤ والأصل

ترجمه :(٤٥٤) صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز اوپر والے کو نقصان نہ دے وہ کر سکتا ہے، اور اسی اختلاف پر ہے کہ اوپر والا یہ چاہے کہ اپنے اوپر ایک اور منزل بنائے۔

تشریح :صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز اوپر والے کو باضابطہ نقصان نہ دے وہ کام نیچے والا کر سکتا ہے، کیونکہ یہ دیوار اس کی اپنی ہے اور اپنی چیز میں کوئی کام کرنے کا کھلا حق ہوتا ہے۔ اسی طرح اوپر والا اپنے گھر کے اوپر دوسری منزل بنائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نیچے والے کی اجازت کے بغیر نہیں بنا سکتا، اور صاحبینؒ کے نزدیک بنا سکتا ہے اس لئے کہ اس سے نیچے والے کو کوئی نقصان نہیں ہے، ہاں نیچے کی دیوار اتنی کمزور ہو کہ تیسری منزل کی بوجھ برداشت نہ کر سکتی ہو، یا کسی وقت گر جانے کا خطرہ ہو تو پھر اوپر پر منزل نہیں بنا سکتا۔

اصول :صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ باضابطہ نقصان ہوتا ہو تب تو بغیر دوسرے کی اجازت کے نہیں کر سکتا، لیکن اگر نقصان کا صرف وہم ہو تو اس میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت :سفل: نیچے کی منزل۔ علو: اوپر کی منزل۔ وتد: کیل، میخ، اسی سے ہے یتد و: کیل گاڑے۔ ینقب: نقب سے مشتق ہے، نقب لگانا، روشن دان کھولنا۔ کوۃ: روشن دان۔

ترجمہ :٢ بعض حضرات نے فرمایا کہ صاحبینؒ کا قول امام ابو حنیفہؒ کے قول ہی کی تفسیر ہے اس لئے کوئی اختلاف نہیں رہا

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بھی یہی ہے کہ اوپر والے کے کام کرنے سے نیچے والے کو باضابطہ کوئی نقصان ہوتا ہو تو وہ کام بغیر اوپر والے کی اجازت کے نہیں کر سکتا ہے، اس لئے اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں رہا

ترجمہ :٣ بعض حضرات نے فرمایا کہ صاحبینؒ کے نزدیک اپنی چیز میں اصل مباح ہے [یعنی کر لینا مباح ہے] اس لئے کہ اپنی ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور ملک مطلق ہونے کو چاہتا ہے، اور حرام ہونا دوسرے کو نقصان کے عارض کی وجہ سے ہو سکتا ہے، پس جب نقصان ہونا مشتبہ ہو گیا تو روکا نہیں جا سکتا ہے۔

اصول :صاحبینؒ کے نزدیک اپنی ملکیت میں مطلق اختیار ہے، اور اباحت ہے، اور ضرر کا ظاہر ہونا عارضی ہے اس لئے دوسرے کا نقصان ظاہر ہونے کے بعد حرمت آئے گی۔

اصول :امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ممنوع ہونا اصل ہے کیونکہ اس کا تعلق دوسرے کے محترم ملک سے ہے، اس لئے ضرر کا شبہ

عـنـده الـحـظـر لأنـه تـصـرف فـي مـحـل تـعلق به حق محترم للغير كحق المرتهن والمستأجر والإطلاق بعارض فإذا أشكل لا يزول المنع على أنه لا يعرى عن نوع ضرر بالعلو من توهين بناء أو نـقـضه فيمنع عنه.(۴۵۵) قال وإذا كـانـت زائـغة مستطيلة تنشعب منها زائعة مستطيلة وهي غيـر نـافذة فليس لأهل الزائغة الأولى أن يفتحوا بابا في الزائغة القصوى ۱؎ لأن فتحه للمرور ولا

بھی ہوتو دوسرے کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ صاحبینؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اس لئے اپنی دیوار میں ہر قسم کا کام کرنا مباح ہے اور حرمت جو آئے گی وہ دوسرے کو نقصان ہونے کے عارض سے آئے گی، اور یہاں نقصان ہونا ابھی مشتبہ ہے اس لئے روکنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۴؎ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ممانعت ہے، کیونکہ ایسی جگہ میں تصرف کرنا ہے جس کے ساتھ دوسرے کا محترم حق متعلق ہے، جیسے رہن پر رکھی ہوئی چیز، یا اجرت پر دی ہوئی چیز، اور اختیار مطلق ہونا یہ عارضی چیز ہے اس لئے جب نقصان ہونا مشتبہ ہو گیا تو ممانعت ختم نہیں ہوگی۔ یہ بھی تو ہے کہ کیل ٹھونکنے سے کچھ نہ کچھ تو نقصان ہوتا ہی ہے، مثلا دیوار کمزور ہوگی، یا دیوار ٹوٹے گی اس لئے روکا جائے گا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو اس میں کوئی کام کرنا ممنوع ہے، اور مباح ہونا عارضی ہے،، اور یہاں کیل گاڑنے سے یا روشن دان کھولنے سے دیوار کچھ نہ کچھ کمزور ہوگی جو اوپر والے کا نقصان ہے اس لئے ممنوع رہے گا جب تک کہ وہ اجازت نہ دے دے، اس کی دو مثال دیتے ہیں۔[۱] رہن کی چیز مثلا زید کی ہے لیکن قرض کی وجہ سے عمر کے پاس رہن رکھ دیا ہے تو اب عمر کا حق متعلق ہو گیا ہے اس لئے زید عمر کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا۔[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ زید نے گھوڑا عمر کے پاس ایک ماہ کے لئے اجرت پر رکھ دیا تو اس درمیان عمر کی اجازت کے بغیر گھوڑے پر تصرف نہیں کرسکتا، حالانکہ گھوڑا زید کا ہے، اسی طرح اس دیوار میں اوپر والے کا حق متعلق ہے اس لئے اوپر والے کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا۔

لغت :توہین: وہن سے مشتق ہے، کمزور کرنا۔ نقض :توڑنا۔ لایعری: خالی نہیں ہے۔

ترجمہ :(۴۵۵) اگر لمبی گلی ہو اور اس سے دوسری گلی نکلتی ہو جو آگے سے بند ہو، تو لمبی گلی والے کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ دوسری بند گلی میں اپنا دروازہ کھول دیں۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ دروازہ کھولنا اس سے گزرنے کے لئے ہے، اور لمبی گلی والے کو بند گلی سے گزرنے کا حق نہیں ہے،

حق لهم في المرور إذ هو لأهلها خصوصا حتى لا يكون لأهل الأولى فيما بيع فيها حق الشفعة ؎۲

یہ تو صرف بند گلی والے کا حق ہے، یہی وجہ ہے کہ بند گلی میں گھر بک رہا ہو تو لمبی گلی والے کو اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

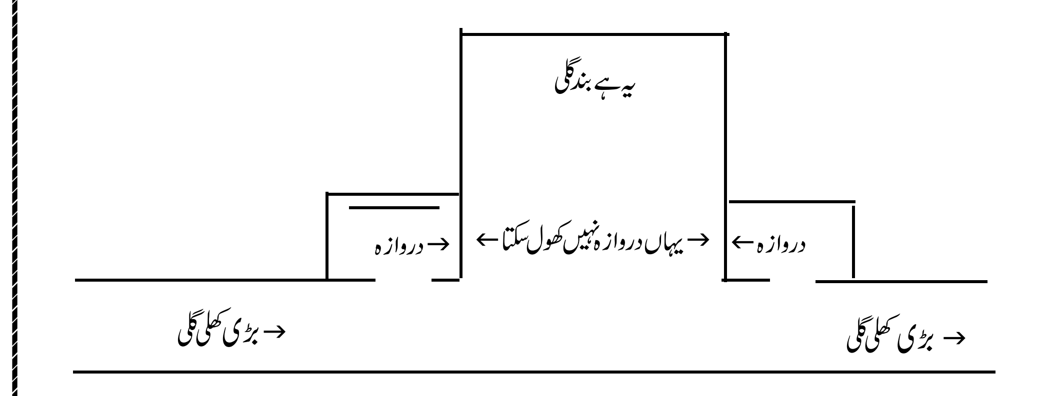
اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں آپ کا حق نہیں ہے وہاں آپ کوئی کام نہیں کر سکتے۔

لغت: زیغ: ٹیڑھا ہونا، یہاں مراد ہے بند گلی، یا کھلی ہوئی گلی جس سے لوگ دوسری گلی، یا دوسرے سڑک پر جا سکیں۔ نافذۃ: کھلی ہوئی گلی۔ غیر نافذۃ: بند گلی۔ الزائغہ الاولی: سے لمبی گلی مراد ہے جو کھلی ہوئی ہے۔ الزائغۃ القصوی: قصوی کا ترجمہ ہے دور والی گلی، یہاں بند گلی مراد ہے۔ اس مسئلے میں دو باتوں کا استعمال ہوگا۔ لمبی گلی اور بند گلی۔ تنشعب: شعب سے مشتق ہے، پھوٹتا ہے، نکلتا ہے

تشریح: مصنف نے لفظ کا الٹ پھیر ایسا کیا ہے کہ مسئلہ سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ۔ لمبی گلی والے کا مکان لمبی گلی اور بند گلی کے کونے پر ہے، اور اس کا دروازہ لمبی گلی میں کھلتا ہے، اور اسی سے جاتا آتا ہے، بند گلی میں اس کو آنے جانے کی ضرورت نہیں ہے [وہ کبھی کبھار تفریح کے لئے گھوم کو ادھر چلا جاتا ہے،] اب یہ بند گلی میں بھی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو اس کو اس میں دروازہ کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔

وجہ: دروازہ کھولنے کا مقصد ہے وہاں سے جانا آنا۔ اور جب وہ گلی بند ہے تو وہاں سے جانے آنے کا بھی قانونی حق نہیں ہے اس لئے اس میں دروازہ بھی نہیں کھول سکتا ہے۔ وہاں سے آنے جانے کا حق تو صرف ان لوگوں کو ہے جن کا مکان بند گلی کے اندر ہے۔ چنانچہ اگر بند گلی میں کوئی مکان فروخت ہو تو جو اس مکان کے قریب ہو تو اس کو اس میں حق شفعہ بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کو تو اس طرف جانا ہی نہیں ہے۔

اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے یہ نقشہ دیکھیں۔



بخلاف النافذة لأن المرور فيها حق العامة. ۳؎ قيل المنع من المرور لا من فتح الباب لأنه رفع بعض جداره. والأصح أن المنع من الفتح لأن بعد الفتح لا يمكنه المنع من المرور في كل ساعة. ولأنه عساه يدعي الحق في القصوى بتركيب الباب(۴۵۶) وإن كانت مستديرة قد لزق

ترجمه : ۲؎ بخلاف کھلی ہوئی گلی کے اس لئے کہ اس میں گزرنا عام لوگوں کا حق ہے۔

تشریح جس گلی میں مکان کا دروازہ نکالنا چاہتا ہے اگر وہ گلی آگے سے کھلی ہوئی ہے جس سے دوسری گلی یا سڑک پر جا سکتا ہے، تو اس میں سب لوگوں کو گزرنے کا حق ہے، اس لئے اس میں دروازہ نکالے تو نکال سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے کسی کو نقصان نہ ہو اس کے لئے یہ نقشہ دیکھیں۔

چھوٹی کھلی گلی

دروازہ ← | ← یہاں دروازہ کھول سکتا ہے ← | ← دروازہ

← بڑی کھلی گلی | ← بڑی کھلی گلی

ترجمہ : ۳؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ گزرنے سے روکا جائے گا دروازہ کھولنے سے نہیں روکا جائے گا، اس لئے کہ یہ اپنی دیوار کو اٹھانا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دروازہ کھولنے سے بھی روکا جائے گا اس لئے کہ کھولنے کے بعد ہر گھڑی اس کو گزرنے سے روکنا ممکن نہیں ہوگا، اور یہ وجہ بھی ہے کہ دروازہ سیٹ کرنے کے بعد بند گلی میں کسی حق کا دعوی کرنے لگے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :(۴۵۶) اور اگر گلی گول ہو اور لمبی گلی کے دونوں طرف ملی ہوئی ہے تو گول گلی والوں کے لئے بھی یہ جائز ہے کہ لمبی گلی میں دروازہ کھول لے، [یا گول گلی میں دروازہ کھول لے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ ہر ایک کو ہر ایک گلی میں گزرنے کا حق ہے، اس لئے کہ یہ مشترک صحن ہے اس لئے اگر اس میں گھر بکے تو سب کو شفعہ کا حق ہے۔

تشریح : ایک لمبی گلی ہے جو دونوں طرف سے کھلی ہوئی ہے اور اس گلی سے دوسری گلی میں جا سکتا ہے، اس گلی کے درمیان میں ایک گول گلی نکلی ہوئی ہے جو چاروں طرف سے بند ہے، اس لمبی گلی سے ہر آدمی گول گلی سے ہو کر گزرتا ہے، گویا کہ وہ سبھی کے لئے چوراہا، اور صحن ہے۔ اب کچھ لوگوں کا مکان لمبی گلی اور گول گلی کے کونے پر ہے، اور کچھ لوگوں کا مکان گول گلی کے درمیان میں ہے، اب کونے کے مکان والے کو یہ حق ہے کہ لمبی گلی میں دروازہ کھول لے، اور یہ بھی حق ہے کہ گول گلی میں دروازہ

طرفاها فلهم أن يفتحوا بابا لأن لكل واحد منهم حق المرور في كلها إذ هي ساحة مشتركة ولهذا يشتركون في الشفعة إذا بيعت دار منها.(۴۵۷) قال ومن ادعى في دار دعوى وأنكرها الذي هي في يده ثم صالحه منها فهو جائز وهي مسألة الصلح على الإنكار وسنذكرها في

کھول لے، کیونکہ اس کو لمبی گلی میں بھی گزرنے کا حق ہے اور گول گلی کے اندر سے بھی گزرنے کا حق ہے۔اسی طرح گول گلی کے درمیان میں جس کا گھر ہے اس کو حق ہے کہ گول گلی میں دروازہ کھول لے اور یہ بھی حق ہے کہ لمبی گلی میں بھی دروازہ کھول لے، کیونکہ اس کو بھی حق ہے کہ لمبی گلی سے گزرے اور گول گلی سے تو گزرنا ہی ہے اس لئے دونوں میں دروازہ کھولنے کا حق ہے۔اور اگر اس دونوں گلیوں میں سے کسی میں بھی مکان بکے تو ہر ایک پڑوسی کو حق شفعہ کے دعوی کرنے کا بھی حق ہے۔

اصول: یہ اصول گزر چکا ہے کہ جہاں سے گزرنے کا حق ہے وہاں دروازہ بھی کھول سکتا ہے، کیونکہ یہ چیز اس کی بھی ہے اس کے لئے اس نقشہ کو دیکھیں۔

لغت: مستدیرۃ : گول۔لزق: ملا ہوا ہے ساحۃ: صحن: چوراہا۔

ترجمہ: (۴۵۷) کسی نے گھر میں مطلق دعوی کیا اور جسکے قبضے میں تھا اس نے انکار کیا پھر اس نے صلح کر لی تو جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ کتاب الصلح علی الانکار، اس کو ان شاء اللہ کتاب الصلح میں ذکر کریں گے۔ یہاں دعوی اگر چہ مجہول ہے لیکن جس پر صلح کیا ہے وہ معلوم ہے جو ہمارے یہاں جائز ہے، اس لئے کہ ساقط میں جہالت ہے جو جھگڑے کی طرف پہنچانے والا نہیں ہے، جیسا کہ معلوم ہو گیا۔

تشریح: دعوی کرنے والے نے یہ نہیں کہا کہ چوتھائی گھر میرا ہے، یا آدھا گھر میرا ہے اس لئے دعوی مجہول ہے اس لئے اس پر فیصلہ کرنا تو مشکل ہے، لیکن گھر پر قبضے والے نے معلوم رقم پر صلح کر لی مثلا پانچ سو درہم پر صلح کر لی تو جائز ہے۔

وجہ: (۱) جس چیز کا دعوی کیا وہ مجہول ہے لیکن وہ ساقط ہو گئی اس بارے میں اب کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے اور جو رقم اس کے بدلے میں دی وہ معلوم ہے اس لئے یہ جھگڑے کی طرف پہنچانے والی نہیں ہے اس لئے صلح جائز ہو جائے گی (۲) صلح کے لئے

الصلح إن شاء الله تعالى والمدعي وإن كان مجهولا فالصلح على معلوم عن مجهول جائز عندنا لأنه جهالة في الساقط فلا تفضي إلى المنازعة على ما عرف(۴۵۸) قال ومن ادعى دارا في يد رجل أنه وهبها له في وقت كذا فسئل البينة فقال جحدني الهبة فاشتريتها منه وأقام المدعي البينة على الشراء قبل الوقت الذي يدعي فيه الهبة لا تقبل بينته لـ لظهور التناقض إذ هو يدعي

آیت یہ ہے۔و ان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحا و الصلح خير ،و احضرت الانفس الشح و ان تحسنوا و تتقوا فان الله بما تعملون خبيرا ۔(آیت ۱۲۸، سورت النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ صلح کرنی چاہئے ،اور یہ بھی ہے کہ احسان کر کے کچھ زیادہ دے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔جس سے اشارہ ہے کہ مجہول چیز پر صلح کرلو تب بھی جائز ہے۔(۳)اور حدیث ہے۔عن براء بن عازب قال صالح النبی المشرکین یوم الحديبية على ثلاثة اشياء . (بخاری شریف، باب الصلح مع المشرکین،ص ۴۴۱،نمبر ۲۷۰۰) اس سے بھی پتہ چلا کہ صلح جائز ہے۔

ترجمه :(۴۵۸) ایک شخص نے ایک گھر پر دعوی کیا جو دوسرے کے قبضے میں تھا کہ اس نے مجھے یہ گھر مثلا 5 جون کو ہبہ کیا ہے،اس سے گواہ مانگا گیا تو کہنے لگا کہ ہبہ سے تو انکار کر دیا تھا اس لئے میں نے اس گھر کو خرید لیا تھا،اور خریدنے پر گواہ دیا کہ 3 ہی جون کو خریدا ہے[ہبہ سے پہلے خریدنے کی گواہی دی] تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمه لـ [ا]اس لئے کہ تناقض ظاہر ہو گیا، کیونکہ مدعی دعوی کرتا ہے ہبہ کے بعد 5 جون کو خریدنے کا اور گواہ گواہی دیتے ہیں ہبہ سے پہلے 3 جون کو خریدنے کا۔[۲] اور اگر گواہی دی بعد میں 5 جون کے خریدنے کا تو گواہی قبول کی جائیگی کیونکہ توافق واضح ہوگئی

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دعوی اور گواہی میں تناقض ہو تو قبول نہیں کیا جائے گا اور چیز مدعی کو نہیں دی جائے گی۔اور توافق ہو تو بات قبول کی جائے گی

تشريح :مثلا زید نے دعوی کیا کہ عمر نے 3 جون کو یہ گھر مجھے ہبہ کیا ہے،اس پر اس سے گواہ مانگا تو اس نے کہا کہ عمر نے بعد میں ہبہ کرنے سے انکار کر دیا تھا تو 5 جون کو میں نے یہ گھر اس سے خرید لیا ہے، پھر خریدنے پر گواہ پیش کئے تو گواہوں نے کہا کہ 3 جون کو ہی خرید لیا تھا،تو قاضی گواہوں کی گواہی رد کر دے گا۔اور اگر گواہوں نے گواہی دی کہ 5 جون کو خریدا ہے تو بات مان لی جائے گی۔کیونکہ دعوی اور گواہی میں توافق ہوگئی۔

وجه :(ا) کیونکہ زید 5 جون کو خریدنے کا دعوی کرتا ہے اور گواہ 3 جون کو خریدنے کی گواہی دیا ہے تو دعوی اور گواہ میں تناقض

الشراء بعد الهبة وهم يشهدون به قبلها ولو شهدوا به بعدها تقبل لوضوح التوفيق

ہو گیا اس لئے گواہ قبول نہیں کیا جائے گا اس لئے چیز بھی نہیں ملے گی، ہاں گواہ کہے کہ 5 جون کو خریدا ہے تو دعوی اور گواہ موافق ہو گیا اس لئے قبول کیا جائے گا اور چیز ملے گی۔(۲) ہبہ سے جو ملک ہوتی ہے وہ کمزور ہوتی ہے، ہبہ کرنے والا چیز کو واپس بھی لے سکتا ہے، لیکن خریدنے کے ذریعہ جو ملک ہوتی ہے وہ مضبوط ہوتی ہے، کیونکہ قیمت دے کر لی جاتی ہے اس لئے بیچنے والا مبیع کو واپس نہیں لے سکتا۔اب ہبہ کا ثبوت پہلے ہو اور اس کے بعد خریدنے کا ثبوت ہو تو بات مان لی جائے گی، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ہبہ کرنے والے نے بعد میں انکار کر دیا تو پھر اس کو خرید لیا۔لیکن خریدنے کا ثبوت پہلے ہو اور بعد میں ہبہ کا ثبوت ہو جائے تو بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ خریدنے کی وجہ سے جب پکی ملکیت ہوگئی تو اب اس کے بعد ہبہ کرنے کا سوال نہیں ہوتا ہے اس لئے تناقض کی وجہ سے بات نہیں مانی جائے گی۔

﴿دعوی کی 4 سورتیں ایک نظر میں﴾

[۱] گواہی میں اور خریدنے کی تاریخ میں تناقض ہے اس لئے قبول نہیں کی جائے گی

خریدنے کی گواہی 3 جون کی		
ہبہ 3 جون	خریدا 5 جون کو	تناقض ہو گیا، بات نہیں مانی جائے گی

[۲] گواہی میں اور خریدنے کی تاریخ میں توافق ہے اس لئے قبول کی جائے گی

	خریدنے کی گواہی 5 کی	
ہبہ 3 جون	پھر خریدا 5 جون کو	خریدنا اور گواہی ساتھ ہو گیا، توافق ہو گیا، بات مانی جائے گی

[۳] ہبہ کی تاریخ اور خریدنے کی تاریخ میں تناقض ہو گیا اس لئے قبول نہیں کیا جائے گا

ہبہ کا دعوی 5 جون کا	پھر خریدنے کا دعوی 3 جون کو	تناقض ہو گیا بات نہیں مانی جائے گی۔

[۴] ہبہ کی تاریخ اور اس کے بعد خریدنے کی تاریخ کے دعوی میں توافق ہے اس لئے قبول کی جائے گی

ہبہ کا دعوی 3 جون کا	پھر خریدنے کا دعوی 5 جون کو	توافق ہو گیا بات مانی جائے گی

۲ ولو كان ادعى الهبة ثم أقام البينة على الشراء قبلها ولم يقل جحدني الهبة فاشتريتها لم تقبل أيضا ذكره في بعض النسخ لأن دعوى الهبة إقرار منه بالملك للواهب عندها ودعوى الشراء رجوع عنه فعد مناقضا بخلاف ما إذا ادعى الشراء بعد الهبة لأنه تقرر ملكه عندها.(۴۵۹) ومن قال لآخر اشتريت مني هذه الجارية فأنكر الآخر إن أجمع البائع على ترك الخصومة وسعه أن يطأها ۱ لأن المشتري لما جحده كان فسخا من جهته إذ الفسخ يثبت به كما إذا تجاحدا فإذا

ترجمه :۲ اوراگر ہبہ کا دعوی کیا پھر ہبہ سے بھی پہلے خریدنے پر گواہ قائم کر دیا اور یہ نہیں کہا کہ مجھ سے ہبہ کا انکار کر دیا اس لئے میں نے اس کو خریدا ہے تب بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ،[بعض نسخے میں اس کو ذکر کیا ہے] اس لئے کہ ہبہ کا دعوی ہبہ کرنے والے کی ملک کا اقرار ہے، اور اس سے بھی پہلے خریدنے کا دعوی اس ملک سے رجوع کرنا ہے اس لئے یہ تناقض شمار کیا گیا ہے، بخلاف اگر ہبہ کی تاریخ کے بعد خریدنے کا دعوی کرتا تو ہبہ کے وقت میں ہبہ کرنے والے کی ملکیت کو اور ثابت کرنا ہوتا اس لئے بات مان لی جاتی۔

تشریح : پہلے مثلا 5 جون کو ہبہ کا دعوی کیا ،اور یہ نہیں کہا کہ اس نے ہبہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر ہبہ کی تاریخ سے بھی پہلے مثلا 3 جون کو خریدنے کا دعوی کیا تو بات نہیں مانی جائے گی۔

وجہ : کیونکہ جب کہا کہ 5 جون کو ہبہ کیا تو گویا کہ 5 جون تک ہبہ کرنے والے کی ملکیت مان رہا ہے، اور پھر کہتا ہے کہ 3 جون کو ہی میں نے خرید لیا ہے اور یہ چیز 3 جون کو ہی میری ہوگئی تو اس کی بات میں تناقض ہو گیا اس لئے بات نہیں مانی جائے گی۔ ہاں یوں کہتا کہ 3 جون کو ہبہ کیا، پھر ہبہ سے انکار کر گیا تو 5 جون کو میں نے خرید لیا تو اب اس میں توافق ہے اس لئے بات مان لی جائے گی۔

ترجمہ :(۴۵۹) کسی نے دوسرے سے کہا کہ تم نے مجھ سے یہ باندی خریدی تھی، لیکن مشتری نے انکار کر دیا، پس اگر بائع نے جھگڑا چھوڑنے پر پختہ ارادہ کر لیا تو اب اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس باندی سے جماع کرنے لگے [اس لئے کہ یہ باندی واپس اس کی ہو چکی ہے۔

ترجمہ :۱ اسلئے کہ مشتری نے جب انکار کر دیا تو مشتری کی جانب سے بیع ٹوٹ گئی اسلئے انکار کرنے سے بیع ٹوٹ جاتی ہے، جیسے کہ بیع اور مشتری دونوں کے انکار کرنے سے بیع ٹوٹ جاتی ہے، پھر جب بائع نے مقدمہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر دیا تو بائع کی جانب سے بھی ٹوٹنا پورا کر دیا، محض توڑنے کے ارادہ کرنے سے اگر چہ فسخ ثابت نہیں ہوتی، لیکن اس کے ساتھ بائع کا

عـزم البـائـع عـلـى تـرک الخصومة ثم الفسخ وبمجرد العزم إن كان لا يثبت الفسخ فقد اقترن بـالـفعل وهو إمساک الجارية ونقلها وما يضاهيه ۲ ولأنـه لما تعذر استيفاء الثمن من المشتري فـات رضا البائع فيستبد بفسخه. (۴٦۰) ومـن أقـر أنه قبض من فلان عشرة دراهم ثم ادعى أنها زيوف صدق ۱ وفـي بـعـض الـنسـخ اقتـضى وهو عبارة عن القبض أيضا. ووجهه أن الزيوف من

فعل بھی شامل ہو گیا کہ باندی کو اپنے پاس روک لیا، اور اسکو اپنے گھر لے آیا[تو عمل ساتھ ہونے کی وجہ سے فسخ مکمل ہو گیا اس لئے جماع کرنا جائز ہو گیا]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پختہ ارادہ ہو جائے، اور اس کے ساتھ کوئی عمل بھی اس ارادے کے ظاہر کرنے کا ہو تو چاہے منہ سے نہ بولے تب بھی ارادے کا حکم لگ جائے گا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ باندی واپس ملکیت میں آ جائے تو اس سے جماع کر سکتا ہے

تشریح: مثلا زید نے عمر سے کہا کہ آپ نے میری باندی خریدی ہے، عمر نے کہا کہ میں نے نہیں خریدی ہے، اس کے بعد زید نے طے کر لیا کہ اس کے لئے مقدمہ نہیں کرنا ہے، اور باندی کو اپنے گھر رکھ لیا تو یہ بکی ہوئی باندی دوبارہ زید کی ہو گئی، اب اس کے لئے جائز ہے کہ اس سے جماع کرے۔

وجه: کیونکہ جب مشتری نے انکار کر دیا تو اس کی جانب سے بیع فسخ ہو گئی، پھر جب بائع نے نہ بیچنے کا فیصلہ کر لیا، اور اس کے ساتھ باندی کو اپنے گھر میں رکھ بھی لیا تو ارادہ کے ساتھ عمل بھی ہو گیا تو اس سے مکمل بیع فسخ ہو کر باندی بائع کی ہو گئی اس لئے اب اس سے جماع کرنا جائز ہو گیا۔ کیونکہ عمل ساتھ ہونا گویا کہ یہ کہنا ہے کہ میں نے بیع فسخ کر دیا۔

لغت: اجمع: پختہ ارادہ کرنا۔ جحد: انکار کرنا۔ الخصومۃ: مقدمہ کرنا۔ اقترن: قرن سے مشتق ہے، ساتھ ہونا۔ یضاھیہ: ضاھی، سے مشتق ہے، مشابہ ہونا۔ اس قسم کی چیز۔

ترجمہ: ۲ اور اس لئے بھی کہ جب مشتری سے قیمت وصول کرنا مشکل ہو گیا تو بائع کی رضا مندی فوت ہو گئی، اس لئے فسخ اور مضبوط ہو گیا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔ جب مشتری نے خریدنے سے انکار کر دیا تو اب اس سے باندی کی قیمت وصول کرنا مشکل ہو گیا اس لئے بائع کی بھی بیچنے کی رضا مندی ختم ہو گئی اس لئے فسخ اور مضبوط ہو گیا اس لئے اب باندی سے جماع کرنا جائز ہو گیا۔

ترجمہ: (۴٦۰) کسی نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے دس درہم قبضہ ہے۔ پھر دعوی کیا کہ وہ کھوٹے درہم تھے تو

جنس الدراهم إلا أنها معيبة ولهذا لو تجوز به في الصرف والسلم جاز ۲؎ والقبض لا يختص

تصدیق کی جائے گی [اور جو کمی رہی وہ دلوائی جائے گی]

ترجمہ : ۱؎ بعض نسخے میں لفظ قبض، کے بجائے اقتضی، کا لفظ ہے، اس لفظ کا ترجمہ بھی قبضہ کرنا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کھوٹا بھی درہم ہی کی جنس سے ہے، مگر یہ کہ وہ کھوٹا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بیع صرف میں اور بیع سلم میں چشم پوشی کر کے لے لے تو جائز ہو جائے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر کہا کہ رقم وصول تو کیا ہوں لیکن اس کی صفت میں کمی رہ گئی ہے اور بات میں توافق ہو تو بات مانی جائے گی اور جو کمی رہ گئی ہے قاضی اس کو دلوائے گا۔ اور اگر کہہ دیا کہ پورا حق وصول کر چکا ہوں، پھر کہتا ہے کہ کمی رہ گئی ہے تو بات میں تناقض پیدا ہو گیا ہے اس لئے بات نہیں مانی جائے گی اور کمی نہیں دلوائی جائے گی۔

تشریح : مثلا زید نے اقرار کیا کہ میں نے عمر سے دس درہم وصول کیا ہے، پھر دعوی کرتا ہے کہ وہ کھوٹا درہم تھا تو اس کی بات قاضی مان لے گا اور اچھے درہم اور کھوٹے درہم میں جو فرق ہے وہ دلوایا جائے گا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کھوٹا درہم بھی درہم ہی سمجھا جاتا ہے، یہی وجہ یہ کہ بیع صرف، اور بیع سلم میں اچھا درہم طے ہوا ہو اور کھوٹا درہم دے دیا، اور لینے والے نے لے بھی لیا تو جائز ہو جائے گا، کیونکہ یہ بھی درہم ہی ہے، اس لئے بعد میں جب یہ دعوی کر رہا ہے کہ وہ کھوٹا تھا اور گواہی سے اس کو ثابت کر دے تو بات میں کوئی تناقض نہیں ہے اس لئے بات مان لی جائے گی۔ اور جو کمی رہ گئی ہے وہ دلوادی جائے گی۔

لغت : فی بعض النسخ اقتضی و هو عبارة عن القبض ایضا : اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متن میں ,انہ قبـــض ، کہا اور بعضے نسخے میں انہ اقتضی کا لفظ ہے، لیکن دونوں کا معنی قبضہ کرنا ہی ہے اسلئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تجوز: چشم پوشی کر لے، مان لے

ترجمہ : ۲؎ اور قبضہ جید درہم ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے اس کی بات کی تصدیق کر لی جائے گی، یہ اور بات ہے کہ اپنے پورے حق کے قبضے کا انکار کرتا ہے اس لئے کمی دلوائی جائے گی۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ، زید نے تو کہا ہے کہ میں نے دس درہم قبضہ کر لیا ہے پھر کیسے کہہ رہا ہے کہ کمی رہ گئی، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جید کو ہی قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے کھوٹے کو بھی درہم کہا جاتا ہے اس لئے جب کہا کہ دس درہم قبضہ کیا تو یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ کھوٹے درہم کو قبضہ کیا ہے اس لئے بات میں توافق ہے اس لئے بات مان لی جائے گی

۔

بالجیاد فیصدق لأنه أنکر قبض حقه ۳؎ بخلاف ما إذا أقر أنه قبض الجیاد أو حقه أو الثمن أو استوفی لإقراره بقبض الجیاد صریحا أو دلالة فلا یصدق ۴؎ والنبهرجة کالزیوف ۵؎ وفي

ترجمہ :۳؎ بخلاف جبکہ اقرار کیا کہ جید قبضہ کیا ہے، یا اپنا پورا حق لیا ہے، یا پورا ثمن لیا ہے، یا پورا وصول کیا ہے، تو کمی نہیں دلوائی جائے گی، کیونکہ جید کے لفظ میں تو صراحت ہے کہ جید لیا ہے، اور دوسرے تین لفظوں میں دلالت ہے کہ پورا حق وصول کرلیا ہے اس لئے بات نہیں مانی جائے گی۔

تشریح : یہ چار الفاظ ایسے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ یا اشارے سے اقرار ہے کہ میں نے پورا حق لے لیا ہے اس لئے اس کے بعد کھوٹے کا دعوی کرے تو رد کر دیا جائے گا، کیونکہ خود اس کی بات میں تناقض ہو گیا ہے۔ [۱] قبض الجیاد: اقرار کیا کہ جید درہم قبضہ کیا، تو اب کھوٹے درہم لینے کا دعوی صراحتا تناقض ہے اس لئے رد کر دیا جائے گا۔ [۲] حقہ: اپنا پورا حق لیا، اس لفظ میں اشارے کے ساتھ ہے کہ میں نے جید لئے ہیں جو میرا حق تھا۔ [۳] الثمن، اصل عبارت ہے قبض الثمن: اپنے ثمن پر قبضہ کیا تو یہ ثمن جیاد ہی ہوگا، یا کھوٹا طے ہوا تھا تو کھوٹا ہوگا، بہر حال اس کا حق پورا ہو گیا اس لئے اب کھوٹے کا دعوی نہیں کر سکتا۔ [۴] استوفی: اصل عبارت ہے استوفی حقہ: اپنا پورا حق وصول کرلیا، اس میں پورا حق وصول کرنے کا اقرار ہے اس لئے کھوٹے کا دعوی نہیں کر سکتا۔

ترجمہ :۴؎ اور نبہرجہ: کھوٹے کی طرح ہے۔

تشریح : مصنف کے علاقے میں نبہرجہ ایک قسم کا درہم ہوتا تھا جس میں چاندی زیادہ ہوتی تھی اور کھوٹ کم ہوتا تھا اس لئے اس کا حکم زیوف درہم [کھوٹے درہم کی طرح ہے]

ترجمہ :۵؎ اور ستوقہ درہم میں تصدیق نہیں کی جائے گی اس لئے کہ وہ درہم کی جنس میں سے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بیع صرف میں چشم پوشی کر کے لے لے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح : ستوقہ کا ترجمہ ہے کہ تین طاق ہوا لا، اس میں پیتل ہوتا ہے اور اوپر اور نیچے چاندی کا رنگ ہوتا ہے اس لئے یہ حقیقت میں پیتل ہے، درہم نہیں ہے اس لئے جب کہا کہ دس پیتل لیا، اور اب کہتا ہے کہ وہ درہم تھا لیکن کھوٹا تھا تو بات میں تناقض ہو گیا اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

وجہ : ستوقہ درہم نہیں ہے اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ بیع صرف میں دونوں طرف چاندی ہوتی ہے، اس لئے اگر ستوقہ دے دیا تو بیع صرف نہیں ہوگی، کیونکہ درہم کے بجائے پیتل دیا۔

ترجمہ :۶؎ زیف: کھوٹا اس کو کہتے ہیں جسکو بیت المال کھوٹا قرار دے۔ نبہرجہ: یہ نبہرجہ سے مشتق ہے، یہ وہ درہم ہے

الستوقة لا يصدق لأنه ليس من جنس الدراهم حتى لو تجوز به فيما ذكرنا لا يجوز. ٦ والزيف ما زيفه بيت المال والنبهرجة ما يرده التجار والستوقة ما يغلب عليه الغش(۴۶۱) قال ومن قال لآخر لك علي ألف درهم فقال ليس لي عليك شيء ثم قال في مكانه بل لي عليك ألف درهم فليس عليه شيء ١ لأن إقراره هو الأول وقد ارتد برد المقر له والثاني دعوى فلا بد من الحجة أو تصديق خصمه ٢ بخلاف ما إذا قال لغيره اشتريت وأنكر الآخر له أن يصدقه لأن أحد

جسکو تاجر رد کر دے۔اور ستوقہ اس درہم کو کہتے ہیں جس میں کھوٹ غالب ہو۔

تشریح: واضح ہے۔ اس دور میں یہ سب درہم نہیں ہیں۔

ترجمہ: (۴۶۱) کسی نے دوسرے سے کہا کہ آپ کا میرے اوپر ایک ہزار درہم ہے، سامنے والے نے کہا کہ میرا آپ پر کچھ نہیں ہے، پھر اسی جگہ رہتے ہوئے یہ کہنے لگا کہ ہاں میرا آپ پر ایک ہزار ہے، تو اس سے اقرار کرنے والے پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ پہلے والا اقرار تھا وہ رد کرنے سے رد ہو گیا، اور دوسرا والا دعوی ہے جسکے ثابت کرنے کے لئے یا تو گواہ چاہئے، یا اقرار کرنے والا دوبارہ مان لے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کیلئے اقرار کیا وہ ایک مرتبہ رد کر دے تو فورا رد ہو جاتا ہے، دوبارہ ہاں کہنے سے کچھ نہیں ہوگا

تشریح: مثلا زید نے عمر کے لئے ایک ہزار درہم کا اقرار کیا، عمر نے کہا کہ میرا تم پر کوئی رقم نہیں ہے، ابھی اسی مجلس میں تھا کہ عمر کہنے لگا کہ میرا آپ پر ایک ہزار درہم ہے، تو عمر کے اس کہنے سے زید پر کچھ لازم نہیں ہوگا، ہاں زید دوبارہ مان لے کہ ایک ہزار ہے، یا پھر عمر گواہ کے ذریعہ ثابت کرے کہ زید پر ایک ہزار ہے تب زید پر ایک ہزار لازم ہوگا۔

وجہ: عمر نے جب انکار کیا تو زید کا اقرار بیکار ہو گیا، اب اس سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اب نئے سرے سے عمر گواہ کے ذریعہ ایک ہزار ثابت کرے تب لازم ہوگا، یا پھر زید اس بات کو مان لے کہ میرے اوپر عمر کا ایک ہزار ہے تب لازم ہوگا۔

ترجمہ: ٢ بخلاف اگر دوسرے سے کہے تم نے خریدا ہے، اور دوسرا انکار کر جائے، تو دوسرے کو ابھی بھی حق ہے تصدیق کر لے کہ میں نے خریدا ہے، اس لئے کہ دونوں عقد کرنے والے میں سے ایک تنہا بیع فسخ نہیں کر سکتا، جیسے تنہا وہ بیع بھی نہیں کر سکتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ فسخ کرنے میں دونوں کا حق ہے اس لئے عقد باقی رہا اس لئے تصدیق کا عمل ابھی بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال جس کے لئے اقرار کیا ہے وہ تنہا انکار کر سکتا ہے، اس لئے دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا۔

المتعاقدين لا يتفرد بالفسخ كما لا يتفرد بالعقد والمعنى أنه حقهما فبقي العقد فعمل التصديق أما المقر له يتفرد برد الإقرار فافترقا. (۴۶۲)قال ومن ادعى على آخر مالا فقال ما كان لک علي شيء قط فأقام المدعي البينة على ألف وأقام هو البينة على القضاء قبلت بينته ۱؎ و كذلک

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع کا عقد بائع اور مشتری دونوں سے ہوتا ہے اس لئے ایک کے انکار سے ابھی بیع کا ایجاب ختم نہیں ہوا اس لئے مجلس میں مشتری دوبارہ قبول کر سکتا ہے۔

تشریح :مثلا زید نے عمر سے کہا کہ تم نے میری باندی خریدی ہے، عمر نے انکار کر دیا، پھر اسی مجلس میں عمر نے کہا کہ ہاں میں نے خریدی ہے تو بیع ہو جائے گی، الگ سے گواہ دینے، یا بائع کے ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ :(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ عمر کے انکار کرنے کے باوجود زید بائع نے انکار نہیں کیا ہے اس لئے بیع کی ایجاب بدستور قائم ہے اس لئے اسی مجلس میں عمر قبول کر سکتا ہے اس لئے بیع ہو جائے گی۔ (۲) دوسری وجہ جو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے بیع بائع اور مشتری دونوں سے منعقد ہوتی ہے، اس لئے فسخ بھی دونوں ہی کریں گے ایک مشتری کے انکار سے بیع فسخ نہیں ہوگی، اس لئے جب بیع قائم ہے اور مجلس بھی قائم ہے تو عمر مشتری اس کی تصدیق کر سکتا ہے اور اس سے بیع قائم رہے گی۔ اس کے بر خلاف اقرار میں مقرلہ [جس کے لئے اقرار کیا] اس کے انکار سے اقرار ختم ہو جاتا ہے۔ اس دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا۔

ترجمہ :(۴۶۲) کسی نے دوسرے پر مال کا دعوی کیا تو دوسرے نے کہا کہ آپ کا مجھ پر کبھی کچھ نہیں رہا تھا پھر مدعی نے ایک ہزار پر بینہ قائم کر دیا، تو مدعی علیہ نے گواہ نے قائم کر دیا کہ وہ تو ادا بھی کر دیا گیا تھا، تو مدعی علیہ کی گواہی قبول کر لی جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بات میں توافق ہو تو بات مان لی جائے گی، اور تناقض ہو تو قاضی ایسی گواہی کو رد کر دے گا

تشریح :مثلا زید نے عمر پر دعوی کیا کہ تم پر میرا ایک ہزار درہم قرض ہے، عمر نے کہا کہ کبھی تمہارا کوئی درہم مجھ پر نہیں رہا ہے ،اس پر زید نے ایک ہزار کا گواہ پیش کر دیا، پھر عمر نے گواہ پیش کیا کہ میں نے وہ ایک ہزار زید کو ادا کر دیا ہے۔ تو قاضی عمر کی بات مان لے گا اور کہے گا کہ ہاں عمر نے ایک ہزار ادا کر دیا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر نے کہا کہ کبھی بھی تمہارا درہم مجھ پر نہیں رہا ہے، تو پھر یہ کیسے کہہ رہا ہے کہ میں نے ایک ہزار ادا بھی کر دیا، یہ تو اس کی بات میں تناقض ہے۔

وجہ :اس تناقض کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ حقیقت میں تو کبھی بھی زید کا کوئی درہم عمر پر نہیں رہا ہے، لیکن زید نے جھوٹی گواہی دلوا کر غلط فیصلے کروایا تھا، جسکے بارے میں عمر نے یہ گواہی دلوایا کہ میں وہ غلط فیصلے والا درہم ادا کر دیا ہے، اس لئے اس کی پہلی بات [کہ کوئی درہم مجھ پر نہیں ہے] بھی ٹھیک ہے اور دوسری بات [کہ میں نے ایک ہزار ادا کر دیا] یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس

علی الإبراء. ٢ وقال زفر رحمه الله لا تقبل لأن القضاء يتلو الوجوب وقد أنكره فيكون مناقضا. ٣ ولنا أن التوفيق ممكن لأن غير الحق قد يقضى ويبرأ منه دفعا للخصومة والشغب ألا ترى أنه يقال قضى بباطل وقد يصالح على شيء فيثبت ثم يقضى ٤ وكذا إذا قال ليس لک علي

لئے بات مان لی جائے گی۔

ترجمه : ١ کذالک علی الابراء: اس طرح زید نے عمر پر ایک ہزار کا دعوی کیا، عمر نے انکار کیا، پھر زید نے ایک ہزار پر گواہ پیش کیا، تو عمر نے کہا کہ زید نے مجھ کو اس رقم سے بری کر دیا تھا۔ اب عمر کی بات میں تناقض ہو گیا تو اس کا جواب او پر والا ہی ہے کہ حقیقت میں عمر پر کوئی رقم نہیں تھی لیکن غلط فیصلہ کروایا تھا، اور بعد میں زید نے عمر کر اس رقم سے بری کر دیا تھا، اس لئے عمر نے گواہی دلوائی کہ زید نے مجھے اس رقم سے بری کر دیا تھا۔

ترجمه : ٢ امام زفرؒ نے فرمایا کہ عمر کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ واجب ہونے کے بعد ادا کرنا ہوتا ہے، اور عمر نے واجب ہونے ہی کا انکار کر دیا، اس لئے عمر کی بات میں تناقض ہو گیا[اس لئے قاضی عمر کی گواہی نہیں مانے گا]

تشریح : امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ عمر نے پہلے ہزار کا انکار کیا ہے، تو جب واجب ہی نہیں ہوا تو بعد میں ادا کر دینے کی بات کیسے صحیح ہوگی اس لئے تناقض کی وجہ سے بات نہیں مانی جائے گی۔

ترجمه : ٣ ہماری دلیل یہ ہے کہ عمر کی بات میں توافق کرنا ممکن ہے، اس لئے کہ کبھی جھگڑا ختم کرنے کیلئے ناحق پیسہ بھی ادا کیا جاتا ہے، اور اس سے بری ہونے کی کوشش کرتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ باطل فیصلہ ہوا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی چیز پر صلح کر لیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ چیز ثابت ہو جاتی ہے، پھر اس کو ادا کرتے ہیں [حالانکہ وہ چیز حقیقت میں اسپر لازم نہیں تھی

تشریح : یہاں سے عمر کی بات میں توافق کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ فرماتے ہیں کبھی ناحق مال کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ باطل کا فیصلہ ہو گیا، اس لئے یہ ممکن ہے کہ ناحق فیصلہ ہونے کی وجہ سے عمر نے کہا ہو کہ تمہارا مجھ پر کبھی کچھ نہیں رہا ہے، لیکن ناحق فیصلہ ہوا تھا تو اس کو میں نے ادا بھی کر دیا ہے۔ اس توافق کی وجہ سے عمر کی بات مان لی جائے گی۔

ترجمه : ٤ ایسے ہی اگر کہا، کہ ابھی تمہارا مجھ پر کچھ نہیں ہے اس لئے کہ عمر کی دونوں باتوں میں توافق ممکن ہے۔

تشریح : اوپر کے جملے, ما کان لک علیّ شیء ، فعل ماضی کا جملہ تھا کہ پہلے کبھی مجھ پر تمہارا کچھ نہیں رہا ہے۔ اور اس جملہ میں حال کا لفظ ہے, لیس لک علّی شیء قط ، ابھی تمہارا مجھ پر کچھ نہیں ہے۔ اس جملے میں بھی وہی تفصیلات ہیں جو اوپر گزری۔

شـيء قط لأن التوفيق أظهر (۴۶۳) ولـو قـال مـا كـان لک علي شيء قط ولا أعرفک لم تقبل بيـنته على القضاء ‌ا وكـذا عـلى الإبراء لتعذر التوفيق لأنه لا يكون بين اثنين أخذ وإعطاء وقضاء واقتـضـاء ومـعـاملة ومصالحة بدون المعرفة. ۲ وذكـر الـقـدوري رحـمه الله أنه تقبل أيضا لأن الـمـحتـجب أو الـمـخدرة قد يؤذى بالشغب على بابه فيأمر بعض وكلائه بإرضائه ولا يعرفه ثم يعرفه بعد ذلک فأمكن التوفيق. (۴۶۴) قال ومـن ادعى على آخر أنه باعه جاريته فقال لم أبعها

ترجمہ(۴۶۳) اوراگر کہا کہ تیرا مجھ پر کچھ نہیں ہے اور نہ تم کو پہچانتا ہوں، تو اب ادا کرنے پر گواہی قبول نہیں کی جائے گی

ترجمہ : ‌ا اور ایسے ہی بری کر دینے پر، اس لئے کہ دونوں باتوں میں توافق ہونا متعذر رہے، کیونکہ دو آدمی کے درمیان لین دین، ادا کرنا، وصول پانا، معاملہ کرنا مصالحت کرنا بغیر پہچانے ہوئے نہیں ہوسکتا۔

تشریح : یہ اوپر کے مسئلے کا ہی حصہ ہے، عمر نے زید سے کہا کہ تمہارا مجھ پر کچھ نہیں ہے، اور یہ بھی کہا کہ میں تم کو پہچانتا بھی نہیں ہوں۔ اس کے بعد زید نے اس پر گواہی دلوائی کہ میرا عمر پر ایک ہزار ہے تو عمر نے کہا کہ میں نے ادا کر دیا ہے، یا مجھ کو زید نے بری کر دیا ہے تو یہ بات قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ جب تم زید کو پہچانتے بھی نہیں ہو تو اس کو ایک ہزار ادا کیسے کیا!

ترجمہ : ۲ صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں بھی عمر کی بات قبول کی جائے گی، اس لئے کہ نہ ملنے والا آدمی، پردہ والی عورت اپنے دروازے پر شور مچانے والے آدمی سے شرم محسوس کرتا ہے، اس لئے اپنے وکیل سے کہتا ہے کہ اس کو رقم دی کر راضی کرلو، حالانکہ شور مچانے والے کو پہچانتا نہیں ہے اس کے بعد اس کو پہچانتا ہے، اس لئے دونوں باتوں میں توافق ممکن ہے۔

تشریح : امام قدوری نے اس صورت میں بھی [میں اس کو پہچانتا نہیں ہوں] مدعی علیہ عمر کی گواہی کو قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور توافق کی صورت یہ نکالی ہے کہ عمر بڑا آدمی تھا لوگوں سے کم ملنے جلنے والا آدمی تھا، یا پردہ نشین عورت تھی، اس کے دروازے پر ایک آدمی نے ایک ہزار کا غلط دعوی کیا اور شور مچایا، گھر والے کو اس سے شرم آئی اس لئے کسی وکیل کو حکم دیا کہ ایک ہزار ادا کر دو، اس لئے گھر والے عمر نے کہا کہ میں اس کو پہچانتا بھی نہیں ہوں، [اور آج کل فون پر اور ٹیکس میسز پے ایسا ہی ہوتا ہے کہ آدمی کو پہچانتا نہیں ہے، اور بڑا بڑا کاروبار کرتا ہے] بعد میں جب گواہ کے ذریعہ سے اس پر ایک ہزار ثابت کیا تو اس نے کہا کہ اس کو تو میں ایک ہزار ادا بھی کر چکا ہوں، اور اس پر گواہ پیش کر دیا، اس لئے چونکہ دونوں باتوں میں توافق موجود ہے اس لئے عمر کی گواہی مانی جائے گی۔

ترجمہ : (۴۶۴) کسی نے دوسرے پر دعوی کیا کہ اس نے اپنی باندی بیچی ہے، تو دوسرے نے کہا کہ میں نے تم سے کبھی

منک قط فأقام المشتري البينة على الشراء فوجد بها أصبعا زائدة فأقام البائع البينة أنه برء إليه من كل عيب لم تقبل بينة البائع ١ وعن أبي يوسف رحمه الله أنها تقبل اعتبارا بما ذكرنا ٢ ووجه الظاهر أن شرط البراء ة تغيير للعقد من اقتضاء وصف السلامة إلى غيره فيستدعي وجود البيع

کچھ نہیں بیچی، پھر خریدنے والے نے خریدنے پر گواہی پیش کی، پس باندی میں زائد انگلی کا عیب پایا گیا، اب بائع نے گواہی پیش کی کہ میں ہر عیب سے بری ہوں، تو بائع کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح :مثلا زید نے دعوی کیا کہ عمر نے میرے ہاتھ میں اپنی باندی بیچی ہے، اس پر عمر نے کہا کہ میں نے کبھی بھی اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں بیچی ہے، زید نے بیچنے پر گواہ پیش کیا، اور باندی کو اپنے قبضے میں کر لیا تو باندی میں ایک ایسا عیب پایا جو بچپنے سے ہوسکتا ہے، مثلا پانچ کے بجائے چھ انگلی پائی گئی، جسکی وجہ سے زید عمر سے عیب کی قیمت لینا چاہتا ہے تو عمر نے کہا کہ زید نے اس عیب سے مجھے بری کر دیا ہے اور اس پر گواہ پیش کی، تو عمر کی یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر نے پہلے کہا کہ میں نے کبھی کوئی چیز نہیں بیچی، اور اب کہتا ہے کہ انگلی کے عیب سے مجھے بری کر دیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بیچا تو ضرور ہے تب ہی تو انگلی کے عیب بری کیا گیا۔ اس لئے اس کی بات میں تناقض ہے اس لئے عمر کی گواہی نہیں مانی جائے گی۔

لغت :اصبعا زائدة :زئد انگلی: اس کا مطلب یہ ہے کہ باندی میں کوئی ایسا عیب ہے جو بعد میں نہیں ہوسکتا بلکہ خریدنے سے پہلے ہی ہونا ضروری ہے، جیسے زائد انگلی پیدائش کے وقت سے ہوتی ہے، تا کہ بائع یہ نہ کہہ سکے کہ یہ عیب مشتری کے یہاں پیدا ہوا ہے۔

ترجمه :١ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ عمر کی بات قبول کی جائے گی وہ قیاس کرتے ہیں ان وجوہات پر جو اوپر ذکر کئے گئے۔

تشریح :اوپر یہ ترتیب بنائی گئی تھی کہ بڑا آدمی ہے جو عموما پردے میں رہتا ہے اس لئے وکیل کے ذریعہ باندی بچوائی اس لئے مشتری کو کہہ دیا میں نے نہیں بیچی ہے، بعد میں پتہ چلا کہ یہی مشتری ہے تو دعوی کر دیا کہ اس عیب سے مجھے بری کر دیا ہے اور اس پر گواہ پیش کر دی اس لئے بات میں توافق ہے اس لئے بات مان لی جائے گی۔

ترجمه :٢ ظاہر کی وجہ یہ ہے کہ بری ہونے کی شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد کو عیب سے سالم رہنے کے تقاضے سے غیر سلامت کی طرف پھیرنا ہے، اس لئے بیع پائے جانے کا تقاضہ کرتا ہے، اور حالانکہ پہلے بیع سے انکار کر چکا ہے تو بات میں تناقض ہو گیا۔ بخلاف قرض کے، کیونکہ کبھی باطل قرض بھی ادا کر دیا جاتا ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔

وقد أنكره فكان مناقضا بخلاف الدين لأنه قد يقضي وإن كان باطلا على ما مر. (۴۶۵)قال ذكر حق كتب في أسفله ومن قام بهذا الذكر الحق فهو ولي ما فيه إن شاء الله تعالى أو كتب في شراء فعلى فلان خلاص ذلک وتسليمه إن شاء الله تعالى بطل الذكر كله وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله. وقالا إن شاء الله تعالى هو على الخلاص وعلى من قام بذكر الحق[ا] وقولهما

تشریح :متن میں گواہی قبول نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ جب کہا کہ مجھے عیب سے بری کر دیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے باندی بیچی ہے، اور پہلے انکار کر چکا ہے کہ نہیں بیچی ہے اس لئے بات میں تناقض ہو گیا، اس لئے بات نہیں مانی جائے گی۔ قرض کا معاملہ بالکل الگ ہے، کیونکہ کبھی باطل قرض بھی ادا کرنا پڑتا ہے اس لئے وہاں کہے کہ تمہارا قرض نہیں ہے پھر کہے کہ ادا کر دیا ہے تو بات میں توافق ہو سکتا ہے۔

لغت : یستدعی: دعی سے مشتق ہے، چاہتا ہے۔ اقتضاء: تقاضہ کرتا ہے۔

ترجمہ :(۴۶۵) لمبے حقوق کا ذکر کیا اور آخیر میں یہ لکھ دیا ،و من قام بھذا الذکر فھو ولی ما فیه ان شاء اللّٰه۔ ترجمہ: جس کو یہ خط ملے تو جتنے حقوق ذکر کئے گئے ہیں ان سب کا وہ ولی ہے ان شاء اللہ۔ یا خریدنے کے بارے میں لکھا، پورا خط لکھ کر آخیر میں لکھا۔ فعلی فلان خلاص ذالک و تسلیمه ان شاء اللّٰه ،تو پورا خط ہی بیکار ہو جائے گا، اور یہ بات امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ،لفظ، ان شاء اللہ کا خط کا آخری جملہ ' من قام بھذا الذکر فھو ولی ۔ اور ,فعلی فلان خلاص ذالک و تسلیمه] کے ساتھ ہوگا۔

لغت :ان شاء اللہ، کا مطلب سمجھیں۔ فقہ کے محاورے میں اس کو ,استثناء، کہتے ہیں۔ اس کا ترجمہ ہے اگر اللہ چاہے، ان شاء اللہ کا لفظ کسی جملے کے آخیر میں لکھ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ہونا ضروری نہیں ہے، اللہ چاہے گا تو ہوگا اور نہیں چاہے گا تو نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ کام نہیں ہوگا۔ طلاق کے بعد ان شاء اللہ، کہہ دیا جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی

اصول :امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ کئی جملے ہوں اور ان کے درمیان حرف عطف ,واو، یا ف، ہو تو سب جملے ایک شمار کئے جائیں گے اور اس کے آخیر جملے کے بعد ان شاء اللہ، ہو تو تمام جملے کنسل ہو جائیں گے، اور بیکار ہو جائیں گے، کیونکہ سب جملے گویا کہ ایک ہی ہیں اور سبھی کے ساتھ ان شاء اللہ کا تعلق ہو گیا۔

اصول :صاحبین کا اصول یہ ہے کہ جملوں کے درمیان چاہے ,واو، یا ف، ہو تب بھی ان شاء اللہ کا تعلق صرف آخیر جملے کے ساتھ ہوگا اور وہ جملہ کنسل ہوگا، اس سے پہلے کے تمام جملوں کے حقوق باقی رہیں گے۔

تشریح :یہاں دو مسئلے ذکر کئے ہیں۔[ا] کسی نے ایک خط میں بہت سارے حقوق لکھے، اور آخیر میں یہ جملہ لکھ دیا جس کو

استحسان ذكره في الإقرار لأن الاستثناء ينصرف إلى ما يليه لأن الذكر للاستيثاق وكذا الأصل في الكلام الاستبداد ۲؎ وله أن الكل كشيء واحد بحكم العطف فيصرف إلى الكل كما في الكلمات المعطوفة مثل قوله عبده حر وامرأته طالق وعليه المشي إلى بيت الله تعالى إن شاء

یہ خط ملے وہاں حقوق کے ولی ہیں ان شاء اللہ۔ تو ان شاء اللہ کا تعلق پورے خط کے ساتھ ہو جائے گا، اور کسی حق کا بھی مالک نہیں بنے گا۔

وجه : کیونکہ حرف عطف کی وجہ سے تمام کلمات ایک ہی ہو گئے اس لئے سبھی کینسل ہو جائیں گے۔

[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بائع نے فروخت کرنے کے سلسلے میں ایک خط لکھا اور آخیر میں لکھ دیا، اگر کسی کا حق نکل گیا تو مجھ پر اس کو واپس لینے اور مشتری کو سپرد کرنے کی ذمہ داری ہے ان شاء اللہ۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورا خط ہی بیکار ہو جائے گا، کیونکہ حرف عطف کی وجہ سے پورا خط ایک ہی جملے کی طرح ہو گیا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان شاء اللہ کا تعلق فعلی فلان خلاص ذالک وتسلیمہ کے ساتھ ہوگا اور یہ حق کینسل ہوگا باقی حقوق بحال رہیں گے۔

لغت :**هو عليّ الخلاص** : یہ اوپر کی عبارت کا مختصر ہے۔ اس کی پوری عبارت یہ ہے۔ **فعلي فلان خلاص ذالک و تسليمه ان شاء الله** ۔ **و علي من قام بذكر الحق** ۔ یہ بھی اوپر کی عبارت کا مختصر ہے، اوپر کی عبارت یہ ہے۔ **و من قام بهذا الذكر فهو ولي ما فيه ان شاء الله**۔

ترجمه :۱؎ صاحبینؒ کا قول استحسان پر ہے۔ امام محمدؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں کتاب الاقرار میں ذکر کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ استثناء [ان شاء اللہ] کو اپنے متصل جملے کی طرف پھیرا جائے گا، کیونکہ خط لکھنا تو مضبوط کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ ہر جملہ مستقل ہوتا ہے۔ [اس لئے ان شاء اللہ کا تعلق صرف اس سے متصل جملے کے ساتھ ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمه : ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرف عطف کی وجہ سے تمام حقوق ایک ہی کے حکم میں ہے، اس لئے ان شاء اللہ کل حقوق کے طرف پھیرا جائے گا، جیسے کہ عطف والے کلمات میں ہوتا، مثلا عبدہ حر [اس کا غلام آزاد ہے]۔ وامراتہ طالق [اس کی بیوی کو طلاق ہے، وعلیہ المشی ءالی بیت اللہ تعالی ان شاء اللہ۔ [اس پر بیت اللہ تک پیدل جانا لازم ہے ان شاء اللہ۔

تشریح : یہاں تین جملے استعمال کئے ہیں [۱] اس کا غلام آزاد ہے۔ [۲] اور اس کی بیوی کو طلاق ہے، اور [۳] اس پر بیت اللہ جانا لازم ہے ان شاء اللہ۔ تو تینوں باتیں لازم نہیں ہوں گے۔

وجه : کیونکہ حرف عطف کی وجہ سے تینوں جملے ایک ساتھ ہیں اور تینوں جملوں کے بعد ان شاء اللہ ہے اسلئے نہ غلام آزاد ہوگا

الله تعالى ٣؎ ولو ترک فرجة قالوا لا يلتحق به ويصير كفاصل السكوت .

﴿فصل في القضاء بالمواريث﴾

(٤٦٦)قال وإذا مات نصراني فجاء ت امرأته مسلمة وقالت أسلمت بعد موته وقالت الورثة

،نہ بیوی کوطلاق واقع ہوگی،اورنہ بیت اللہ تک جانالازم ہوگا،ٹھیک اسی طرح اوپر کے خط میں پورے حقوق باطل ہوجائیں گے

ترجمہ :٣؎ اوراگر درمیان میں خالی جگہ چھوڑ دی تو حضرات فرماتے ہیں کہ پہلے کے ساتھ متصل نہیں ہوگا،اورایسا ہوگیا جیسے کہ درمیان میں چپ ہوگیا ہو۔

تشریح :خط لکھا،اوردرمیان میں خالی جگہ چھوڑ دی اس کے بعدان شاءاللہ لکھا توان شاءاللہ جملے سے الگ ہوگیا،اس لئے اس سے پہلے کے جملے کے حقوق بحال رہیں گے،ان شاءاللہ کااس پرکوئی اثرنہیں ہوگا۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں،کسی نے کہا,انت طالق۔ پھرچپ رہااس کے بعدان شاءاللہ کہا تو طلاق واقع ہوجائے گی،کیونکہ ان شاءاللہ کاتعلق انت طالق کے ساتھ نہیں رہا۔یہی حال اوپر کے جملے کا ہوگا۔

لغت: فرجۃ :کشادگی۔یلتحق :مل جانا۔فاصل السکوت: بولنے کے درمیان چپ رہ جانا۔

﴿فصل فی قضاء بالمواریث﴾

ترجمہ :(٤٦٦)ایک نصرانی مردکاانتقال ہواپھراس کی بیوی مسلمان ہوکرآئی اورکہنے لگی کہ میں نصرانی کے مرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہوں[اس لئے مجھےاس کی وراثت ملنی چاہئے]اورورثہ کہنے لگے کہ نصرنے کے مرنے سے پہلے مسلمان ہوئی ہے[اس لئے عورت کووراثت نہیں ملنی چاہئے]تو بات ورثہ کی مانی جائے گی۔

لغت :میاں اور بیوی کے دین میں اختلاف ہوتووراثت نہیں ملتی،مسلمان عورت کونصرانی شوہرکی وراثت نہیں ملے گی۔

استصحاب حال :یہ ایک محاورہ ہے،جوحال پہلے سے آرہاہواس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہوتو پہلے ہی کی حالت مانی جائے گی،اس کو,استصحاب حال، کہتے ہیں۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پرہے کہ جوحالات پہلے چل رہے ہیں اگراس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہوتو یہی سمجھا جائے گا ابھی بھی وہی حال ہےاوراسی پرفیصلہ کیاجائے گا۔اسی کو,استصحاب حال، کہتے ہیں۔

تشریح :مثلازیدنصرانی تھاوہ مرگیا،اس کی بیوی بھی پہلے نصرانی تھی اس لئے اس کوشوہرکی وراثت ملنی چاہئے۔اب وہ

أسلمت قبل موته فالقول قول الورثة ۱؎ وقال زفر رحمه الله القول قولها لأن الإسلام حادث فيضاف إلى أقرب الأوقات. ۲؎ ولنا أن سبب الحرمان ثابت في الحال فيثبت فيما مضى تحكيما

مسلمان بن کر آئی اور کہتی ہے کہ میں شوہر کی زندگی میں نصرانی تھی اس لئے مجھے اس کی وارثت دلوائیں، اور اس کا وارث کہتا ہیں کہ یہ شوہر کی زندگی ہی میں مسلمان ہو چکی تھی اس لئے اس کو شوہر کی وراثت نہیں ملے گی، اور دونوں کے پاس کوئی گواہی نہیں ہے، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وارث کی بات مانی جائے گی، کہ وہ شوہر کی زندگی میں مسلمان ہو گئی تھی اس لئے اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

وجہ: ابھی عورت مسلمان ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شوہر کے مرنے سے پہلے بھی مسلمان ہو گی، کیونکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے، اور شوہر کی زندگی میں مسلمان ہو جائے تو اختلاف دین کی وجہ سے عورت کو وراثت نہیں ملے گی اور ورثہ کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ عورت کے قول کا اعتبار ہوگا اس لئے کہ اسلام نیا ہے اس لئے قریب وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ [اس لئے وراثت مل جائے گی]

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پہلے وہ نصرانی تھی مسلمان بعد میں ہوئی ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ قریب وقت میں مسلمان ہوئی ہے، یعنی شوہر کے مرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے، اور شوہر کے زمانے میں یہ نصرانی ہی تھی اس لئے اتحاد دین کی وجہ سے وراثت ملے گی، اور وارث کی بات نہیں مانی جائے گی۔ یہ سب بحث اس وقت ہے جبکہ کوئی گواہی یا کوئی قرینہ نہ ہو، ورنہ گواہی یا قرینہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ فی الحال وراثت سے محروم ہونے کا سبب ثابت ہے [کیونکہ عورت مسلمان ہے] تو پچھلے زمانے میں بھی محرومیت ہوگی زمانہ حال کو فیصل بنا کر، جیسا کہ پن چکی کو جاری کرنے کے سلسلے میں ہوتا ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت ابھی مسلمان ہے اس لئے وراثت سے محروم ہے، اس حالت کو زمانہ ماضی پر بھی قیاس کر لیں کہ وہ شوہر کے زمانے بھی مسلمان ہو گی، جیسا کہ وارث کہتے ہیں اس لئے اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

لغت: تحکیما للحال: زمانہ حال کو فیصل بنالیا جائے، یعنی جو فیصلہ ابھی ہے یہی فیصلہ زمانہ ماضی میں بھی کر لیا جائے۔ اسی کو، استصحاب حال، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۳؎ جیسے کہ پن چکی کے جاری ہونے میں۔

تشریح: پچھلے زمانے میں پن چکی کے ذریعہ کھیت میں پانی ڈالا جاتا ہے تھا، اب کھیت والے نے کہا کہ رات پھر پانی جاری

للحال۳ کما في جريان ماء الطاحونة۴ وهذا ظاهر نعتبره للدفع وما ذكره يعتبره للاستحقاق

(۴۶۷)ولو مات المسلم وله امرأة نصرانية فجاء ت مسلمة بعد موته وقالت أسلمت قبل موته وقالت الورثة أسلمت بعد موته فالقول قولهم أيضا۱ ولا يحكم الحال لأن الظاهر لا يصلح حجة

نہیں رہا، اور کھیت میں نہیں گیا، اور پن چکی والے نے کہا کہ رات بھر پانی جاری رہا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ ابھی پن چکی جاری ہے یا نہیں۔ اگر ابھی جاری ہے تو رات بھر جاری سمجھا جائے گا، اور ابھی نہیں ہے تو رات بھر جاری نہیں سمجھا جائے گا، یعنی ابھی کی حالت کو رات پر قیاس کیا جائے گا۔ اسی طرح ابھی کے مسلمان ہونے کو شوہر کے زمانے میں مسلمان سمجھا جائے گا اور وراثت سے محروم ہوگی۔

ترجمہ: ۴ یہ اس ظاہری حال کو ہم دفع کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور امام زفرؒ اس کو مستحق بننے کے لئے استعمال کرتے ہیں

تشریح: صاحب ھدایہ قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ استصحاب حال کو صرف دفع کے لئے استعمال کرتے ہیں، استحقاق اور دینے کے لئے استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اور امام زفرؒ استصحاب حال کو استحقاق کے لئے اور مستحق بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، چنانچہ عورت کی ظاہری حالت کے اعتبار سے وراثت دلوائی، اور امام ابو حنیفہؒ اس کو دفع کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اگلی مثال سے اس کی وضاحت زیادہ ہوگی۔

ترجمہ: (۴۶۷) اگر مسلمان مر گیا اور اس کی بیوی نصرانی تھی، پھر اس کے مرنے کے بعد مسلمان ہو کر آئی اور کہنے لگی کہ میں شوہر کے مرنے سے پہلے مسلمان ہوئی ہوں، [اس لئے اتحاد دین کی بنا پر مجھے اس کی وراثت ملنی چاہئے] اور ورثہ نے کہا کہ شوہر کے مرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے [اس لئے اختلاف دین کی وجہ سے اس کو وراثت نہیں ملنی چاہئے] تو یہاں بھی ورثہ کی بات مانی جائے گی۔

تشریح: شوہر مسلمان تھا اور بیوی اس وقت نصرانیہ تھی اس لئے اختلاف دین کی وجہ سے اس کو وراثت نہیں ملنی چاہئے، لیکن وہ کہتی ہے کہ میں اس کی زندگی میں مسلمان ہو چکی تھی، اس لئے موت کے وقت میں اتحاد دین تھا اس لئے وراثت ملنی چاہئے۔

وجہ: ابھی عورت مسلمان ہے، لیکن یہ ظاہری حالت اس بات پر دلالت نہیں کرے گی کہ وہ زندگی میں بھی مسلمان تھی اس لئے کہ اس سے وراثت دینی پڑے گی، اور استحقاق ثابت کرنا پڑے گا، اور پہلے گزر چکا ہے کہ حنفیہ کے یہاں ظاہری حالت حق کو دفع کرنے کے لئے تو استعمال کیا جا سکتا ہے، حق کو ثابت کرنے کے لئے ثابت نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ظاہری حالت روز بدلتی

للاستحقاق وهي محتاجة إليه أما الورثة فهم الدافعون ويشهد لهم ظاهر الحدوث أيضا.

(۴۶۸)قال ومن مات وله في يد رجل أربعة آلاف درهم وديعة فقال المستودع هذا ابن الميت لا وارث له غيره فإنه يدفع المال إليه لأنه أقر أن ما في يده حق الوارث خلافة فصار كما إذا أقر

رہتی ہے اس لئے یہ دلیل بہت کمزور سی ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۱ عورت کی ابھی کی ظاہری حالت سے فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ ظاہری حالت حق ثابت کرنے کے لئے دلیل نہیں بن سکتی، اس لئے وراثت کے حق کو ثابت کرنے کے لئے مضبوط دلیل کی ضرورت ہے، اور ورثہ تو وراثت کو دفع کر رہے ہیں اس لئے ظاہری حالت دفع کے لئے کام آ جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ عورت کی ابھی ظاہری حالت مسلمان کی ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شوہر کی زندگی میں مسلمان ہوئی ہوگی، لیکن ظاہری حالت صرف حق کو دفع کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، حق کو ثابت کرنے کے لئے نہیں اس لئے حق کو ثابت کرنے کے لئے عورت کو الگ سے گواہ پیش کرنا ہوگا، یا کوئی قوی دلیل دینی ہوگی، جو نہیں ہے، اس لئے اس کو وراثت نہیں ملے گی۔ ورثہ عورت کے حق کو دفع کر رہے ہیں اور ظاہری حالت دفع کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ وہ ابھی ابھی مسلمان ہوئی ہے، اور شوہر کی زندگی میں نصرانی تھی اس لئے اختلاف دین کی وجہ سے وراثت نہیں ملے گی۔

لغت: یشہد لہم ظاہر الحدوث: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عورت ابھی ابھی مسلمان ہوئی ہے جو دلالت کرتا ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد ہی مسلمان ہوئی ہوگی۔

ترجمہ: (۴۶۸) کوئی مر گیا اور مرنے والے کا کسی کے ہاتھ میں چار ہزار درہم امانت کا ہے، پس امانت رکھنے والے نے کہا کہ یہ میت کا بیٹا ہے اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے تو امانت رکھنے والا یہ مال میت کو بیٹے کو دے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے امانت رکھنے والے نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے خلیفہ کے طور پر وہ وارث کا حق ہے، تو ایسا ہو گیا کہ وہ اقرار کرے کہ یہ مورث کا ہی ہے [تو مورث کو دینا ہی پڑے گا]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امانت کی چیز جسکے لئے اقرار کیا ہے، اگر وہ زندہ ہے تو اسی کو دینا ہوگا اس کے وکیل، یا اس کے مشتری کو نہیں دے سکتے، ہاں وہ مر گیا ہو تو اب اس کے وارث ہی کو دینا ہوگا، کیونکہ اب مورث تو رہا ہی نہیں ہے۔

تشریح: مثلا زید مر چکا ہے اور اس کا چار ہزار درہم عمر کے قبضے میں ہے، وہ اقرار ا کرتا ہے کہ یہ رقم زید کا ہے اور خالد اس کا بیٹا ہے اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے تو گویا کہ وہ اقرار کر رہا ہے کہ یہ رقم اب خالد کی ہے اس لئے اس کو دینا پڑے گا۔

أنـه حـق المورث وهو حي أصالة ۲؎ بـخـلاف مـا إذا أقـر لـرجل أنه وكيل المودع بالقبض أو أنه اشتـراه منه حيث لا يؤمر بالدفع إليه لأنه أقر بقيام حق المودع إذ هو حي فيكون إقرارا على مال الغير ولا كذلك بعد موته ۳؎ بـخلاف المديون إذا أقر بتوكيل غيره بالقبض لأن الديون تقضى

ترجمه :۲؎ بخلاف اگر کسی آدمی کے لئے اقرار کیا کہ یہ جس نے امانت رکھی ہے اس کا رقم پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ یا اس نے امانت رکھنے والے سے خرید لیا ہے تو قبضہ کرنے والے وکیل کو یا خریدنے والے کو حوالہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ وہ یہ بھی اقرار کر رہا ہے کہ یہ چیز امانت رکھنے والے کی ہے اور وہ ابھی زندہ ہے [اس لئے صرف اس کو ہی دینا پڑے گا] تو گویا کہ غیر کے مال کا اقرار کیا، اور مرنے کے بعد یہ صورت نہیں ہے کہ مرنے والے ہی کو دو اب تو اس کے وارث ہی کو دینا پڑے گا۔

اصول : یہاں اصول یہ ہے کہ رقم کا مالک زندہ ہے اس لئے اس کے وکیل، یا مشتری کو حوالہ کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا خود مالک کو دینے کے لئے کہا جائے گا، کیونکہ وکیل کو دینے سے رقم ضائع ہو سکتی ہے۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں [۱] پہلا مسئلہ۔ مثلا زید نے اقرار کیا کہ میرے پاس عمر کا چار ہزار درہم امانت کے ہیں، اور یہ کہتا ہے کہ خالد اس پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے، تو زید کو یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ یہ رقم خالد وکیل کو دے دیں، کیونکہ عمر ابھی زندہ ہے تو یہ رقم اسی کی ہے اور اسی کو دینا چاہئے، خالد اس کا وکیل ہے اس کا تو ثبوت بھی ابھی نہیں ہے۔ [۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ زید اقرار کرتا ہے کہ یہ گائے عمر کی ہے لیکن خالد نے اس کو خرید لیا ہے تو زید کو یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ یہ گائے خالد کے حوالے کر دو کیونکہ عمر ابھی زندہ ہے تو یہ گائے اسی کی ہے اور اسی کو دینا چاہئے، خالد اس کا خریدنے والا ہے اس کا تو ثبوت بھی ابھی نہیں ہے۔ ہاں عمر مر چکا ہوتا تو اب اس کو نہیں دیا جا سکتا ہے اس لئے اس کے وکیل، یا مشتری کو دیا جا سکتا تھا۔

ترجمہ :۳؎ بخلاف قرض لینے والے اگر اقرار کرے کہ یہ فلاں آدمی کا قبضہ کرنے کا وکیل ہے [تو قرض لینے والے کو کہا جائے گا کہ وکیل کو رقم دے دو] اس لئے کہ اس قرض کے ضائع ہونے پر دوسرا ادا کیا جا سکتا ہے، تو گویا کہ قرض لینے والا اپنے اوپر اقرار کر رہا ہے، اس لئے وکیل کو دے دینے کا حکم دے دیا جائے گا۔

اصول : امانت کی چیز میں مالک کو وہی چیز واپس کرنا ضروری ہے اس کے مثل دوسری چیز نہیں دے سکتے۔ اور قرض میں وہ رقم ضائع ہو گئی تو اس کی مثل اپنی طرف سے دوسری رقم قرض دینے والے کو واپس کر دیں۔

تشریح : مثلا زید نے عمر سے چار ہزار درہم قرض لیا تھا، اب وہ اقرار کرتا ہے کہ خالد عمر کا قبضہ کرنے کے لئے وکیل ہے، تو زید کو حکم دیا جائے گا کہ چار ہزار درہم خالد وکیل کو دے دو۔

بأمثالها فيكون إقرارا على نفسه فيؤمر بالدفع إليه(۴۶۹) فلو قال المودع لآخر هذا ابنه أيضا وقال الأول ليس له ابن غيري قضى بالمال للأول لأنه لما صح إقراره للأول انقطع يده عن المال فيكون هذا إقرارا على الأول فلا يصح إقراره للثاني كما إذا كان الأول ابنا معروفا ولأنه

وجہ: اگر خالد سے یہ رقم ضائع ہوگئی تو زید اپنی طرف سے دوسرا چار ہزار دے دے گا، کیونکہ قرض میں دوسری چیز دی جا سکتی ہے، امانت میں نہیں دی جا سکتی وہی چیز دینی ضروری ہوتی ہے، اس لئے زید اپنے اوپر اقرار کر رہا ہے تو اس کو دینے کا حکم دے دیا جائے گا

لغت: تقضی بامثالھا: اس کی مثل دوسری چیز ادا کی جا سکتی ہے، ایک ہزار درہم گم ہو جائے تو دوسرا ایک ہزار ادا کی جا سکتی ہے۔ اقرارا علی نفسہ: اپنی ذات پر اقرار کیا۔

ترجمہ: (۴۶۹) امانت رکھنے والے نے ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ یہ امانت دینے والے کا بیٹا ہے، بعد میں دوسرے کے بارے میں بھی کہا کہ یہ بھی اس کا بیٹا ہے، اور پہلے بیٹے نے کہا کہ میرے علاوہ کوئی اور بیٹا نہیں ہے، تو مال کا فیصلہ پہلے بیٹے کیلئے ہوگا

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ جب پہلے بیٹے کے لئے اقرار کرنا صحیح ہو گیا تو مال امین کے ہاتھ سے گویا کہ نکل گیا، اب یہ اقرار پہلے بیٹے کے خلاف میں ہوگا اس لئے دوسرے کیلئے اس کا اقرار کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اگر پہلا بیٹا مشہور ہوتا [تو دوسرے بیٹے کا اقرار صحیح نہیں ہوتا] یا اس لئے کہ جب پہلے کے لئے اقرار کر رہا تھا تو اس کا کوئی جھٹلانے والا نہیں تھا اس لئے زید کا اقرار صحیح ہے، اور جس وقت دوسرے بیٹے کے لئے اقرار کر رہا ہے تو اس کا جھٹلانے والا موجود ہے اس لئے زید کا اقرار صحیح نہیں ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے بیٹے کے لئے اقرار کر لیا تو گویا کہ مال اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس لئے دوسرے بیٹے کے لئے اب اقرار نہیں کر سکتا۔

تشریح: زید کے پاس چار ہزار درہم عمر کی امانت ہے، عمر کا انتقال ہو گیا، زید نے اقرار کیا کہ صرف خالد اس کا بیٹا ہے، تھوڑی دیر کے بعد زید کہتا ہے کہ ساجد بھی عمر کا بیٹا ہے، اور خالد کہتا ہے کہ میرے علاوہ کوئی بیٹا نہیں ہے [اور گواہ وغیرہ کچھ نہیں ہے] تو یہ رقم صرف صرف خالد کو دیا جائے گا۔

وجہ: یہاں تین دلیلیں دی جا رہی ہیں (۱) جب زید نے خالد کے لئے قرار ا کیا تو یہ رقم گویا کہ زید کے ہاتھ سے نکل کر خالد کے پاس چلا گیا، اور زید اب امانت رکھنے والا نہیں رہا اس لئے ساجد کے لئے اقرار کرنے کا حق باقی نہیں رہا۔ (۲) اگر یہ مشہور ہو کہ صرف خالد ہی عمر کا بیٹا ہو پھر زید کہے کہ ساجد بھی عمر کا بیٹا ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اسی طرح یہاں بھی زید کا

حين أقر للأول لا مكذب له فصح وحين أقر للثاني له مكذب فلم يصح.(٤٧٠) قال وإذا قسم الميراث بين الغرماء والورثة فإنه لا يؤخذ منهم كفيل ولا من وارث وهذا شيء احتاط به بعض القضاة وهو ظلم ١ وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا يؤخذ الكفيل ٢ والمسألة فيما إذا ثبت

اقرار نہیں مانا جائے گا۔(۳) یہ تیسری دلیل ہے کہ زید جب خالد کے لئے بیٹا ہونے کا اقرار کر رہا تھا تو اس کو جھٹلانے والا کوئی نہیں ہے اس لئے اس کی بات مان لی گئی، پھر جب یہ کہہ رہا ہے کہ ساجد بھی اس کا بیٹا ہے تو اس کو جھٹلانے والا خالد موجود ہے اس لئے اس لئے زید کی بات نہیں مانی جائے گی۔

ترجمہ :(٤٧٠) اگر قرض دینے والوں اور وارثوں کے درمیان میراث تقسیم کی جائے، تو نہ قرض دینے والوں کے سے کفیل لیا جائے گا، اور نہ وارثوں سے کفیل لیا جائے گا، یہ چیز [کفیل لینے کا معاملہ] کے بارے میں بعض قاضیوں نے اس کی احتیاط کی ہے، لیکن یہ کوئی اچھا اقدام نہیں ہے،

ترجمہ :١ یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کفیل لیا جائے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ وہمی طور کسی کا حق نکل آنے کا خطرہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے لئے قرض والوں سے اور وارث سے کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک کفیل لینے کی ضرورت ہے۔

تشریح : قرض لینے والوں میں اور وارثوں میں وراثت تقسیم ہوتے وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس بات کا کفیل لینا ضروری نہیں ہے کہ اگر کوئی قرض دینے والا، یا کوئی اور وارث نکل جائے تو تم لوگوں کو رقم واپس کر کے اس کو اس کا حصہ دینا ضروری ہے۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ کفیل لے لے تو بہتر ہے، تا کہ ضرورت پڑنے پر رقم واپس لیکر باقی وارثوں کو دیا جا سکے۔

وجہ :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرا قرض دینے والا، یا دوسرا وارث موجود ہے یا نہیں یہ وہمی چیز ہے، اور باقی وارث سامنے موجود ہیں اس لئے وہمی چیز کے لئے کفیل لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ کی دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ :٢ کفیل نہ لینے کا مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ قرض اور وراثت گواہی سے ثابت ہوئی ہو، اور گواہوں نے یہ نہیں کہا ہو کہ ہم اس کے علاوہ دوسرا وارث نہیں جانتے ہیں۔

تشریح :اگر قرض اور وراثت گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا اور گواہ نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس کے علاوہ کوئی وارث ہے یا نہیں تب یہ تفصیل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفیل کی ضرورت نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک کفیل کی ضرورت ہے

الدين والإرث بالشهادة ولم يقل الشهود لا نعلم له وارثا غيره. ٣ لهما أن القاضي ناظر للغيب والظاهر أن في التركة وارثا غائبا أو غريما غائبا لأن الموت قد يقع بغتة فيحتاط بالكفالة. ٤ كما إذا دفع الآبق واللقطة إلى صاحبه وأعطى امرأة الغائب النفقة من ماله. ۵ ولأبي حنيفة رحمه

وجه : کیونکہ اگر گواہ نے کہا کہ اتنا ہی وارث ہے تب تو کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ اب گواہ کی ذمہ داری ہوگئی ہے، اور اگر گواہ نے کہا کہ ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ کتنے قرض دینے والے، یا کتنے وارث ہیں تو اس صورت میں حصہ دار مجہول ہونے کی وجہ سے قاضی فیصلہ ہی نہیں کرے گا۔

ترجمہ : ٣ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی غائب لوگوں کا محافظ ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ ترکہ میں غائب وارث بھی ہوتے ہیں، یا قرض دینے والے غائب بھی ہوتے ہیں، اس لئے کہ موت کبھی اچانک واقع ہوجاتی ہے اسلئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ کفیل لیلے

تشریح : صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ کفیل لے لے، کیونکہ موت کبھی اچانک واقع ہوتی ہے، اور قاضی غائب وارث، اور غائب قرض دینے والوں کے محافظ ہیں اس لئے کفیل لے تا کہ کوئی وارث نکل جائے تو ان لوگوں سے واپس لی کر اس کو دلوایا جا سکے۔ آگے اس کی تین مثالیں دی ہیں۔

ترجمہ : ٤ جیسے کہ بھاگے ہوئے غلام کو دیتے وقت کفیل لیتے ہیں، اور پائی ہوئی چیز کو اس کے مالک کو واپس کرتے وقت کفیل لیتے ہیں، یا یا جس کا شوہر غائب ہے اس کی بیوی کو شوہر کے مال میں سے نفقہ دیتے وقت میں کفیل لیتے ہیں [تو یہاں بھی کفیل لیا جائے گا]

تشریح : یہاں کفیل لینے کی تین مثالیں دے رہے ہیں [۱] بھاگا ہوا غلام اس کے مالک کو حوالہ کیا جائے تو اس سے کفیل لیا جاتا ہے کہ کسی اور کا نکلا تو غلام واپس دینا ہوگا۔ [۲] گم شدہ مال اس کے مالک کو دیا جائے تو تو اس سے کفیل لیا جاتا ہے کہ کسی اور کا نکلا تو تم کو واپس کرنا ہوگا [۳] شوہر غائب ہے اس کے مال میں سے بیوی کو نفقہ دیا جائے تو کفیل لیا جاتا ہے کہ اگر تم کو نفقہ مل چکا ہوگا تو یہ مال واپس کرنا ہوگا، اسی طرح یہاں کفیل لیا جائے گا تا کہ غائب وارث ، یا غائب قرض دینے والے کو اس کا مال مل جائے۔

لغت : غیب: غائب کی جمع ہے۔ غریم : قرض دینے والا۔ بغتة: اچانک۔ التركة: میت نے جو مال چھوڑا ہے اس کو ترکہ کہا جاتا ہے۔ آبق: بھاگا ہوا غلام، ابق سے مشتق ہے۔ لقطة : پائی ہوئی چیز۔

ترجمہ : ۵ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاضر آدمیوں کا حق یقیناً ثابت ہے، یا ظاہری طور پر ثابت ہے، اس لئے وہی

الـلـه أن حـق الـحـاضـر ثابت قطعا أو ظاهرا فلا يؤخر لحق موهوم إلى زمان التكفيل كمن أثبت الشـراء مـمـن فـي يـده أو أثبـت الدين على العبد حتى بيع في دينه لا يكفل٦ ولأن الـمكفول له مجهول فصار كما إذا كفل لأحد الغرماء٧ بخلاف النفقة لأن حق الزوج ثابت وهو معلوم.

حق کے لئے کفیل بنانے کے زمانے تک مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ جیسے اس آدمی سے بیچ دے جس کے ہاتھ میں وہ چیز ہو [تو کفیل نہیں لیا جاتا ہے] یا غلام پر قرض ثابت ہو یہاں تک کہ قرض میں غلام قرض میں بیچا چلا جائے تو کفیل نہیں لیا جاتا ہے، تو یہاں بھی کفیل نہیں لیا جائے گا۔

لغت :حق الحاضر ثابت قطعا، او ظاہرا: موجودہ آدمیوں کا حق قطعا ثابت ہونے کی صورت یہ ہے کہ گواہوں کے ذریعہ ان کا حق ثابت ہوا ہو، اور غائب وارثوں کا کچھ پتہ نہ ہو وہ معدوم ہوں ۔ اور ظاہرا: کی صورت یہ ہے دوسرے وارث موجود تو ہو لیکن قاضی کے سامنے اس کا ثبوت نہ ہو تو گویا کہ ظاہری طور پر پہلے والوں کا حق ثابت ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ موجود ہیں ان کا حق گواہوں کے ذریعہ یقیناً ثابت ہے اس لئے وہمی حقداروں کی وجہ سے کفیل بنانے تک موخر کرنا صحیح نہیں ہے۔، اس کی دو مثالیں دے رہے ہیں ۔[۱] جس آدمی کے ہاتھ میں کتاب ہے اسی کے ہاتھ میں بیچ رہا ہے تو اس وہم سے کہ شاید کسی اور نے پہلے خریدا ہو اس وہم کی وجہ سے خریدار سے کفیل نہیں لیا جائے گا کہ کوئی اور خریدار نکل جائے تو تم کو کتاب واپس کرنا ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی وہم کی وجہ سے کفیل نہیں لیا جائے گا۔ [۲] دوسری مثال یہ ہے کہ غلام پر قرض ہو اور اس کے بدلے میں بیچا گیا تو اس بات پر کفیل نہیں لیا جائے گا کہ شاید دوسرے آدمی کا بھی اس غلام پر قرض ہو اس خیال سے اس سے کفیل نہیں لیا جائے گا، اسی طرح وہم کی بنیاد پر وارثوں سے کفیل نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ :٦ اور اس لئے بھی کہ جس کے لئے کفیل لیا جا رہا ہے وہ تو مجہول ہے، تو ایسا ہو گیا کہ قرض دینے والوں میں سے ایک کے لئے کفیل لے اور وہ معلوم نہ ہو۔

تشریح : قاعدہ یہ ہے کہ جس کے لئے کفیل لیا جا رہا ہے وہ مجہول ہو تو کفالہ جائز نہیں ہے، وہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کس کے لئے کفالہ لے رہے ہیں، تب جائز ہوگا۔ جیسے جن لوگوں کا قرضہ ثابت ہے ان میں سے کسی ایک کے لئے کفیل لے اور اس کو متعین نہ کرے بلکہ مجہول رکھے تو یہ کفالہ جائز نہیں ہے، اسی طرح یہاں یہ پتہ نہیں ہے کہ قرض دینے والا کوئی ہے بھی یا نہیں ہے تو ایسے مجہول کے لئے کفیل بنانا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

ترجمہ :٧ بخلاف نفقہ کے اس لئے کہ شوہر کا حق ثابت ہے، اور وہ معلوم بھی ہے۔

٨ وأما الآبق واللقطة ففيه روايتان والأصح أنه على الخلاف. ٩وقيل إن دفع بعلامة اللقطة أو إقرار العبد يكفل بالإجماع لأن الحق غير ثابت ولهذا كان له أن يمنع. ١٠ وقوله ظلم أي ميل عن سواء السبيل وهذا يكشف عن مذهبه رحمه الله أن المجتهد يخطىء ويصيب لا كما ظنه

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب دیا جا رہا ہے کہ غائب شوہر کی امانت کے مال میں سے بیوی کو نفقہ دیا جائے تو اس وقت عورت سے کفیل لیا جائے گا۔

وجہ :اس کی دو وجہ ہیں[۱] ایک یہ کہ شوہر مجہول نہیں ہے معلوم ہے اس لئے اس کے لئے کفیل لینا جائز ہوگا۔[۲] اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امانت کے مال میں شوہر کا حق ثابت ہے وہ وہمی نہیں ہے اس لئے بیوی سے کفیل لیا جائے کہ اگر ثابت ہو جائے کہ شوہر نے تم کو نفقہ دے کر گیا تھا، یا تم ناشزہ تھی تو تم کو یہ نفقہ واپس کرنا ہوگا۔اور وہمی وارثوں کا معاملہ بلکہ اس سے الگ ہے اس لئے اس کے لئے کفیل نہ لیا جائے۔

ترجمہ :٨ بہرحال بھاگے ہوئے غلام ،اور پائی ہوئی چیز کے بارے میں تو دو روایتیں ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف پر ہے۔

تشریح :بھاگے ہوئے غلام، اور پائی ہوئی چیز کو دیتے وقت کفیل لے یا نہیں اس بارے میں امام اعظم کی دو روایتیں ہیں، ایک میں ہے کہ کفیل لے اور دوسری میں ہے کہ کفیل نہ لے۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے، امام اعظم کے نزدیک نہ لے، اور صاحبینؒ کے نزدیک کفیل لے۔۔نوٹ یہ سب اختلاف مستحبات میں ہے، ضروری کسی کے یہاں بھی نہیں ہے، یا حالات پر، کہ قاضی دیکھے کہ ایسی حالت ہے کہ کفیل لینا ضروری ہے تو لے، اور اچھے لوگ ہوں تو نہ لے۔

ترجمہ :٩ بعض حضرات نے فرمایا کہ علامت بتانے کی وجہ سے پائی ہوئی چیز مالک کو دے رہا ہو، یا غلام کے اقرار کرنے کی وجہ سے مالک کو دیا جا رہا ہو تو سب کے نزدیک کفیل لے گا، اس لئے کہ اس سے حق ثابت نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ قاضی کو یہ اختیار ہے کہ مالک کو نہ بھی حوالہ کرے۔

تشریح :گواہ کے ذریعہ ثابت کرے کہ یہ میری گم شدہ چیز ہے، یا یہ میرا غلام ہے تب تو کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ حجت تامہ ہے، لیکن مالک نے صرف چیز کی علامت بتائی تو یہ حجت قاصرہ ہے، یا بھاگے ہوئے غلام نے اقرار کیا کہ میں اس کا غلام ہوں تو یہ حجت قاصرہ ہے، اس لئے قاضی کو یہ بھی اختیار ہے کہ مالک کو چیز اور غلام نہ دے اس لئے اس صورت میں بالاتفاق مالک سے کفیل لے گا۔

ترجمہ :١٠ متن میں وھو ظلم: کا یہاں ترجمہ ہے کہ وہ راستے سے ہٹا ہوا ہے۔اس ترجمہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مجتہد کبھی

البعض. (۴۷۱)قال وإذا كانت الدار في يد رجل وأقام الآخر البينة أن أباه مات وتركها ميراثا بينه وبين أخيه فلان الغائب قضي له بالنصف وترك النصف الآخر في يد الذي هي في يده ولا يستوثق منه بكفيل وهذا عند أبي حنيفة. وقالا إن كان الذي هي في يده جاحدا أخذ منه وجعل في يد أمين وإن لم يجحد ترك في يده[۱] لهما أن الجاحد خائن فلا يترك المال في يده بخلاف

غلطی بھی کرتا ہے، اور کبھی درست فیصلہ بھی کرتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جیسا کہ بعض نے کہا کہ مجتہد ہمیشہ درست فیصلہ ہی کرتا ہے

تشریح: معتزلہ نے حنفیہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ مجتہد ہمیشہ درست فیصلہ ہی کرتا ہے، لیکن متن کا جملہ, وهو ظلم ، سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کبھی غلط فیصلہ بھی کرتا ہے۔ اس لئے معتزلہ کا یہ الزام صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۴۷۱) اگر گھر ایک آدمی کے قبضے میں ہو اور دوسرے نے گواہ قائم کیا کہ اس کا باپ مر گیا ہے اور یہ گھر اس کا اور اس کے بھائی کا میراث ہے جو غائب ہے، تو حاضر کے لئے آدھے گھر کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور باقی آدھا گھر اسی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے گا جسکے ہاتھ میں باپ نے چھوڑ رکھا تھا، اور اس سے کفیل بھی نہیں لیا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ میں گھر تھا اگر اس نے پہلے انکار کیا تھا تو اس سے گھر لے لیا جائے گا اور کسی امانت دار کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، اور اگر اس نے انکار نہیں کیا تھا تو اسی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے گا۔

اصول: [۱] یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کے پاس امانت کی چیز رکھی ہوئی ہے اگر وہ واقعی امانت دار ہے تو باقی مال اسی کے پاس رکھا جائے گا۔ [۲] اور دوسرا اصول یہ ہے کہ گواہی کے ذریعہ حق ثابت کیا تو جو حاضر ہے اس کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔

تشریح: مثلا زید مرا اور اس کا مکان عمر کے ہاتھ میں ہے، زید کے بیٹے خالد نے گواہی سے ثابت کیا کہ اس گھر کا وارث میں ہوں اور اس کے آدھے کا وارث میرا بھائی ہے جو غائب ہے، تو آدھا گھر خالد کو دے دیا جائے گا اور باقی آدھا عمر [امین] کے پاس ہی رہنے دیا جائے گا تا کہ جب دوسرا بیٹا آئے تو اس کو حوالہ کیا جائے۔ اور اس کے لئے امین سے کفیل لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ قاضی کے فیصلے کے بعد عمر [امین] اب کچھ گڑ بڑ نہیں کر پائے گا اس لئے اس لئے چاہے وہ امانت دار نہ ہو تب بھی اسی کے پاس رکھا جائے گا، اور معاملہ رکارڈ میں ہے اس لئے کفیل لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ عمر [امین] نے پہلے گھر کے بارے میں انکار کیا پھر گواہ کے ذریعہ ثابت کیا گیا کہ زید کا مکان عمر کے پاس ہے تو یہ امانت دار نہیں رہا اس لئے باقی آدھا گھر اس کے ہاتھ سے نکال کر کسی امانت دار کے پاس رکھ دیا جائے۔ اور

المقر لأنه أمين. ۲؎ ولـه أن الـقـضاء وقع للميت مقصودا واحتمال كونه مختارا للميت ثابت فلا تـنـقـض يـده كـمـا إذا كـان مـقـرا وجحوده قد ارتفع بقضاء القاضي والظاهر عدم الجحود في المستقبل لصيرورة الحادثة معلومة له وللقاضي ۳؎ ولو كانت الدعوى في منقول فقد قيل يؤخذ منـه بـالاتـفـاق لأنـه يـحتاج فيه إلى الحفظ والنزع أبلغ فيه بخلاف العقار لأنها محصنة بنفسها ولهـذا يـملک الوصي بيع المنقول على الكبير الغائب دون العقار وكذا حكم وصي الأم والأخ

اگر عمر نے پہلے ہی اقرار کیا تھا کہ زید کا مکان میرے پاس ہے تو یہ واقعی امانت دار ہے اس لئے باقی آدھا گھر اسی کے پاس رکھا جائے گا۔ یستوثق: وثق سے مشتق ہے، مضبوط کیا جائے۔

ترجمه :۱؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ انکار کرنے والا خیانت کرنے والا ہے اس لئے مال اس کے ہاتھ میں نہ چھوڑا جائے، بخلاف اقرار کرنے والے کے اس لئے کہ وہ امین ہے۔

تشریح :اس لئے انکار کرنے والے کے ہاتھ میں مال نہیں چھوڑا جائے گا، اور امین کے ہاتھ باقی مال چھوڑ دیا جائے گا۔

ترجمه :۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل میں میت کے لئے فیصلہ ہو چکا ہے اور احتمال یہ ہے کہ [جسکے پاس امانت رکھا ہے] وہ میت کا پسندیدہ ہو، اس لئے اس کا قبضہ توڑا نہیں جائے گا، جیسا کہ وہ اقرار کرنے والا ہو، اور اس کا قاضی کے فیصلے کی وجہ سے ختم ہو گیا، اور قاضی کو، اور امین کو قضا کا واقعہ معلوم ہونے کی وجہ سے ظاہر یہی ہے کہ آیندہ انکار نہیں کرے گا۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ فیصلہ اصل مقصد میت کے لئے ہوا ہے، اور اس کا احتمال ہے کہ میت کا پسندیدہ وہی امین ہو اس لئے اس کے قبضے کو ختم نہیں کیا جائے گا، جیسے وہ شروع میں مکان کا اقرار کرتا تو اس کے قبضے کو ختم نہیں کیا جاتا۔ باقی رہا اس کا انکار کرنا تو یہ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے ختم ہو گیا، اور چونکہ یہ واقعہ قاضی کو بھی معلوم ہے، اور خود امین کو بھی معلوم ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ مستقبل میں اب انکار نہیں کرے گا۔

ترجمه :۳؎ اور اگر دعوی منقولی جائداد میں ہو تو بعض حضرات نے کہا کہ بالاتفاق امین سے لے لیا جائے گا، اس لئے کہ اس کی حفاظت کی ضرورت ہے اور اس سے لے لینے میں زیادہ حفاظت ہے، بخلاف زمین کے اس لئے کہ وہ تو خود بخود محفوظ ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے غائب آدمی کا وصی منقولی جائداد کے بیچنے کا مالک ہوگا، زمین بیچنے کا مالک نہیں ہوگا، یہی حکم ہے، یہی حکم ہے اگر چھوٹے بچے کا وصی ماں ہو، یا بھائی ہو، یا چچا ہو تو منقولی جائداد بیچ سکتا ہے، زمین نہیں بیچ سکتا ہے۔

تشریح :اوپر زمین اور مکان کے سلسلے میں تفصیل تھی جو خود بخود محفوظ ہے، لیکن اگر منقولی جائداد، مثلا گائے، بیل ہو تو اس کو

والعم على الصغير. ۴؎ وقيل المنقول على الخلاف أيضاوقول أبي حنيفة رحمه الله فيه أظهر لحاجته إلى الحفظ ۵؎ وإنما لا يؤخذ الكفيل لأنه إنشاء خصومة والقاضي إنما نصب لقطعها لا لإنشائها۶؎ وإذا حضر الغائب لا يحتاج إلى إعادة البينة ويسلم النصف إليه بذلک القضاء لأن

بیچ کرکھا سکتا ہے، یا حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے ضائع ہوسکتی ہے اس لئے اس کے بارے میں بالاتفاق یہی رائے ہے کہ اس آدمی کے ہاتھ سے نکال کر کسی امانت دار آدمی کے قبضے میں دے دیا جائے۔اس کی دو مثال دے رہے ہیں۔[ا] بالغ آدمی غائب ہے تو اس کے وصی کو منقولی چیز، مثلا گائے بیچنے کا اختیار ہے، کیونکہ وہ غیر محفوظ ہے، اور زمین بیچنے کا اختیار نہیں ہے اس لئے کہ وہ خود محفوظ ہے، اسی طرح چھوٹے بچے کا وصی ماں ہو، یا بھائی ہو، یا چچا ہو تو وہ منقولی جائداد بیچ سکتے ہیں، لیکن زمین نہیں بیچ سکتے۔

لغت:النزع: نکال لینا۔جحود: جحد سے مشتق ہے، انکار کرنا۔عقار: زمین۔محصنۃ: محفوظ۔وصی: بچے کا نگراں۔

ترجمہ :۴؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ منقولی جائداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا قول اس بارے میں زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ منقولی جائداد کو حفاظت کی ضرورت ہے۔

تشریح :منقولی جائداد کے بارے میں بھی بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائداد میت کے امین ہی کے پاس رہنے دیا جائے۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ہاتھ سے نکال کر کسی امین کے ہاتھ میں رکھ دیا جائے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حفاظت کے نظریہ سے امام اعظم کا قول زیادہ بہتر ہے۔

وجہ :امام اعظم کا قول بہتر اس لئے ہے کہ دوسرے امین کے قبضے سے خود ہلاک ہوجائے تو اس کی قیمت اس پر لازم نہیں ہوگی، لیکن اگر میت کے امین کے قبضے میں رکھی جائے تو چونکہ پہلے اس نے انکار کیا تھا اور قاضی کے فیصلے کے بعد اس کے قبضے میں رکھا گیا ہے اس لئے یہ اب امین نہیں رہا ضامن بن گیا اس لئے اب خود بخود بھی ہلاک ہوگی تو اس کی قیمت اس پر لازم ہوگی، اس لئے یہ جائداد ہر طرح سے محفوظ ہوگی اس لئے امام اعظم کا قول زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ :۵؎ میت کے امین سے کفیل لینے کا جھمیلہ اس لئے نہیں کیا جائے کہ اس سے جھگڑا اور بڑھے گا حالانکہ قاضی جھگڑا ختم کرنے کے لئے ہے اس کو بڑھانے کے لئے نہیں ہے۔

تشریح :پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی کے رکارڈ میں اب یہ ضامن ہے اس لئے الگ سے کفیل نہ بھی لے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ترجمہ :۶؎ غائب بیٹا جب واپس آجائے تو اس کو دوبارہ گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پہلے فیصلے کی بنیاد پر اس کو

أحد الورثة ينتصب خصما عن الباقين فيما يستحق له وعليه دينا كان أو عينا لأن المقضي له وعليه إنما هو الميت في الحقيقة وواحد من الورثة يصلح خليفة عنه في ذلک ے بخلاف الاستيفاء لنفسه لأنه عامل فيه لنفسه فلا يصلح نائبا عن غيره ولهذا لا يستوفي إلا نصيبه

اس کا آدھا دے دیا جائے گا[صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ میت کا دوسرا بیٹا ہی ہے]اس لئے کہ میت کے لئے جو کچھ لینا ہو، یا میت پر جو کچھ قرض ہو، عین چیز ہو یا قرض چیز ہو ایک وارث باقی کی جانب سے خصم بن گیا، اس لئے کہ جو کچھ فیصلہ ہوا، چاہے میت کے لئے ہو یا میت کے اوپر قرض ہو وہ حقیقت میں میت کے لئے ہی ہوا ہے، اور ایک وارث میت کی جانب سے خلیفہ بن سکتا ہے [اور وہ بن گیا اس لئے دوبارہ گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے]

اصول : یہ مسئلہ تین اصولوں پر ہے۔[۱]......میت غائب ہے اس لئے اس پر فیصلہ نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کی جانب سے ایک وارث کا مدعی [خصم] بننا ضروری ہے۔

[۲]......دوسرا اصول یہ ہے کہ یہ فیصلہ وارث پر نہیں ہے بلکہ خود میت پر ہے، وارث تو صرف اس کی جانب سے نائب ہے۔

[۳]......اور تیسرا اصول یہ ہے کہ میت پر فیصلہ ہوا تو باقی وارثوں کو خود بخود اس کا حصہ مل جائے گا، اس کو دوبارہ وراثت کے لئے گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف اتنا ثبوت پیش کرے کہ میں واقعی میت کا وارث ہوں۔

تشریح : میت کا غائب بیٹا حاضر ہوا تو آدھا مکان میت کے امین کے پاس باقی رہ گیا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے دوبارہ گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کو اس کا آدھا حصہ دلوا دیا جائے گا۔

وجہ : قاضی نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اصل میں خود میت کے لئے کیا تھا، اور جب اس کا مکان ثابت ہو گیا تو باقی آدھا اس دوسرے بیٹے کو وراثت کے طور پر دے دیا جائے گا۔

لغت : ینتصب خصما: خصم مقرر ہو جائے گا۔ نائب بن جائے گا۔ مقضی لہ، وعلیہ: مقضی لہ کا مطلب ہے کہ میت کے حق میں فیصلہ ہوا ہو۔ اور مقضی علیہ: کا ترجمہ ہے میت پر جو قرض کا فیصلہ ہوا ہو۔ دینا: قرض، یا درہم و دینار۔ عینا: کوئی عینی چیز، جیسے گائے، بھینس، گیہوں، چاول وغیرہ۔

ترجمہ: ے بخلاف اپنے لئے لینے کے اس لئے کہ اپنی ذات کے لئے کام کر رہا ہے اس لئے دوسرے بھائی کا نائب نہیں بن سکتا ،اسی لئے صرف اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے۔

تشریح : یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں [۱] پہلی بات یہ ہے کہ میت کی جانب سے خصم بننا، یہ تو ایک بیٹا سب وارثین کی جانب سے خصم بن جائے گا، اور فیصلہ اصل میں میت پر ہوگا۔[۲] دوسری بات ہے حاضر بیٹا اپنا حصہ لے اس میں اپنی ذات

۸؎ وصار كما إذا قامت البينة بدين الميت إلا أنه إنما يثبت استحقاق الكل على أحد الورثة إذا كان الكل في يده. ذكره في الجامع لأنه لا يكون خصما بدون اليد فيقتصر القضاء على ما في يده. (۴۷۲) قال ومن قال مالي في المساكين صدقة فهو على ما فيه الزكاة وإن أوصى بثلث ماله فهو على ثلث كل شيء ۱؎ والقياس أن يلزمه التصدق بالكل وبه قال زفر رحمه الله لعموم

کے لئے کام کر رہا ہے اس لئے صرف اپنا حصہ لے سکے گا، دوسرے بھائی کا حصہ امین سے نہیں لے سکے گا۔ کیونکہ یہ بھائی کا نائب نہیں ہے۔

لغت :یستوفی :وفی سے مشتق ہے، پورا وصول کرنا۔ نصیب: حصہ۔

ترجمہ :۸؎ اور ایسا ہو گیا کہ میت پر قرض ہونے کا دعوی کیا مگر یہ کہ ایک وارث پر کل قرضے کا تقاضہ اس وقت ہوگا جبکہ پورا مال اس کے قبضے میں ہو، اس کو جامع صغیر میں ذکر کیا ہے، اس لئے کہ بغیر قبضے کے وہ میت کی جانب سے خصم نہیں بنے گا، اس لئے جتنا اس ورثہ کے قبضے میں ہے اتنا ہی ادا کرنے کا اس پر فیصلہ ہوگا۔

اصول :[۱]...... یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیٹا خصم تو میت کے پورے قرض کا بنے گا، کیونکہ میت غائب ہے

[۲]...... دوسرا اصول یہ ہے کہ میت کا جتنا مال خصم [مدعی علیہ] کے پاس ہے قرض میں اتنا ہی ادا کرے گا۔ اس سے زیادہ نہیں

تشریح :میت کے بیٹے نے میت پر گواہی قائم کی کہ میت پر میرا ایک ہزار قرض ہے، اور اس کے لئے میت کے دوسرے بیٹے کو خصم [مدعی علیہ] بنایا تو میت پر ایک ہزار قرض کا فیصلہ ہوگا، لیکن جس بیٹے کو خصم بنایا اسکے قبضے میں میت کا ایک ہزار موجود ہو تب ہی وہ ایک ہزار ادا کرے گا، لیکن اگر اسکے قبضے میں پانچ سو ہی ہو تو صرف پانچ سو ہی ادا کرے گا، کیونکہ اتنا ہی میت کی رقم اسکے پاس ہے

ترجمہ :(۴۷۲)[۱] کسی نے کہا میرا مال مسکین میں صدقہ ہے تو اس کا اطلاق اس مال پر ہوگا جس پر زکوۃ واجب ہے [۲] اور اگر اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو وہ ہر چیز کی تہائی پر اطلاق ہوگی۔

لغت :مال ایک عام لفظ ہے پس اگر اس کے ساتھ مسکین میں صدقہ لگا دیا جائے تو مسکین میں صدقہ کا ایک معنی زکوۃ بھی ہے اس لئے صرف اس مال کو صدقہ کرنا واجب ہوگا جس پر اس آدمی پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، باقی کو صدقہ کرنا واجب نہیں ہوگا [۲]...... اور اگر مال کے ساتھ وصیت ہے تو چونکہ یہ وراثت کے درجے میں ہے اور وراثت سب مال میں جاری ہوتی ہے اس لئے میت کے تمام مال میں سے تہائی مال صدقہ کرنا ہوگا۔ [۳]...... اور مال کے ساتھ املک، کا لفظ ہے کہ جتنی چیز کا مالک ہوں، تو جتنی چیز ہوگی سب کو صدقہ کرنا ہوگا۔

اسم المال كما في الوصية. ۲؎ وجه الاستحسان أن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله تعالى فينصرف إيجابه إلى ما أوجب الشارع فيه الصدقة من المال. أما الوصية فأخت الميراث لأنها خلافة كهي فلا يختص بمال دون مال ۳؎ ولأن الظاهر التزام الصدقة من فاضل ماله وهو مال الزكاة أما الوصية فتقع في حال الاستغناء فينصرف إلى الكل ۴؎ وتدخل فيه الأرض العشرية عند

تشریح : کسی نے کہا کہ میرا مال مسکینوں میں صدقہ ہے تو اس آدمی پر جس جس مال پر زکوۃ واجب ہے صرف وہی مال صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

وجہ : یہاں دو الفاظ ہیں جو اشارہ کرتے ہیں کہ اس کا اطلاق زکوۃ کے مال پر ہونا چاہئے۔[۱] صدقہ، جس کا دوسرا معنی ہے زکوۃ، اس لئے جن جن مال پر اس آدمی پر زکوۃ واجب ہے صرف اسی مال کو صدقہ کرنا ہوگا۔[۲] دوسرا لفظ ہے، مساکین، مساکین پر صدقہ زکوۃ ہی ہوتا ہے اس لئے بھی اس سے زکوۃ کا مال مراد ہے[۳] تیسرا جواب صاحب ہدایہ نے دیا کہ بندے پر وہ چیز واجب ہوتی ہے جو اللہ نے واجب کی اور اللہ نے زکوۃ واجب کی ہے اس لئے اس سے زکوۃ کا مال ہی واجب ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ پورا مال صدقہ کرنا پڑے چنانچہ مال کے نام کے عموم کی وجہ سے امام زفرؒ نے سب مال صدقہ کرنے کے لئے کہا جیسے وصیت میں سب مال کی تہائی لازم ہوتی ہے۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں، مال، کا لفظ عام ہے ہر مال کو شامل ہے اس لئے تمام ہی کو صدقہ کرنا پڑے گا، جیسے وصیت میں تمام مال کی تہائی صدقہ کرنا پڑتا ہے۔

ترجمہ : ۲؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جو واجب کیا ہے بندہ اپنے اوپر واجب کرے تو اسی کا اعتبار کیا جائے گا جو اللہ نے واجب کیا ہے، اس لئے اس کے وجوب کو اسی طرف پھیرا جائے جس میں شریعت نے صدقہ واجب کیا ہے۔ بہر حال وصیت تو یہ وراثت کی بہن ہے، اس لئے کہ وصیت وراثت کا خلیفہ ہے، اس لئے کسی ایک مال کے ساتھ خاص نہیں ہوگی۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے، کہ جس مال میں اللہ نے صدقہ، یعنی زکوۃ واجب کی ہے، بندہ جب اپنے اوپر صدقہ واجب کرتا ہے تو اس سے بھی وہی مال مراد ہوگا جس میں زکوۃ واجب ہے، اور وصیت وراثت کی طرح ہے اس لئے تمام مال میں وراثت جاری ہوتی ہے اس لئے تمام مال کی تہائی میں وصیت بھی جاری ہوگی۔

لغت : فلا تختص بمال دون مال: کسی ایک مال کے ساتھ خاص نہیں ہوگی، بلکہ تمام مال میں وصیت جاری ہوگی۔

ترجمہ : ۳؎ اور اس لئے بھی کہ ظاہر کہ صدقہ زیادہ مال ہی میں کرے گا اور وہ زکوۃ کا مال ہے، بہر حال وصیت تو استغناء کی حالت میں واقع ہوتی ہے اس لئے کل مال کی طرف پھیری جائے گی۔

أبي يوسف رحمه الله لأنها سبب الصدقة إذ جهة الصدقة في العشرية راجحة عنده وعند محمد رحمه الله لا تدخل لأنها سبب المؤنة إذ جهة المؤنة راجحة عنده ولا تدخل أرض الخراج بالإجماع لأنه يتمحض مؤنة. ۵ ولو قال ما أملكه صدقة في المساكين فقد قيل يتناول كل مال لأنه أعم من لفظ المال. والمقيد إيجاب الشرع وهو مختص بلفظ المال فلا مخصص في لفظ

تشریح :یہ دوسری دلیل عقلی ہے، مال آدمی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہوتب ہی صدقہ کرتا ہے، اور وہ زکوۃ کا مال ہے اس لئے صدقہ سے زکوۃ کا مال ہی مراد ہے اور وصیت جو کرتا ہے اس وقت موت کا وقت ہے اور اب مال کی ضرورت نہیں رہی اس لئے سب مال ہی پر صدقے کا اطلاق ہوگا۔

ترجمہ :۴ اور اس تقسیم میں عشری زمین بھی داخل ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اس لئے کہ وہ بھی صدقہ کا سبب ہے، اس لئے کہ انکے نزدیک صدقہ کا سبب راجح ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک صدقے میں داخل نہیں ہوگا اس لئے انکے نزدیک [مؤنۃ] خرچ کا سبب راجح ہے، اور خراجی زمین بالاتفاق داخل نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ صرف خرچ کے لئے ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

لغت :مؤنۃ: مانہ یمونہ سے مشتق ہے، نان ونفقہ دینا، کھیتی کے لئے زمین جوتنا، خرچ برداشت کرنا۔ تمحض: محض، صرف اس کام کے لئے ہے۔

ترجمہ :۵ اور اگر کہا، ما املکہ صدقۃ فی المساکین، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ تمام ہی مال کو صدقہ کرنا ہوگا اس لئے کہ املک، کا لفظ مال کے لفظ سے عام ہے، اور شریعت کی ایجاب کردہ کی جو قید ہے وہ لفظ، مال، کے ساتھ خاص ہے، لفظ املک میں یہ تخصیص نہیں ہے اس لئے لفظ املک عموم پر ہی باقی رہے گا۔

لغت: مال اور ملک میں فرق کیا ہے۔ یا مال اور املک میں فرق کیا ہے اس کو سمجھیں۔

قرآن کریم میں مال کا لفظ آیا ہے تو اس سے زکوۃ کا مال مراد ہے آیت یہ ہے۔ **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم** (آیت ۱۰۳، سورت التوبۃ ۹) اس آیت میں اموال سے مراد زکوۃ کا مال ہے۔ لیکن ملک میں کوئی بھی چیز داخل ہوسکتی ہے، مثلا بکرے کی ملک ہے، اسی طرح املک میں کوئی بھی چیز داخل ہوسکتی ہے، اس لئے ملک اور املک میں تمام چیزوں کو صدقہ کرنا ہوگا۔

تشریح :اگر کسی نے کہا ما املکہ صدقۃ فی المساکین تو تمام مال کو صدقہ کرنا پڑے گا

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ املک کا لفظ، لفظ مال سے بھی عام ہے کہ جس چیز کا بھی میں مالک ہوں وہ مساکین میں صدقہ ہے

الـملک فبقي علی العموم ۶ والـصـحيـح أنهما سواء لأن الملتزم باللفظين الفاضل عن الحاجة علی ما مر ۷ ثـم إذا لم يکن له مال سوی ما دخل تحت الإيجاب يمسک من ذلک قوته ثم إذا أصـاب شيـئـا تـصدق بمثل ما أمسک لأن حاجته هذه مقدمة ولم يقدر محمد بشیء لاختلاف أحوال الناس فيه. ۸ وقيـل المحترف يمسک قوته ليوم وصاحب الغلة لشهر وصاحب الضياع

اس لئے سب مال کوصدقہ کرنا ہوگا،اور قرآن نے جوزکوۃ کے ساتھ خاص کیا ہے وہ لفظ مال کے ساتھ ہے،اور یہاں مال کا لفظ نہیں ہے املک کا لفظ ہے جس میں تخصیص نہیں ہے اس لئے یہ عموم پر رہے گا،اور سب مال صدقہ کرنا ہوگا۔

ترجمہ :۶ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ,مال،اور لفظ,املک،دونوں کا حکم برابر ہے اس لئے کہ دونوں لفظوں سے یہ لازم کر رہا ہے کہ ضرورت سے جوزیادہ ہووہ صدقہ کروں گا۔

تشریح :صاحب ہدایہ یہ فرمارہے ہیں کہ مالی صدقۃ،اور ماملک:دونوں کا حکم ایک ہی ہے،یعنی جن جن اموال پرزکوۃ واجب ہوگی صرف وہی صدقہ کرنا ہوگا۔اس کی وجہ یہ بتارہے ہیں کہ یہاں مقصد یہ ہے کہ میری ضرورت سے جوزیادہ ہومیں وہ مال صدقہ کروں گا۔اس لئے دونوں لفظوں میں زکوۃ کا مال صدقہ کرنا ہوگا۔یہ صاحب ہدایہ کی رائے ہے۔

ترجمہ :۷ جتنا مال صدقہ کرنا واجب ہوا ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے،تو اپنے کھانے کی مقدار ابھی روک لے گا پھر جب اور مال آجائے تو جتنا پہلے روک رکھا تھا وہ مال صدقہ کردے،اس لئے کہ اس کی اپنی ضرورت مقدم ہے۔ اورکوئی خرچ متعین نہیں ہے،اس لئے کہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں۔

تشریح : جتنا مال صدقہ کرنا ہے اتنا سا ہی مال ہے تو جتنی اس کی ضرورت ہے اتنا اپنے پاس روک لے،اور جب اتنا مال آجائے تو وہ مال صدقہ کردے،البتہ چونکہ کوئی زیادہ عیال والا ہوتا ہے،اورکوئی کم عیال والا ہوتا ہے اس لئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مال روک لے۔

وجہ :ہرایک اپنی اپنی حالت کے مطابق روزی روکے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔و متعوهن علی الموسع قدره و علی المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا علی المحسنين ۔(آیت ۲۳۶،سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ مالدار پراس کے مطابق اور غریب پراس کے مطابق روزی ہے۔

ترجمہ: ۸ کہا گیا ہے کہ روزانہ کام کرنے والا آدمی ایک دن کے کھانے کی رقم روک لے،اور گھر اور جانور کو کرایہ پر دینے والا ایک مہینے کا،اور کھیتی کرنے والا ایک سال کا رکھ لے۔یہ تفصیل مال کے آنے کے فرق کے اعتبار سے ہے۔اسی قاعدے پر تجارت والا اتنا مال روک رکھے گا جب تک مال واپس نہ آجائے۔

لسنة على حسب التفاوت في مدة وصولهم إلى المال وعلى هذا صاحب التجارة يمسك بقدر ما يرجع إليه ماله. (۴۷۳)قال ومن أوصى إليه ولم يعلم الوصاية حتى باع شيئا من التركة فهو

تشریح :جنکے جوحالات ہیں اس کے حساب سے رقم روک کر رکھے گا،اور دوسری رقم آنے کے بعد اس کوصدقہ کرے گا۔ باقی بات واضح ہے۔

لغت :محترف:حرفت سے مشتق ہے، جولوگ روزانہ ہاتھ سے کام کر کے کھاتے ہیں۔قوتہ:قوت،ترجمہ ہے کھانا،ایک دن کا کھانا۔الغلۃ :جولوگ گھر مہینے بھر کے لئے کرایہ پر دیتے ہیں اس کوصاحب الغلۃ، کہتے ہیں الضیاع:کھیتی کرنے والا۔

ترجمہ :(۴۷۳) مثلا زید نے عمر کووصی بنایا،اور عمر کووصی بننے کا علم نہیں تھا،اور عمر نے ترکے میں سے کچھ بیچ دیا،تو عمر[کو علم نہ ہونے کے باوجود] وہ وصی ہے اور اس کی بیع جائز ہے،اور وکیل کو جب تک اپنی وکالت معلوم نہ ہو تو بیع جائز نہیں ہے۔

لغت :اس مسئلے میں وصی اور وکیل کے حقوق میں فرق بیان کر رہے ہیں۔[۱] وصی میت کے مرنے کے بعد ہوتا ہے،اس وقت میت اب اپنا نائب نہیں بنا سکتا، کیونکہ اس کی موت ہو چکی ہے اس لئے وصی میت کا خلیفہ بنے گا، اور خلیفہ کو اپنے خلیفہ ہونے کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح وصی کو اپنے وصی ہونے کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، بغیر علم کے بھی میت کا مال بیچ دیا تو بیچنا جائز ہوگا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ علم پر موقوف رکھیں تو ہوسکتا ہے کہ بیچنے میں دیر ہو اور مصلحت کے خلاف ہو جائے، اس لئے بغیر علم کے بھی وصی بن جائے گا۔۔اور وکیل بنانے کی صورت میں موکل ابھی موجود ہے اس لئے وکیل خلیفہ نہیں بنے گا، نائب بنے گا، اس لئے اس کو وکیل بننے کا علم ہو پھر بیچے تو جائز ہوگا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ موکل خود حیات ہے اس لئے تاخیر ہوگی اور مصلحت کے خلاف ہوگا تو وہ خود بیچ لیگا، اس لئے وکالت علم پر موقوف رہے گا۔

اصول :علم کے بغیر بھی وصی شمار ہوگا، اور علم کے بغیر وکیل شمار نہیں ہوگا۔

تشریح :مثلا زید نے عمر کو اپنے مال کا وصی بنایا لیکن عمر کو وصی ہونے کا علم نہیں تھا، اس درمیان اس نے زید کا مال بیچ دیا تو بیچنا درست ہے، کیونکہ علم نہ ہونے کے باوجود وہ وصی ہیں

وجہ :زید اب زندہ نہیں ہے اس لئے اس کی جانب سے علم کا انتظار کریں تو بعض مرتبہ سامان بیچنے میں تاخیر ہوگی اور مصلحت کے خلاف ہوگا اس لئے علم نہ ہونے کے باوجود وصی مان لیا جائے۔

اور وکیل کو اپنے وکیل ہونے کا علم نہیں تھا اور موکل کا مال بیچ دیا تو بیچنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ موکل ابھی موجود ہے اس لئے وہ خود بیچ سکتا ہے، یا اس سے خبر معلوم کی جاسکتی ہے۔

ترجمہ :[۱] امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ فصل اول یعنی وصیت میں بھی اس کے علم کے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے

وصي والبيع جائز ولا يجوز بيع الوكيل حتى يعلم.١ وعن أبي يوسف رحمه الله أنه لا يجوز في الفصل الأول أيضا لأن الوصاية إنابة بعد الموت فتعتبر بالإنابة قبله وهي الوكالة.٢ ووجه الفرق على الظاهر أن الوصاية خلافة لإضافتها إلى زمان بطلان الإنابة فلا يتوقف على العلم كما في تصرف الوارث. أما الوكالة فإنابة لقيام ولاية المنوب عنه فيتوقف على العلم وهذا لأنه لو توقف على العلم لا يفوت النظر لقدرة الموكل وفي الأول يفوت لعجز الموصي(٤٧٤) ومن أعلمه من

اسلئے کہ وصیت موت کے بعد اس کا نائب بننا ہے اس لئے موت سے پہلے نائب بننے پر قیاس کیا جائے گا، اور وہ وکالت ہے

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ جس طرح وکیل بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو وکیل ہونے کا علم ہو اسی طرح وصی بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو وصی بننے کا علم ہو، اس کے پہلے وہ بیچے گا تو اس کا بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ زندگی میں وکیل مؤکل کا نائب بنتا ہے تو اس کو علم ہونا ضروری ہے، اسی پر قیاس کر کے مرنے کے بعد وصی میت کا نائب بنے گا تو اس کو بھی اپنے وصی ہونے کا علم ہو تب وہ وصی بنے گا۔

ترجمہ: ٢ ظاہر روایت میں فرق یہ ہے کہ وصی میں خلیفہ بننا ہے، اس لئے کہ وصی بننا ایسے زمانے کی طرف منسوب ہوتا ہے [یعنی موت کے بعد] کہ جس وقت نائب بننا باطل ہے اس لئے وصی ہونے کو جاننے پر موقوف نہیں ہوگا، جیسے وارث کے تصرف میں ہوتا ہے، اور وکالت میں تو نائب بننا ہے کیونکہ جس کا نائب بن رہا ہے اس کی ولایت قائم ہے، اس لئے وکیل بننے کے جاننے پر موقوف ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وکیل بننے کو جاننے پر موقوف کیا جائے تو مصلحت فوت نہیں ہوگی اس لئے کہ مؤکل بیچنے پر قدرت رکھتا ہے، اور پہلی شکل [وصی بننے] کی شکل میں بیچنے کی قدرت فوت ہو چکی ہے اس لئے کہ وصیت کرنے والا بیچنے سے اب عاجز ہے۔

تشریح: وصیت اور وکالت میں فرق یہ ہے کہ موت کے بعد وصیت جاری ہوتی ہے اس وقت وہ میت کا نائب نہیں بن سکتا خلیفہ بن سکتا ہے اور خلیفہ کو اپنے خلیفہ بننے کا علم ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے مورث کی وفات ہوگئی تو وارث کو پتہ نہ ہو تب بھی وہ وارث بن جاتا ہے، اور اس درمیان وارث نے اپنی وراثت کی کوئی چیز بیچ دی تو جائز ہو جائے گی، یہی حال وصی کا ہے، اور وکالت میں اس کو اپنے وکیل ہونے کا علم ہو تب وہ وکیل بنے گا اس سے پہلے کوئی چیز بیچ دی تو جائز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (٤٧٤) مثلا زید نے عمر کو خالد کے وکیل بننے کی خبر دی تو عمر کے لئے اس کا تصرف کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ عمر کا حق ثابت کرنا ہے کسی حکم کو لازم نہیں کرنا ہے۔

الـنـاس بـالـوكالة يجوز تصرفه۱ لأنـه إثبـات حق لا إلزام أمر. (۴۷۵)قال ولا يـكون النهي عن الـوكـالة حتـى يشهد عنده شاهدان أو رجل عدل۱ وهـذا عـنـد أبي حنيفة رحمه الله۲ وقالا هو

لغت :شہادت میں دو چیزیں ضروری ہیں جسکو شطر الشہادۃ، کہتے ہیں، یعنی شہادت کے دو حصے ہیں [۱] ایک۔دو مرد ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں [۲] دوسرا۔دونوں عادل ہوں۔دوسری بات ہے خبر دینا یہ فاسق کی بھی ہوسکتی ہے اور عادل کی بھی ہوسکتی ہے

تشریح :کسی چیز کو لازم کرنے کے لئے، یا کسی معاملے کے فیصلے کے لئے دو آدمیوں کی گواہی چاہئے، لیکن وکیل بننے کے لئے ایک خبر کافی ہے، چاہے فاسق ہی کی کیوں نہ ہو۔اور آگے آرہا ہے کہ وکالت کو ختم کرنا ایک اہم کام ہے اور ایک طرح کا الزام ہے اس لئے شطر الشہادہ چاہئے، یعنی، یا ایک عادل آدمی گواہی دیں، یا دو مستور الحال آدمی گواہی دیں تب وکالت ختم ہوگی

ترجمہ :(۴۷۵)اور وکالت سے منع نہیں ہوگا یہاں تک کہ دو مستور الحال گواہ گواہی دیں، یا ایک عادل آدمی گواہ دے۔

ترجمہ ۱ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح :وکالت کو ختم کرنا ایک قسم کا الزام ہے، اور کام سے روکنا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ کام شروع کیا ہوا اور اس کو درمیان میں ہی کام روکنا پڑے اس لئے شطر الشہادۃ، یعنی دو مستور الحال گواہی دیں، یا ایک عادل آدمی گواہی دے تب جا کر اس کی وکالت ختم ہوگی۔

ترجمہ :۲ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ وکالت سے روکنے کا معاملہ اور پہلا یعنی وکیل بنانے کا معاملہ دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ دونوں معاملات میں سے ہیں اور ایک آدمی کی خبر دینا دونوں میں کافی ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۳ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کہ وکالت ختم کرنا لازم کرنے والی خبر ہے اسلئے کسی نہ کسی درجے میں شہادت ہے، اس لئے شہادت کا ایک حصہ ہونا چاہئے، یا دو گواہوں کی عدد ہو، یا ایک عادل ہو، بخلاف اول [یعنی وکیل بنانے کے

تشریح : امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وکالت کو ختم کرنا ایک ایسی خبر جس میں معاملات کو باطل کرنا اور ختم کرنا لازم آتا ہے اس لئے وہ پوری شہادت تو نہیں ہے، لیکن کسی نہ کسی درجے میں شہادت ہے اس لئے شہادت کے دو حصوں میں سے ایک ہونا ضروری ہے، یا عدد کے اعتبار سے دو گواہ ہوں، چاہے اس کی حالت پوشیدہ ہو، یا پھر عدد کے اعتبار سے ایک ہو عادل ہو جو گواہی کی ایک شرط ہے تب وکالت ختم ہوگی۔۔اس کے برخلاف وکیل بنانا اس کے معاملات کو ختم نہیں کرنا ہے، بلکہ مزید ایک معاملہ سونپنا ہے اس لئے یہ صرف خبر کے درجے میں ہے، اس لئے ایک فاسق آدمی کی خبر سے بھی آدمی وکیل بن جائے گا۔

والأول سواء لأنه من المعاملات وبالواحد فيها كفاية. ٣ وله أنه خبر ملزم فيكون شهادة من وجه فيشترط أحد شطريها وهو العدد أو العدالة بخلاف الأول ٤ وبخلاف رسول الموكل لأن عبارته كعبارة المرسل للحاجة إلى الإرسال ٥ وعلى هذا الخلاف إذا أخبر المولى بجناية عبده

ترجمه : ٤ بخلاف مؤکل کے قاصد کے [کہ ایک ہی کافی ہے] اس لئے کہ اس کی بات بھیجنے والے کی بات کی طرح ہے، کیونکہ بھیجنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح : موکل نے وکالت ختم کرنے کے لئے ایک قاصد بھیجا تب بھی وکالت ختم ہو جائے گی، اس میں شہادت کی بھی ضرورت نہیں ہے اور دو کی بھی ضرورت نہیں ہے

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ قاصد کی بات مؤکل کی بات کی طرح ہے چنانچہ مرسل خود وکالت ختم کردے تو ایک مرسل سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں ایک قاصد سے ختم ہو جائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قاصد بھیجنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے حاجت کی وجہ سے ایک ہی قاصد کافی ہے۔

ترجمہ : ۵ اسی اختلاف پر ہے اگر آقا کو غلام کی جنایت کے بارے میں خبر دی گئی [پھر بھی اس نے غلام کو آزاد کر دیا] یا شفیع کو خبر دی گئی اور وہ چپ رہا۔ یا باکرہ عورت کو نکاح کی خبر دی گئی اور وہ چپ رہی [تو نکاح ہو جائے گا] یا وہ مسلمان جو دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی اور اس کو فرائض کی خبر دی گئی تو فرض لازم ہوں گے۔

تشریح : صاحب ہدایہ یہاں چار مسئلے کو بیان کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان مسائل میں بھی صاحبین اور امام اعظم کے درمیان اختلاف ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ایک فاسق آدمی کی خبر سے وہ کام لازم ہو جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شطر الشہادہ ہو تب لازم ہوگا، یعنی دو مستور الحال آدمی گواہی دے، یا ایک عادل آدمی گواہی دے۔

[۱]...... پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آقا کو یہ خبر دی گئی کہ اس کے غلام نے جرم کیا جس کے عوض میں وہ بک سکتا ہے اس کے باوجود آقا نے غلام کو بیچ دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس جرمانے کو دینے کے لئے تیار ہیں تب ہی تو غلام کو بیچ دیا۔ صاحبینؒ کے نزدیک اس خبر دینے کے لئے ایک فاسق کی خبر کافی ہے، جبکہ امام اعظم کے نزدیک شطر الشہادۃ چاہئے۔

[۲]...... دوسرا مسئلہ ہے۔ گھر بک رہا تھا، اس پر اس پر حق شفعہ کے دعوی کرنے والے کو خبر دی گئی کہ گھر بک رہا ہے اس پر وہ خاموش رہا جس کی وجہ سے حق شفعہ ختم ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک فاسق کی خبر کافی ہے، امام اعظم کے نزدیک حق شفعہ ساقط ہونے کے لئے شطر الشہادۃ چاہئے۔

[۳]...... تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باکرہ عورت کو نکاح کی خبر دی جائے اور وہ خاموش رہے تو یہ نکاح سے رضامندی سمجھی جاتی ہے،

والشفيع والبكر والمسلم الذي لم يهاجر إلينا. (٤٧٦) قال وإذا باع القاضي أو أمينه عبدا للغرماء وأخذ المال فضاع واستحق العبد لم يضمن ل لأن أمين القاضي قائم مقام القاضي والقاضي قائم مقام الإمام وكل واحد منهم لا يلحقه ضمان كي لا يتقاعد عن قبول هذه الأمانة فيضيع الحقوق ٢ ويرجع المشتري على الغرماء لأن البيع واقع لهم فيرجع عليهم عند تعذر

اور نکاح ہو جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک فاسق کی خبر کافی ہے، امام اعظم کے نزدیک نکاح سے انکار کے لئے شطر الشہادۃ چاہئے۔

[۴]...... چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ دار الکفر میں آدمی مسلمان ہوا، اب اس کو خبر نہیں ہے کہ کون کون سی چیز فرض ہے، اس کے بارے معلومات ہو جائے تو اس کا کرنا فرض ہو جائے گا اور نہ کرنے پر گناہ ہوگا ہے۔ صاحبین کے نزدیک فاسق کی خبر کافی ہے، امام اعظم کے نزدیک فرض ہونے کے لئے شطر الشہادۃ چاہئے۔

ترجمہ: (۴۷۶) قاضی یا اس کے امین نے قرض دینے والوں کے لئے غلام بیچا، اور ثمن پر قبضہ کر لیا پھر وہ مال ضائع ہو گیا، اور غلام بھی کسی اور کا مستحق نکل گیا، تو قاضی، یا اس کا امین ضامن نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ قاضی کا امین قاضی کے قائم مقام ہوتا ہے، اور قاضی امام کے قائم مقام ہوتا ہے اور ان دونوں [قاضی اور امام] کو ضمان لازم نہیں ہوتا تا کہ لوگ اس امانت کو قبول کرنے سے انکار نہ کرنے لگیں اور حقوق ضائع نہ ہونے لگے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی اور اس کے امین کو ضمان لازم نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٢ اور مشتری قرض دینے والوں سے وصول کرے گا اس لئے کہ بیع انہیں کے لئے کیا تھا، اس لئے عاقد [بیع کرنے والے] سے وصول کرنا متعذر رہو جائے تو قرض دینے والوں سے ہی وصول کرے گا، جیسا کہ عقد کرنے والا کو بیع سے ممنوع ہو، یہی وجہ ہے کہ قرض دینے والے کے مطالبے پر غلام بیچا جاتا ہے۔

تشریح: مشتری کے پاس جو غلام تھا وہ کسی اور آدمی کا نکل گیا تو یہ اپنی دی ہوئی رقم قرض دینے والوں سے وصول کرے گا، کیونکہ قرض دینے والوں کے لئے قاضی نے بیچا ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مثلا بچے کو غلام بیچنے کے لئے کہا اس نے بیچا اور اس سے رقم ضائع ہوگئی تو یہ بچے سے نہیں لے سکتا ہے اس لئے اس کو وکیل بنانے والے سے لی جائے گی، کیونکہ بچے نے اسی کے لئے بیچا ہے، اسی طرح یہاں قرض دینے والوں سے وصول کیا جائے گا، کیونکہ اسی کے لئے بیچا گیا تھا۔

لغت: العاقد محجور علیہ: حجر کا ترجمہ ہے روکنا، جس غلام کو یا جس بچے کو تجارت کرنے سے روک دیا جائے اس کو محجور علیہ، کہتے

الرجوع على العاقد كما إذا كان العاقد محجورا عليه ولهذا يباع بطلبهم(۴۷۷) وإن أمر القاضي الوصي ببيعه للغرماء ثم استحق أو مات قبل القبض وضاع المال رجع المشتري على الوصي ١ لأنه عاقد نيابة عن الميت وإن كان بإقامة القاضي عنه فصار كما إذا باعه بنفسه. (۴۷۸) قال ورجع الوصي على الغرماء ١ لأنه عامل لهم ٢ وإن ظهر للميت مال يرجع الغريم فيه بدينه. قالوا ويجوز أن يقال يرجع بالمائة التي غرمها أيضا لأنه لحقه في أمر الميت

ہیں۔غرماء:غریم کی جمع،قرض دینے والے۔

ترجمہ :(۴۷۷) اگر قاضی نے وصی کو قرض دینے والوں کے لئے بیچنے کے لئے کہا، پھر وہ غلام کسی کا مستحق نکل گیا، یا مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے مر گیا تو مشتری وصی سے لے گا۔

ترجمہ: ١ اسلئے میت کی نیابت میں وصی نے بیع کی ہے اگر چہ قاضی کے قائم کرنے سے ہے، تو ایسا ہوا کہ وصی خود بیچ دے

تشریح : قاضی نے وصی مقرر کیا، اس نے قرض دینے والوں کے لئے میت کا غلام بیچا، پھر وہ غلام کسی اور کا مستحق نکل گیا، یا غلام پر قبضہ کرنے سے پہلے مر گیا اور مال وصی کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا تو مشتری وصی سے وصول کرے گا۔

وجہ : قاضی سے تو وصول کر نہیں سکتا، اب چونکہ بیع وصی نے کی ہے اس لئے مشتری وصی ہی سے وصول کرے گا اس لئے کہ وصی نے بیچا ہے، چاہے قاضی کے مقرر کرنے سے بیچا ہو، اور بعد میں وصی قرض دینے والوں سے وصول کرے گا، کیونکہ قرض دینے والوں کے لئے ہی بیچا ہے۔

ترجمہ :(۴۷۸) اور وصی قرض دینے والوں سے وصول کرے گا۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ قرض دینے والوں کے لئے کام کیا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ : ٢ اگر میت کے دوسرے مال کا پتہ لگا تو قرض دینے والا اپنا قرض اس سے وصول کرے گا، علما فرماتے ہیں کہ قرض دینے والوں نے جو تاوان وصی کو پہلے دیا ہے وہ بھی وصول کرے گا اس لئے کہ میت کی وجہ سے اس کو تاوان لگا ہے۔

تشریح :قرض دینے والوں نے وصی کو تاوان دے دیا، بعد میں پتہ لگا کہ میت کے پاس اور بھی رقم ہے تو یہ قرض دینے والے اپنے اپنے قرضوں کو اس رقم سے وصول کریں گے، بلکہ جتنا تاوان وصی کو دیا تھا وہ بھی وصول کریں گے، کیونکہ قرض دینے والوں کی غلطی نہیں ہے، یہ تو ایک قانون کی وجہ سے اسے بھرنا پڑا تھا، اس لئے وہ تاوان بھی میت کے مال سے وصول کریں گے

ترجمہ : ٣ اگر وارث کے لئے وصی نے میت کا سامان بیچا، تو وارث بھی قرض دینے والوں کے درجے میں ہوگا، اس لئے

٣ والوارث إذا بيع له بمنزلة الغريم لأنه إذا لم يكن في التركة دين كان العاقد عاملا له.

﴿فصل آخر﴾

(٤٧٩) وإذا قال القاضي قد قضيت على هذا بالرجم فارجمه أو بالقطع فاقطعه أو بالضرب فاضربه وسعك أن تفعل ١ وعن محمد رحمه الله أنه رجع عن هذا وقال لا تأخذ بقوله حتى

کہ اگر ترکہ میں کسی کا قرض نہ ہوتو وصی وارث کے لئے ہی کام کرنے لگتا ہے۔

تشریح :میت کے ترکہ میں کسی کا قرض نہیں تھا، اور وارث میں بچہ بھی تھا اس لئے بچے کے لئے وصی متعین کیا، اس نے مثلا غلام بیچا اور وہ کسی کا مستحق نکل گیا تو اس غلام کی قیمت وصی دے گا اور بعد میں وصی وارثوں کے حصے سے وصول کرے گا، کیونکہ وصی نے انہیں وارثوں کے لئے بیچا ہے۔ جس طرح وصی قرض دینے والوں سے وصول کرتا ہے۔

﴿فصل آخر﴾

ترجمہ :(٤٧٩) اگر قاضی نے کہا کہ میں نے اس پر رجم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے اس کو رجم کردو، یا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے ہاتھ کاٹ دو، یا کوڑے مارنے کا فیصلہ کیا ہے، اس لئے اس کو کوڑے مارو تو آپ کے لئے گنجائش ہے کہ ایسا کرلیں ۔

تشریح :واضح ہے۔

وجہ: (١) عن جابر بن عبد الله الانصاری ، ان رجلا من اسلم اتی رسول الله ﷺ فحدثه انه قد زنی فشهد علی نفسه اربع شهادات فأمر به رسول الله ﷺ فرجم و كان قد أحصن ۔ (بخاری شریف، باب رجم المحصن، ص ١١٧٤، نمبر ٦٨١٤) اس حدیث میں بھی رجم کرنے کا حکم دیا تو لوگوں نے رجم کیا۔ (٢) عن عقبه بن الحارث قال جیء بالنعیمان او ابن النعیمان شاربا فامر النبی ﷺ من كان فی البیت ان یضربوه ، قال فضربوه فكنت انا فیمن ضربه بالنعال ۔ (بخاری شریف، باب من امر بضرب الحد فی البیت، ص ١١٦٨، نمبر ٦٧٧٤) اس حدیث میں دوسرے کو حاکم نے حد لگانے کا حکم دیا تو انہوں نے حد لگائی۔

ترجمہ :١ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس سے رجوع کیا ہے اور فرمایا کہ قاضی کے قول پر عمل نہ کریں یہاں تک کہ دلائل دیکھ لیں، اسلئے کہ قاضی کا قول غلط اور خطا کا احتمال رکھتا ہے، اور تدارک ممکن نہیں ہے، اور اس روایت پر قاضی کا

تعاين الحجة لأن قوله يحتمل الغلط والخطأ والتدارک غير ممكن وعلى هذه الرواية لا يقبل كتابه. واستحسن المشايخ هذه الرواية لفساد حال أكثر القضاة في زماننا إلا في كتاب القاضي للحاجة إليه. ٢ وجه ظاهر الرواية أنه أخبر عن أمر يملک إنشاء ه فيقبل لخلوه عن التهمة ولأن طاعة أولي الأمر واجبة وفي تصديقه طاعة. ٣ وقال الإمام أبو منصور رحمه الله إن كان عدلا عالما يقبل قوله لانعدام تهمة الخطإ والخيانة وإن كان عدلا جاهلا يستفسر فإن أحسن التفسير وجب تصديقه وإلا فلا وإن كان جاهلا فاسقا أو عالما فاسقا لا يقبل إلا أن يعاين سبب الحكم

خط تو اور قبول نہیں کیا جائے گا، مشائخ نے اس روایت کو پسند کیا ہے کیونکہ اکثر قاضیوں کا حال ہمارے زمانے میں برا ہے

تشریح : قاضی نے حدود کے بارے میں دوسرے قاضی کو خط لکھا تو یہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ چونکہ حدود کے علاوہ دوسرے معاملے میں کتاب القاضی الی القاضی کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے کتاب القاضی الی القاضی کو جائز قرار رکھا ہے۔

ترجمه : ۲ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ قاضی نے ایسے امر کی خبر دی جسکو وہ کر سکتا ہے اس لئے تہمت سے خالی ہونے کی وجہ سے قبول کی جا سکتی ہے، اور اس لئے کہ حاکم کی اطاعت واجب ہے، اور اس کی تصدیق کرنے میں اطاعت ہے۔

تشریح : اوپر امام اعظم کی ظاہر روایت یہ گزری کہ دلائل دیکھے بغیر بھی قاضی کی بات مان کر حد لگا سکتا ہے۔ اس کی دو دلیل دے رہے ہیں۔

وجه : (۱) یہ قاضی ہے انکو فیصلہ کرنے کا حق ہے اور معزول ہونے سے پہلے ان پر تہمت بھی نہیں لگائی جا سکتی ہے کہ غلط فیصلہ کیا ہوگا اس لئے انکے حکم پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اوپر حدیث میں حضورؐ کے حکم پر رجم کیا۔ (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ حاکم کی اطاعت کرنا واجب ہے اور اس کی تصدیق کرنے میں عبادت ہے اس لئے بھی انکی بات مانی جا سکتی ہے، اس کے لئے آیت یہ ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعو الله و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم ۔ (آیت ۵۹، سورت النساء ۴) اس آیت میں اولی الامر منکم، یعنی قاضی کی بات مانو۔

ترجمه ۳ امام ابو منصورؒ نے فرمایا اگر قاضی عادل ہے، عالم ہے تو اس کے فیصلے پر عمل کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں غلطی کرنے اور خیانت کی تہمت نہیں ہے، اور اگر عادل ہو لیکن جاہل ہو تو تفسیر معلوم کی جائے گی، اگر اچھی وجہ بتا دی تو اس کی تصدیق واجب ہے ورنہ تو عمل نہیں کیا جائے گا، اور اگر جاہل اور فاسق ہے، یا عالم اور فاسق ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، جب تک کہ فیصلے کا سبب نہ معلوم ہو جائے، اسلئے کہ جاہل ہونے کی وجہ سے غلطی کرنے کا احتمال ہے اور فاسق ہونے

لتهمة الخطإ والخيانة. (۴۸۰)قال وإذا عزل القاضي فقال لرجل أخذت منک ألفا ودفعتها إلى فلان قضيت له بها عليک فقال الرجل أخذتها ظلما فالقول قول القاضي وكذا لو قال قضيت بقطع يدک في حق هذا إذا كان الذي قطعت يده والذي أخذ منه المال مقرين أنه فعل ذلک وهو قاض ۱؎ ووجهه أنهما لما توافقا أنه فعل ذلک في قضائه كان الظاهر شاهدا له. إذ القاضي لا

کی وجہ سے خیانت کرنیکی تہمت ہے

تشریح : حضرت قاضی ابومنصورؒ کی رائے بہت معتدل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قاضی اگر فاسق ہے تو خیانت کا احتمال قوی ہے، اور اگر جاہل ہے تو فیصلہ کرنے میں غلطی کرنے کا احتمال قوی ہے۔

[۱]......پس اگر عالم ہے اور عادل بھی ہے تو علم کی وجہ سے غلطی کا احتمال کم ہے، اور عدل کی وجہ سے خیانت کا احتمال کم ہے، اس لئے اس کے فیصلے پر دلیل دیکھے بغیر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

[۲]...... اور اگر قاضی عادل ہے لیکن جاہل ہے تو علم نہ ہونے کی وجہ سے خطا کا احتمال زیادہ ہے، اگر چہ عادل ہونے کی وجہ سے خیانت کا احتمال کم ہے اس لئے اس سے فیصلے کی تفصیل پوچھی جائے اگر قانون اور شریعت کے مطابق تفصیل بتا دی تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور قانون میں غلطی کی ہے تو پھر اس کے فیصلے پر عمل نہ کیا جائے۔

[۳]......اور اگر جاہل بھی ہے اور فاسق بھی ہے تو خیانت کا بھی قوی احتمال ہے، اور غلطی کا بھی احتمال ہے اس لئے اس کے فیصلے پر عمل نہ کیا جائے۔

[۴]......اور اگر عالم [یعنی قانون کا جاننے والا ہے] لیکن فاسق ہے تو خطا کا احتمال کم ہے، لیکن خیانت کا احتمال زیادہ ہے اس لئے تہمت کی وجہ سے جب تک فیصلے کی تفصیل اور دلائل نہ دیکھ لئے جائیں انکے فیصلے پر عمل نہ کرے۔

ترجمہ :(۴۸۰) اگر قاضی معزول کر دیا گیا پھر اس نے کسی آدمی سے کہا کہ میں نے تم سے ہزار لیا تھا اور اس کو فلاں کو دیا تھا اور اس کے بارے میں تم پر فیصلہ کیا تھا، پس وہ آدمی کہنے لگا کہ آپ نے اس کو ظلم کے طور پر لیا تھا، [اور گواہ نہیں ہے] تو قاضی کی بات مانی جائے گی۔ اور ایسے ہی اگر کہا کہ اس حق میں تمہارے ہاتھ کے کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا، اور صورت حال یہ ہے کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے، یا جس کا مال لیا گیا تھا وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں یہ سب قاضی ہونے کی حالت میں کیا ہے۔

ترجمہ :۱؎ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اپنی قضا کی حالت میں کی ہے تو ظاہری حالت قاضی کے موافق ہے، اس لئے کہ ظاہر طور پر قاضی ظلم کا فیصلہ نہیں کرتے ہیں۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی رہتے ہوئے یہی امید کی جا سکتی ہے کہ ظلم کا فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔

يـقضي بالجور ظاهرا(۴۸۱) ولا يمين عليه لے لأنـه ثبـت فعله في قضائه بالتصادق ولا يمين على القاضي .(۴۸۲) ولـو أقـر الـقاطع والآخذ بما أقر به القاضي لا يضمن أيضا لے لأنـه فعله في حال القضاء ودفع القاضي صحيح كما إذا كان معاينا (۴۸۳) ولو زعم المقطوع يده أو المأخوذ ماله أنـه فعـل قبل التقليد أو بعد العزل فالقول للقاضي أيضا لے هـو الـصحيح لأنه أسند فعله إلى حالة

تشریح :جب دونوں آدمی یہ اقرار کر رہا ہے کہ قاضی ہونے کی حالت میں مجھ پر ایک ہزار کا فیصلہ کر کے فلاں کو دیا تھا، اسی طرح جس کا ہاتھ کٹا ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ قاضی ہونے کی حالت میں مجھ پر فیصلہ کر کے ہاتھ کٹوایا ہے، اور مدعی کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو قاضی کی بات مانی جائے گی، اس لئے قاضی رہتے ہوئے یہی امید کی جاسکتی ہے کہ ظلم کا فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔

ترجمہ :(۴۸۱) اور قاضی پر قسم بھی نہیں ہے۔

ترجمہ :لے اور قاضی پر قسم بھی نہیں ہے، اس لئے کہ مدعی کی تصدیق کرنے سے ثابت ہوئی کہ قاضی کا فعل قضا کی حالت میں ہوا ہے اور قاضی پر قسم نہیں ہوتی۔

تشریح : قاضی ایک قسم کا امین ہوتا ہے اس لئے اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو اب قاضی کو قسم کھلائی جائے ایسا نہیں ہوتا اس کا فیصلہ بغیر اس کے قسم کے ہی ماننا پڑتا ہے۔ ورنہ تو کوئی قضا کا عہدہ نہیں لے گا۔

ترجمہ :(۴۸۲) اگر ہاتھ کاٹنے والے نے اقرار کیا اور مال لینے والے نے اقرار کیا، اور اسی طرح کا اقرار قاضی نے بھی کیا تو ہاتھ کاٹنے والا اور مال لینے والا ضامن نہیں ہوگا۔

ترجمہ :لے اس لئے کہ قاضی کا فعل قضا کی حالت میں ہے اور قاضی کا مال دینا بھی صحیح ہے، جیسے جس سے مال دیا گیا ہو وہ موجود ہوتا اور اس کا مال دیا جاتا تو دینا صحیح ہوتا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی اپنے عہدے پر کوئی فیصلہ کیا ہو تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

تشریح :اوپر یہ مسئلہ تھا کہ جس کا مال لیا گیا تھا اس کا دعوی تھا، یہاں یہ ہے کہ جو ہاتھ کاٹنے والا ہے اس نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کا ہاتھ کاٹا تھا اور اس وقت قاضی اپنے عہدہ قضا پر تھا، اور قاضی نے بھی یہی کہا کہ میں عہدہ قضا پر تھا اس وقت کاٹنے کا حکم دیا تھا، یا مال لینے والے نے اقرار کیا کہ میں نے مال لیا ہے اس وقت قاضی عہدہ قضا پر تھا اور قاضی نے بھی یہی کہا تو ہاتھ کاٹنے والے سے اور مال لینے سے ضمان نہیں لیا جائے گا، کیونکہ قاضی عہدہ قضا پر ہے۔ جیسے مقروض کے سامنے اس سے مال لیکر قرض دینے والے کو دیا ہو تو لینے والے سے نہیں لیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ :(۴۸۳) جس کا ہاتھ کاٹا گیا، یا جس سے مال لیا گیا اس نے گمان کیا کہ یہ فیصلہ قاضی بننے سے پہلے کیا ہے، یا قضا

معهودة منافية للضمان فصار كما إذا قال طلقت أو أعتقت وأنا مجنون والجنون منه كان معهودا

(۴۸۴)ولو أقر القاطع أو الآخذ في هذا الفصل بما أقر به القاضي بضمنان ۱ لأنهما أقرا بسبب

سے معزول کے بعد کیا ہے [اور قاضی کہتا ہے کہ قضا کی حالت میں کیا ہے] تو قاضی کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ : ۱ اور صحیح یہی ہے اس لئے کہ اپنے فعل کو قضا کی حالت کی طرف منسوب کیا ہے، جس میں ضمان نہیں ہے۔ تو ایسا ہو گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہے، یا غلام آزاد کیا ہے اس حال میں کہ میں مجنون تھا، اور کسی زمانے میں وہ مجنون رہا ہے [تو اس کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی، اور نہ اس کا غلام آزاد ہوگا]

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی زمانے میں ایک آدمی عہدہ قضا پر رہا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنے عہدہ قضا کے زمانے میں یہ فیصلہ کیا ہوگا، اس لئے قاضی سے ضمان نہیں لیا جائے گا، ہاں اس کے خلاف گواہی، ہو یا قرینہ قاطعہ ہو تب مدعی کی بات مانی جائے گی۔

تشریح : قاضی ایک زمانے میں قاضی رہا ہے، اب جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے، یا جس سے مال لیا گیا ہے وہ کہتا ہے کہ قاضی بننے سے پہلے، یا معزول ہونے کے بعد میرے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کا یہ فیصلہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے باوجود چونکہ وہ ایک زمانے تک قاضی رہا ہے اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ یہ فاصلہ قاضی ہونے کے زمانے میں کیا ہے اور فیصلہ درست ہے۔

وجہ : جب گواہی نہیں ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ قاضی ہونے کے زمانے میں ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی مجنون رہا ہے اب وہ کہتا ہے کہ جنون کی حالت میں میں نے طلاق دی تھی، یا غلام آزاد کیا تھا اور اس کے خلاف کوئی گواہی نہیں ہے تو جنون کے زمانے میں ہی طلاق اور آزاد کرنا سمجھا جائے گا، اسی طرح یہاں بھی قضا کے زمانے میں ہی فیصلہ کرنا سمجھا جائے گا۔

لغت : حالة معهودة منافية للضمان: ایک ایسے زمانے کی طرف منسوب کر رہا ہے جس میں قاضی کو اس زمانے میں ضمان لازم نہیں ہوگا، یعنی قاضی ہونے کے زمانے میں فیصلہ کیا ہے۔

ترجمہ : (۴۸۴) اور اگر ہاتھ کاٹنے والے نے، اور مال لینے والے نے اس بارے میں اسی بات کا اقرار کیا جس کا قاضی نے اقرار کیا، تو ہاتھ کاٹنے والا اور مال لینے والا ضامن ہوگا۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ ان دونوں نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے، اور قاضی کا قول اپنی ذات سے ضمان دفع کرنے کے بارے میں مقبول ہے دوسرے سے ضمان ختم کرنے کے بارے میں مقبول نہیں ہے۔

الـضـمان وقول القاضي مقبول في دفع الضمان عن نفسه لا في إبطال سبب الضمان على غيره ۲؎ بـخلاف الأول لأنه ثبت فعله في قضائه بالتصادق(۴۸۵) ولو كان المال في يد الآخذ قائما وقد أقـر بـما أقر به القاضي والمأخوذ منه المال صدق القاضي في أنه فعله في قضائه أو ادعى أنه فعله في غير قضائه يؤخذ منه ۱؎ لأنـه أقر أن اليد كانت له فلا يصدق في دعوى تملكه إلا بحجة وقول

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کا قول خود اس کی اپنی ذات سے ضمان دفع کرنے کے لئے تو ہے لیکن دوسروں سے ضمان دفع نہیں کر سکتا ہے، چنانچہ اگر لینے والے نے اقرار کیا کہ میں نے لیا ہے تو اس پر اس کا ضمان لازم ہو جائے گا۔

تشریح :ہاتھ کاٹنے والے نے اقرار کیا کہ میں قاضی رہتے ہوئے فلاں کا ہاتھ کاٹا ہے، یا جس نے مال لیا اس نے اقرار کیا کہ قاضی رہتے ہوئے میں نے مال لیا ہے، اور یہی بات قاضی نے بھی کہی تو قاضی سے ضمان نہیں لیا جائے گا، لیکن ہاتھ کاٹنے والے سے، یا مال لینے والے سے مال کا بدلہ لیا جائے گا۔

وجہ : قاضی کی بات خود قاضی سے ضمان لینے کے سلسلے میں تو مانی جاتی ہے، لیکن اس کی بات دوسروں سے ضمان نہ لیا جائے اس کے لئے نہیں مانی جاتی۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف پہلے مسئلے کے [یعنی خود قاضی سے ضمان لیا جائے یا نہیں] اس لئے کہ دونوں کی تصدیق سے ثابت ہوگئی ہے قاضی کا فیصلہ قضا کے دور میں ہوا ہے [اور قضا کے دور میں فیصلہ ہو تو قاضی پر نہ ضمان ہے اور نہ اس پر قسم ہے]

تشریح :اوپر کے مسئلے میں قاضی کی بات اس لئے مانی گئی کہ ہاتھ کاٹنے والے اور مال لینے والے کی تصدیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قاضی نے قضا کے دور میں فیصلہ کیا ہے اس لئے اس کی بات مانی گئی اور اس پر ضمان لازم نہیں ہوا اور اس مسئلے میں مال لینے والے سے ضمان لیا جائے گا کیونکہ وہ قاضی نہیں ہے۔

ترجمہ :(۴۸۵) اگر مال لینے والے کے ہاتھ میں موجود ہو، اور جیسا لینے والے نے اقرار کیا ویسا ہی قاضی نے بھی اقرار کیا، اور جس سے مال لیا گیا ہے اس نے تصدیق کی کہ قاضی نے یہ فیصلہ اپنے قضا کے دور میں کیا ہے، یا اس نے یہ دعوی کیا کہ قضا کے دور کے علاوہ میں فیصلہ کیا [دونوں صورتوں میں] اس سے مال لے لیا جائے گا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ جس نے مال لیا ہے اس نے اقرار کیا ہے کہ قبضہ مال والے کا تھا اس لئے خود مالک بننے کا دعوی بغیر گواہ کے نہیں مانا جائے گا، باقی رہا معزول قاضی کی بات تو یہ اب حجت نہیں ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ معزول قاضی کی بات کسی کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے گواہی کی طرح حجت نہیں ہے، صرف اپنے آپ سے ضمان ساقط کرنے کے کام آتی ہے۔

المعزول فيه ليس بحجة.

تشریح :لیا ہوا مال لینے والے کے ہاتھ میں موجود ہے،اور لینے والا کہتا ہے کہ قاضی اپنے قضا کے دور میں اس کا فیصلہ کیا تھا ،اور قاضی بھی کہتا ہے کہ میں نے اپنے قضا دور میں اس کا فیصلہ کیا تھا،اب جس کا مال ہے اس نے چاہے یہ کہا ہو کہ قضا کے دور میں فیصلہ کیا تھا، یا قضا کے دور کے علاوہ میں فیصلہ کیا تھا،لیکن فیصلہ غلط کیا تھا اس لئے دونوں صورتوں میں مال واپس لے لیا جائے گا اور مال والے کو دے دیا جائے گا۔

اوپر کے مسئلے میں اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے۔اوپر مال ہلاک ہو چکا تھا اس لئے اس کی قیمت کے بارے میں مسئلہ تھا جسکی تفصیل اوپر گزری۔ یہاں مال موجود ہے اس لئے اس کی قیمت دلوانے کا معاملہ نہیں ہے،خود مال واپس دلوانے کا معاملہ ہے

وجہ :مال لینے والے نے اتنا اقرار ضرور کیا ہے کہ یہ مال مال والے کا تھا،اب یہ دعوی کہ یہ مال میرا ہے اس کے لئے گواہی چاہئے،اور وہ نہیں ہے،اور معزول قاضی کی بات اپنے ضمان دفع کرنے کے لئے تو کافی ہے،دوسرے کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے گواہی کے درجے میں حجت نہیں ہے۔اس لئے مال والے کو مال واپس دلوا دیا جائے گا۔

﴿كتاب الشهادة﴾

﴿ کتاب الشہادۃ ﴾

ضـــروری نـوٹ : شہادات: شہادت کی جمع ہے، گواہی دینا۔(۱) اس کا ثبوت ان آیتوں میں ہے۔ **واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى.** (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) (۲) دوسری آیت میں ہے۔ **لولا جاء وا عليه باربعة شهداء فاذ لم يأتوا بالشهداء فاولئک عند الله هم الكاذبون** ۔ (آیت ۱۳، سورۃ النور ۲۴) (۳) اور تیسری آیت میں ہے۔ **واشهدوا ذوى عدل منكم واقيموا الشهادة لله ذالكم يوعظ به.** (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) ان آیتوں سے شہادت ثابت ہوئی

شہادت کی چھ قسمیں ہیں۔

(۱)......پہلی قسم زنا کی گواہی ہے۔ یہ سب سے اعلی ہے۔ اس کے لئے چار مرد کی گواہی شرط ہے۔ اس کے ثابت کرنے میں عورت کی گواہی نہیں چلے گی۔ اور سب عادل ہوں۔

(۲)......دوسری قسم۔ باقی حدود اور قصاص کی گواہی ہے۔ اس کے ثابت کرنے کے لئے دو عادل مرد چاہئے۔ اس میں بھی عورت کی گواہی قابل قبول نہیں۔

(۳)......تیسری قسم۔ معاملات کی گواہی ہے۔ اس کے ثابت کرنے کے لئے دو عادل مرد ہوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہوں۔ اس کے ثبوت کے لئے عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ البتہ خالص عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔

(۴)...... چوتھی قسم۔ شطر الشہادۃ کی ہے۔ یعنی ایک عادل مرد یا دو مستور الحال مرد ہوں تب بھی مقبول ہے۔ اصل میں گواہی دینے کے دو جزو ہیں۔ ایک عادل ہونا اور دوسرا مرد ہونا، اسی کو شطر کہتے ہیں۔ اس لئے یا ایک عادل ہو یا دو مستور الحال ہو تب بھی کافی ہے۔ یہ صورت حقیقت میں گواہی نہیں ہے بلکہ خبر ہے۔ اسی لئے یہ معاملات اور عقد کو ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے۔ جیسے یہ خبر دینا کہ تم کو فلاں نے فلاں معاملہ کے لئے وکیل بنا دیا۔ یا وکیل کو معزول کر دیا۔ اس میں ایک عادل آدمی یا دو مستور الحال آدمی کی خبر کافی ہے

(۵)......پانچویں قسم۔ خبر کی ہے۔ جس میں بچے اور باندی کی خبر بھی کافی ہے۔ مثلا بچہ استاد کے پاس کھانا لائے اور خبر دے کہ یہ میری ماں نے آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو استاد کے لئے یہ کھانا جائز ہے۔ یا باندی خبر دے کہ میرے آقا نے آپ کے لئے

(۴۸۶)قال الشهادة فرض تلزم الشهود ولا يسعهم كتمانها إذا طالبهم المدعي[1] لقوله تعالى ﴿ولا يأبى الشهداء إذا ما دعوا وقوله تعالى ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه﴾[2] وإنما يشترط طلب المدعي لأنها حقه فيتوقف على طلبه كسائر الحقوق.(۴۸۷) والشهادة في

ہدیہ بھیجا ہے تو جس کیلئے ہدیہ بھیجا ہے اسکے لئے اس کا کھانا حلال ہے۔تو اس تھوڑی بہت چیز میں باندی اور بچے کی خبر بھی قابل قبول ہے۔

(۶)......چھٹی قسم۔ جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہیں۔جیسے ولادت وغیرہ تو وہاں صرف عورت کی گواہی مقبول ہے۔کیونکہ مجبوری ہے

ترجمہ (۴۸۶) گواہی دینا فرض ہے گواہوں کو لازم ہے اور اسکو چھپانے کی گنجائش نہیں ہے اگر ان سے مدعی اسکا مطالبہ کرے۔

ترجمہ :[1] (۱)اللہ تعالی کا قول۔و لا یأب الشهداء اذا ما دعوا ۔(آیت ۲۸۲،سورت البقرۃ ۲) اگر گواہی کے بلائے جائے تو انکار نہ کرے(۲)و لا تكتموا الشهادة و من يكتمها فانه آثم قلبه (آیت ۲۸۳،سورت البقرۃ ۲) گواہی مت چھپاؤ اور جو اس کو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا۔

تشریح :ان گواہوں کے علاوہ کوئی اور گواہ نہیں ہے اور مدعی گواہوں سے گواہی دینے کا مطالبہ کر رہا ہے تو ان گواہوں پر گواہی دینا فرض ہے۔عام معاملات میں گواہی چھپانے کی گنجائش نہیں ہے۔

وجہ :(۱)چونکہ اور گواہ نہیں ہے۔اس لئے اگر اس نے گواہی نہیں دی تو مدعی کا حق ضائع ہو جائے گا۔اس لئے اس کو حق دلوانے کے لئے گواہی دینا فرض ہے(۲)باقی آیتیں اوپر گزر چکی ہیں۔(۳)اس حدیث میں اس کی ترغیب ہے۔عن زيد بن خالد الجهني ان النبي ﷺ قال الا اخبركم بخير الشهداء؟ الذي ياتي بشهادته قبل ان يسألها (مسلم شریف، باب بیان خیر الشهود،ص ۷۶۲،نمبر ۱۷۱۹/۴۴۹۴/ابوداؤد شریف،باب فی الشهادة،ص ۵۱۶،نمبر ۳۵۹۶)

ترجمہ :[2] مدعی کا گواہی طلب کرنا شرط ہے اس لئے کہ اس کا حق ہے اس لئے اور حقوق کی طرح اس کے بھی طلب کرنے پر موقوف ہوگا۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ:(۴۸۷)اور حدود میں گواہ کو اختیار ہے چھپانے اور ظاہر کرنے کے درمیان۔اور چھپانا بہتر ہے۔

[اس لئے کہ گواہ دو اجروں کے درمیان ہے، حد کو قائم کرنا بھی اجر ہے اور اور دوسروں کی پردہ دری سے بچنا بھی اجر ہے]

الحدود يخير فيها الشاهد بين الستر والإظهار[لأنه بين حسبتين إقامة الحد والتوقي عن الهتک]والستر أفضل[لقوله صلى الله عليه وسلم للذي شهد عنده لو سترته بثوبک لكان خيرا لک وقال عليه الصلاة والسلام من ستر على مسلم ستر الله عليه في الدنيا والآخرة وفيما نقل من تلقين الدرء عن النبي عليه الصلاة والسلام وأصحابه رضي الله عنهم دلالة ظاهرة على

لیکن چھپانا افضل ہے۔

ترجمه: [حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے، جس نے حضورؐ کے پاس گواہی دی تو فرمایا کہ اگر تم چھپا لیتے تو بہتر ہوتا۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ کسی نے مسلمان پر پردہ پوشی کی تو اللہ اس کو دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔

تشریح: حدود میں گواہی دینے سے انسان کی جان جائے گی یا عضو جائے گا اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے گواہ کو دونوں اختیار ہیں۔ چاہے گواہی چھپا دے چاہے گواہی دے دے۔ لیکن چھپانا زیادہ بہتر ہے۔

وجه: (۱) تا کہ انسان کی جان ضائع نہ ہو۔ (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ ان ماعزا اتی النبی ﷺ فأقر عنده اربع مرات فأمر برجمه و قال لهزال لو سترته بثوبک کان خیرا لک۔ (ابوداؤد شریف، باب الستر علی اہل الحدود، ص ۶۱۵، نمبر ۴۳۷۷) اس حدیث میں فرمایا کہ کپڑا سے ڈھانک دیتے اور نہ مارتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ (۳) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من ستر مسلما ستره الله فی الدنیا و الآخرة۔ (ابن ماجة شریف، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبهات، ص ۳۶۵، نمبر ۲۵۴۴) اس حدیث میں ہے کہ مومن پر پردہ پوشی کرنی چاہئے۔ (۴) صاحب ہدایہ کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔ عن ابن عباسؓ قال لما اتی ماعزا ابن مالک النبی ﷺ قال له لعلک قبلت او غمزت او نظرت قال لا یا رسول الله قال أنكتها ؟ لا یکنی قال فعند ذالک امر برجمه۔ (بخاری شریف، باب ھل یقول الامام للمقر لعلک لمست اوغمزت، ص ۱۱۷۵، نمبر ۶۸۲۴) اس حدیث میں حضورؐ نے حدود کو ساقط کرنے کے لئے تلقین کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حتی الوسع حد ساقط کرنی چاہئے۔ (۵) عن عبد الله بن عمرو بن العاصان رسول الله ﷺ قال تعافوا الحدود فيما بينكم فما بلغنی من حد فقد وجب (ابوداود شریف، باب یعفی عن الحدود مالم تبلغ السلطان، ص ۶۱۵، نمبر ۴۳۷۶) اس حدیث میں ہے کہ حدود کو ساقط کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

لغت: حسب: ثواب اسی سے حسبتین، دو ثوابوں کے درمیان۔ التوقی: وقی سے مشتق ہے، بچنا۔ ہتک: عزت خراب کرنا۔ پردہ فاش کرنا۔ درء: دور کرنا، دفع کرنا۔

أفضلية الستر(۴۸۸) إلا أنــه يـجـب أن يشهـد بـالـمـال في السرقة فيقول أخذ ١ إحيـاء لـحق الـمسـروق مـنـه ولا يـقول سرق محافظة على الستر ٢ ولأنـه لـو ظهـرت السرقة لوجب القطع والضمان لا يجامع القطع فلا يحصل إحياء حقه.(۴۸۹) والشهادة على مراتب منها الشهادة في الزنا يعتبر فيها أربعة من الرجال ١ لقوله تعالى ﴿ واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا

ترجمہ :(۴۸۸) مگر یہ کہ چوری میں مال کی گواہی دیناواجب ہے۔اس لئے کہے کہ مال لیااور نہ کہے کہ چرایا۔

ترجمہ :١ جس سے چرایا گیا ہےاس کے حق کوزندہ کرنے کے لئے ،اورسرق نہ کہے پردہ پوشی کی حفاظت کے لئے۔

تشریح :چوری میں دوحیثیتیں ہیں۔ایک ہے ہاتھ کٹنے کا جوحد ہےاوردوسرا ہے مالک کومال واپس کرنے کا جوحقوق العباد ہے۔اس لئے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسی گواہی دے کہ ہاتھ بھی نہ کٹےاور مالک کو مال بھی واپس مل جائے۔اس لئے اس کی صورت یہ ہے کہ یوں نہیں کہے کہ مال چرایا ہے بلکہ یوں گواہی دے کہ فلاں کا مال لیا ہے۔

وجہ: تا کہ مال مالک کوواپس ملےاور ہاتھ نہ کٹے۔

ترجمہ :٢ اوراس لئے کہ اگر چوری ظاہر ہوگی تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوگااور کاٹنے کے ساتھ ضمان واجب نہیں ہوتا،اس لئے اس کے حق کوزندہ کرنا حاصل نہیں ہوگا۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے کہ،اگر چوری کرنے کی گواہی دی تو ہاتھ کاٹا جائے گا،لیکن چوری کی ہوئی چیز کی قیمت نہیں دی جا سکے گی،کیونکہ ہاتھ کاٹنااور ضمان دینا دونوں جمع نہیں کیا جاتا،تواس صورت میں مال والے کوکچھ بھی نہیں ملااس لئے بندے کے حق کوزندہ کرنے کے لئے یوں گواہی دے کہ چور نے اس کا مال لیا ہے، چرایا نہیں ہے۔

ترجمہ:(۴۸۹) گواہی کے چند مرتبے ہیں۔ان میں سے زنا کی گواہی ہے۔اس میں اعتبار کیا جاتا ہے چار مرد۔

تشریح :پہلے گزر چکا ہے کہ گواہی کے چھ مرتبے ہیں۔ان میں سے اعلی مرتبہ زنا کی گواہی ہےجن میں چار عادل مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔اس میں عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ:(١) چار گواہ کی دلیل یہ آیت ہے۔والتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فـامسکوهـن فـی البیوت .(آیت ۱۵،سورۃ النساء۴)اس آیت میں منکم سے پتہ چلتا ہے کہ چار مرد کی گواہی ہو(۲) دوسری آیت میں ہے۔لولا جاء و علیه باربعة شهداء فاذ لم یأتوا بالشهداء فاولئک عند الله هم الکاذبون .(آیت ۱۳،سورۃ النور۲۴)ان دونوں آیتوں میں ہے کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ چاہئے۔

ترجمہ :(۴۹۰)اورنہیں قبول کی جاتی ہےاس میں عورت کی گواہی۔

عـليهن أربعة منكم ولقوله تعالى ثم لم يأتوا بأربعة شهداء﴾(۴۹۰) ولا تقبل فيها شهادة النساء ۱؎ لـحـديـث الـزهـري رضـي الـلـه عـنـه مـضـت السـنة مـن لدن رسول الله عليه الصلاة والسلام والخليفتين من بعده أن لا شهادة للنساء في الحدود والقصاص ۲؎ ولأن فيها شبهة البدلية لقيامها مـقـام شهـادة الـرجـال فـلا تـقبل فيما يندرء بالشبهات(۴۹۱) ومـنـهـا الشهـادة ببقية الحدود والقصاص تقبل فيها شهادة رجلين ۱؎ لـقوله تعالى﴿ واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾ ولا تقبل

ترجمه: ۱؎ حدیث زہری کی وجہ سے۔عن الزهري قال مضت السنة من رسول الله ﷺ والخليفتين من بـعـده الا تـجـوز شهـادة الـنسـاء فـي الـحـدود. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۹، فی شھادۃ النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، نمبر ۲۸۷۰۵ رمصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شھادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۴، نمبر ۱۵۴۸۴ رسنن للبیہقی، باب شہادۃ فی الطلاق والرجعۃ وما فی معناھما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر ۲۰۵۲۸) اس حدیث مرسل اور اثر سے معلوم ہوا کہ حدود میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمه: ۲؎ اور اس لئے کہ عورت کی گواہی میں بدل ہونے کا شبہ ہے، کیونکہ عورت یہاں مرد کے قائم مقام ہے اس لئے جو شبہات سے ختم ہو جاتا ہے اس میں قابل قبول نہیں ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔اصل گواہی مرد کی ہے اور عورت اس کے بدلے میں ہے اور حدود اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے اس لئے بھی عورت کی گواہی قبول نہیں ہونی چاہئے۔

وجه: (۱) عورت مرد کا بدل ہے اس کا اشارہ اس آیت میں ہے۔ و استشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجـلـيـن فرجل و امرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداٰهما فتذكر احدهما الاخرىٰ۔(آیت ۲۸۲، سورت البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مرد نہ ہو تب دو عورتوں سے گواہی لی جائے، جس سے محسوس ہوا کہ مرد اصل ہے اور عورت اس کا بدل ہے۔

لغت : یندری: درء سے مشتق ہے دور کر دینا، دفع کرنا۔

ترجمه : (۴۹۱) ان سے شہادت ہے باقی حدود کی اور قصاص کی کہ ان میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور ان میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

ترجمه : ۱؎ و استشهـدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل و امرأتان ممن ترضون من

فيها شهادة النساء لما ذكرنا.(۴۹۲) قال وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال[۱] مثل النكاح والطلاق والعتاق والعدة

الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احدهما الاخرى۔ (آیت ۲۸۲، سورت البقرۃ ۲)۔ اوران دلائل کی وجہ سے جو پہلے گزری حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح: زنا میں تو چار مردوں کی گواہی چاہئے۔ ان میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اور باقی حدود اور قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ صرف مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجه: (۱) حدود کے بارے میں اوپر حدیث مرسل گزر چکی۔ قصاص بھی اسی درجے کا ہے اس لئے قصاص میں بھی عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے (۲) اس قول صحابی میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ ان علی بن ابی طالب قال لا تجوز شهادة النساء فی الطلاق والنکاح والحدود والدماء (مصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شھادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۴، نمبر ۱۵۴۸۴ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۹، فی شھادۃ النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، نمبر ۲۸۷۱۱) اس قول صحابی میں دم سے مراد قصاص ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) آیت میں عورت کے بارے میں بتایا کہ ایک دوسرے کو یاد دلائے جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں نسیان ہے۔ اور حدود اور قصاص شبہ سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بھی عورت کی گواہی حدود اور قصاص میں مقبول نہیں ہے۔ (۴) آیت میں ہے کہ مرد نہ ملے تب عورت سے گواہی لو تو اس سے بھی پتہ چلا کہ عورت مرد کا بدل ہے اور حدود اور قصاص بدلیت کے شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے عورت کی گواہی ان میں نہیں لی جائے گی۔

ترجمه: (۴۹۲) اور جو ان کے علاوہ ہوں حقوق میں سے تو قبول کی جائے گی ان میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔ چاہے حق مال ہو یا غیر مال ہو۔

ترجمه: [۱] مثلا نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، وغیرہ۔

تشریح: حدود اور قصاص کے علاوہ جتنے حقوق ہیں چاہے وہ حقوق مالی ہوں یا حقوق غیر مالی ہوں ان سب میں مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہے۔ مثلا معاملات، بیع ہے، شراء ہے، نکاح، طلاق، وکالت اور وصیت ہے ان سب میں عورتوں کی گواہی بھی مقبول ہے۔

وجه: (۱) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احدهما الاخرى آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) اس

والحوالة والوقف والصلح والوكالة والوصية والهبة والإقرار والإبراء والولد والولاد والنسب ونحو ذلک. ۲؎ وقال الشافعي رحمه الله لا تقبل شهادة النساء مع الرجال إلا في الأموال وتوابعها لأن الأصل فيها عدم القبول لنقصان العقل واختلال الضبط وقصور الولاية فإنها لا تصلح للإمارة ولهذا لا تقبل في الحدود ولا تقبل شهادة الأربع منهن وحدهن إلا أنها قبلت في الأموال ضرورة والنكاح أعظم خطرا وأقل وقوعا فلا يلحق بما هو أدنى خطرا وأكثر وجودا.

آیت میں ہے کہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔ یہ آیت چونکہ معاملات کے سلسلے میں ہے اس لئے تمام ہی معاملات میں عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی (۲) اس قول صحابی میں ہے۔ **ان عمرؓ بن الخطاب اجاز شهادة رجل واحد مع نساء فی نکاح** (مصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۶، نمبر ۱۵۴۹۵/ مصنف ابن ابی شیبة، ۳۹۷ فی شهادة النساء فی العتق والدین والطلاق، ج رابع، ص ۵۱۷، نمبر ۲۲۶۸۱/ دار قطنی، کتاب الاقضیة والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر ۴۵۱۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ طلاق نکاح وغیرہ میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔ (۳) **عن الشعبی قال تجوز شهادة النساء مع الرجال فی النکاح و الطلاق** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شهادة النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۴، نمبر ۱۵۴۸۰) اس قول تابعی میں ہے کہ مرد کے ساتھ نکاح اور طلاق میں بھی عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔ (۴) حدود اور قصاص تو اعلی درجے کے ہیں اس لئے ان میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہے، لیکن نکاح، طلاق، وصیت وغیرہ معاملات کے درجے میں ہے اور کثرت سے اسکی ضرورت پڑتی ہے اسلئے اس میں عورتوں کی گواہی مقبول ہونی چاہئے

ترجمہ :۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی صرف مال میں اور اس کے تابع میں قبول کی جائے گی، اس لئے کہ عورتوں کی گواہی اصل میں قبول نہ ہونا ہے، عقل کے نقص کی وجہ سے، ضبط میں خلل اور ولایت میں کمی ہونے کی وجہ سے، یہی وجہ ہے کہ وہ امیر ہونے کے قابل نہیں ہے، اسی وجہ سے حدود میں اس کی گواہی قبول نہیں ہے، اور تنہا چار عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہے، لیکن مال میں ضرورت کی وجہ سے قابل قبول ہے اور نکاح کا مرتبہ چونکہ عظیم ہے اور اس کا واقع ہونا بہت کم ہے اس لئے نکاح ایسی چیز کے ساتھ نہیں ملے گا جس کا درجہ حقیر ہے اور واقع ہونا کثیر ہے، یعنی نکاح مال کے درجے میں نہیں ہوگا۔

تشریح :امام شافعیؒ یہاں مال اور اس کے توابع کے علاوہ نکاح، طلاق وغیرہ میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ اس

کی 6 وجہ بیان کر رہے ہیں۔[۱]......عورت ناقص العقل ہے۔[۲]......یہ کسی معاملے کو پورے طور پر ضبط نہیں کر سکتی، اس کے ضبط میں خلل ہے۔[۳]......ولایت کی کمی ہے اسی لئے وہ امیر نہیں بن سکتی۔[۴]......یہی وجہ ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔[۵]......تنہا چار عورتیں ہوں اور انکے ساتھ مرد نہ ہو تو ان کی گواہی کسی چیز میں قبول نہیں ہے [۶]......نکاح عظمت والی چیز ہے اور بہت کم واقع ہوتا ہے، اور مال کی اتنی عظمت نہیں ہے اور اس کا معاملہ کثرت سے پیش آتا ہے اس لئے مال کے معاملے کو نکاح کے ساتھ نہیں کر سکتے، باقی رہا مال کا معاملہ، تو چونکہ وہ کثرت کے ساتھ واقع ہوتا ہے اس لئے آیت کی وجہ سے مجبوری کے درجے میں عورتوں کی گواہی قبول کر لی گئی ہے، اس لئے نکاح اور طلاق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ موسوعہ امام شافعی میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ لا تجوز شهادة النساء الا فی موضعین ...فی مال یجب للرجل علی رجل** ....(موسوعہ امام شافعی، باب شہادۃ النساء، ج ۱۳، ص ۳۶۰، نمبر ۲۶۵۵۲/۲۶۵۵۳) اس عبارت میں ہے کہ صرف دو جگہوں پر عورت کی گواہی قبول کی جائے ایک مال کے بارے میں، اور دوسرا آگے آرہا ہے، جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے، یعنی ولادت وغیرہ میں۔ **قال الشافعیؒ و لا یجوز فی شیء من الحدود و لا فی شیء من الوکالات و لا الوصیة و لا ما عدا ما وصفت من المال** (موسوعہ امام شافعی، باب شہادۃ النساء، ج ۱۳، ص ۳۶۰، نمبر ۲۶۵۵۶) اس عبارت میں ہے کہ حد و کالت وصیت وغیرہ میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہے

وجه : (۱) اس قول صحابی میں ہے کہ عورت کی گواہی نکاح طلاق میں قابل قبول نہیں ہے۔ **ان علی بن ابی طالب قال لاتجوز شهادة النساء فی الطلاق والنكاح والحدود و الدماء** (مصنف عبد الرزاق، باب ہل تجوز شہادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۴، نمبر ۱۵۴۴۸ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی شہادۃ النساء فی الحدود، ج خامس، ص ۵۲۸، نمبر ۲۸۷۰۷ / سنن للبیہقی، باب الشہادۃ فی الطلاق والرجعۃ وما فی معناہما من النکاح والقصاص والحدود، ج عاشر، ص ۲۵۰، نمبر ۲۰۵۲۸) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ عورت کی گواہی طلاق اور نکاح میں بھی مقبول نہیں ہے۔ اس لئے وہ صرف مال میں گواہی دے سکتی ہے۔ (۲) عورت ناقص عقل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعیدؓ عن النبی ﷺ انه قال ألیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل ؟ قلن بلی قال فذالک من نقصان عقلها** ۔(بخاری شریف، باب شہادۃ النساء، ص ۴۳۱، نمبر ۲۶۵۸) اس حدیث میں ہے کہ عورت کے عقل میں نقص ہے۔

لغت: توبعها: اموال کے توابع سے مراد عاریت، کفالہ، شرط خیار وغیرہ ہیں کہ ان میں عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اعظم خطرا: خطر: جو دل میں اٹکا رہے، اعظم خطرا، کا ترجمہ ہے جس کی عظمت بہت ہو۔

۳؎ ولنا أن الأصل فيها القبول لوجود ما يبتنى عليه أهلية الشهادة وهو المشاهدة والضبط والأداء إذ بالأول يحصل العلم للشاهد وبالثاني يبقى وبالثالث يحصل العلم للقاضي ولهذا يقبل إخبارها في الأخبار ونقصان الضبط بزيادة النسيان انجبر بضم الأخرى إليها فلم يبق بعد ذلك إلا الشبهة فلهذا لا تقبل فيما يندرء بالشبهات وهذه الحقوق تثبت مع الشبهات ۴؎ وعدم قبول

ترجمہ:۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ عورتوں میں اصل قبول کرنا ہے کیونکہ شہادت کی جو بنیاد ہے وہ عورتوں میں موجود ہے، اور وہ ہے دیکھنا کرنا، خبر کو ضبط کرنا، اور اس کو ادا کرنا، اس لئے کہ پہلے [یعنی دیکھنے سے گواہی دینے والے کو علم حاصل ہوگا، اور دوسرے [یعنی ضبط کرنے] سے علم باقی رہے گا، اور تیسرے [یعنی گواہی ادا کرنے سے] قاضی کو اس کی معلومات ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے بارے میں عورت کی ضبر قابل قبول ہے اور ضبط کا جو نقصان ہے وہ بھول کی زیادتی کی وجہ سے ہے اور وہ دوسری عورت سے پوری ہو جائے گی اس لئے صرف شبہ باقی رہی، اس لئے جو چیز [حدود اور قصاص] شبہات سے ثابت ہوتی ہے اس میں عورت کی گواہی قبول نہیں ہوگی، اور یہ حقوق [طلاق نکاح] شبہات کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اس لئے ان میں عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ جن تین چیزوں پر گواہی کی بنیاد ہے عورت میں وہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں [۱] اس میں معاملے کو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کی قابلیت ہے، اس لئے عورت کو معاملے کو علم حاصل ہوگا، [۲] ضبط کرنے اور یاد کرنے کی قابلیت ہے، اس سے وہ معاملے کو یاد رکھے گی، البتہ ضبط میں کمی ضرور ہے جس سے وہ بھول جاتی ہے، لیکن اس کا علاج کیا ہے کہ دوسری عورت کو بھی ساتھ رکھا اور قرآن کریم نے کہا کہ وہ بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے [۳] اور بات کو ادا کرنے کی بھی قابلیت ہے اس سے قاضی کو بات بتا سکے گی اور قاضی کو بھی اس معاملے کی حقیقت کا علم ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ حدیث بیان کرنے میں عورت کی احادیث قبول کی جاتی ہے۔ نکاح طلاق وغیرہ بھی معاملات کی قسم ہیں اس لئے ان میں انکی گواہی قبول ہونی چاہئے، ہاں عورت اصل میں مرد کا بدل ہے، کیونکہ قرآن نے کہا کہ مرد نہ میسر ہو تب عورت سے گواہی لو، اس لئے بدلیت کی شبہ کی وجہ سے حدود اور قصاص جو شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں ان میں انکی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ: حدیث کے بارے میں عورت کی حدیث قابل قبول ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عائشة زوج النبی ﷺ .... قال الزهری و كلهم حدثنى طائفة من حديثها و بعضهم اوعى من بعض و اثبت له اقتصاصا و قد وعيت عن كل واحد منهم الحديث الذى حدثنى عن عائشة و بعض حديثهم يصدق بعضا ۔(باب تعديل النساء بعضهن بعضا، ص ۴۳۱، نمبر ۲۶۶۱) اس حدیث میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جو عورت ہے۔ اس کے علاوہ

الأربع على خلاف القياس كي لا يكثر خروجهن.(۴۹۳) قال وتقبل في الولادة والبكارة والعيوب بالنساء في موضع لا يطلع عليه الرجال شهادة امرأة واحدة لِـ**قوله عليه الصلاة**

عورتوں کی سینکڑوں حدیثیں ہیں۔

ترجمہ:۴؎ صرف چار عورتوں کی گواہی قبول کرنا خلاف قیاس ہے، تاکہ عورتوں کا نکلنا زیادہ نہ ہو۔

تشریح :مرد نہ ہو بلکہ ایک اور مرد کے بدلے میں چار عورتیں ہوں تو انکی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ خلاف قیاس ہوگا، اور اس کی وجہ سے عورتیں گواہی دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ گھر سے نکلے گی جو شریعت کی نگاہ میں اچھا نہیں ہے۔

وجہ :(۱) اس قول تابعی میں ہے۔ **عن عمر بن عبد العزيز قال لا تجوز شهادة النساء اذا لم يكن معهن رجل** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شھادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۷، نمبر ۱۵۵۰۰)(۲) **عن عطا ....و لا تجوز شهادتهن على غير ذالك و ان كثرن حتى يكون معهم رجل** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ھل تجوز شھادۃ النساء مع الرجال فی الحدود وغیرہ؟، ج ثامن، ص ۲۵۷، نمبر ۱۵۵۰۱) ان دونوں قول تابعی میں ہے کہ جب تک مرد نہ ہو عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

ترجمہ :(۴۹۳) ولادت اور باکرہ ہونے میں اور عورتوں کے ان جگہ کے عیوب میں جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ :۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے جہاں مرد نہیں دیکھ سکتے وہاں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔

تشریح : بچہ پیدا ہوتے وقت مرد بیوی اور باندی کے علاوہ عورتوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح عورت باکرہ ہے یا نہیں مرد اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے جہاں مرد نہیں دیکھ سکتا ہو وہاں صرف عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح شرمگاہ وغیرہ کی بیماری جس پر مرد مطلع نہیں ہوسکتا اس کے بارے میں ایک عورت کی گاہی کافی مانی جائے گی۔ اور اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) اس قول تابعی میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے، کہ جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے وہاں ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے ۔ **عن الشعبی قالوا تجوز شهادة امرأة واحدة فيما لا يطلع عليه الرجال** . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸۲ ما تجوز فیہ الشھادۃ النساء، ج رابع، ص ۳۳۵، نمبر ۲۰۷۰۵ رمصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ المرأۃ فی الرضاع والنفاس، ج ثامن، ص ۲۵۷، نمبر ۱۵۵۰۵) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جہاں مرد مطلع نہیں ہو سکتے ہوں وہاں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ ایک دائی کی گواہی مقبول ہے۔ **عن حذيفة ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة القابلة** (دار قطنی، کتاب الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر ۴۵۱۱ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی عددھن (ای عدد

والسلام شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر إليه ۲ والجمع المحلى بالألف واللام يراد به الجنس فيتناول الأقل. ۳ وهو حجة على الشافعي رحمه الله في اشتراط الأربع

النساء)، ج عاشر،ص ۲۵۴،نمبر ۲۰۵۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائی کی گواہی مقبول ہے (۳) حدیث میں ہے کہ باندی نے دودھ پلانے کی گواہی دی تو اس کی وجہ سے نکاح توڑ دیا۔ **حدثنی عقبة بن الحارث او سمعته منه انه تزوج ام یحیی بنت ابی اهاب قال فجاء ت امة سوداء فقالت قد ارضعتکما فذکرت ذلک للنبی ﷺ فاعرض عنی قال فتنحیت فذکرت ذلک له قال وکیف وقد زعمت انها قد ارضعتکما؟ فنهاه عنها** (بخاری شریف، باب شهادة الاماء والعبید ،ص ۴۳۱،نمبر ۲۶۵۹/ابوداؤد شریف، باب الشهادة علی الرضاع،ص ۵۱۷،نمبر ۳۶۰۳) اس حدیث میں صرف ایک باندی کی گواہی سے نکاح توڑنے کا حکم دیا کیونکہ دودھ پلانے پر جہاں مرد مطلع نہیں ہوسکتا ہو ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔

ترجمہ: ۲ اور حدیث میں نساء جمع کا صیغہ ہے جس پر الف لام داخل ہے اس سے جنس عورت مراد ہوگی اور ایک کو بھی شامل ہوگی

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے اور منطقی محاورہ ہے۔ کہ جمع کے لفظ پر الف لام داخل ہو جائے تو اس سے جنس عورت مراد ہوتی ہے ،اور ایک بھی مراد ہوتی ہے،اور یہاں حدیث میں نساء جمع کا صیغہ ہے جس پر الف لام داخل ہے۔ جس سے ایک عورت مراد ہو سکتی ہے اس لئے ولادت اور باکرہ ہونے میں ایک عورت کی گواہی بھی قابل قبول ہے چار عورت ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ نوٹ ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے اس کے لئے پہلے حدیث اور قول تابعی گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۳ یہ دلیل عقلی امام شافعیؒ پر حجت ہے چار عورت کی شرط لگانے میں۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک ولادت وغیرہ میں جہاں صرف عورت ہی گواہی دے سکتی ہے چار عورتیں ضروری ہیں، موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ **الموضع الثانی حیث لا یری الرجل من عورات النساء فان هن یجزن فیه منفردات و لا یجوز منهن اقل من اربع اذا انفردن قیاسا علی حکم الله تبارک و تعالی فیهن لانه جعل اثنتین تقومان مع رجل مقام رجل و جعل الشهادة شاهدین او شاهدا و امراتین ، فان انفردن فمقام شاهدین اربع**۔ (موسوعہ امام شافعی، باب شهادة النساء ج ۱۳،ص ۳۶۰،نمبر ۲۶۵۵۴) اس عبارت میں ہے کہ قرآن میں دو مرد کی شہادت قبول کی گئی ہے اور ایک مرد کے مقابلے پر دو عورتیں رکھی ہیں، اس لئے مجموعہ چار عورتیں ضروری ہوئیں۔

وجہ: (۱) معاملات میں دو مرد کی گواہی ضروری ہے۔ اور گواہی میں ایک مرد کے لئے دو عورتیں ہوتی ہیں اس لئے دو مرد کے

۴ ولأنه إنما سقطت الذكورة ليخف النظر لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف فكذا يسقط اعتبار العدد إلا أن المثنى والثلاث أحوط لما فيه من معنى الإلزام ۵ ثم حكمها في الولادة شرحناه في الطلاق ۶ وأما حكم البكارة فإن شهدن أنها بكر يؤجل في العنين سنة ويفرق بعدها

مقابلے میں چار عورتیں ہوں تب گواہی مقبول ہوگی (۲) اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عطاء بن ابی رباح قال لا یجوز الا اربع نسوة فی الاستھلال** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عددھن، ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۱) (۳) **عن قتادة قال لا تجوز شهادة النساء الا ان یکون اربعا** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب شہادة المرأة فی الرضاع والنفاس، ج ثامن، ص ۲۵۷، نمبر ۱۵۵۰۲/ مصنف ابن ابی شیبة، ۸۲ ما تجوز فیہ شہادة النساء، ج رابع، ص ۳۳۵، نمبر ۲۰۷۰۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ولادت وغیرہ میں بھی چار عورتوں کی گواہی چاہئے۔

ترجمہ :۴ اور اس لئے بھی کہ مرد ہونا ساقط ہو گیا تا کہ عورت کا دیکھنا اتنا برا نہ ہو اس لئے عورت عورت کو دیکھے گی تو برائی کم ہے تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے عدد بھی کم ہوگئی، مگر دو عورت اور تین عورت کی گواہی ہو تو زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اس میں لازم کرنے کا معنی ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ عورت عورت کی شرمگاہ کو دیکھے گی تو یہ اتنا برا نہیں ہے جتنا مرد اجنبی عورت کی شرمگاہ کو دیکھے گا، اس لئے عورت کی گواہی قبول کی گئی، پس جب مرد ہونا ساقط ہو گیا، تو دو کا عدد ہونا بھی ساقط ہو گیا اور ایک ہی عورت پر اکتفاء کیا گیا، لیکن چونکہ دوسرے پر بچہ کو لازم کرنا ہے اس لئے دو تین عورتیں گواہی دے تو بہتر ہے۔

ترجمہ :۵ ولادت کے بارے میں عورت کے حکم کے بارے میں کتاب الطلاق میں شرح کر دی ہے۔

تشریح : ایک عورت گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ ہوا ہے تو وہ جسکی بیوی ہے اس سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس کی تفصیل کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے۔ (اثمار الھدایہ، کتاب الطلاق ج ۵)

ترجمہ :۶ بہر حال بکارت کا حکم تو اگر عورتوں نے گواہی دی کہ وہ باکرہ ہے تو عنین کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اور اس کے بعد تفریق کر دی جائے گی اس لئے کہ عورتوں نے اصل چیز کی تائید کی، اس لئے کہ اصل تو باکرہ ہونا ہے۔

تشریح : صورت مسئلہ یہ ہے کہ عورت کہتی ہے کہ مجھ سے شوہر نے جماع نہیں کی وہ نامرد ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کو شرمگاہ دیکھنے کی اجازت ہوگی وہ شرمگاہ دیکھ کر یہ گواہی دے دیں کہ یہ باکرہ ہی ہے اس سے ابھی تک جماع نہیں کی گئی ہے تو قاضی علاج کے لئے شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گا، اگر ایک سال پر بھی وطی پر قادر نہیں ہوا تو قاضی تفریق کر دے گا۔

وجہ :(۱) یہاں عورتوں کی گواہی سے قاضی نے عورت کو باکرہ قرار دیا۔ (۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ عورت تو اصل میں

لأنهـا تأيدت بمؤيد إذ البكارة أصل ۷ وكـذا في رد المبيعة إذا اشتراها بشرط البكارة فإن قلن إنهـا ثيـب يـحـلف البـائـع ليـنـضـم نكوله إلى قولهن والعيب يثبت بقولهن فيحلف البائع ۸ وأما شهـادتهـن عـلـى استهلال الصبي لا تقبل عند أبي حنيفة رحمه الله في حق الإرث لأنه مما يطلع عـلـيـه الـرجـال إلا فـي حـق الصلاة لأنها من أمور الدين. وعندهما تقبل في حق الإرث أيضا لأنه

باکرہ ہی ہوتی ہے وہ تو جماع کے بعد ثیبہ ہوتی ہے، اس لئے عورتوں کی گواہی اصل کے مطابق ہوگئی اسلئے بھی قاضی کو تفریق کرنے کا حق ہوگیا

لغت:بکارۃ: جس عورت سے وطی نہ کی گئی ہو اس کو باکرہ کہتے ہیں۔عنین: جو جماع پر قادر نہ ہو سکے۔

ترجمه : ۷ ایسے ہی بیچی ہوئی باندی کے لوٹانے میں جبکہ اس کو بکارت کی شرط پر خریدی ہو، پس اگر عورت کہے کہ باندی ثیبہ ہے تو بائع سے قسم کھلوائی جائے گی تا کہ بائع کا قسم سے انکار کرنا گواہ عورتوں کی بات سے مل جائے [اور فیصلہ مضبوط ہو جائے] اور عورتوں کی گواہی سے عیب ثابت ہو جاتا ہے اس لئے بائع سے قسم لی جائے گی۔

تشریح :مشتری نے اس شرط پر باندی خریدی کہ وہ باکرہ ہے، لیکن مشتری نے دعوی کیا کہ وہ ثیبہ ہے اس پر عورتوں نے شرمگاہ دیکھ کر گواہی دی کہ ثیبہ ہے تو اس سے قاضی بیع توڑنے کا فیصلہ نہیں کر پائے گا، کیونکہ اہم معاملات میں سے ہے البتہ مشتری کو دعوی دائر کرنے کا حق ہو جائے گا، اور مرد گواہ شرمگاہ دیکھ نہیں سکتا اس لئے بائع سے قسم کھلوائی جائے گی، اگر اس نے قسم کھالی تو بیع باقی رہے گی، اور قسم کھانے سے انکار کیا تو بیع توڑ دی جائے گی۔

وجه : کیونکہ عورتوں کی گواہی کے ساتھ بائع کا قسم سے انکار بھی شامل ہوگئی، اس لئے بیع توڑنے کا فیصلہ آسان ہوگیا۔

لغت:نکول: قسم کھانے سے انکار کو نکول، کہتے ہیں۔یحلف البائع: بائع کو قسم کھلائی جائے گی۔

ترجمه :۸ بہر حال عورتوں کی گواہی بچہ کے رونے پر تو وراثت کے حق میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقبول نہیں ہے، اس لئے کہ اس پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں، لیکن نماز جنازہ کے حق میں قابل قبول ہے کہ کیونکہ یہ دین کے امور میں سے ہیں، اور صاحبینؒ کے نزدیک وراثت کے حق میں بھی قابل قبول ہے اس لئے کہ پیدا ہوتے وقت کی آواز ہے، اس وقت عادۃ مرد نہیں ہوتے، اس لئے ایسا ہوگیا کہ خود پیدا ہونے پر عورت گواہی دے رہی ہو۔

تشریح :وراثت کا معاملہ اہم ہے، اور بچہ زندہ ہے یا مردہ اس کا اندازہ لگانا مرد کے لئے آسان ہے اس لئے وراثت کے لئے عورت کی گواہی کافی نہیں ہے، البتہ نماز جنازہ کے لئے کافی ہے اس لئے کہ یہ امور دینی ہے اور اس میں کسی بندے کا حق نہیں مارا جاتا

صوت عند الولادة ولا يحضرها الرجال عادة فصار كشهادتهن على نفس الولادة. (۴۹۴) قال ولا بد في ذلک کله من العدالة ولفظة الشهادة فإن لم يذكر الشاهد لفظة الشهادة وقال أعلم أو أتيقن لم تقبل شهادته[۱] أما العدالة فلقوله تعالى ممن ترضون من الشهداء ولقوله تعالى وأشهدوا ذوي عدل منكم ولأن العدالة هي المعينة للصدق لأن من يتعاطى غير الكذب قد

صاحبینؒ کے نزدیک وراثت میں بھی قابل قبول ہے، یعنی پیدا ہوتے وقت بچہ رویا اور اندازہ ہوا کہ وہ زندہ پیدا ہوا تھا پھر مرا تھا تو اس کو باپ کی وراثت ملے گی۔

وجه :(۱) صاحبینؒ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **حذيفة ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة القابلة** (دار قطنی، کتاب الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر ۴۵۱۱ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی عددھن (ای عدد النساء)، ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائی کی گواہی مقبول ہے (۲) اس قول صحابی میں بھی ہے۔ **عن عن علی قال شهادة القابلة جائزة على الستهلال**. (دار قطنی، کتاب الاقضیۃ والاحکام، ج رابع، ص ۱۴۹، نمبر ۴۵۱۲ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی عددھن (ای عدد النساء)، ج عاشر، ص ۲۵۴، نمبر ۲۰۵۴۲ رمصنف عبد الرزاق، باب شهادة المرأة فی الرجاع والنفاس، ج عاشر، ص ۲۵۹، نمبر ۱۵۵۱۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ پیدا ہوتے وقت رونے پر عورت کی گواہی مقبول ہے۔

لغت :استھلال: ہلال سے مشتق ہے چاند، بچہ چاند کی طرح ہوتا ہے اس لئے اس کے رونے کو استھلال کہتے ہیں، پیدا ہوتے وقت بچے کا رونا۔

ترجمه :(۴۹۴) اور ضروری ہے ان تمام میں عادل ہونا اور لفظ شہادت، پس اگر گواہ نے لفظ شہادت ذکر نہیں کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمه :[۱] عادل ہونے کی شرط اس آیت سے ہے۔(۱) **و استشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل و امرأتان ممن ترضون من الشهداء** ۔(آیت ۲۸۲، سورت البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جس گواہ سے تم راضی ہو [اور ظاہر بات ہے کہ عادل گواہ ہی سے راضی ہوگا اس لئے اس آیت کے اشارۃ النص سے عادل ہونے کا پتہ چلا] (۲) **واشهدوا ذوى عدل منكم واقيموا الشهادة لله ذلكم يوعظ به** (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) اور اس لئے بھی سچائی کے لئے عدالت ضروری ہے، اور اس لئے بھی کہ جھوٹ کے علاوہ دوسرے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ کبھی جھوٹ بھی بولتا ہے۔

يتعاطاه. ۲؎ وعن أبي يوسف رحمه الله أن الفاسق إذا كان وجيها في الناس ذا مروءة تقبل شهادته لأنه لا يستأجر لوجاهته ويمتنع عن الكذب لمروء ته والأول أصح ۳؎ إلا أن القاضي لو قضى بشهادة الفاسق يصح عندنا. وقال الشافعي رحمه الله لا يصح والمسألة معروفة. ۴؎ وأما لفظة

تشریح : گواہی دینے کیلئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ گواہ عادل ہو اور دوسری بات یہ کہ گواہ گواہی دیتے وقت اشھد کا لفظ استعمال کرے۔ اگر اشھد کے بجائے یوں کہے کہ میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

وجہ :(۱) لفظ شہادت کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس میں ایک قسم کی تاکید ہے۔ اس لئے گواہ گواہی دیتے وقت شہادت کا لفظ استعمال کرے (۲) گوہی کی تمام آیتوں میں شہادت کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے بھی شہادت کا لفظ چاہئے۔ اس آیت میں شہادت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ **استشهدوا شهيدين من رجالكم** ، اسی آیت میں ہے **واشهدوا اذا تبايعتم** (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ گواہی دیتے وقت لفظ شہادت استعمال کرے۔ چنانچہ **اعلم** یا **اتيقن** کہے تو گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

وجہ :(۱) آیت میں تاکید ہے کہ گواہ عادل ہو۔ دو آیت اوپر گزر گئی۔ (۲) تیسری آیت میں ہے۔ **يا ايها الذين آمنوا شهادة بينكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم** (آیت ۱۰۶، سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ گواہ عادل ہوں۔

ترجمہ : ۲؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ فاسق اگر لوگوں میں وجاہت والا ہو اور مروت والا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اس لئے کہ اپنی وجاہت کی وجہ سے وہ خریدا نہیں جا سکتا ہے، اور اپنی مروت کی وجہ سے جھوٹ سے پرہیز کرے گا، لیکن پہلی روایت کہ [گواہ عادل ہو] صحیح ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ آدمی دوسرے گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہے، لیکن جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے، اور لوگوں میں وجاہت اور عزت والا ہے اور مروت والا بھی ہے تو اس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے، کیونکہ عزت والا ہونے کی وجہ سے اس کوئی آدمی کرایہ پر لیکر جھوٹ نہیں بلوا سکتا، اور مروت کی وجہ سے یہی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ کم سے کم جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے گا۔

ترجمہ : ۳؎ تاہم اگر قاضی نے فاسق کی گواہی پر فیصلہ کر دیا تو ہمارے نزدیک فیصلہ صحیح ہو جائے گا اور یہ مسئلہ ادب القاضی میں مشہور ہے۔

تشریح : اوپر کی آیت **واشهدوا ذوى عدل منكم** ، سے تو یہی پتہ چلا کہ گواہ عادل ہو لیکن اگر فاسق کی گواہی سے

الشهـادـة فـلأن النصوص نطقت باشتراطها إذ الأمر فيها بهذه اللفظة ولأن فيها زيادة توكيد فإن قـولـه أشهـد مـن ألـفـاظ اليـمين كقوله أشهد بالله فكان الامتناع عن الكذب بهذه اللفظة أشد. ۵؎ وقوله في ذلک كله إشارة إلى جميع ما تقدم حتى يشترط العدالة ۶؎ ولفظة الشهادة في شهادة الـنسـاء فـي الـولادـة وغيـرهـا هـو الـصـحيـح لأنها شهادة لما فيه من معنى الإلزام حتى اختص بـمـجلس القضاء ولهذا يشترط فيه الحرية والإسلام (۴۹۵) قـال أبـو حنيفة رحمه الله يقتصر

قاضی نے فیصلہ صادر کر دیا تو جائز ہو جائے گا۔ کتاب ادب القاضی میں گزر چکا ہے کہ فاسق کو قاضی بنانا جائز ہے تو اس کی گواہی پر فیصلہ کر دیا تو بھی جائز ہو جائے گا، اگر چہ ایسا کرنا نہیں چاہئے۔ (ھدایہ، کتاب ادب القاضی، نمبر ۴۰۴، حاشیہ نمبر ۵)

ترجمہ :۴؎ بہر حال شہادت کا لفظ استعمال کرنا تو آیت میں شہادت کا لفظ ہی ہے اور اسی لفظ کے ساتھ گواہی لینے کا حکم دیا ہے، اور اس لئے کہ شہادت کے لفظ میں زیادہ تاکید ہے اس لئے کہ اشھد کا لفظ قسم کے الفاظ میں سے ہے، اس لئے اس لفظ سے جھوٹ بولنے سے زیادہ رکنے کی امید ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۵؎ متن میں فی ذالک کلہ، کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اوپر کی تمام معاملوں میں عدالت کی شرط ہے۔

تشریح : متن میں ,فی ذالک کلہ، کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ حدود، قصاص، معاملات، نکاح، طلاق، ولادت، بکارت،، سب میں گواہ عادل ہونا چاہئے۔

ترجمہ :۶؎ ولادت وغیرہ کے بارے میں عورتوں کی گواہی میں بھی شہادت کا لفظ ہونا چاہئے، صحیح بات یہی ہے اس لئے کہ یہ بھی شہادت کے معنی میں ہے، اس لئے کہ اس میں بھی دوسرے آدمی پر نسب، وراثت وغیرہ لازم کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ قضا کی مجلس ضروری ہے اور عورت کا آزاد ہونا اور مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔

تشریح : بچہ پیدا ہونے، یا عورت باکرہ ہے اس کی بھی گواہی دینا ہے تو وہاں بھی شہادت کا لفظ استعمال کرے۔

وجہ :(۱) کیونکہ اس گواہی سے مرد پر نسب لازم ہوگا، اس کی وراثت میں حصہ ہوگا، اس کو خرچ دینا ہوگا، چونکہ اس میں بھی الزام کا معنی ہے اس لئے شہادت کا لفظ استعمال کرے، (۲) یہی وجہ ہے کہ یہ گواہی بھی قضا کی مجلس میں کرے، دوسری جگہ گواہی دینا کافی نہیں ہے۔، پھر عورت کا مسلمان ہونا اور آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔

ترجمہ :(۴۹۵) اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حاکم اکتفا کرے گا مسلمان کی ظاہری عدالت پر اور جب تک خصم اعتراض نہ

الحاكم على ظاهر العدالة في المسلم ولا يسأل عن حال الشهود حتى يطعن الخصم ۱؎ **لقوله عليه الصلاة والسلام المسلمون عدول بعضهم على بعض إلا محدودا في قذف ومثل ذلک مروي عن عمر رضي الله عنه** ۲؎ **ولأن الظاهر هو الانزجار عما هو محرم دينه وبالظاهر كفاية إذ لا**

کرے قاضی گواہوں کی باطنی حالت کے بارے میں دریافت نہ کرے۔

ترجمہ :۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مسلمان بعض بعض پر عادل ہیں مگر زنا کی تہمت میں حد لگی ہوئی ہو، اور اس طرح کا قول حضرت عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

تشریح :عام معاملات میں ظاہری طور پر یہ دیکھے کہ یہ شریف آدمی ہے تو اس کو عادل سمجھ لے، فاسق نہ سمجھے، ہاں مدعی علیہ اس پر اعتراض کرے کہ یہ فاسق آدمی ہے اور اس کا پورا ثبوت دے تب جا کر اس کی اندرونی تحقیق کی جائے گی، اور ثابت ہونے پر اس کو فاسق قرار دیا جائے گا، اور گواہی قبول نہیں کی جائے گی، لیکن اس کے باوجود بھی قاضی نے اس کی گواہی قبول کر کے فیصلہ دے دیا تو فیصلہ نافذ ہو جائے گا، جیسا کہ اوپر گزرا، ہاں وہ زنا کی تہمت میں حد لگایا ہوا ہو تب اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس کے لئے آیت موجود ہے۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔**عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله** ﷺ **المسلمون عدول بعضهم على بعض الا محدودا فى فرية** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۷ من قال لا تجوز شھادتہ اذا تاب، ج رابع، ص ۳۳۰، نمبر ۲۰۶۵۰) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان بعض بعض کے لئے عادل ہیں۔(۲) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **كتب عمر بن الخطاب الى ابى موسى اشعرى .....المسلمون عدول بعضحم على بعض الا مجلودا فى حد او مجرب فى شهادة زور ، او ظنين فى ولاء او قرابة ، ان الله تولى منكم السرائر و درأ عنكم بالبينات** ۔(دار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعریؓ، ج رابع، ص ۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان عادل ہیں مگر حد قذف میں۔ اس لئے ظاہری عدالت پر اکتفا کیا جائے گا۔

ترجمہ :۲؎ اور اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ جو دین میں حرام ہے اس سے بچے گا، اور ظاہری حالت پر ہی اکتفاء کیا جائے گا اس لئے کہ یقین تک پہنچنا مشکل ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ ایک مسلمان سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ جو چیز حرام ہے، یعنی جھوٹ بولنا اس سے بچے گا اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

وجہ: اوپر کے قول صحابی میں تھا۔ **كتب عمر بن الخطاب الى ابى موسى اشعرى ..... ان الله تولى منكم**

وصول إلى القطع.(۴۹۶) إلا في الحدود والقصاص فإنه يسأل عن الشهود ١ لأنه يحتال لإسقاطها فيشترط الاستقصاء فيها ولأن الشبهة فيها دارئة ٢ وإن طعن الخصم فيهم سأل عنهم

السرائر و درأ عنكم بالبينات ۔(دار قطنی ،کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعریؓ، ج رابع ،ص۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان عادل ہیں مگر حد قذف میں ۔اس لئے ظاہری عدالت پر اکتفا کیا جائے گا۔۔انزجر: زجر سے مشتق ہے۔ روکنا۔

ترجمہ :(۴۹۶) مگر حدود اور قصاص میں ۔اس لئے کہ حدود میں تفتیش کریں گے گواہوں کے بارے میں ۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ حد ساقط کرنے کے لئے حیلہ کیا جائے گا اس لئے اس میں پوری تحقیق کرنی شرط ہے۔

تشریح :حد اور قصاص میں گواہوں کی پوری تحقیق کی جائے گی، سر میں تفتیش کی جائے گی اور اعلانیہ بھی تفتیش کی جائے تا کہ ذرا سا بھی خامی ہو تو حد اور قصاص ساقط کر دئے جائیں ۔تا کہ کسی کی جان ضائع نہ ہو جائے۔

وجہ:(۱) **عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطى فى العفو خير من ان يخطىء فى العقوبة** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود ،ص ۳۴۵ ،نمبر ۱۴۲۴)اس حدیث میں ہے کہ جب تک ہو سکے حد کو ساقط کرو۔(۲) **عن عبد الله بن عمرو بن العاصان رسول الله ﷺ قال تعافوا الحدود فيما بينكم فما بلغنى من حد فقد وجب** (ابوداود شریف ، باب یعفی عن الحدود مالم تبلغ السلطان ،ص ۶۱۵ ،نمبر ۴۳۷۶)اس حدیث میں ہے کہ حدود کو ساقط کرنے کی کوشش کرنے کی کرنی چاہئے۔ (۳) حضورؐ نے حضرت ماعزؓ سے اس کی عدالت کے بارے میں تحقیق کی ۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **ان ابا هريرة قال ... دعاه النبى ﷺ فقال ابک جنون ؟ قال لا يا رسول الله! فقال احصنت؟ قال نعم يا رسول الله ! قال اذهبوا فارجموه** . (بخاری شریف ،باب سوال الامام المقر هل احصنت ؟ ،ص ۱۱۷۶، نمبر ۶۸۲۵ /ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ،ص ۶۲۳ ،نمبر ۴۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے حدود میں عادل ہونے کے بارے میں تفتیش کی ہے(۴) ایک حدیث میں آپؐ نے حضرت ماعز کے متعلق اس کی قوم سے بھی پوچھا ہے۔**عن ابن عباسؓ ... فاعرض عنه فسأل قومه أمجنون هو؟ قالوا ليس به بأس.** (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک ،ص ۶۲۲، نمبر ۴۴۲۱)اس حدیث میں حضرت ماعزؓ کے متعلق اس کی قوم سے بھی پوچھا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ حدود و قصاص میں سر اور علانیہ تزکیہ کی جائے گی۔

ترجمہ :٢ اور اگر مدعی علیہ گواہوں پر طعن کیا تو گواہوں کے بارے میں سر اور اعلانیہ دونوں طرح تفتیش کی جائے گی اس

في السر والعلانية لأنه تقابل الظاهران فيسأل طلبا للترجيح ٣؎ وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله لا بد أن يسأل عنهم في السر والعلانية في سائر الحقوق لأن القضاء مبناه على الحجة وهي شهادة العدول فيتعرف عن العدالة ٤؎ وفيه صون قضائه عن البطلان. ٥؎ وقيل هذا اختلاف عصر

لئے کہ دو ظاہر مقابل ہو گئے تو ترجیح دینے کے لئے تفتیش کی جائے گی۔

تشریح : مدعی، کہتا ہے کہ گواہ سچے ہیں، اور مدعی علیہ کہتا ہے کہ گواہ میں نقص ہے تو دونوں کی ظاہری حالت ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے اس لئے گواہ کی تفتیش کر کے ایک جانب ترجیح دی جائے گی۔

ترجمہ : ٣؎ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ تمام حقوق میں سر اور اعلانیہ تفتیش کی جائے گی، اس لئے کہ فیصلہ کا مدار حجت پر ہے اور وہ عادل گواہ ہے اس لئے عدالت کے بارے میں تحقیق کی جائے گی۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تمام حقوق میں گواہوں کو سر اور اعلانیہ دونوں طرح تفتیش کرے۔

وجہ : (١) وہ فرماتے ہیں کہ معاملات میں گواہی کی عدالت شرط ہے۔ اور زمانہ ایسا ہے کہ تفتیش کئے بغیر عدالت کا پتا چلنا مشکل ہے اس لئے تفتیش کرے (٢) حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی تفتیش کی تھی۔ لمبی حدیث افک کا ٹکڑا یہ ہے. **عن عائشة زوج النبی ﷺ حین قال لها اهل الافک ... فقال یا زینب ماعلمت مارأیت ؟ فقالت یا رسول الله ! الله احمی سمعی وبصری ، والله ما علمت علیها الا خیرا** (بخاری شریف، باب تعدیل النساء بعضهن بعضا، ص ٤٣١، نمبر ٢٦٦١) (٣) اس قول صحابی میں ہے۔ **وقال ابو جمیلة وجدت منبوذا فلما رأنی عمر قال عسی الغویر ابوسا کانه یتهمنی، قال عریفی، انه رجل صالح قال کذلک، اذهب وعلینا نفقته** . (بخاری شریف، اذا ذکی رجل رجلا کفاه، ص ٤٣٤، نمبر ٢٦٦٢) اس حدیث اور قول صحابی میں عام معاملات میں تزکیہ اور تفتیش کی گئی ہے۔ اس لئے عام معاملات میں بھی گواہوں کی تفتیش کرے۔

ترجمہ : ٤؎ ، اور اس تفتیش کرنے میں فیصلے کو باطل ہونے سے بچانا ہے۔

تشریح : یہ صاحب ہدایہ کی دلیل عقلی ہے کہ فیصلے کا مدار حجت پر ہے اور حجت عادل گواہوں سے ہوتی ہے اس لئے گواہوں کے بارے میں تفتیش کرے تا کہ اس کی عدالت ظاہر ہو جائے اور صحیح فیصلہ ہو تا کہ بعد میں فیصلے بدلنا نہ پڑے۔ اس لئے ہر معاملے میں گواہوں کی تحقیق کی جائے، صرف حدود اور قصاص کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

ترجمہ : ٥؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ زمانے کا اختلاف ہے، اور اس زمانے میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

تشریح : اس زمانے میں لوگ ظاہری طور پر شریف ہوتے ہیں، لیکن جھوٹی گواہی دیتے رہتے ہیں اس لئے سر اور اعلانیہ

وزمان والفتوى على قولهما في هذا الزمان. ۶ ثم التزكية في السر أن يبعث المستورة إلى المعدل فيها النسب والحلي والمصلى ويردها المعدل كل ذلك في السر كي لا يظهر فيخدع أو يقصد ۷ وفي العلانية لا بد أن يجمع بين المعدل والشاهد لتنتفي شبهة تعديل غيره ۸ وقد كانت العلانية وحدها في الصدر الأول ووقع الاكتفاء بالسر في زماننا تحرزا عن الفتنة. ويروى عن محمد رحمه الله تزكية العلانية بلاء وفتنة. ۹ ثم قيل لا بد أن يقول المعدل هو عدل جائز

میں تفتیش ہونی چاہئے اسی پر فتوی ہے۔

ترجمہ :۶ پھر سری تزکیہ یہ ہے کہ چھپے ہوئے خط کو تعدیل کرنے والے کے پاس بھیجے جس میں گواہ نسب ہو، حلیہ ہو، اس کی مسجد کا نام ہو، پھر تعدیل کرنے والا اس خط کو واپس کرے، اور یہ تمام کام پوشیدہ طور پر ہو تا کہ ظاہر ہو کر تعدیل کرنے والے کے ساتھ دھوکا بازی کا معاملہ نہ کرے، یا گواہ نقصان نہ دے۔

تشریح : گواہ کا نام، اس کا حلیہ کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے، اور کس مسجد میں نماز پڑھتا ہے، یہ سب اس لئے لکھے کہ تزکیہ کرنے والے اس کے محلے والوں کو اس گواہ کے عادات و اخلاق کے بارے میں پوچھ سکے، کہیں وہ جھوٹ بولنے کا عادی تو نہیں ہے، یا گناہ کبیرہ کا عادی بن کر فاسق تو نہیں ہے، وہ واقعی عادل ہے اور اس کی گواہی پر اطمینان کیا جا سکتا ہے۔

لغت :الحلی: حلیہ، چہرہ، ناک و نقشہ۔ المصلی: مسجد، نماز پڑھنے کی جگہ۔ المعدل: تعدیل کرنے والا، تزکیہ کرنے والا۔ یخدع: دھوکہ دے۔ یقصد: ارادہ کرے، یعنی نقصان دینے کا ارادہ کرے۔

ترجمہ : ۷ اور اعلانیہ تزکیہ میں ضروری ہے کہ تعدیل کرنے والا اور گواہ کو جمع کرے تا کہ دوسرے کی تعدیل کرنے کا شبہ ختم ہو جائے۔

تشریح :جب اعلانیہ تزکیہ کرے تو تزکیہ کرنے والے کے سامنے گواہ کو لائے تا کہ تزکیہ کرنے والا تصدیق کر سکے کہ ہاں میں نے سری تزکیہ اسی کی کی تھی، اور یہ گواہ گواہی دینے کے لائق ہے۔

ترجمہ :۸ اسلام کے شروع زمانے میں صرف اعلانیہ تزکیہ تھا، اور ہمارے زمانے میں فتنہ سے بچنے کے لئے سری تزکیہ پر اکتفا کیا، اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اعلانیہ تزکیہ مصیبت اور فتنہ ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :۹ پھر یہ کہا گیا ہے کہ تزکیہ کرنے والا گواہ کے بارے میں یہ کہے کہ، وہ آزاد ہے، عادل ہے، اس کی گواہی جائز

الشهادة لأن العبد قد يعدل وقيل يكتفي بقوله هو عدل لأن الحرية ثابتة بالدار وهذا أصح. (۴۹۷) قال وفي قول من رأى أن يسأل عن الشهود لم يقبل قول الخصم إنه عدل ۱؎ معناه قول المدعى عليه ۲؎ وعن أبي يوسف ومحمد رحمهما الله أنه يجوز تزكيته لكن عند محمد يضم تزكية الآخر إلى تزكيته لأن العدد عنده شرط. ۳؎ ووجه الظاهر أن في زعم المدعي وشهوده أن الخصم كاذب في إنكاره مبطل في إصراره فلا يصلح معدلا ۴؎ وموضوع المسألة إذا

ہے، اس لئے کہ غلام بھی کبھی عادل ہوتا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ، عادل ہے، اتنا کہنا کافی ہے اس لئے کہ دارالاسلام ہے اس لئے آزاد ہونا یوں ہی ثابت ہو جائے گا [اس لئے گواہ آزاد ہے یہ کہنا ضروری نہیں ہے]، اور یہی بات صحیح ہے۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمه : (۴۹۷) جن حضرات نے کہا کہ گواہوں کے بارے میں تفتیش کی جائے گی، وہ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کی یہ بات کہ گواہ عادل ہے قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمه : ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ مدعی علیہ کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح : صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہر معاملے میں گواہوں کی تفتیش کی جائے گی، اب وہ حضرات فرماتے ہیں کہ خود مدعی علیہ یہ کہے کہ گواہ تو عادل ہیں لیکن ہمارے معاملے میں غلطی کر رہے ہیں تو مدعی کا تزکیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ مدعی، اور اس کے گواہ کے دماغ میں ہے کہ مدعی علیہ جھوٹا ہے، اور اس کی وجہ سے وہ عادل نہیں ہے، فاسق ہے اس لئے جھوٹے آدمی کا تزکیہ کیسے قبول کیا جائے گا، کیونکہ تزکیہ کرنے والے کا بھی عادل ہونا ضروری ہے اس لئے مدعی علیہ کا تزکیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

ترجمه : ۲؎ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ مدعی علیہ کا تزکیہ قبول کیا جائے گا، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک مدعیہ علیہ کے تزکیہ کے ساتھ دوسرا مزکی بھی ملایا جائے گا، کیونکہ انکے یہاں دو مزکی ہونا شرط ہے۔

تشریح : صاحبین فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر مدعی علیہ عادل ہے اس لئے اس کا تزکیہ بھی قبول کیا جائے گا، البتہ امام محمدؒ کے نزدیک دو مزکی ہونا ضروری ہے اس لئے اس کے ساتھ دوسرا مزکی بھی ملا لیا جائے گا۔

ترجمه : ۳؎ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ مدعی اور اکے گواہوں کے گمان میں یہ ہے کہ مدعی علیہ اپنے انکار میں جھوٹے ہیں، اور اپنے اصرار کرنے میں باطل ہیں اس لئے وہ [فاسق ہے] تزکیہ کے لائق نہیں ہے۔

قال هم عدول إلا أنهم أخطئوا أو نسوا أما إذا قال صدقوا أو هم عدول صدقة فقد اعترف بالحق.(۴۹۸) وإذا كان رسول القاضي الذي يسأل عن الشهود واحدا جاز والاثنان أفضل ١ وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف. وقال محمد رحمه الله لا يجوز إلا اثنان والمراد منه المزكي وعلى هذا الخلاف رسول القاضي إلى المزكي والمترجم عن الشاهد ٢ له أن التزكية في معنى

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴ مسئلے کی صورت یہ ہے کہ -مدعی علیہ نے یوں کہا کہ گواہ عادل ہیں مگرانہوں نے خطا کی ہےاور بھول گئے ہیں[تب اوپر کی صورت ہے]اوراگرکہا کہ گواہ اپنی بات میں سچے ہیں اوروہ عادل ہیں تو گویا کہ مدعی علیہ نے حق کا اعتراف کرلیا[تواس کے خلاف فیصلہ کردیا جائے گا]

تشریح:متن کی صورت یہ بتارہے ہیں کہ مدعی علیہ نے یوں کہا کہ گواہ تو عادل ہیں مگر میرے اس معاملے میں خطا کی ہےاور بھول گئے ہیں تو بعض نے فرمایا کہ اس کا تزکیہ قبول کیا جائے گا،اور بعض نے فرمایا کہ قبول نہیں کیا جائے گا۔لیکن اگر یوں کہہ دیا کہ گواہ اپنی گواہی میں سچے ہیں اور عادل ہیں تب تو مدعی علیہ نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ مدعی کا دعوی درست ہےاس لئے قاضی اب مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کردیں گے۔

ترجمہ:(۴۹۸) قاضی کا قاصد جوگواہوں کے بارے میں پوچھے ایک بھی ہوتو جائز ہے،اوردو ہوتو بہتر ہے۔

ترجمہ:١ یہ امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے،اورامام محمدؒ نے فرمایا کہ دو کے بغیر جائز نہیں ہے، یہاں قاضی کے قاصد سے مزکی مراد ہے۔اوراسی اختلاف پر ہے قاضی مزکی کے پاس قاصد بھیجے،یا یا گواہوں کا ترجمہ کرنے والا ہو

تشریح :قاضی گوہوں کی تفتیش کے لئے مزکی بھیجے تو امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک مزکی بھی کافی ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک دو ہونا ضروری ہے،اسی طرح قاضی مزکی کے پاس قاصد بھیجے، یا گواہوں کا ترجمہ کرنے والا ہوتب بھی دو ہوں تب کام چلے گا۔

وجہ: کیونکہ یہ صرف تفتیش کے لئے ہے، گواہی دینے کے معنی میں نہیں ہے،اورامام محمدؒ فرماتے ہیں اس کے تزکیے پر گوہوں کی گواہی کا مدار ہےاس لئے اس کو بھی دو ہونا چاہئے۔پوری دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ٢ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تزکیہ کرنا بھی گواہی کے درجے میں ہےاس لئے کہ قاضی کا فیصلہ عدالت کے ظاہر ہونے پر ہےاور عدالت تزکیہ سے ثابت ہوگی ،اس لئے مزکی میں بھی دو ہونے کی شرط ہے جیسے کہ مزکی کا عادل ہونا شرط

الشهادة لأن ولاية القضاء تبتني على ظهور العدالة وهو بالتزكية فيشترط فيه العدد كما تشترط العدالة فيه وتشترط الذكورة في المزكي الحدود والقصاص. ۳؎ولهما أنه ليس في معنى الشهادة ولهذا لا يشترط فيه لفظة الشهادة ومجلس القضاء واشتراط العدد أمر حكمي في الشهادة فلا يتعداها(۴۹۹) ولا يشترط أهلية الشهادة في المزكي في تزكية السر ۱؎حتى صلح العبد مزكيا ۲؎فأما في تزكية العلانية فهو شرط وكذا العدد بالإجماع على ما قاله الخصاف

ہے۔اور حدود اور قصاص میں مزکی کا مذکر ہونا شرط ہے۔

تشریح: امام محمدؒ تین دلیل دے رہے ہیں[۱] تزکیہ پر گواہ کی عدالت کا مدار ہے،اور عدالت پر قاضی کے فیصلے کا مدار ہے، اس لئے جس طرح گواہ دو چاہئے اسی طرح مزکی بھی دو چاہئے [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح مزکی کا عادل ہونا ضروری ہے[۳]اور قصاص میں مزکی کا مرد ہونا ضروری ہے اسی طرح مزکی کا دو ہونا بھی ضروری ہے۔

ترجمہ :۳؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تزکیہ کرنا شہادت کے معنی میں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ تزکیہ کرنے کیلئے شہادت کا لفظ بولنا ضروری نہیں ہے، اور قضا کی مجلس ہونے کی ضرورت نہیں ہے [اسی طرح دو ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے]

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ :۴؎ گواہی میں دو کی شرط آیت کی وجہ سے ہے اس لئے دوسری جگہ یہ شرط نہیں لگے گی۔

تشریح :حدیث کی خبر دینے کے لئے ایک ہی آدمی کافی ہوجاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ایک ہی آدمی کافی ہوگا،اور گواہی میں دو کی شرط خلاف قیاس آیت کی وجہ سے ہے اس لئے مزکی میں یہ شرط نہیں لگے گی۔

ترجمہ :(۴۹۹) سری تزکیہ کرنے والے میں شہادت کی شرط ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ یہاں تک کہ غلام بھی مزکی بن سکتا ہے۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ :۲؎ بہرحال اعلانیہ تزکیہ میں تو شہادت کی اہلیت شرط ہے،اور حضرت خصافؒ کے کہنے کے مطابق اعلانیہ میں دو مزکی ہونا بھی شرط ہے اس لئے کہ قضا کی مجلس کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح:اعلانیہ تزکیہ میں یہ ضروری ہے کہ مزکی میں شہادت کی اہلیت ہونے کی شرط ہے،اور حضرت خصافؒ فرماتے ہیں

رحـمـه الـلـه لاختصاصها بمجلس القضاء. ۳؎قـالـوا يشتـرط الأربعة في تزكية شهود الزنا عند محمد رحمه الله.

کہ سری تزکیہ میں الگ آدمی ہوسکتا ہے اوراعلانیہ تزکیہ میں الگ آدمی ہوسکتا ہے،اس لئے سری تزکیہ میں اہل شہادت نہ ہو،اور اعلانیہ تزکیہ میں اہل شہادت ہو یہ ہوسکتا ہے۔اسی طرح سری تزکیہ میں ایک آدمی ہواوراعلانیہ تزکیہ میں دوآدمی ہو سکتے ہیں۔

وجه: اعلانیہ تزکیہ مجلس قضا میں ہوتی ہے اس لئے وہاں مزکی کے لئے اہل شہادت ہونا ضروری ہے۔

ترجمه :۳؎علماء نے فرمیایا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک زنا کے گواہوں کے تزکئے میں چار عدد کا ہونا شرط ہے۔

تشریح :امام محمدؒ کے قاعدے پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں نے فرمایا کہ زنا میں گواہی ضروری ہے اس لئے گواہوں پر قیاس کرتے ہوئے زنا میں مزکی بھی چار ہونے چاہئے۔

﴿فصل﴾

(۵۰۰)وما يتحمله الشاهد على ضربين أحدهما ما يثبت حكمه بنفسه مثل البيع والإقرار والغصب والقتل وحكم الحاكم فإذا سمع ذلک الشاهد أو رآه وسعه أن يشهد به وإن لم يشهد عليه ‌ا لأنه علم ما هو الموجب بنفسه وهو الركن في إطلاق الأداء. قال الله تعالى إلا من شهد بالحق وهم يعلمون وقال النبي عليه الصلاة والسلام إذا علمت مثل الشمس فاشهد وإلا

﴿فصل گواہوں کی قسمیں﴾

ضروری نوٹ : گوہوں کی دوقسمیں ہیں[۱]......خودبخودمعاملہ کودیکھ کرگواہ بنے۔

[۲]......اور دوسری قسم ہے کہ اس نے خود تو نہیں دیکھا، لیکن اصلی گواہ نے اس کو گواہ بنایا، جسکو شہادت علی الشہادت، کہتے ہیں۔آگے اسی کا بیان ہے۔

ترجمہ :(۵۰۰) گواہ جس گواہی کا تحمل کرتا ہے اس کی دوقسمیں ہیں۔ان میں سے ایک وہ جس کا حکم ثابت ہوتا ہے خود ہی۔جیسے خرید وفروخت، اقرار، غصب، قتل، حاکم کا فیصلہ، پس گواہ چیزوں کو سنے یا ان کو دیکھے تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ ان کی گواہی دے۔چاہے ان پر گواہ نہ بنایا ہو۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ ان چیزوں کو خود دیکھنے سے علم حاصل ہو جاتا ہے، اور مطلقا گواہی ادا کرنے میں یہی علم اصل ہے چنانچہ آیت میں ہے جان رہا ہو تب حق بات کی گواہی دے۔اور حضورؐ نے فرمایا کہ تم سورج کی طرح جان لو تب گواہی دو، ورنہ نہ دو۔

تشریح : گواہ بننے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ایک تو یہ کہ کوئی گواہ اپنی گواہی پر گواہ بنائے اور کہے کہ میں تو مجلس قضا میں نہیں جاسکوں گا اب آپ جا کر میری گواہی پیش کریں۔اس کو شہادت علی الشہادۃ کہتے ہیں۔دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے گواہ تو نہیں بنایا لیکن کوئی کام ہوتے ہوئے دیکھا تو یہ خود بخود گواہ بن گیا۔اب اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس بات کی گواہی دے۔ اب یہ اصل گواہ ہوا۔مثلا کسی کو کوئی چیز بیچتے ہوئے دیکھا تو گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں نے فلاں چیز فلاں سے بیچی ہے۔میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔البتہ یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے۔کیونکہ واقعی اس کو کسی نے گواہ بنایا نہیں ہے بلکہ خود بخود بنا ہے۔

وجہ : (۱) آیت میں اس کا اشارہ ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعة الا من شهد بالحق وهم يعلمون (آیت ۸۶، سرۃ الزخرف ۴۳) اس آیت میں ہے کہ حق کو دیکھا اور جانتا ہو تو

فدع(۵۰۱) قال ويقول أشهد أنه باع ولا يقول أشهدني ل لأنه كذب(۵۰۲) ولو سمع من وراء الحجاب لا يجوز له أن يشهد ولو فسر للقاضي لا يقبله ل لأن النغمة تشبه النغمة فلم يحصل العلم (۵۰۳)إلا إذا كان دخل البيت وعلم أنه ليس فيه أحد سواه ثم جلس على الباب وليس في البيت مسلک غيره فسمع إقرار الداخل ولا يراه له أن يشهد ل لأنه حصل العلم في هذه

شفاعت کا مالک ہے(۲) ایک حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔عن ابن عباسؓ قال ذكر عند رسول الله ﷺ الرجل يشهد بشهادة فقال اما انت يا ابن عباس فلا تشهد الا على امر يضيء لک كضياء هذه الشمس وأومى رسول الله ﷺ بيده الى الشمس. (سنن للبیہقی ،باب التحفظ فی الشہادۃ والعلم بھا،ج عاشر، ص۲۶۳،نمبر۲۰۵۷۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کی طرح بات روشن ہو جائے تو گواہی دے سکتا ہے۔

ترجمہ:(۵۰۱)اور یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچا ہے۔یوں نہ کہے کہ مجھ کو گواہ بنایا ہے۔

ترجمہ:ل کیونکہ یہ تو جھوٹ ہے

تشریح:اس صورت میں یوں نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے،کیونکہ یہ جھوٹ ہے، بلکہ یوں کہے کہ میں خود دیکھ کر گواہی دیتا ہوں

ترجمہ:(۵۰۲)اور اگر پردے کے پیچھے سے کسی کی بات سنی تو اس کے لئے گواہی دینا جائز نہیں ہے،اور اگر قاضی کے سامنے بتایا کہ میں نے پردے کے پیچھے سے سن کر گواہی دے رہا ہوں تو قاضی اس گواہی کو قبول نہیں کرے گا۔

ترجمہ:ل اس لئے کہ دوسرے کی آواز کو نقل کر کے بول سکتا ہے اس لئے گواہی دینے والے کو اس کا علم نہیں ہوا۔

تشریح:زید کو اور اس کی آواز کو پہچانتا نہیں ہے اور پردے کے پیچھے سے آواز سنی کہ فلاں چیز بیچی ہے تو اس کی گواہی دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کی آواز کی کسی شخص نے نقل اتار کر بیچی ہو اس لئے گواہ کے سامنے سورج کی طرح بات روشن نہیں ہوئی اس لئے اس کی گواہی دینا بھی جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:(۵۰۳) البتہ گواہ گھر میں داخل ہوا اور اس کو علم ہو جائے کہ گھر میں مدعی علیہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے، پھر وہ دروازے پر بیٹھ جائے،اور گھر میں آنے کا دوسرا راستہ بھی نہ ہو، پھر اس نے گھر کے اندر کیا آدمی کا اقرار سنا، حالانکہ گواہ مدعی علیہ کو دیکھ نہیں رہا ہے،تو اب گواہ کے لئے جائز ہے کہ گواہی دے۔

ترجمہ:ل اس لئے کہ اس صورت میں گواہ کو علم یقینی حاصل ہو چکا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یقینی علم حاصل ہو جائے کہ مدعی علیہ نے یہ کام کیا ہے تو چاہے اس کو نہ دیکھ رہا ہو صرف اس کی بات کو سن رہا ہو تب بھی گواہی دینا جائز ہے۔اوپر کی حدیث میں تھا کہ سورج کی روشن ہو جائے تو گواہی دے سکتے ہو، ورنہ نہیں

الصورة.(۵۰۴) ومنه ما لا يثبت الحكم فيه بنفسه مثل الشهادة على الشهادة فإذا سمع شاهدا يشهد بشيء لم يجز له أن يشهد على شهادته إلا أن يشهد عليها لأن الشهادة غير موجبة

تشریح : گواہ ایک گھر میں داخل ہوا وہاں دیکھا کہ مثلا زید موجود ہے پھر گواہ دروازے پر آ کر بیٹھ گیا، اور گھر میں داخل ہونے کا کوئی اور دروازہ نہیں ہے تو یقینی بات ہے کہ صرف زید ہی گھر میں ہے اب اس نے سنا کہ زید یہ اقرار کر رہا ہے کہ میں نے اپنی باندی کو عمر سے بیچا، لیکن اس وقت زید کو دیکھ نہیں رہا تھا، کیونکہ وہ تو گھر میں چھپا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں گواہ کے لئے جائز ہے کہ گواہی دے کہ زید نے اپنی باندی عمر سے بیچا ہے۔ کیونکہ اس کو یقینی علم حاصل ہو گیا کہ زید ہی کا اقرار ہے۔

ترجمہ :(۵۰۴) ان میں سے وہ گواہی ہے کہ اس کا حکم خود ثابت نہیں ہوتا۔ مثلا گواہی پر گواہی دینا۔ پس اگر کوئی شاہد سنے کسی چیز کی گواہی دیتے ہوئے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی گواہی کی گواہی دے مگر یہ کہ اس کو گواہ بنائے۔

تشریح : کسی گواہ کی گواہی پر گواہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے۔ تب اس کی گواہی قاضی کی مجلس میں منتقل کر سکتا ہے۔ اس کے بغیر نہیں۔ چنانچہ کسی کو گواہ بناتے سنا تو سننے والے کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ قاضی کی مجلس میں گواہی دیدے۔ یا کسی کو دیکھا کہ وہ گواہی دے رہا ہے تو دیکھنے والے کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس کی گواہی قاضی کی مجلس میں منتقل کرے جب تک کہ اصل گواہ فرع گواہ کو باضابطہ اپنی گواہی کا گواہ نہ بنائے۔

وجہ :(۱) فرع گواہ اصل گواہ کا گویا کہ وکیل ہے۔ اور مؤکل کے بغیر بنائے وکیل نہیں بنتا اس لئے اصل گواہ کے بغیر فرع گواہ گواہ نہیں بن سکتا (۲) اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن شریح قال تجوز شهادة الرجل على الرجل في الحقوق ،ويقول شريح للشاهد قل اشهدني ذو عدل. (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الرجل على الرجل، ج ثامن، ص ۲۶۳، نمبر ۱۵۵۲۱) اس قول تابعی میں ہے کہ یوں کہو کہ مجھ کو عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ گواہ بنائے تب بن سکتا ہے۔ (۳) وجہ شہادت پر شہادت جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ تسمعون ويسمع منكم ويسمع ممن يسمع منكم (ابوداؤد شریف، باب فضل نشر العلم، ص ۵۲۵، نمبر ۳۶۵۹) اس حدیث میں ہے کہ حدیث جو لوگ سنیں گے وہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے اور دوسرے لوگ ان سے سنیں گے۔ جب حدیث میں سماعت در سماعت ہو سکتی ہے تو گواہی میں بھی ہو سکتی ہے (۴) اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ بعض مرتبہ اصل گواہ اتنا بیمار ہوتا ہے کہ مجلس قضاء میں نہیں جا سکتا اس لئے اپنی گواہی پر فرع کو گواہ بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۵) عن ابراهيم قال تجوز شهادة الرجل على الرجل في الحقوق ۔(مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الرجل على الرجل، ج ثامن، ص ۲۶۴، نمبر ۱۵۵۳۳) اس قول تابعی میں ہے کہ حدود اور قصاص میں تو نہیں لیکن حقوق اور

بنفسها وإنما تصير موجبة بالنقل إلى مجلس القضاء فلا بد من الإنابة والتحميل ولم يوجد(۵۰۵) وكذا لو سمعه يشهد الشاهد على شهادته لم يسع للسامع أن يشهد1 لأنه ما حمله وإنما حمل غيره.(۵۰۶) ولا يحل للشاهد إذا رأى خطه أن يشهد إلا أن يتذكر الشهادة1 لأن

معاملات میں گواہ پر گواہ بنانا جائز ہے۔

ترجمہ :1 اس لئے کہ خود شہادت کسی چیز کو ثابت نہیں کرتی ،مجلس قضا تک منتقل کرے تب وہ مدعی علیہ پر چیز ثابت کرتی ہے،اس لئے نائب بنانا اور کسی کے ماتھے پر ڈالنا ضروری ہے،اور نائب بنانا یہاں پایا نہیں گیا[اس لئے گواہی نہیں دے سکتا]

تشریح : یہ صاحب ہدایہ کی دلیل عقلی ہے۔کہ صرف گواہ بننے سے مدعی علیہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جب تک کہ قاضی کے سامنے اس کو ذکر نہ کرے،اور منتقل نہ کرے،اسی طرح جب تک کہ اصل گواہ کسی کو گواہ نہ بنائے اس وقت تک وہ گواہ نہیں بن سکتا۔اصل دلیل یہ ہے کہ اصل گواہ کا حق ہے کہ مجلس قضا میں جا کر گواہی دے،اب دوسرا آدمی اس کی گواہی دے گا تو اصل گواہ کا حق چھن جائے گا،اس لئے جب تک وہ اپنے حق کو کسی اور کو اپنی رضا مندی سے سپرد نہ کرے وہ آدمی گواہ نہیں بن سکتا۔

لغت :انابۃ: نائب بنانا۔تحمیل: حمل سے مشتق ہے،کسی کے ماتھے پر ڈالنا۔

ترجمہ:(۵۰۵)ایسے ہی اگر سنا کہ گواہ بنا رہا ہے کسی کی گواہی پر تو سننے والے کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ اس پر گواہی دے

ترجمہ :1 اس لئے کہ اس آدمی کو گواہ نہیں بنایا ہے، بلکہ دوسرے آدمی کو گواہ بنایا ہے۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ : (۵۰۶)اور نہیں حلال ہے گواہ کے لئے اگر وہ اپنا خط دیکھے یہ کہ گواہی دے مگر یہ کہ گواہی یاد ہو۔

ترجمہ :1 اس لئے کہ آدمی کا خط دوسرے آدمی کے خط سے مشابہ ہوتا ہے اس لئے اس سے علم حاصل نہیں ہوا۔

تشریح : ایک آدمی نے اپنا خط دیکھا جس میں گواہی لکھی ہوئی تھی لیکن گواہی کا پورا واقعہ یاد نہیں ہے تو صرف خط دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ہاں پورا واقعہ یاد آجائے تو اب وہ گواہی دے سکتا ہے۔

وجہ :(۱) خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ کسی اور نے خط لکھا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ یہ میرا خط ہے۔اس لئے گواہی یاد ہوئے بغیر خط دیکھ کر گواہی نہ دے(۲) اس قول تابعی میں ہے۔**قال سألت الشعبي قلت يشهدني الرجل على الرجل بالشهادة فاوتى بكتاب يشبه كتابي و خاتم يشبه خاتمي ولا اذكر فقال الشعبي لا تشهد حتى تذكر**. (مصنف عبد الرزاق، باب الشاهد يعرف كتابه ولا يذكره، ج ثامن، ص ۲۷۶ نمبر ۱۵۶۰۸ رسنن للبیہقی، باب وجوہ العلم بالشهادة، ج عاشر، ص ۲۶۶، نمبر ۲۰۵۸۸)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جب تک واقعہ یاد نہ آئے تو خط دیکھ کر گواہی نہ

الـخط يشبه الخط فلم يحصل العلم. ۲؎ قيـل هذا على قول أبي حنيفة رحمه الله. وعندهما يحل لـه أن يشهـد. وقيل هذا بالاتفاق ۳؎ وإنـمـا الـخـلاف فيما إذا وجد القاضي شهادته في ديوانه أو قـضيتـه لأن ما يكون في قمطره فهو تحت ختمه يؤمن عليه من الزيادة والنقصان فحصل له العلم

دے۔(۳) عن طاوس عن ابيه انه كان يجيز الشهادة على معرفة الكتاب ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب الشاهد یعرف کتابہ ولا یذکرہ، ج ثامن، ص ۲۷۶ نمبر ۱۵۶۰۹) اس قول تابعی میں بھی ہے کہ کتابت یاد ہو تو گواہی دے۔

ترجمہ : ۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ بغیر واقعہ یاد آئے بھی گواہی دے سکتا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بالاتفاق ہے کہ جائز نہیں ہے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ بغیر واقعہ یاد آئے صرف خط دیکھ کر گواہی نہ دے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دے سکتا ہے، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ بالاتفاق یہ بات ہے کہ واقعہ یاد آئے بغیر گواہی نہ دے۔

ترجمہ : ۳؎ صرف اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ قاضی گواہ کی گواہی کو اپنے فائل میں پائے، یا اپنے حکم نامے میں پائے، اس لئے کہ جو کچھ اس کے فائل کے اندر ہے وہ اس کے مہر کے تحت ہے اور مہر کی وجہ سے کمی زیادتی سے محفوظ ہے اس لئے اس سے قاضی کو علم یقینی حاصل ہو گیا۔ اور جو گواہی چیک پر لکھا ہوا ہے وہ اس درجے میں نہیں ہے، اس لئے کہ چیک تو دوسرے کے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے[اس لئے یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

لغت : دیوان : حساب کا دفتر۔ قمطرۃ : بستہ، بستہ یا فائل کو قاضی اپنا مہر لگا کر اس میں کاغذ رکھتے تھے، اس لئے اس میں کوئی آدمی تبدیلی نہیں کر سکتا ہے، اس لئے اس کے اندر کے کاغذ میں جو گواہی لکھی ہوئی ہے اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ دستاویز : قاضی جو کچھ لکھ کر گواہوں کو دیتا ہے اس کو دستاویز، کہتے ہیں، یہ چونکہ دوسرے کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوتا ہے اس لئے تبدیلی ہونے سے محفوظ نہیں ہے اس لئے اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔ الصک : چیک : پچھلے زمانے میں یہ بھی دستاویز کی طرح قاضی کا لکھا ہوا چیک ہوتا تھا، یہ بھی دوسرے کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس میں بھی تبدیلی کا خطرہ ہے اس لئے اس سے بھی علم یقینی حاصل نہیں ہوتا، اس لئے واقعہ یاد نہ ہو تو صرف اس کو دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ قاضی گواہی کے کاغذات کو اپنے فائل کے اندر پائے اور واقعہ یاد نہ آئے تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کے فائل میں جو کاغذ ہے وہ اس کے مہر کی وجہ سے تبدیلی سے محفوظ ہے اس لئے واقعہ یاد

بذلک ولا کذلک الشهادة في الصک لأنه في يد غيره ؂ وعلی هذا إذا تذکر المجلس الذي کان فيه الشهادة أو أخبره قوم ممن يثق به أنا شهدنا نحن وأنت. (۵۰۷)قال ولا يجوز للشاهد أن يشهد بشیء لم يعاينه إلا النسب والموت والنکاح والدخول وولاية القاضي فإنه يسعه أن

نہ بھی آئے تب بھی اس پر فیصلہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے۔

اور چیک چونکہ دوسرے کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور گواہ کے پاس ہے تو چونکہ اس میں تبدیلی کا امکان ہے اس لئے بالاتفاق یہ مسئلہ ہے کہ واقعہ یاد نہ آئے تو صرف چیک، یا دستاویز کو دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :؂ اسی اختلاف پر ہے اگر وہ مجلس یاد آئی جس میں گواہی دی تھی [لیکن واقعہ یاد نہیں آیا] یا اس کو ایسے آدمی نے گواہی دینے کی خبر دی جس پر وہ اعتماد کرتا ہے، کہ میں نے اور تم نے گواہی دی تھی [اور واقعہ یاد نہیں آیا] تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گواہی دینا جائز نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

تشریح : یہاں دو مثالیں اور دے رہے ہیں [۱] جس مجلس میں گواہی دی تھی وہ یاد آئی، لیکن واقعہ یاد نہیں آیا، اب کسی وجہ سے گواہ کو دوبارہ گواہی دینی ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گواہی دینا جائز نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔ [۲] دوسری مثال ہے کہ ایک آدمی پر اعتماد ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اور تم نے فلاں مجلس میں گواہی دی تھی، اب اس کو مجلس تو یاد آ گئی لیکن واقعہ یاد نہیں آیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گواہی دینا جائز نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

لغت: ممن من یثق بہ: وثق سے مشتق ہے، جس پر اعتماد ہو۔

ترجمہ : (۵۰۷) اور گواہوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر دیکھے گواہی دے مگر نسب کی اور موت اور نکاح اور دخول اور قاضی کی ولایت کی۔ اس لئے کہ اس کو گنجائش ہے کہ ان چیزوں کی گواہی دے اگر اس کو کوئی اعتماد والا آدمی خبر دیدے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن باتوں کے دیکھنے میں ایک دو آدمی ہوتے ہیں اور زمانہ دراز کے بعد کبھی کبھار گواہی دینے کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سن کر گواہی دینا جائز ہے۔ جیسے نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی وغیرہ۔

تشریح : شہد کا ترجمہ ہے دیکھنے کے اس لئے دیکھے بغیر کسی چیز کی گواہی نہیں دے سکتے، لیکن پانچ چیزیں ایسی ہیں جنکو ہوتے وقت نہیں دیکھے، لیکن بعد میں قرائن سے یا شہرت کی وجہ سے بغیر دکھے بھی گواہی دے سکتے ہیں وہ ہیں۔

[۱]......کسی کا نسب، کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔

[۲]......کسی کی موت کہ فلاں مر گیا۔

[۳]......نکاح، نکاح کے وقت حاضر نہیں ہے، لیکن دو آدمی میاں بیوی کیطرح رہتے ہیں تو گواہی دے سکتے ہیں کہ یہ اسکی بیوی ہے

يشهد بهذه الأشياء إذا أخبره بها من يثق به

[۴]......دخول: وطی کرتے وقت حاضر نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے، لیکن قرائن سے گواہی دے سکتے ہیں کہ یہ عورت دخول کی ہوئی ہے

[۵]......قاضی کی ولایت، قاضی بناتے وقت موجود نہیں ہے، لیکن ایک آدمی عہدہ قضا پر بیٹھتا ہے تو گواہی دے سکتا ہے کہ یہ قاضی ہے

وجه: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دیکھے پھر گواہی دے۔ **لولا جاء وا عليه باربعة شهداء فاذ لم يأتوا بالشهداء فاولئک عند الله هم الكاذبون** ۔ (آیت ۱۳، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں شہداء کا لفظ دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کہ چار آدمی دیکھے اور گواہی دے۔ (۲) اس آیت میں بھی شہداء دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ **و لا يأب الشهداء اذا ما دعوا** ۔ (آیت ۲۸۲، سورت البقرۃ ۲) اس لئے معاملہ دیکھے بغیر گواہی نہ دے۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نسب وغیرہ میں سن کر گواہی دینا بھی جائز ہے۔

وجه: (۱) **وقال النبی** ﷺ **ارضعتنی و ابا سلمة ثوبية** (۲) دوسری روایت میں ہے۔ **عن ابن عباس** ؓ **قال النبی** ﷺ **فی بنت حمزة** ؓ **لا تحل لی یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، هی ابنة اخی من الرضاعة** (بخاری شریف، باب الشهادة علی الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم، ص ۴۲۸، نمبر ۲۶۴۴/۲۶۴۵) اس حدیث میں آپ نے رضاعت کی خبر دی ہے۔ آپ ؐ نے بچپنے میں دودھ پیا ہے جو یاد نہیں ہوگا۔ اس لئے سن کر خبر دی کہ حضرت حمزہ ؓ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کی گواہی دیکھے بغیر سن کر دے سکتا ہے (۲) اس قول تابعی میں ہے ۔ **وقال الشعبی او ابن سیرین وعطاء وقتادة السمع شهادة وكان الحسن يقول لم يشهدونی علی شیء ولکن سمعت كذا و كذا** (بخاری شریف، باب شهادة المختبی، ص ۴۲۷، نمبر ۲۶۳۸ / مصنف عبد الرزاق، باب السمع شهادة وشهادة المختفی، ج ثامن، ص ۲۷۷، نمبر ۱۵۶۱۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ان باتوں کی سن کر گواہی دے سکتا ہے۔ (۳) اور علامت کے ذریعہ گواہی دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سألت انس بن مالک** ؓ ... **فقال رسول الله** ﷺ **ابصروها فان جاء ت به ابيض سبطا قضیء العينين فهو لهلال بن امية وان جائت به اكحل جعد احمش الساقين فهو لشريک بن سحماء. قال فانبأت انها جاء ت به اكحل جعد حمش الساقين** (مسلم شریف، باب کتاب اللعان، ص ۶۵۰، نمبر ۱۴۹۶/ ۳۷۵۷) اس حدیث میں آپ ؐ نے بچے کی علامت بتائی کہ گورے رنگ کا ہو تو ہلال بن امیہ کا ہے اور گھنگھریالے بال والا ہو تو شریک بن سحماء کا بچہ ہے۔ اس میں علامت کے ذریعہ نسب کا فیصلہ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ علامت کو دیکھ کر بھی گواہی دی جاسکتی ہے

۱؎ وهـذا استـحسـان. والقياس أن لا تجوز لأن الشهادة مشتقة من المشاهدة وذلک بالعلم ولم يـحـصـل فـصار كالبيع. وجه الاستحسان أن هذه أمور تختص بمعاينة أسبابها خواص من الناس ويتعلق بها أحكام تبقى على انقضاء القرون فلو لم تقبل فيها الشهادة بالتسامع أدى إلى الحرج وتـعـطيل الأحكام بخلاف البيع لأنه يسمعه كل أحد ۲؎ وإنـما يجوز للشاهد أن يشهد بالاشتهار وذلک بـالتـواتـر أو بإخبار من يثق به كما قال في الكتاب. ويشترط أن يخبره رجلان عدلان أو رجل وامرأتان ليحصل له نوع علم. ۳؎ وقيـل في الموت يكتفي بإخبار واحد أو واحدة لأنه قلما

ترجمہ: ۱؎ یہ سن کر گواہی دینا استحسان ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو، اس لئے کہ شہادت مشاہدہ سے مشتق ہے، اور یہ جاننے سے ہوگا، اور یہ جانا نہیں ہوا، تو بیع کی طرح ہوا [کہ بغیر دیکھے گواہی جائز نہیں ہے] لیکن استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوپر کی پانچ چیزیں خاص ہی آدمی دیکھ سکتا ہے، اور انکے احکام بہت بعد کے زمانے تک باقی رہتے ہیں پس اگر اس میں سن کر گواہی قبول نہ کی جائے تو حرج ہوگا اور احکام معطل ہو جائیں گے، بخلاف بیع کے کہ ہر آدمی اس کو سن سکتا ہے۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دیکھے بغیر ان چیزوں کی گواہی نہ دے، لیکن اوپر کی پانچ چیزوں کو دیکھنے والے چند ہی لوگ ہوتے ہیں، اور انکے احکام بہت بعد میں پیش آتے ہیں، جیسے نکاح بہت پہلے ہوتا ہے اور طلاق کا معاملہ بہت بعد میں پیش آتا ہے، اب اگر نکاح میں شریک ہونے والے ہی کی گواہی قبول کی جائے تو حرج واقع ہوگا اور احکامات معطل ہوں گے، اس لئے سن کر اور مشتہر ہونے پر گواہی دے تب بھی قبول کر لی جائے گی، بیع کا معاملہ اس کے علاوہ ہے، کیونکہ خرید و فروخت کو ہر آدمی دیکھ سکتا ہے، اور اس کے فسخ کا معاملہ جلدی پیش آتا ہے اس لئے اس میں مشاہدہ بغیر گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ ان گواہوں کے لئے جائز ہے کہ مشہور ہونے پر گواہی دے، اور یہ تواتر سے ہوگا یا ایسے آدمی کے خبر دینے پر ہوگا جس پر اعتماد ہو جیسا کہ متن میں کہا ہے، اور شرط یہ ہے کہ گواہ کو دو مرد خبر دے یا ایک مرد اور دو عورتیں خبر دے تا کہ ایک قسم کا علم حاصل ہو جائے۔

تشریح: ان پانچ چیزوں کے مشہور ہونے پر گواہی دے سکتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں [۱] ایک یہ کہ بہت سارے لوگ خبر دے، جسکو تواتر کہتے ہیں۔ [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو مرد خبر دے، یا ایک مرد اور دو عورتیں خبر دے تا کہ گواہی کی شرط پوری ہو جائے اور اس کی خبر دینے سے علم حاصل ہو جائے، اور گواہی دے سکے۔

ترجمہ: ۳؎ اور کہا گیا ہے کہ موت میں ایک مرد یا ایک عورت کی خبر کافی ہے، اس لئے کہ ایک دو آدمی کے علاوہ کم لوگ

يشاهد غير الواحد إذ الإنسان يهابه ويكرهه فيكون في اشتراط العدد بعض الحرج ولا كذلك النسب والنكاح ۴؎ وينبغي أن يطلق أداء الشهادة ولا يفسر أما إذا فسر للقاضي أنه يشهد بالتسامع لم تقبل شهادته كما أن معاينة اليد في الأملاك مطلق للشهادة ثم إذا فسر لا تقبل كذا

موت کی حالت دیکھ سکتا ہے، اس لئے کہ انسان اس کو دیکھنے سے ڈرتا ہے اور کراہیت کرتا ہے اس لئے کئی آدمی کی شرط لگانے میں بعض حرج ہے، لیکن نسب اور نکاح میں یہ بات نہیں ہے۔

تشریح : موت کے وقت میں ایک ہی دو آدمی ہوتے ہیں، کیونکہ موت کی حالت کو دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے اس لئے ایک مرد خبر دے دے، یا ایک عورت موت کی خبر دے تب بھی اس کی گواہی دینا جائز ہے، اس کے برخلاف ولادت اور نکاح کے وقت بہت سے لوگ ہوتے ہیں اس لئے اس کے بارے میں دو آدمی کی خبر ضروری ہے۔

ترجمہ: ۴؎ مناسب یہ ہے کہ ان چیزوں کی گواہی کے وقت مطلق چھوڑ دے اور تفسیر نہ کرے [یعنی یوں نہ کہے کہ میں سن کر گواہی دے رہا ہوں] اور اگر قاضی کے سامنے تفسیر کر دیا کہ میں سن کر گواہی دے رہا ہوں تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، جیسا کہ اور ملکیت کے قبضہ کرنے میں گواہی کو مطلق چھوڑتے ہیں اور اگر تفسیر کر دے تو گواہی قبول نہیں کی جاتی اسی طرح یہاں ہے

لغت :اطلق : یہاں اطلق کا مطلب یہ ہے کہ گواہ یہ نہ کہے کہ میں سن کر نسب کی گواہی دے رہا ہوں، بلکہ اس کو مطلق چھوڑ دے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود گواہ کو اس کی اولاد ہونے کا یقین نہیں ہے، صرف سن کر گواہی دے رہا ہے، اور پہلے حدیث گزر چکی ہے کوئی چیز روز روشن کی طرح نہ معلوم ہو جائے تب تک اس کی گواہی نہ دے۔ یفسر : کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تفسیر کرے کہ میں سن کر گواہی دے رہا ہوں۔ اس صورت میں خود گواہ کو یقین نہیں ہے اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ معاینۃ الید فی الاملاک: املاک سے مراد ہے، خرید وفروخت: یعنی خرید فروخت میں یوں کہے کہ میں نے سنا ہے کہ زید اس مکان کا مالک ہے، تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ خود گواہ کو یقین نہیں ہے۔

تشریح :اوپر کے پانچوں قسموں میں سن کر ہی گواہی دے رہا ہے پھر بھی قاضی کے سامنے یہ تفسیر نہ کرے کہ میں سن کر گواہی دے رہا ہوں، بلکہ یقین کے ساتھ کہے کہ یہ اس کی بیوی ہے، اور تفسیر کیا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، جیسے کہ خرید و فروخت میں کہے کہ میں سن کر گواہی دے رہاں ہوں تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے۔

ترجمہ :۵؎ ایسے ہی اگر کسی انسان کو دیکھا کہ قاضی کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور مدعی اور مدعی علیہ اس کے پاس آتے ہیں تو دیکھنے والے کے لئے جائز ہے کہ گواہی دے کہ یہ قاضی ہے۔

تشریح:واضح ہے۔

هذا. ۵؎ وكذا لو رأى إنسانا جلس مجلس القضاء يدخل عليه الخصوم حل له أن يشهد على كونه قاضيا ٦؎ وكذا إذا رأى رجلا وامرأة يسكنان بيتا وينبسط كل واحد منهما إلى الآخر انبساط الأزواج كما إذا رأى عينا في يد غيره. ۷؎ ومن شهد أنه شهد دفن فلان أو صلى على جنازته فهو معاينة حتى لو فسر للقاضي قبله ۸؎ ثم قصر الاستثناء في الكتاب على هذه الأشياء

ترجمه :٦؎ ایسے ہی ایک مرد اور عورت کو دیکھتے ہیں کہ دونوں ایک گھر میں رہ رہے ہیں اور ہر ایک دوسرے کے ساتھ میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہیں [تو دیکھنے والے کے لئے جائز ہے کہ بیوی شوہر ہونے کی گواہی دے] جیسے کسی عینی چیز کو کسی کے قبضے دیکھا تو گواہی دے سکتا ہے کہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے۔

تشریح: مثلا گائے زید کے ہاتھ میں اس طرح رکھتے ہوئے دیکھا کہ یہ اس کی ملکیت ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ گواہی دے کہ یہ گائے زید کی ہے، اسی طرح مرد اور عورت کو میاں بیوی کی طرح رہتے ہوئے دیکھے تو گواہی دے سکتا ہے یہ میاں بیوی ہیں۔

وجه: اس حدیث میں ہے۔ عن القاسم بن محمد عن عائشة زوج النبی ﷺ انها اخبرته ۔(باب هل یرجع اذا رأی منکرا فی الدعوة ؟ ص ۹۲۵، نمبر ۵۱۸۱) اس حدیث میں راوی نے حضرت عائشہ کو حضور ﷺ کی بیوی کہا ہے، حالانکہ راوی حضرت عائشہ کی شادی میں شریک نہیں تھے صرف سن کر کہا، جس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی گواہی سن کر بھی دے سکتا ہے۔

لغت: انبساط: بسط سے مشتق ہے، کھل کر بات کرنا۔ عینا: یہاں عین کا ترجمہ ہے کوئی چیز، مثلا گائے، بیل وغیرہ۔

ترجمه :۷؎ کسی نے گواہی دی کہ وہ فلاں کے دفن میں حاضر ہوا ہے، یا اس کی جنازے کی نماز پڑھی ہے تو یہ دیکھنے کی طرح ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی کے سامنے اس کی تفسیر کی تب بھی قاضی اس گواہی کو قبول کرے گا۔

تشریح :دفن میں حاضر ہونا یا جنازے میں حاضر ہونا گویا کہ مرتے وقت کو دیکھنا ہے اس لئے قاضی کے سامنے اس کی وضاحت کی تب بھی اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمه:۸؎ پھر متن میں استثناء کو پانچ ہی پر منحصر کرنا ولاء اور وقف میں سن کر گواہی دینے کو نفی کرتا ہے۔

لغت :ولاء: غلام کو آزاد کردے تو اس کے مرنے کے بعد جو اس کی وراثت ہوگی وہ آزاد کرنے والے آقا کو ملے گی اس کو ,ولاء، کہتے ہیں۔ اس کی دو حیثیتیں ہیں[۱] ایک تو یہ کہ ولاء کی گواہی دینا گویا کہ آقا کی ملکیت کے زائل ہونے کی گواہی دینا ہے اس اعتبار سے یہ معاملات ہے اس لئے سن کر گواہی دینا کافی نہیں ہے[۲] اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ نسب کی طرح ہے، اور نسب میں سن کر گواہی دینا جائز ہے اس اعتبار سے اس میں سن کر گواہی دینا جائز ہونی چاہئے۔ اسی لئے اس بارے میں اختلاف

الخمسة ينفي اعتبار التسامع في الولاء والوقف. ۹؎ وعن أبي يوسف رحمه الله آخرا أنه يجوز في الولاء لأنه بمنزلة النسب لقوله عليه الصلاة والسلام الولاء لحمة كلحمة النسب. ۱۰؎ وعن محمد رحمه الله أنه يجوز في الوقف لأنه يبقى على مر الأعصار إلا أنا نقول الولاء يبتنى على

ہے۔ولاءنسب کی طرح اس کے لئے یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال الولاء لحمة کلحمة النسب لا یباع ولا یوھب (سنن للبیھقی ، باب من اعتق مملوکا لہ ج عاشر ص ۴۹۴ نمبر ۲۱۴۳۳)
اس سے معلوم ہوا کہ ولاء نسب کی طرح ہے۔اس لئے سن کر اس کی گواہی دینا جائز ہونی چاہئے۔وقف: میں گواہی دینے کا مطلب ہے کہ مالک کی ملکیت اس سے زائل ہوگئی اس اعتبار سے وہ معاملات کی طرح ہوگیا،اس لئے سنکر گواہی دینا جائز نہ ہو ۔لیکن زمانہ دراز کے بعد گواہی کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے سن کر بھی گواہی دینا جائز ہونی چاہئے۔

تشریح :متن میں صرف پانچ چیزوں کو سن کر گواہی دینے کو,الا، کے ذریعہ منحصر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولاء کی گواہی اور وقف کی گواہی سن کر دینا جائز نہیں ہے اس کو دیکھے بغیر گواہی نہ دے۔

ترجمہ :۹؎ امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ ولاء میں سن کر گواہی دینا جائز ہے اس لئے کہ وہ نسب کے درجے میں ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نسبی قرابت کی طرح ایک قرابت ہے۔

تشریح:واضح ہے۔اس کے لئے حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

ترجمہ :۱۰؎ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وقف میں سنکر گواہی دینا جائز ہے اس لئے کہ زمانہ دراز تک باقی رہتا ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ ولاء کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ آقا کی ملکیت زائل ہوگئی ، اور ملک کے زائل ہونے میں دیکھ کر گواہی ضروری ہے اس لئے جو اس پر بنا ہوگا اس میں بھی دیکھ کر ہی گواہی دے۔

تشریح :امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ وقف میں سن کر گواہی دینا جائز ہے،اور اس کی وجہ یہ ہے زمین وقف ہو تو زمانہ دراز تک باقی رہتا ہے،اور کبھی زمانہ دراز کے بعد گواہی دینے کی ضرورت پڑے گی ،اس لئے اس میں دیکھ کر گواہی دینے کی شرط لگائیں تو دیکھنے والے سارے لوگ مر چکے ہوں گے۔اس لئے سن کر گواہی دینا بھی جائز ہو جائے۔
اور ولاء کے بارے میں امام محمدؒ نے یہ فرمایا کہ ولاء کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ آقا کی ملکیت ختم ہوگئی ، اور ملکیت ختم ہونا معاملات میں سے ہے اور معاملات میں دیکھ کر گواہی دی جاتی ہے اس لئے ولاء میں بھی دیکھ کر گواہی دے۔

لغت: مرالاعصار: زمانے کے گزرنے کے بعد، بہت زمانے کے بعد۔ مایبتنی: بناء سے مشتق ہے،جس پر اس کا دارو مدار ہو

ترجمہ :۱۱؎ بہر حال وقف تو صحیح بات یہ ہے کہ اصل وقف میں شہادت سن کر قبول کی جائے گی ،شرائط میں سن کر قبول نہیں

زوال الملک ولا بد فيه من المعاينة فكذا فيما يبتني عليه. ١ؕ وأما الوقف فالصحيح أنه تقبل الشهادة بالتسامع في أصله دون شرائطه لأن أصله هو الذي يشتهر. (۵۰۸)قال ومن كان في يده شيء سوى العبد والأمة وسعک أن تشهد أنه له ١ؕ لأن اليد أقصى ما يستدل به على الملک إذ هي مرجع الدلالة في الأسباب كلها فيكتفي بها. ٢ؕ وعن أبي يوسف رحمه الله أنه يشترط مع

کی جائے گی، اس لئے اصل وقف مشہور ہوتا ہے۔

تشریح :صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وقف کی جو شرطیں ہیں کہ اتنی آمدنی فلاں جگہ خرچ کریں اور اتنی آمدنی فلاں جگہ خرچ کریں، یہ تفصیلات مشہور نہیں ہوتیں اس لئے اس کی گواہی سن کر دینا جائز نہیں ہے، لیکن اصل وقف، یعنی زمین کو وقف کیا ہے یہ مشہور ہوتی ہے اس لئے اس کی گواہی سن کر دے سکتا ہے۔

ترجمہ :(۵۰۸) کسی کے قبضے میں کوئی چیز ہو تو غلام اور باندی کے علاوہ کے بارے میں آپ کے لئے گنجائش ہے کہ گواہی دے کہ یہ چیز اسی کی ملکیت ہے۔

ترجمہ :١ؕ اس لئے قبضہ آخری چیز ہے جس سے ملک ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ اسباب کے درجے دلالت کا مرجع قبضہ ہی ہے اس لئے قبضے ہی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

تشریح :مثلا زید کا قبضہ کسی گائے پر ہے تو آپ اس کی گواہی دے سکتے ہیں کہ اس گائے کا مالک زید ہے۔

وجہ : کیونکہ بازار میں خرید و فروخت کرتے ہیں تو یہی دیکھتے ہیں کہ یہ چیز اس کے قبضے میں ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ اس کی ملکیت ہے، یا وراثت تقسیم کریں تو پہلے یہی دیکھا جاتا ہے کہ یہ چیز میت کے قبضے میں تھی، تو آخیر میں قبضہ ہی ایسا ہے جس سے اس کی ملکیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے، اس لئے کسی چیز پر کسی آدمی کا قبضہ ہو تو آپ کے لئے گنجائش ہے کہ یہ گواہی دے دیں کہ یہ چیز اس کی ہے

لغت :الید: ہاتھ، یہاں مراد ہے قبضہ۔ یستدل بہ: اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ :٢ؕ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ گواہ کے دل میں یہ یقین ہو جائے کہ یہ چیز اس کی ہے تب گواہی دے۔

تشریح :صرف قبضہ ہونا کافی نہیں بلکہ قرائن وغیرہ سے یہ بھی دل میں یقین بیٹھ جائے کہ یہ چیز اس کی ہے تب گواہ کے لئے گنجائش ہے کہ ملکیت کی گواہی دے۔

وجہ : (۱) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ جانتا ہو اور یقین ہو جائے تب وہ گواہ ہے ۔**ولا يملک الذين يدعون من**

ذلک أن يقع في قلبه أنه له. ۳؎ قالوا ويحتمل أن يكون هذا تفسيرا لإطلاق محمد رحمه الله في الرواية فيكون شرطا على الاتفاق. ۴؎ وقال الشافعي رحمه الله دليل الملک اليد مع التصرف وبه قال بعض مشايخنا رحمهم الله لأن اليد متنوعة إلى إنابة وملک. ۵؎ قلنا والتصرف يتنوع

دونه الشفاعة الا من شهد بالحق وهم يعلمون (آیت ۸۶، سرة الزخرف ۴۳) اس آیت میں ہے کہ حق کو دیکھا اور جانتا ہو تو شفاعت کا مالک ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال ذكر عند رسول الله ﷺ الرجل يشهد بشهادة فقال اما انت يا ابن عباس فلا تشهد الا على امر يضيء لک کضياء هذه الشمس وأومی رسول الله ﷺ بيده الى الشمس.** (سنن للبیہقی ، باب التحفظ فی الشھادۃ والعلم بھا، ج عاشر ص ۲۶۳، نمبر ۲۰۵۷۹)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کی طرح بات روشن ہو جائے تو گواہی دے سکتا ہے۔

ترجمہ :۳؎ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ متن میں جو مطلق چھوڑا ہے ہو سکتا ہے امام ابو یوسف کا قول اس کی تفسیر ہو جائے، اس صورت میں بالاتفاق یہ شرط ہوگی کہ دل میں بھی یہ یقین ہو کہ یہ اس کی چیز ہے۔

تشریح :اوپر متن میں امام محمدؒ کا یہ قول تھا کہ کسی کے قبضے میں کوئی چیز دیکھے تو آپ کو ملکیت کی گواہی دینے کی گنجائش ہے، لیکن وہاں یہ شرط نہیں ہے کہ دل میں بھی یقین آجائے اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی شرح متن کی تفسیر ہے اس لئے اب بالاتفاق یہ مسئلہ ہے کہ دل میں بھی یقین ہو جائے کہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے تب گواہی دے سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اس کے لئے اوپر حدیث اور آیت گزر چکی ہے۔

ترجمہ :۴؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تصرف کے ساتھ قبضہ ہو تب ملک کی دلیل ہے، ہمارے بعض مشائخ نے بھی یہی کہا ہے اس لئے کہ قبضہ کی بھی دو صورتیں ہیں امانت کی اور ملک کی۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قبضہ ہو اور اس پر تصرف بھی کرے مثلا خرید و فروخت کرے، یا خود استعمال کرے تب کسی کے لئے گنجائش ہے کہ گواہی دے کہ یہ چیز اس کی ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں [۱] ملکیت کے طور پر قبضہ اس صورت آدمی اس کا مالک ہوتا ہے، [۲] امانت کے طور پر قبضہ، اس صورت میں وہ امانت کی چیز ہے وہ آدمی اس کا مالک نہیں ہے۔ اس لئے گواہ کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ گواہی دے کہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے۔ اس لئے تصرف کرے گا تب معلوم ہوگا کہ یہ چیز اس کی ہے۔

ترجمہ :۵؎ ہم کہتے ہیں کہ تصرف کی بھی دو قسمیں ہیں نیابت [وکیل] کے طور پر اور اصل کے طور پر، [اس لئے تصرف سے بھی یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اصل مالک ہونے کی وجہ سے تصرف کر رہا ہے]

أيضا إلى نيابة وأصالة. ۶؎ ثم المسألة على وجوه إن عاين المالك الملك حل له أن يشهد وكذا إذا عاين الملك بحدوده دون المالك استحسانا لأن النسب يثبت بالتسامع فيحصل معرفته وإن لم يعاينها أو عاين المالك دون الملك لا يحل له. ۷؎ وأما العبد والأمة فإن كان

تشریح : یہ جملہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ تصرف اگر وکیل ہونے کی حیثیت سے کر رہا ہے، تو یہ مال اس کے قبضے میں امانت کے طور پر ہے اس لئے تصرف کرنا بھی ملکیت کی دلیل نہیں ہے۔

لغت: نیابۃ ،نائب ہونا، یہاں مراد ہے وکیل ہونا۔ اصالۃ : اصل ہونا مراد ہے مالک ہونا۔

ترجمہ : ۶؎ پھر مشاہدہ کرنے کی چار صورتیں ہیں [۱] اگر مالک اور مملوک دونوں کا تفصیل سے مشاہدہ کیا تو اس کے لئے گواہی دینا حلال ہے۔ [۲] ایسے ہی مملوک کا مشاہدہ اس کی حدود کے ساتھ کیا، لیکن مالک کا نہیں کیا تو استحسانا گواہی دینا جائز ہے، اس لئے کہ نسب سنکر ہی ثابت ہوتا ہے، اس لئے سن کر معرفت ہو جائے گی۔ [۳] اور اگر مالک اور مملوک دونوں کا ہی مشاہدہ نہیں کیا۔ [۴] یا مالک کا مشاہدہ کیا لیکن مملوک کا مشاہدہ نہیں کیا تو اس کے لئے یہ گواہی دینا حلال نہیں ہے کہ یہ چیز فلاں کی ملکیت کی ہے۔

اصول :[۱]...... یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس چیز کی ملکیت کی گواہی دینی ہے اس کو دیکھنا ضروری ہے، بغیر دیکھے گواہی نہیں دے سکتا۔

[۲]......اور دوسرا اصول یہ ہے کہ خود مالک کو بھی دیکھنا ضروری ہے، تاہم نہیں دیکھا اور سنکر مالک کا حسب نسب معلوم کر لیا تو استحسانا گواہی، قیاس کا تقاضہ پھر بھی یہی ہے کہ گواہی نہ دے۔

وجہ: گواہی دینا مشاہدے سے ہے اس لئے مملوک، اور مالک کا مشاہدہ کرنا ان پانچ چیزوں کے علاوہ میں ضروری ہے۔

تشریح : یہ اصول ذہن میں رکھ کر مسئلے کی چار صورتیں بنتیں ہیں۔

[۱]...... مالک اور مملوک دونوں کو دیکھا، مالک کو پہچانا، اس کے حسب نسب کو پرکھا، مملوک کی پوری تفصیلات کو دیکھی، اور دل میں یقین ہو گیا کہ یہ چیز اسی کی ملکیت ہے تو گواہی دے سکتا ہے۔

[۲]......مملوک کو پورے حدود کے ساتھ دیکھا، لیکن مالک کو نہیں دیکھا صرف سن کر حسب نسب معلوم کی تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ گواہی نہ دے، کیونکہ مالک کا مشاہدہ نہیں پایا گیا، لیکن استحسان کے طور پر گواہی دینا جائز ہے، کیونکہ یہاں نسب معلوم کرنے کا معاملہ ہے، جس کے بارے میں پہلے تفصیل گزری کہ سن کر بھی گواہی دے سکتا ہے۔

[۳]......نہ مالک کو دیکھا اور نہ مملوک کو دیکھا تو چونکہ مملوک کا بھی مشاہدہ نہیں پایا گیا اس لئے گواہی نہیں دے سکتا ہے۔

يعرف أنهما رقيقان فكذلك لأن الرقيق لا يكون في يد نفسه وإن كان لا يعرف أنهما رقيقان إلا أنهما صغيران لا يعبران عن أنفسهما فكذلك لأنه لا يد لهما ۸؎ وإن كانا كبيرين فذلك

[۴]...... مالک کو دیکھا مملوک کونہیں دیکھا تو چونکہ اصل ہی چیز کا مشاہدہ نہیں ہوا، وہ مجہول رہی اس لئے مشاہدہ کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے گواہی نہیں دے سکتا ہے۔

لغت : ملک: یہاں ملک سے مراد مملوک ہے۔ حدودہ: اگر زمین ہے تو اس کی چاروں چوہدی دیکھی، اور کوئی دوسری چیز ہے تو اس کی اہم قسم کی تفصیلات دیکھی۔ عاین: معاینہ سے مشتق ہے، مشاہدہ کرنا، دیکھنا۔

ترجمہ : ۸؎ بہرحال غلام اور باندی کے بارے میں تو اگر پہچانتا ہو کہ یہ غلام باندی ہیں تو ایسے ہی غلام باندی ہونے کی گواہی دینا جائز ہے، اس لئے کہ انکو اپنے اوپر قبضہ نہیں ہے، اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ دونوں غلام باندی ہیں، مگر یہ اتنے چھوٹے ہیں کہ اپنے بارے میں بتا نہیں سکتے تب بھی یہی حکم ہے [کہ غلام ہونے کی گواہی دے سکتا ہے] اس لئے کہ انکو اپنے اوپر قبضہ نہیں ہے۔

تشریح : متن میں تھا، مگر غلام اور باندی کے بارے میں الگ مسئلہ ہے [سوی العبد والامۃ] یہاں اس کے بارے میں تفصیل ہے

یہاں تین صورتیں ہیں [۱]...... گواہی دینے والے کو حتمی طور پر یہ معلوم ہے کہ یہ غلام اور باندی ہیں، تو جسکے قبضے میں ہے اس کے مملوک ہونے کی گواہی دے سکتا ہے۔

وجہ: یہ دونوں غلام اور باندی تو ہیں ہی بس اتنی بات کی گواہی دینی ہے کہ کس کا ہے تو جس کے قبضے میں اس کی گواہی دینا جائز ہے

[۲]...... دوسری صورت یہ ہے کہ گواہ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ غلام باندی ہیں یا نہیں، لیکن دونوں اتنے چھوٹے ہیں کہ اپنے بارے میں کچھ بتا بھی نہیں سکتے کہ وہ غلام ہیں یا آزاد، تو اب ظاہری قبضہ ہی علامت ہے کہ یہ غلام اور باندی ہیں اس لئے دل میں یقین آجائے کہ یہ غلام اور باندی ہیں تو اس کی گنجائش ہوگی کہ جسکے قبضے میں ہوں اس کے لئے ملکیت کی گواہی دے دے۔

وجہ : کیونکہ چھوٹے ہونے کی وجہ سے انکو اپنی ذات پر اپنا قبضہ تو ہے نہیں اس لئے ان پر جس کا قبضہ ہے اس کی ملکیت کی گواہی دینے کی گنجائش ہے۔ لیکن قرائن سے پتہ چلے کہ یہ غلام اور باندی ہیں، اور دل میں یقین آئے تب ہی گواہی دے سکتا ہے ورنہ نہیں ہے، کیونکہ کسی کو غلامیت کے اندر دھکیلنا ہے۔

لغت: لا یکون فی ید نفسہ : ید کا ترجمہ ہے، ہاتھ، یہاں مراد ہے قبضہ۔ اس کے اپنے ہاتھ میں اس کا قبضہ نہیں ہے۔ لا ید لھما: ان دونوں چھوٹوں کو اپنا قبضہ نہیں ہے۔ لا یعبران: تعبیر نہیں کر سکتا، یعنی سمجھ سوچ کے ساتھ یہ نہیں بتا سکتا، کہ یہ غلام ہے یا آزاد۔

مصرف الاستثناء لأن لهما يدا على أنفسهما فيدفع يد الغير عنهما فانعدم دليل الملک. ۹ وعن أبي حنيفة رحمه الله أنه يحل له أن يشهد فيهما أيضا اعتبارا بالثياب والفرق ما بيناه والله أعلم.

ترجمہ :۸ اور اگر غلام اور باندے دونوں بڑے ہوں تو متن میں اسی کا استثناء کیا ہے اس لئے کہ دونوں کو اپنی ذات پر قبضہ ہے جو دوسرے کے قبضہ کو دفع کرتا ہے، جو دوسرے کی ملکیت نہ ہونے کی دلیل ہے۔

تشریح : یہ تیسری صورت ہے۔ گواہ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ غلام ہے یا آزاد، اور دونوں اتنے بڑے ہیں کہ اپنی غلامیت اور آزادگی کے بارے میں بتا سکتے ہیں، البتہ ان پر دوسرے کا قبضہ ہے تو یہ قبضہ غلام باندی بننے کے لئے کافی نہیں ہے اور گواہ کو اس کی گنجائش نہیں ہوگی کہ یہ قبضہ دیکھ کر غلامیت کی گواہی دے سکے۔ یہی وہ تیسری صورت ہے جسکے بارے میں متن میں استثناء فرمایا اور فرمایا کہ سوائے بڑے غلام اور باندی کے ان پر قبضہ مالک ہونے کی دلیل نہیں ہے

وجہ: غلامیت کا پتہ نہیں ہے اور یہ بڑے بھی ہیں اس لئے ان کا قبضہ خود اپنی ذات پر ہے اس لئے دوسرے کا قبضہ غلامیت کی دلیل نہیں بن سکے گی۔ پس اگر یہ کہے کہ میں آزاد ہوں تو اس کو آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ :۹ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ گواہ کے لئے یہ حلال ہے ان دونوں بڑے کے بارے میں بھی گواہی دے سکتا ہے [کہ فلاں کی ملکیت ہے] کپڑے پر قیاس کرتے ہوئے، لیکن دونوں کے درمیان فرق ہے جسکو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ بڑا آدمی، یا بڑی عورت ہو اور کسی کے قبضے میں ہو تو گواہ کے لئے گنجائش ہے کہ اس کی ملکیت کی گواہی دے۔ جیسا کہ کپڑا کسی کے قبضے میں ہو تو اس کی گواہی دے سکتے ہیں کہ یہ اس کی ملکیت ہے

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں پہلی روایت صحیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا ہر حال میں مملوک شیء ہے اس لئے کسی نہ کسی کی مملوک ہونا ہی ہے اس لئے جس کے قبضے میں اس کی گواہی دے سکتا ہے، لیکن انسان آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے اس کا مملوک ہونا ضروری نہیں، اس لئے قبضے میں ہونا ملکیت کی دلیل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کپڑا بول نہیں سکتا، اور بڑا آدمی بول سکتا ہے اس لئے اس سے ہی پوچھ لیا جائے کہ مملوک ہے یا نہیں۔ والفرق ما بیناہ، کا مطلب یہی ہے۔ واللہ اعلم

﴿باب من يقبل شهادته و من لا يقبل﴾

(۵۰۹)قال ولا تقبل شهادة الأعمى. ١؎وقال زفر رحمه الله وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله

﴿باب من یقبل شہادتہ ومن لایقبل﴾

ترجمہ :(۵۰۹)اور اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح :شہادت شاہد سے مشتق ہے یعنی دیکھ کر گواہی دینا اس لئے جن باتوں میں دیکھ کر گواہی دینا ہوتا ہے اس میں نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ البتہ جن باتوں میں صرف سن کر گواہی دینا ہوتا ہے ان میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ نابینا کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ : (۱)اس قول صحابی میں ہے۔ حدثنا الاسود بن قيس العنزی سمع قومه يقولون، ان علياً رد شهادة اعمى فی سرقة لم يجزها (سنن للبیہقی، باب وجوہ العلم بالشہادۃ، ج عاشر،ص ۲۶۶، نمبر ۲۰۵۸۶ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الاعمی، ج ثامن، ص ۲۵۰، نمبر ۱۵۴۵۹)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ سورج کی طرح روشن ہو جائے تب گواہی دو اور نابینا دیکھ نہیں سکتا اس لئے اس کے سامنے سورج کی طرح روشن نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ گواہی بھی نہیں دے سکتا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباسؓ قال ذكر عند رسول الله ﷺ الرجل يشهد بشهادة فقال: اما انت يا ابن عباس! فلا تشهد الا على امر يضئ لک كضياء هذه الشمس وأومى رسول الله ﷺ بيده الى الشمس (سنن للبیہقی، باب التحفظ فی الشہادۃ والعلم بہا، ج عاشر،ص ۲۶۳، نمبر ۲۰۵۷۹)اور نابینا کے سامنے سورج کی روشنی کی طرح واضح نہیں ہوگا اس لئے وہ گواہی نہیں دے سکتا۔

ترجمہ :١؎ امام زفر نے فرمایا اور امام ابو حنیفہؒ کی بھی ایک روایت ہے جن پانچ چیزوں میں سنکر گواہی دینا جائز ہے اس میں قبول کی جائے گی، اس لئے کہ اس میں سننے کی ضرورت ہے اور اس کے سننے میں کوئی خلل نہیں ہے۔

وجہ : وقال الشعبی تجوز شهادته[اعمى] اذا كان عاقلا، وقال الزهری ارأيت ابن عباس لو شهد على شهادة اكنت ترده؟ (بخاری شریف، باب شہادۃ الاعمی ونکاحہ وامرہ وانکاحہ ومبایعتہ وقبولہ فی التاذین وغیرہ وما یعرف بالاصوات،ص ۳۶۳، نمبر ۲۶۵۵ رمصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الاعمی، ج ثامن، ص ۲۵۰، نمبر ۱۵۴۵۳)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی جائز ہے۔ (۲)عن قتادة قال تجوز شهادة الاعمى فی الحقوق ۔(مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ الاعمی، ج ثامن، ص ۲۵۰، نمبر ۱۵۴۵۴)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ نابینا کی گواہی جائز ہے۔

تقبل فيما يجري فيه التسامع لأن الحاجة فيه إلى السماع ولا خلل فيه. ۲؎ وقال أبو يوسف والشافعي رحمهما الله يجوز إذا كان بصيرا وقت التحمل لحصول العلم بالمعاينة والأداء يختص بالقول ولسانه غير موف والتعريف يحصل بالنسبة كما في الشهادة على الميت. ۳؎ ولنا أن الأداء يفتقر إلى التمييز بالإشارة بين المشهود له والمشهود عليه ولا يميز الأعمى إلا

ترجمه: ۲؎ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نابینا کی گواہی جائز ہے اگر وہ گواہ بنتے وقت دیکھنے والا تھا اس لئے کہ دیکھ کر علم حاصل ہو گیا، اور گواہی کی ادائیگی بات سے ہے اور زبان میں عیب نہیں ہے۔ اور مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف تو نسب بیان کرنے سے حاصل ہو جائے گا جیسے میت پر گواہی کے بارے میں ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہ بنتے وقت دیکھنے والا ہو تو گواہی جائز ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر گواہ بنتے وقت دیکھنے والا تھا بعد میں نابینا ہوا، اور ادائیگی کے وقت نابینا ہو گیا تو گواہی جائز ہے۔ موسوعۃ امام شافعی میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ اذا رأى الرجل فأثبت و هو بصير ثم شهد و هو اعمى قبلت شهادته ، لان الشهادة انما وقعت و هو بصير الا انه بين و هو اعمى عن شیء و هو بصير ، و لا علة فی رد شهادته ۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب شهادۃ الاعمی، ج ۱۳، ص ۳۵۵، نمبر ۲۶۵۲۷) اس عبارت میں ہے کہ گواہ بنتے وقت دیکھنے والا ہو تو گواہی قبول کی جائے۔

وجه: (۱) دلیل عقلی یہ ہے۔ جس وقت گواہ بن رہا تھا اس وقت آنکھ تھی جس سے مملوک چیز، مدعی اور مدعی علیہ سب کو پہچان لیا اور تفصیلات معلوم کر لی اور مشاہدہ کر لیا جو گواہی کی بنیادی چیز ہے، اور گواہی دیتے وقت صرف زبان کی ضرورت پڑے گی، اور وہ ٹھیک ٹھاک ہے اس لئے گواہی دے سکتا ہے، باقی رہا کہ گواہی دیتے وقت جس چیز کی گواہی دے رہا ہے اس کا تعرف، مدعی اور مدعی علیہ کا تعارف تو یہ نسب بیان کرنے سے ہو جائے گا، اس بارے میں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے گواہی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ میت کے بارے میں گواہی دیتے وقت میت سامنے نہیں ہوتی ہے صرف اس کے نسب سے اس کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ باقی قول تابعی اوپر گزر گئی۔

لغت: وقت التحمل: تحمل کا ترجمہ ہے برداشت کرنا، وقت التحمل: برداشت کرتے ہے، گواہ بنتے وقت۔ موَف: موَف ہونا، عیب دار ہونا۔ التعریف: کسی کا حسب نسب بیان کر کے تعارف کرانا۔ النسبۃ: حسب نسب۔

ترجمه: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہی ادا کرتے وقت مدعی اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کر کے تمیز کرنا ضروری ہے، اور اندھا صرف آواز سے تمیز کر سکتا ہے، جس میں شبہ ہے اور دوسرے بینا گواہوں کے ذریعہ اندھے سے بچنا ممکن ہے [اس لئے

بالنغمة وفيه شبهة يمكن التحرز عنها بجنس الشهود ۴؎ والنسبة لتعريف الغائب دون الحاضر فصار كالحدود والقصاص. ۵؎ ولو عمي بعد الأداء يمتنع القضاء عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله لأن قيام أهلية الشهادة شرط وقت القضاء لصيرورتها حجة عنده وقد بطلت وصار كما إذا خرس أو جن أو فسق بخلاف ما إذا ماتوا أو غابوا لأن الأهلية بالموت قد انتهت

اندھے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

لغت :مشہود لہ: جسکے لئے گواہی دے، یعنی مدعی۔مشہود علیہ: جسکے خلاف گواہی دے، یعنی مدعی علیہ۔مشہود بہ، جس چیز کے بارے میں گواہی دے۔نغمۃ: آواز: جنس الشہود: کوئی بھی گواہ۔ یہاں مراد ہے کوئی بھی دیکھنے والا گواہ۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گواہی دیتے وقت بھی اندھا ہوگیا تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اس کی دلیل عقلی یہ ہے کہ گواہی دیتے وقت بھی حاضر مدعی کی طرف اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کر کے یہ کہنا ضروری ہے کہ اس آدمی کا حق اس آدمی پر ہے، اور نابینا آدمی اشارہ کر کے متعین نہیں کر سکتا، وہ تو صرف آواز سے پہچان کر یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا حق اس پر ہے۔اس لئے اس کی گواہی جائز نہیں ہے۔اور گواہی ضروری ہی ہے تو دیکھنے والے آدمی سے گواہی لے لیا جائے، اندھے ہی کی گواہی کیا ضروری ہے۔

ترجمہ :۴؎ اور نسب کے ذریعہ تعارف کرانا یہ غائب کے تعارف کے لئے ہے حاضر کے تعارف کے لئے نہیں ہے، اس لئے یہ مسئلہ حدود اور قصاص کی طرح ہوگیا۔

تشریح :یہ جملہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ نام اور باپ کا نام لیکر گواہی دینے سے مدعی اور مدعی علیہ کا تعارف ہوجائے گا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ غائب آدمی کا نسب بیان کر کے تعارف کرانا جائز ہے حاضر آدمی کی طرف تو اشارہ کرنا ہوگا، اور نابینا وہ نہیں کر سکے اس لئے اس کی گواہی بھی جائز نہیں، جس طرح حدود اور قصاص میں نابینا کی گواہی جائز نہیں ہے

ترجمہ :۵؎ اگر گواہی ادا کرنے کے بعد نابینا ہوگیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پھر بھی فیصلہ نہیں کیا جا سکے گا اس لئے کہ فیصلے کے وقت بھی گواہ میں گواہی دینے کی اہلیت شرط ہے، اسلئے کہ گواہی کی اہلیت ہی امام اعظم کے نزدیک حجت ہے اور وہ حجت فوت ہوگئی، اور ایسا ہوگیا کہ گواہ گونگا ہوگیا، یا مجنون ہوگیا، یا فاسق ہوگیا تو انکی گواہی پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا ہے

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فیصلے کے وقت بھی گواہ میں گواہی دینے کی اہلیت موجود ہو تب قاضی فیصلہ صادر کریں گے، اگر اس سے پہلے فاسق یا اندھے ہونے کی بنا پر گواہی دینے کی اہلیت ختم ہوگئی تو ان گواہوں کی گواہی پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا

وبالغيبة ما بطلت. (۵۱۰)قال ولا المملوك لأن الشهادة من باب الولاية وهو لا يلي نفسه

سکے گا، دوبارہ اہل گواہ پیش کرنا ہوگا۔

تشریح : گواہی دینے کے بعد اور قاضی کے فیصلہ صادر کرنے سے پہلے گواہ نابینا ہوگیا تب بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فیصلہ نہیں کیا جسکے گا۔

وجه :اسلئے کہ انکے یہاں فیصلہ صادر کرتے وقت بھی گواہ میں گواہی دینے کی اہلیت شرط ہے اور نابینا ہونے کی وجہ سے وہ فوت ہوگئی۔ اس کی تین مثالیں دیتے ہیں [۱] گواہی دینے کے بعد گواہ گونگا ہو جائے، یا پاگل ہو جائے، یا فاسق ہونے کی وجہ سے اہلیت شہادت ختم ہو جائے تو فیصلہ صادر نہیں کیا جسکتا ہے اسی طرح یہاں اندھا ہونے کی وجہ سے فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکے گا

ترجمه :٦ بخلاف اگر گواہ مر جائے یا غائب ہو جائے [تو فیصلہ صادر کیا جا سکتا ہے] اس لئے کہ موت سے اہلیت انتہا کو پہنچ گئی، یعنی پکی ہوگئی، اور گواہ کے غائب ہونے سے اہلیت ختم نہیں ہوئی ہے [اس لئے فیصلہ کیا جا سکتا ہے]

تشریح :اگر گواہی دینے کے بعد گواہ مر گیا، تو اس کی اہلیت ختم نہیں ہوئی بلکہ اور پکی ہوگئی ہے، اور اگر غائب ہوگیا تو بھی گواہ کی اہلیت ختم نہیں ہوئی ہے صرف گواہ غائب ہوا ہے اس لئے فیصلہ صادر کیا جا سکتا ہے۔

لغت:انتہی : یہ فقہ کا ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے مرنے کی وجہ سے یہ بات پکی ہوگئی، اور آخری تک پہنچ گئی

ترجمه :(۵۱۰) مملوک کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمه :۱ اس لئے کہ گواہی دینا دوسرے کا ولی بننے کے باب میں سے ہے اور غلام خود اپنی ذات کا ولی نہیں ہے تو زیادہ بہتر ہے کہ دوسرے کا بھی ولی نہ بنے [اس لئے گواہی نہیں دے سکتا ہے]

وجه :(۱)اس قول تابعی میں ہے ۔**فقال والله عزوجل يقول واستشهدوا شهيدين من رجالكم (آيت ۲۸۲، سورة البقرة) افتجوز شهادة العبيد فبين مجاهد ان مطلق الخطاب يتناول الاحرار** ۔(۲) دوسری روایت میں ہے۔**عن علي والحسن والنخعي والزهري ومجاهد وعطاء لاتجوز شهادة العبيد** (سنن للبیہقی، باب من رد شہادۃ العبید ومن قبلہا، ج عاشر، ص ۲۷۲، نمبر ۲۰۶۰۸ / مصنف عبد الرزاق، باب شہادۃ العبد یعتق والنصرانی یسلم والصبی یبلغ، ج ثامن، ص ۳۴۶، نمبر ۱۵۴۸۶) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔(۳) اس آیت کے اشارے سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔**ضرب الله مثلا عبدا مملوكا لا يقدر على شيء** ۔(آیت ۷۵، سورۃ النحل ۱۶) اس آیت میں ہے کہ غلام کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گواہی بھی نہیں دے سکتا۔

فأولى أن لا تثبت له الولاية على غيره(۵۱۱)ولا المحدود في قذف وإن تاب ۱؎ لقوله تعالى ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا ۲؎ ولأنه من تمام الحد لكونه مانعا فيبقى بعد التوبة كأصله بخلاف

فائدہ :بعض قول صحابی سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ: قول صحابی میں ہے۔وقال انسؓ شهادة العبد جائزة اذا كان عدلا ،واجازه شريح وزرارة ابن اوفى وقال ابن سيرين شهادته جائزة الا العبد لسيده (بخاری شریف، باب شهادة الاماء والعبید ،ص ۴۳۳ ،نمبر ۲۶۵۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مملوک کی گواہی جائز ہے۔

ترجمہ:(۵۱۱)اور تہمت میں حد لگائے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے اگر چہ توبہ کر چکا ہو۔

ترجمہ :۱؎ اللہ تعالی کے قول زنا پر تہمت میں حد لگائے ہوئے کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔

تشریح : کسی آدمی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور گواہ نہ لا سکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگ گئی۔اب وہ توبہ بھی کرے تب بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ : (۱) آیت میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے، کہ کبھی بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون ۝ الا الذين تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور الرحيم (آیت ۴/۵،سورۃ النور ۲۴)اس آیت میں ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو(۲) حدیث میں ہے۔عن عائشةؓ قالت :قال رسول الله لاتجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودة ولا ذي غمر لاحنة (ترمذی شریف،باب ما جاء فیمن لا تجوز شہادتہ، ص ۵۲۶ ،نمبر ۲۲۹۸ رسنن للبیہقی ، باب من قال لا تقبل شهادته ،ج عاشر،ص ۲۶۱ ،نمبر ۲۰۵۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد لگے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔(۳)اور توبہ کرے یعنی اپنے آپ کو تہمت لگانے میں جھٹلائے پھر بھی گواہی مقبول نہیں اس کی دلیل یہ قول تابعی میں ہے۔ انبأ يونس عن الحسن قالا :لاتقبل شهادته ابدا وتوبته فيما بينه وبين ربه۔(سنن للبیہقی ، باب من قال لا تقبل شهادته، ج عاشر،ص ۳۶۲ ،نمبر ۲۰۵۷۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۴۷ من قال لا تجوز شہادتہ اذا تاب ،ج رابع ،ص ۳۳۰ ،نمبر ۲۰۶۴۸) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمہ ۲؎ اور اس لئے کہ حد کے اتمام میں سے یہ ہے کہ گواہی سے روکنے والا ہو اس لئے ، توبہ کے بعد بھی اصل کی طرح باقی رہے گا۔بخلاف تہمت کے علاوہ میں حد لگی ہوئی ہو اس لئے رد کرنا فسق کی وجہ سے ہے اور وہ توبہ کی وجہ سے ختم ہوگئی۔

المحدود في غير القذف لأن الرد للفسق وقد ارتفع بالتوبة. ۳ وقال الشافعي رحمه الله تقبل إذا تاب لقوله تعالى إلا الذين تابوا استثنى التائب. ۴ قلنا الاستثناء ينصرف إلى ما يليه وهو قوله

تشریح :توبہ کے بعد بھی گواہی قبول نہ کی جائے اس کی یہ دلیل عقلی ہے۔زنا کی تہمت لگانے پر حد لگی ہے اور آیت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے ،اس لئے حد کے دو حصے ہوئے ایک کوڑے لگنا،اور دوسرا حصہ ہے کبھی اس کی گواہی قبول نہ کرنا،اس لئے گواہی قبول نہ کرنا حد کے حصے میں سے ہے اس لئے توبہ کے بعد بھی گواہی نہیں کی جائے گی۔ اور دوسرے حدود میں فاسق ہونے کی وجہ سے گواہی نہیں قبول کی جاتی ہے اور توبہ کے بعد وہ فاسق باقی نہیں رہتا اس لئے توبہ کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ :۳ امام شافعیؒ نے فرمایا تہمت میں حد لگائے ہوئے کی گواہی قبول کی جائے گی اگر وہ توبہ کر چکا ہو، کیونکہ اللہ تعالی کے قول الا الذین تابو سے استثناء کیا ہے۔

تشریح :امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر زنا کی تہمت لگانے والے اپنے جھوٹ ہونے کا اقرار کر لیا اور تہمت لگانے سے توبہ کر لیا تو اب اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔**قال الشافعیؒ و تقبل شهادة المحدود ين فی القذف و فی جميع المعاصی اذا تابوا** ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ باب اجازۃ شہادۃ المحدود،ج ۱۳،ص ۳۵۱،نمبر ۲۶۵۰۱)اس عبارت میں ہے کہ توبہ کر لے تو محدود فی القذف کی بھی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

وجہ :(۱) آیت مذکورہ میں **الا الذين تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحيم** (آیت ۵،سورۃ النور۲۴) میں ہے کہ اگر توبہ کر لے تو اللہ معاف فرما دیں گے۔یعنی گواہی کے قابل ہو جائے گا(۲) بخاری شریف میں آگے یوں ہے۔**وجلد عمرؓ ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغيرة ثم استتابهم وقال من تاب قبلت شهادته،واجاز عبد الله بن عتبة وعمر بن عبد العزيز ... وقال الشعبی وقتادة اذا اكذب نفسه جلد وقبلت شهادته.** (بخاری شریف،باب شہادۃ القاذف والسارق والزانی،ص ۴۲۹،نمبر ۲۶۴۸ رسنن للبیہقی ،باب شہادۃ القاذف،ج عاشر،ص ۲۵۶،نمبر ۲۰۵۴۵ ۱رمصنف عبد الرزاق،باب شہادۃ القاذف،ج ثامن،ص ۲۸۲،نمبر ۱۵۶۴۰)اس عمل صحابی سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ :۴ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ استثناء، **الا الذين تابوا** ،اپنے بالکل قریب،**اولئک هم الفاسقون** ، کی طرف پھیرا جائے گا۔

تشریح :امام شافعیؒ نے،**الا الذين تابو** ،کو حد کے ساتھ کر دیا،اور یہ بتایا کہ لیکن توبہ کرے تو گواہی قبول کی جائے گی،

تعالى وأولئک هم الفاسقون ۵؎أو هو استثناء منقطع بمعنى لكن. ٦؎ ولو حد الكافر في قذف ثم أسلم تقبل شهادته لأن للكافر شهادة فكان ردها من تمام الحد وبالإسلام حدثت له شهادة

لیکن ہم جواب دیتے ہیں کہ، الا الذین تابو ، کا تعلق اپنے قریب، اولئک هم الفاسقون ، کے ساتھ ہے اور مطلب یہ ہے کہ توبہ، کے بعد اب وہ فاسق نہیں رہا تاہم اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ **والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون ٥ الا الذين تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور الرحيم** (آیت ۴/۵، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں **الا الذين تابوا، اولئک هم الفاسقون**، کے ساتھ ہے۔

ترجمه: ۵؎ یا یہ استثناء منقطع ہے اور, **الا لکن**، کے معنی میں ہے۔

تشریح : یہ دوسری تاویل ہے، کہ استثناء منقطع ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ، اس کا تعلق پہلے جملے کے ساتھ نہیں ہے یہ ایک مستقل جملہ ہے، اور الا کا لفظ لکن کے معنی میں ہو گیا اس لئے اس سے پہلے جملے سے نہ استثناء کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ اس کے ساتھ کوئی تعلق ہے، اور کہنا یہ چاہتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد یہ تہمت لگانے والا آدمی اب فاسق نہیں رہا نیک بن گیا، لیکن اس کا تعلق گواہی قبول کرنے یا نہ کرنے سے نہیں ہے۔

لغت :استثناء منقطع: یہ نحوی محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ الا کے بعد والے جملے کا تعلق اس سے پہلے کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مستقل جملہ ہے اور اس کا مطلب آگے کے ساتھ ہے، اور الا لکن کے معنی میں ہو گیا ہے۔

ترجمه : ٦؎ اگر زنا کی تہمت میں کافر کو حد لگائی گئی پھر وہ مسلمان ہوا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اس لئے کہ کافر، اس لئے کہ کافر پہلے کافروں کے لئے گواہی دینے کا اہل تھا، اور کفر کے زمانے میں اس کی گواہی قبول نہ کرنا حد کے اتمام میں سے ہے اور اسلام لانے کی وجہ سے دوسری نئی گواہی ملی ہے [اس لئے گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح : کافر کو تہمت میں حد لگ گئی اس کے بعد مسلمان ہو گیا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجه :(۱) کافر کفر کی حالت میں کافروں کے لئے گواہی دینے کا اہل تھا، لیکن تہمت کی حد لگنے کی وجہ سے گواہی نہیں دے سکا تو گویا کہ حد کے دونوں حصے [کوڑا لگنا، اور گواہی قبول نہ کرنا] پورے ہو گئے، اب مسلمان ہونے کے بعد اس کو ایک نئی گواہی ملی ہے، کیونکہ پہلے صرف کافر کے لئے گواہی دے سکتا تھا، اب وہ مسلمان کے لئے بھی گواہی دے سکتا ہے، پس چونکہ حد پوری ہو گئی ہے اور نئی گواہی بھی ملی ہے اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔(۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **اخبرنا الثوری قال اذا جلد اليهودى و النصرانى فى قذف ثم اسلما جازت شهادتهما ، لان الاسلام يهدم ما كان قبله**

أخرى ے بخلاف العبد إذا حد ثم أعتق لأنه لا شهادة للعبد أصلا فتمام حده برد شهادته بعد العتق. (۵۱۲) قال ولا شهادة الوالد لولده وولد ولده ولا شهادة الولد لأبويه وأجداده ل والأصل فيه قوله عليه الصلاة والسلام لا تقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها ولا

و اذا جلد العبد فی قذف ثم عتق لم تجز شهادته ۔ر مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ القاذف، ج ثامن، ص۲۸۴،نمبر۱۵۶۵۰)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ کافر کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ :ے بخلاف غلام کے اگر حد لگی ہو پھر آزاد کیا گیا ہو[تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی]اس لئے کہ غلامیت کی حالت میں اس کی گواہی تھی ہی نہیں اس لئے اس کی حد کا اتمام آزاد ہونے کے بعد اس کی گواہی کو رد کر کے ہوگی۔

تشریح :غلام پر تہمت کی حد لگی تو اس زمانے میں وہ گواہی دے نہیں سکتا تھا اس لئے حد کا ایک حصہ [کوڑا لگنا] تو پورا ہوا لیکن حد کا دوسرا حصہ [گواہی کو رد کرنا پورا نہیں ہوا]، اس لئے آزاد ہونے کے بعد جب گواہی دینے کے قابل ہوا تو اس کی گواہی قبول نہ کر کے حد کا دوسرا حصہ پورا کیا جائے گا اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ :اس قول تابعی میں ہے۔ اخبرنا الثوری و اذا جلد العبد فی قذف ثم عتق لم تجز شهادته ۔مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ القاذف، ج ثامن، ص۲۸۴،نمبر۱۵۶۵۰)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ تہمت میں حد لگا ہوا غلام آزاد ہوا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ:(۵۱۲) اور نہ والد کی گواہی اپنے بیٹے کے لئے اور نہ اپنے پوتے کے لئے ،اور نہ بچے کی گواہی اپنے والدین کے لئے اور اپنے دادا کے لئے۔

ترجمہ :ل اصل اس بارے میں حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ نہیں قبول کی جائے گی اولاد کی گواہی والد کے لئے ،اور نہ والد کی گواہی اولاد کے لئے اور نہ بیوی کی گواہی اپنے شوہر کے لئے ،اور نہ شوہر کی گواہی اپنی بیوی کے لئے ،اور نہ غلام کی گواہی اپنے آقا کے لئے اور نہ آقا کی گواہی اپنے غلام کے لئے ،اور نہ اجرت والے کی گواہی اپنے اجرت دینے والے کے لئے۔

تشریح :والد اور والدہ کی گواہی اپنے بیٹے اور پوتے کے لئے مقبول نہیں ہے۔اسی طرح لڑکا یا لڑکی اپنے والدین کے لئے یا اپنے دادا دادی کے لئے دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ :(۱) لڑکا اپنے باپ، دادا کی گواہی دے یا باپ، دادا بیٹے یا پوتے کی گواہی دے تو اس میں رعایت کرنے کی تہمت ہے اس لئے ان لوگوں کی گواہی مقبول نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے .عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ... ولا القانع اهل البيت لهم ولا ظنين فی ولاء ولا قرابة،قال الفزاری القانع التابع (ترمذی

الـزوج لامـرأتـه ولا العبد لسيده ولا المولى لعبده ولا الأجير لمن استأجره ۲؎ ولأن الـمنافع بين الأولاد والآبـاء متـصـلة ولهذا لا يجوز أداء الزكاة إليهم فتكون شهادة لنفسه من وجه أو تتمكن فيه التهمة. ۳؎ قـال الـعبد الضعيف والمراد بالأجير على ما قالوا التلميذ الخاص الذي يعد ضرر أستـاذه ضـرر نـفسـه ونفعه نفع نفسه وهو معنى قوله عليه الصلاة والسلام لا شهادة للقانع بأهل

شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته ص ۵۲۶، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ قرابت والوں کی گواہی مقبول نہیں۔ اور ان لوگوں کی آپس میں قرابت ہے اس لئے ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ پھر حدیث میں یہ بھی ہے کہ گھر کے قانع یعنی گھر والے جس کی کفالت کرتے ہوں اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اور باپ بیٹے کی کفالت کرتا ہے۔ اسی طرح بوڑھاپے میں بیٹا باپ کی کفالت کرتا ہے اس لئے ان کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے (۳) اس قول تابعی میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ عن ابراهیم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده، والولد لوالده، والمرأة لزوجها، والزوج لامرأته، والعبد لسيده، والسيد لعبده، والشريك لشريكه فى الشىء اذا كان بينهما، واما فيما سوى ذلك فشهادته جائزة. (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الاخ لاخيه والابن لابيه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۲۶۸، نمبر ۱۵۵۶۰ / مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس قول تابعی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی گواہی باپ دادا کے لئے مقبول نہیں ہے۔ (۴) اور اجیر کا تذکرہ اس قول تابعی میں ہے۔ عن الشعبى عن شريح قال اّرد شهادة ستة، الخصم، المريب، و دافع المغرم، الشريک لشريكه، و الاجير لمن استأجره۔ (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس قول تابعی میں ہے کہ اجرت والا اپنے مستأجر کے بارے میں گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس لئے بھی کہ اولاد اور باپ کے درمیان منافع متصل ہیں یہی تو وجہ ہے کہ انکو زکوۃ دینے سے ادا نہیں ہوگی اس لئے گواہی دینا من وجہ اپنے لئے ہی گواہی دینا ہوگا، یا اس میں تہمت کا شبہ بھی ہے [کہ اپنے رشتہ دار کی رعایت میں گواہی دی، اس لئے انکی گواہی مقبول نہیں ہے]

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ : ۳؎ مصنف فرماتے ہیں کہ قول تابعی میں اجیر سے مراد خاص شاگرد ہے جو استاذ کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتا ہے، اور اس کے نفع کو اپنا نفع سمجھتا ہے اور یہی شاگرد ہی مراد ہے جو حدیث میں ہے, ولا شهادة للقانع اهل البيت لهم،

تشریح : صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اوپر جو قول صحابی گزرا جس میں تھا و الاجير لمن استأجره۔ (مصنف ابن ابی

البيت ؎ وقيل المراد الأجير مسانهة أو مشاهرة أو مياومة فيستوجب الأجر بمنافعه عند أداء الشهادة فيصير كالمستأجر عليها. (۵۱۳)قال ولا تقبل شهادة أحد الزوجين للآخر ؎ وقال

شیبۃ ،نمبر۲۲۸۵۱)اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا خاص شاگرد جو استاذ کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتا ہو وہ مرد ہے،اس لئے وہ اپنے استاذ کے حق میں گواہی نہیں دے سکتا،اسی طرح ترمذی شریف کی حدیث جس میں , **ولا القانع اهل البيت لهم**۔ ہے،ترجمہ: گھر والے کا اجرت پر کام کرنے والا]اس سے بھی مراد خاص شاگرد ہی ہے۔ترمذی شریف کی پوری حدیث یہ ہے ۔**عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ... ولا القانع اهل البيت لهم ولا ظنين فى ولاء ولا قرابة،قال الفزارى القانع التابع** (ترمذی شریف،باب ما جاء فیمن لا تجوز شھادتہ ص۵۲۶،نمبر۲۲۹۸/ابوداود شریف،باب من ترد شہادتہ،ص۵۱۷،نمبر۳۶۰۰) اس حدیث میں،قانع اهل البیت لھم ،کا جملہ ہے۔

لغت: قانع: قناعت کرنے والا،قوم کا اجرت پر کام کرنے والا،یاں مراد ہے تابع۔

ترجمہ :؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ اجیر سے مراد سال بھر کے لئے اجرت پر لیا ہوا،یا مہینے بھر کے لئے اجرت پر لیا ہوا،یا دن بھر کے لئے اجرت پر لیا ہوا مراد ہے تو ایسا ہو گیا کہ گواہی کے ادا کرتے وقت خود اپنا نفع وصول کر رہا ہے،تو ایسا ہو گیا کہ گواہی کے لئے ہی اجرت پر لیا ہے۔

تشریح : اوپر قول تابعی ,اجیر,کی یہ دوسری تفسیر ہے،کہ سالانہ اجرت پر ہو یا ماہانہ اجرت پر،یا دن بھر کے لئے اجرت پر جو آدمی ہو وہ گواہی دے،تو جس وقت گواہی دے رہا ہے اس کی مزدوری بھی وصول کر رہا ہے اس لئے ایسا سمجھا جائے گا کہ،خود اس گواہی کی اجرت وصول کر رہا ہے اور اجرت پر گواہی دینا جائز نہیں ہے اسلئے ایسے مزدور کی بھی اپنے مستاجر کے لئے گواہی دینا جائز نہیں ہوگی

لغت : اجیر:اجرت پر کام کرنے والا،اسی سے ہے مستاجر:اجرت پر کام کروانے والا۔مسانہۃ:سنۃ سے مشتق ہے،سالانہ۔ مشاہرۃ:شہر سے مشتق ہے،ماہانہ۔مياومة:یوم سے مشتق ہے،دن پھر پر۔

ترجمہ :(۵۱۳)اور نہیں قبول کی جائے گی میاں بیوی میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے۔

تشریح :بیوی شوہر کے لئے گواہی دے یا شوہر بیوی کے لئے گواہی دے تو قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ : (۱) یہاں بھی تعلق ہے اس لئے شبہ ہوگا کہ حمایت میں گواہی دے رہا ہے اس لئے مقبول نہیں ہے(۲)اوپر ترمذی شریف کی حدیث گزری جس میں تھا ولا قرابة ، کہ قریب خاص کی گواہی مقبول نہیں ہے۔اس لئے بھی مقبول نہیں ہوگی (۳) اور یہ قول تابعی بھی گزرا۔**عن ابراهيم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده،والولد لوالده ،والمرأة**

الشافعي رحمه الله تقبل لأن الأملاک بينهما متميزة والأيدي متحيزة ولهذا يجري القصاص والحبس بالدين بينهما۲ ولا معتبر بما فيه من النفع لثبوته ضمنا كما في الغريم إذا شهد لمديونه

لزوجها، والزوج لامرأته. (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الاخ لاخيه والابن لابيه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۲۶۸، نمبر ۱۵۵۶۰/ مصنف ابن ابی شيبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس قول تابعی میں ہے کہ بیوی شوہر کے لئے اور شوہر بیوی کے لئے گواہی نہیں دے سکتا۔

ترجمہ :۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میاں بیوی کی گواہی قبول کی جائے گی اس لئے کہ دونوں کی ملکیتیں الگ الگ ہیں، اور قبضے ہر ایک کا الگ ہے، اسی لئے دونوں میں قصاص جاری ہوتا ہے، اور قرضہ لینے پر قید کیا جائے گا۔

تشریح :امام شافعیؒ کے یہاں بیوی کی گواہی شوہر کے لئے اور شوہر کی گواہی بیوی کے لئے جائز ہے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ **و یجوز بعد شهادته لكل من ليس منه من اخ و ذی رحم و زوجة لانی لا اجد فی الزوجة و لا فی الاخ علة ارد طها شهادته خبرا ولا قياسا و لا معقولا** ۔(موسوعة امام شافعی، باب شهادة الوالد للولد والولد للوالد۔ ج ۱۳، ص ۳۵۷، نمبر ۲۶۵۳۵) اس عبارت میں ہے کہ بیوی کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کی ملکیتیں الگ الگ ہیں، دونوں کے قبضے بھی الگ الگ ہیں یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کو قتل کر دے تو قصاص کے طور پر شوہر قتل کیا جائے گا۔ یا شوہر قرض لے لے اور واپس نہ دے تو بیوی کے قرض میں قید کیا جائے گا، جس سے معلوم ہوا کہ ملکیت کے اعتبار سے دونوں الگ الگ ہیں اس لئے گواہی دینے سے اپنا فائدہ نہیں ہے اس لئے ایک دوسرے کے لئے گواہی دے سکتے ہیں۔ (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **سمعت شريحا اجاز لامرأة شهادة ابيها وزوجها، فقال له الرجل انه ابوها وزوجها، فقال له شريح فمن شهد للمرأة الا ابوها وزوجها** (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الاخ لاخيه والابن لابيه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۲۶۷، نمبر ۱۵۵۵۷/ مصنف ابن ابی شيبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۴) اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے گواہی دے سکتے ہیں

لغت :متميزة: تمیز سے مشتق ہے، الگ الگ۔ متحيزة: حیز سے مشتق ہے، ایک دائرے میں سمٹا ہوا، یہاں مراد ہے کہ بیوی کی ملکیت پر بیوی کا قبضہ ہے، اور شوہر کی ملکیت پر شوہر کا قبضہ ہے۔ الحبس: قید کرنا۔

ترجمہ :۲ اور اس میں تھوڑا بہت نفع کا اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ یہ ضمنا ثابت ہوتا ہے، جیسے کہ قرض دینے والا اپنے مفلس مقروض کے لئے رقم کی گواہی دے۔

المفلس. ۳؎ ولنا ما روينا ولأن الانتفاع متصل عادة وهو المقصود فيصير شاهدا لنفسه من وجه أو يصير متهما ۴؎ بخلاف شهادة الغريم لأنه لا ولاية على المشهود به. (۵۱۴)ولا شهادة

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی جانب سے اس بات کا جواب ہے کہ بیوی گواہی دے گی تو شوہر کو جو رقم آئے گی اس میں سے بیوی بھی فائدہ اٹھائے گی، اس لئے اپنے فائدے کے لئے گواہی دینا ہوا جو جائز نہیں ہے۔تو اس کا جواب ہے کہ یہ فائدہ اٹھانا ضمنا ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ جس نے قرض لیا تھا وہ مفلس ہو گیا، اب قرض دینے والا اس کے لئے گواہی دے کہ اس کا دین فلاں پر ہے، تو یہ گواہی دینا جائز ہے، حالانکہ جب یہ رقم اس کو ملے گی تو اس میں سے قرض دینے والے کو اپنا قرض بھی واپس ملے گا، لیکن یہ فائدہ ضمنا ہے اس لئے گواہی دینا جائز ہے، اسی طرح بیوی جو فائدہ اٹھائے گی وہ ضمنا ہے اس لئے شوہر کے لئے گواہی دے سکتی ہے۔

لغت :غریم: قرض دینے والا۔ مفلس: جس آدمی کو قاضی نے مفلس قرار دے دیا کہ اب یہ قرض ادا نہیں کر سکے گا، یہ بینک کرافٹ ہو گیا

ترجمہ :۳؎ ہماری دلیل ایک تو وہ روایت [قول تابعی] ہے جو ہم نے بیان کیا ہے، اور اس لئے کہ عادۃ نفع متصل ہوتا ہے اور وہی مقصود ہے اس لئے گویا کہ اپنے ہی لئے گواہی دینا مقصود ہوا، یا کم سے کم متہم تو ضرور ہوگا۔

تشریح : ہماری ایک دلیل تو وہ روایت ہے جو پہلے گزری۔ والمرأة لزوجها، والزوج لامرأته۔ (مصنف عبد الرزاق) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عام طور پر میاں بیوی ایک دوسرے کا مال اپنے مال کی طرح استعمال کرتے ہیں، اس لئے ایسا ہوا کہ اپنے ہی لئے گواہی دی۔ اور کم سے کم متہم تو ضرور ہوگا کہ اپنے فائدے کے لئے گواہی دی ہے اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ :۴؎ بخلاف قرض دینے والے کی گواہی کے [وہ جائز ہے] اسلئے جس مال کی گواہی دی ہے اس پر اس کی ولایت نہیں ہے

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ قرض دینے والے کی گواہی جائز ہے حالانکہ اس کا فائدہ ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ شوہر، بیوی کے مال میں اور قرض دینے والے کے مال میں بہت بڑا فرق ہے۔ شوہر بیوی ایک دوسرے کا مال اپنے مال کی طرح استعمال کرتے ہیں، اس لئے گویا کہ گواہی دینے میں براہ راست اپنا فائدہ ہوا، اور قرض دینے والا مقروض کے مال کو استعمال نہیں کر سکتا، وہ تو مقروض کو رقم ملے گی پھر قاضی اس میں سے تھوڑا سا قرض دینے والے کو اس کا حصہ دلوائے گا تب جا کر اس کو کچھ ملے گا، اس لئے اس کی گواہی براہ راست اپنے فائدے کے لئے نہیں اس لئے گواہی دے

المولی لعبده ۱؎ لأنه شهادة لنفسه من کل جهة إذا لم یکن علی العبد دین أو من وجه إن کان علیه

سکتا ہے۔

ترجمه:(۵۱۴)اورآقا کی گواہی اپنے غلام کے لئے مقبول نہیں ہے۔

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ اگر غلام پر قرض نہ تو ہر اعتبار سے اپنے ہی لئے گواہی دینی ہے، اور غلام پر قرض ہو تو من وجہ اپنے لئے گواہی دینا ہے اس لئے کہ غلام کی حالت ابھی موقوف ہے، اور قابل لحاظ ہے۔

لغت :موقوف مرعی: ترجمہ؛ ابھی غلام کی حالت موقوف ہے دونوں باتوں کی رعایت ہو سکتی ہے۔ایک صورت یہ ہے کہ ۔غلام پر اگر دوسرے کا قرض ہے، پس اگر یہ قرض آقا ادا کر دے تو غلام اور اس کی تمام چیز آقا کی ہو جائے گی اس اعتبار سے غلام کے لئے گواہی دینا پورے طور پر اپنے لئے گواہی دینا ہوگا۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر قرض ادا نہیں کیا تو غلام قرض میں بیچا جائے گا، اس صورت میں یہ غلام قرض والے کا ہے، اور اس کے لئے گواہی دینا اپنے لئے گواہی دینا نہیں ہے۔تاہم ابھی غلام ونوں کے بیچ میں ہے اور دونوں صورتیں بن سکتی ہیں اسی کو ،موقوف مرعی، کہا ہے کہ موقوف ہے دونوں صورتوں کی رعایت ہے۔

تشریح :اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر اس پر قرض نہیں ہے تب تو غلام اور اس کا مال آقا کے لئے ہے اس لئے اپنے لئے ہی گواہی دی، اور اگر اس پر قرض ہے تو آقا کے قرض ادا کرنے کے بعد غلام، اور اس کا مال آقا ہی کا ہے اس لئے من وجہ اپنے لئے گواہی دینا ہوا اس لئے جائز نہیں ہوگا ۔

وجه :(۱) یہاں بھی آقا اپنے غلام کی کفالت کرتا ہے تو گویا کہ۔ **قانع لاهل البیت** ہو گیا۔اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) حدیث میں ہے۔**عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن والخائنة وذی الغمر علی اخیه ورد شهادة القانع لاهل البیت واجازها لغیرهم** (ابوداؤد شریف، باب من ترد شهادته، ص ۵۱۷، نمبر ۳۶۰۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شهادته، ص ۵۲۶، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ جسکی کفالت کرتا ہو اس کی گواہی مقبول نہیں۔اور غلام اور مکاتب کی آقا کفالت کرتا ہے اسلئے اس کی گواہی مقبول نہیں (۲) اس قول تابعی میں ہے۔**وقال ابن سیرین شهادته جائزة الا العبد لسیده** (بخاری شریف، باب شهادة الاماء والعبید، ص ۴۳۱، نمبر ۲۶۵۹) (۳) اوپر قول تابعی گزرا۔**اربعة لاتجواز شهادتهم ... والعبد لسیده والسید لعبده** (مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الاخ لاخیه والابن لابیه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۲۶۸، نمبر ۱۵۵۶۰ رمصنف ابن ابی شیبة، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس قول تابعی میں ہے غلام آقا کے لئے اور آقا غلام

دين لأن الحال موقوف مراعى(۵۱۵) ولا لمكاتبه لما قلنا. (۵۱۶) ولا شهادة الشريک لشريكه فيما هو من شركتهما لـ لأنه شهادة لنفسه من وجه لاشتراكهما ولو شهد بما ليس من

کے لئے گواہی نہیں دے سکتے (۴) یوں بھی غلام کا مال آقا کا مال ہے اس لئے گویا کہ اپنے مال ہی کے لئے گواہی دیتا ہے اس لئے جائز نہیں۔

ترجمه :(۵۱۵) اور اپنے مکاتب غلام کے لئے بھی گواہی دینا جائز نہیں ہے۔

ترجمه : لـ ان دلائل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے کہا۔

تشریح : مکاتب غلام کے درجے میں ہے اس لئے اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے

وجه:(۱) قول تابعی میں ہے۔ **قال ابراهيم اذا كان يسعى فهو منزلة العبد يقول لا تجوز شهادته .** (مصنف عبدالرزاق، باب شہادۃ المکاتب والذی یسعی، ج ثامن، ص ۲۶۸، نمبر ۱۵۵۶۳) اس قول تابعی میں ہے کہ مکاتب غلام ہے اس لئے اس کی گواہی اپنے آقا کے حق میں مقبول نہیں ہے۔

ترجمه: (۵۱۶) اور نہ شریک کی گواہی شریک کے لئے جس چیز میں دونوں کی شرکت ہے۔

ترجمه : لـ اس لئے کہ شرکت کی وجہ سے من وجہ اپنی ذات کے لئے گواہی دینا ہوا، اور جس چیز میں شرکت نہیں ہے اس میں گواہی دی تو قبول کی جائے گی، تہمت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : جس معاملے میں دونوں کی شرکت ہے اس معاملے میں ایک شریک کی گواہی دوسرے کے لئے مقبول نہیں ہے۔ لیکن اگر دوسرے معاملے میں گواہی دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

وجه :(۱) یہاں بھی تہمت ہے کہ اپنے ہی مال کے لئے رعایت کر کے گواہی دے رہا ہے (۲) حدیث گزری۔ **عن عمر بن شعيب ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن و الخائنة** (ابوداؤد شریف، باب من ترد شہادتہ، ص ۵۱۷، نمبر ۳۶۰۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لا تجوز شہادتہ، ص ۵۲۶، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ خائن مرد اور خائنہ عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اور شریک کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ خیانت کے ساتھ گواہی دے۔ اس لئے اس کی گواہی اس مال میں صحیح نہیں جس میں شریک ہے۔ باقی دوسرے معاملے میں شریک کے بارے میں گواہی دے سکتا ہے (۳) قول تابعی بھی گزرا۔ **عن ابراهيم قال اربعة لاتجوز شهادتهم... والشريک لشريكه في الشيء اذا كان بينهما، واما فيما سوى ذلک فشهادته جائزة** (مصنف عبدالرزاق، باب شہادۃ الاخ لاخیہ، والابن لابیہ، والزوج لامرأتہ، ج ثامن، ص ۲۶۸، نمبر ۱۵۵۶۰ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۲۵ فی شہادۃ الولد لوالدہ، ج رابع، ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱)

شركتهما تقبل لانتفاء التهمة. (٥١٧) وتقبل شهادة الأخ لأخيه وعمه لانعدام التهمة لأن الأملاک ومنافعها متباينة ولا بسوطة لبعضهم في مال البعض. (٥١٨) قال ولا تقبل شهادة المخنث ومراده المخنث في الرديء من الأفعال لأنه فاسق فأما الذي في كلامه لين وفي

اس قول تابعی میں ہے کہ شریک کی گواہی شریک کے لئے مال شرکت میں مقبول نہیں ہے۔

اصول: ان سب گواہی میں یہ اصول ہے کہ جہاں رعایت کرنے یا خیانت کرنے کا شبہ ہے وہاں گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمہ: (۵۱۷) اور آدمی کی گواہی اپنے بھائی کے لئے اور چچا کے لئے قبول کی جائے گی۔

ترجمہ: اس لئے کہ تہمت نہیں ہے اس لئے ہر ایک کی ملکیت اور منافع الگ الگ ہیں، اور ایک دوسرے کے مال کو بساطت کے ساتھ خرچ بھی نہیں کر سکتے۔

وجہ: (۱) بھائی اور چچا کی کفالت بھائی اور بھتیجے کے ذمے نہیں ہے اس لئے کہ دونوں کی رہائش الگ الگ ہیں، دونوں کی ملکیت الگ الگ ہے اور منافع بھی الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کے مال کو بغیر اجازت کے خرچ بھی نہیں کر سکتے اس لئے قانع اہل بیت نہیں ہوئے۔ اس لئے ان کی گواہی مقبول ہے (۲) قول تابعی میں ہے۔ ان شریحا کان یجیز شهادة الاخ لاخيه اذا كان عدلا (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی شهادة الاخ لاخيه، ج عاشر، ص ۳۴۱، نمبر ۲۰۸۶۷ / مصنف عبد الرزاق، باب شهادة الاخ لاخيه والابن لابيه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۲۶۶، نمبر ۱۵۵۵۰ / مصنف ابن ابی شیبة، ۲۲۵ فی شهادة الاخ لاخيه، ج رابع، ص ۴۳۳، نمبر ۲۱۷۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھائی کی گواہی بھائی کے لئے جائز ہے اور چچا تو اس سے دور کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے لئے بھی گواہی جائز ہوگی۔

ترجمہ: (۵۱۸) اور نہیں قبول کی جائے گی گواہی مخنث کی گواہی۔

ترجمہ: مخنث سے مراد ہے جو ردی افعال [لواطت وغیرہ] کرتا ہو اس لئے کہ وہ فاسق ہے، اور وہ مخنث جس کی باتوں میں عورت کی طرح نرمی ہو، اور اس کے اعضاء میں پیدائشی لچک ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے۔

تشریح: مخنث کہتے ہیں جو مرد عورت کی طرح کرتا ہو۔ اگر اتنا ہی ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے لیکن اگر لواطت کرواتا ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس گناہ کی وجہ سے فاسق ہو گیا۔ اور آیت کی وجہ سے فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے۔ واشهدوا ذوا عدل منكم واقيموا الشهادة لله (آیت ۲، سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ عادل کی گواہی مقبول ہے فاسق کی نہیں۔ (۲) دوسری آیت میں ہے۔ یا ایها لذين آمنوا ان جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا ان تصيبوا قوما بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين (آیت ۶، سورۃ حجرات ۴۹) اس

أعضائه تكسر فهو مقبول الشهادة.(۵۱۹) ولا نائحة ولا مغنية؛ لأنهما يرتكبان محرما فإنه عليه الصلاة والسلام نهى عن الصوتين الأحمقين النائحة والمغنية

آیت میں ہے کہ فاسق کوئی خبر لائے تو اس پر یقین مت کرو۔اس کی پوری تفتیش کرو کیونکہ فاسق جھوٹ بول سکتا ہے۔اس لئے اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے(۳) عادل کی تعریف یہ ہے۔**قلت لابرهيم ماالعدل من المسلمين؟ قال الذين لم تظهر لهم ريبة** ۔(مصنف عبدالرزاق، باب لایقبل منھم ولا جار الی نفسه ولاظنین، ج ثامن، ص ۲۴۷، نمبر ۱۵۴۴۰)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جو گناہ کر کے مشکوک ہو چکا ہے وہ عادل نہیں رہا۔

(۴) مخنث گنہگار ہے اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔**عن ابن عباسؓ قال لعن النبی ﷺ المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء،وقال اخرجوهم من بيوتكم واخرج فلانا واخرج عمرؓ فلانا** (بخاری شریف، باب فی اہل المعاصی والمخنثین، ص ۱۱۷۹، نمبر ۶۸۳۴)اس حدیث میں مخنث پر لعنت کی ہے اور اس کو گھروں سے نکالنے کا حکم دیا ہے اس لئے اس کی گواہی کیسے قبول کی جائے گی۔(۵) اور لواطت کرتا ہو اس سے گنہگار ہونے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔**عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به** (ابو داؤد شریف، باب فیمن عمل عمل قوم لوط، ص ۶۲۹، نمبر ۴۴۶۲ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی حد اللوطی، ص ۳۵۴، نمبر ۱۴۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لواطت کرنے والے اور کرانے والے دونوں قتل کر دیئے جائیں۔اس لئے کہ یہ گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں۔اس لئے یہ فاسق ہوئے اور ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

نوٹ : اگر لواطت نہ کرواتا ہو، صرف عورتوں کی طرح چال ڈھال ہوگئی ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے۔کیونکہ وہ گناہ کبیرہ میں مبتلا نہیں ہے۔

ترجمہ:(۵۱۹) اور گواہی قبول نہیں کی جائے گی پیشہ کے طور پر رونے والی کی، اور گانے والی کی۔

ترجمہ :1 اس لئے کہ یہ دونوں حرام کا ارتکاب کر رہی ہیں، اس لئے کہ حضور ﷺ نے دو احمق آوازوں سے روکا ہے، ایک رونے والی اور دوسری گانے والی۔

تشریح :نائحہ : مردہ پر واویلا کرنے والی، رونے والی۔ غم اور مصیبت کی وجہ سے فطری طور پر روئے تو اس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی، اس کی گواہی مقبول ہے۔یہاں نائحہ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو پیشہ ور رونے والی ہو کہ غم وغیرہ کچھ نہیں ہے۔کرایہ پر نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ایسی نوحہ خوانی گناہ کبیرہ ہے۔اس لئے ان کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔اور گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

(۵۲۰) ولا مدمن الشرب على اللهو[۱] لأنه ارتكب محرم دينه.

وجه :(۱) نوحہ حرام ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی سعید الخدری قال لعن رسول الله ﷺ النائحة والمستمعة (ابوداؤد شریف، باب فی النوح، ص ۴۵۸، نمبر ۳۱۲۸ رمسلم شریف، باب التشدید فی النیاحۃ ،ص ۳۷۶، نمبر ۲۱۶۰/۹۳۴) اس سے معلوم ہوا کہ نوحہ گناہ کبیرہ ہے اس لئے نوحہ کرنے والیوں کی گواہی مقبول نہیں جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے۔

مغنیہ : گانے والی عورتیں۔کبھی کبھار گیت گا لیا یا شعر کہہ لیا اس سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔یہاں مغنیہ سے مراد ہے جو گانے کا پیشہ بنا لیا ہو۔اور ناچ گانے کی دعوت دیتی ہو۔اس کی عدالت ساقط ہوگی کیونکہ ایسا گانا گناہ کبیرہ ہے۔

وجہ :(۱) آیت میں ہے۔ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا اولئك لهم عذاب مهين (آیت ۶، سورۃ لقمان ۳۱) اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔هو والله الغناء (سنن للبیہقی ، باب الرجل یغنی فیتخذ الغناء صناعۃ یوتی علیہ ویأتی لہ ویکون منسوبا الیہ مشھورا بہ معروفا او المرأۃ، ج عاشر، ص ۳۷۷، نمبر ۲۱۰۰۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ گانا حرام ہے (۲) ترمذی شریف میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔عن جابر بن عبد الله قال اخذ النبى ﷺ بيد عبد الرحمن بن عوف ... ولكن عن صوتين احمقين فاجرين صوت عند مصيبة خمش وجوه وشق جيوب ورنة شيطان. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت ،ص ۲۴۳، نمبر ۱۰۰۵) اس حدیث میں رنۃ الشیطان سے مراد گانا گانا ہے۔اس لئے یہ گناہ کبیرہ ہے۔اس کا پیشہ بنانے سے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔(۳) حدیث میں ہے۔سمعت عبد الله يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الغناء ينبت النفاق فى القلب . (ابوداؤد شریف، باب فی کراہیۃ الغناء، ص ۶۹۴، نمبر ۴۹۲۷ رسنن للبیہقی ، باب الرجل یغنی فیتخذ الغناء صناعۃ یؤتی علیہ ویأتی لہ الخ، ج عاشر، ص ۳۷۸، نمبر ۲۱۰۰۸) اس حدیث میں ہے کہ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

ترجمہ :(۵۲۰) لہو کے طور پر ہمیشہ شراب پینے والا [کی گواہی مقبول نہیں ہے]

ترجمہ :[۱] اس لئے کہ دین کی حرام چیز کا ارتکاب کر رہا ہے۔

تشریح :مدمن الشرب : دمن :ادمن سے مشتق ہے ہمیشہ کرنا۔جو ہمیشہ شراب پیتا ہو اور توبہ کرنے کی نیت نہ ہو اس کو مدمن الشرب شراب میں دھت کہتے ہیں۔اس کی گواہی مقبول نہیں ہے اس لئے کہ وہ حرام چیز کا ہمیشہ استعمال کر کے فاسق ہو گیا ہے۔

(۵۲۱) ولا من يلعب بالطيور ^۱^ **أنه يورث غفلة ولأنه قد يقف على عورات النساء بصعوده على**

وجه : (۱) شراب پینا گناہ کبیرہ ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوا لعلكم تفلحون** (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں شراب پینا حرام قرار دیا گیا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابی هريرةؓ ان رسول الله ﷺ قال لايزنى الزانى حين يزنى وهو مؤمن ولا يشرب الخمر حين يشرب وهو مؤمن** (بخاری شریف، باب الزنا وشرب الخمر، ص ۱۱۶۸، نمبر ۶۷۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شراب پینے سے مؤمن باقی نہیں رہتا۔ اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

اگر شراب پینے سے توبہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

وجه: اس قول تابعی میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال كنت مع عمر بن الخطاب فى حج ... فامر الناس ان يجالسوه ويوا كلوه وان تاب فاقبلوا شهادته وحمله واعطاه مأتى درهم فاخبر عمرؓ ان شهادته تسقط بشرب الخمر وانه اذا تاب حينئذ تقبل شهادته** (سنن للبیہقی، باب شہادۃ اہل الاشربۃ، ج عاشر، ص ۳۶۲، نمبر ۲۰۹۴۸) اس قول تابعی میں ہے کہ شراب پینے سے توبہ کرے تو اس کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

ترجمه :(۵۲۱) اور جو پرندوں سے کھیلتا ہو۔

تشریح :لا من یلعب بالطیور : پرندوں کو سکھانے اور کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔ یہاں مراد ہے کہ پرندے کے ذریعہ سے بازی لگاتا ہے۔ اس لئے یہ ایک قسم کا جوا ہے۔

وجه :جوا حرام ہے اس کے لئے یہ آیت ہے۔ **يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون** (آیت ۹۰، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں میسر اور ازلام سے مراد جوا ہے جو حرام ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله بن عمرؓ ان نبى الله ﷺ نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغبيراء وقال كل مسكر حرام** ۔ (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی السکر، ص ۵۲۸، نمبر ۳۶۸۵) اس حدیث میں المیسر یعنی جوا حرام قرار دیا۔ اس لئے پرندے کے ذریعہ جو جوا کھیلتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہے۔

اصول : یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ مسلسل گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے عدات ساقط ہوگئی۔ اور آیت مذکورہ کے اعتبار سے غیر عادل کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

ترجمه :^۱^ اس لئے کہ یہ غفلت پیدا کرتا ہے، اور اس لئے کہ وہ چھت پر چڑھ کر عورتوں کی بے پردگی سے واقف ہوتا ہے، تا کہ اپنے پرندوں کو اڑائے۔

سطحه ليطير طيره ۲؎ وفي بعض النسخ ولا من يلعب بالطنبور وهو المغني(۵۲۲) ولا من يغني للناس ۱؎ لأنه يجمع الناس على ارتكاب كبيرة.(۵۲۳) ولا من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها

تشریح : صاحب ہدایہ نے گواہی قبول نہ ہونے کی یہ دوسری دو دلیلیں دی ہیں۔[۱] پرندے اڑانے میں لگے رہنے سے دماغ میں غفلت پیدا ہوگی جس سے گواہی دینے میں خلل ہوگا، اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[۲] دوسری دلیل یہ دی کہ پرندہ اڑانے کے لئے چھت پر چڑھنا ہوگا، اور وہاں سے غیر محرم عورت کا ستر نظر آئے گا جو حرام ہے، اس لئے حرام کے ارتکاب کرنے سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

لغت :یورث: ورث سے مشتق ہے، سبب کا باعث ہونا، یہاں مراد ہے پیدا کرتا ہے۔صعود: صعد سے مشتق ہے، چڑھنا

ترجمہ :۲؎ بعض نسخے میں ہے، ولا من یلعب بالطنبور: یعنی اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی جو طنبورے سے کھیلتا ہو، یعنی گانا گاتا ہو

تشریح :طنبورہ ایک قسم کا باجا ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو طنبورہ بجا بجا کر گانا گاتا ہو تو وہ لہو لعب میں میں شامل ہے اس لئے اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔اس کی دلیل، ولا مغنیۃ: میں گزر گئی۔

ترجمہ:(۵۲۲)اور نہ اس کی گواہی جو لوگوں کے لئے گاتا ہو۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کو لوگوں کبیرہ گناہ کے کرنے پر جمع کرتا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

وجہ : (۱) کیونکہ یہ بھی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہے۔اس کی دلیل اوپر گزر چکی ہے(۲) یہ حدیث بھی ہے۔ سمعت عبد الله يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الغناء ينبت النفاق فى القلب(ابوداؤد شریف، باب فی الغناء، ص۶۹۴، نمبر ۴۹۲۷)

ترجمہ: (۵۲۳)اور نہ اس کی جو ایسے کبیرہ گناہ کرے جس سے حد متعلق ہوتی ہو۔

ترجمہ :۱؎ فاسق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح :ایسا کبیرہ گناہ کرنے کا عادی ہے جس پر حد ہے، مثلا چوری، ڈاکہ زنی کی تو اس سے حد لازم ہوتی ہے۔اس لئے چور اور ڈاکہ زنوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجہ :(۱)اس سے عدالت ساقط ہوگئی اور آیت کے اعتبار سے غیر عادل کی گواہی مقبول نہیں ہے۔آیت یہ ہے ۔واشهدوا ذوى عدل منكم واقيموا الشهادة لله ذالكم يوعظ به. (آیت۲، سورۃ الطلاق ۶۵) اس آیت میں ہے کہ عادل

الحد ۶ للفسق. (۵۲۴)قال ولا من يدخل الحمام من غير إزار ۷ لأن كشف العورة حرام.
(۵۲۵)أو يأكل الربا أو يقامر بالنرد والشطرنج ۸ لأن كل ذلک من الكبائر وكذلک من تفوته

کی گواہی قبول کرو۔(۲) حدیث میں ہے کہ حد لگے ہوئے آدمی کی گواہی قبول مت کرو۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة و لا مجلود حدا و لا مجلود. (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لا تجوز شہادتہ ص۵۲۶، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ حد لگے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمہ: (۵۲۴)اور نہ وہ جو بغیر لنگی کے حمام میں داخل ہوتا ہو۔

ترجمہ :۷ اس لئے کہ ستر عورت کا کھولنا حرام ہے۔

تشریح :لا یدخل الحمام بغیر ازار : اگر غسل خانہ بند ہو اور ایک آدمی ننگا غسل کرے تو اس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ لیکن ایسا غسل خانہ ہو جس میں بہت سے لوگ ایک ساتھ نہاتے ہوں۔جیسے انگلینڈ میں سویمنگ پول ہوتا ہے جس کو حمام کہتے ہیں۔اس میں بالکل ننگا داخل ہو تو چونکہ بغیر ستر کے سب کے سامنے داخل ہوا،اور سب کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے اس لئے اس گناہ کبیرہ کی وجہ سے عدالت ساقط ہو جائے گی۔

وجہ :(۱)ستر کھولنے کی حرمت اس آیت میں ہے۔یبنی آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد.(آیت ۳۱،سورۃ الاعراف ۷)اس آیت میں ہے کہ نماز کے وقت زینت اختیار کرو یعنی کپڑا پہنو(۲) حدیث میں ہے۔اخبرنی حميد بن عبد الرحمن بن عوف ان ابا هريرة قال ..... ثم اردف رسول الله ﷺ عليا فامره ان يوذن ببراءة 'قال ابو هريرة فاذن معنا علیؓ فی اهل منى يوم النحر، لايحج بعد العام مشرک ولا يطوف بالبيت عريان (بخاری شریف، باب مایستر من العورۃ، ص ۶۵، نمبر ۳۶۹)اس حدیث میں ننگا رہنے سے منع فرمایا(۳)ایک اور حدیث ہے۔عن ابی سعيد الخدری انه قال نهی رسول الله ﷺ عن اشتمال الصماء، وان يحتبی الرجل فی ثوب واحد ليس على فرجه منه شیء (بخاری شریف، باب مایستر من العورۃ، ص ۶۵، نمبر ۳۶۷)اس حدیث میں بھی ستر کھولنے سے منع فرمایا۔اس لئے عام لوگوں کے سامنے غسل خانہ میں ستر کھولنے سے عدالت ساقط ہو جائے گی۔اور اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

ترجمہ :(۵۲۵)اور نہ اس کی گواہی جو سود کھائے اور نہ جو نرد اور شطرنج کھیلے۔

ترجمہ :۸ اس لئے کہ یہ تمام کبیرہ گناہ ہیں اسی طرح نرد اور شطرنج کھیلنے میں نماز فوت ہو جائے تو گواہی قبول نہیں ہے۔

تشریح :جو سود کھاتا ہو اور اس میں مشہور ہو وہ فاسق ہو گیا۔اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

الصلاة للاشتغال بهما۲ فأما مجرد اللعب بالشطرنج فليس بفسق مانع من الشهادة لأن

وجه :(۱) آیت میں ہے کہ سود کھانا حرام ہے۔الذين يأكلون الربوا لايقومون الا كما يقوم الذى يتخبطه الشيطان من المس ذلک بانهم قالوا انما البيع مثل الربوا واحل الله البيع وحرم الربوا (آیت۲۷۵، سورۃ البقرۃ۲)اس آیت میں سود حرام قرار دیا ہے۔اس لئے اس کے کھانے والے کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

لغت :ولا المقامر بالنرد: نرد ایک قسم کا کھیل ہے۔اگر اس سے جوا کھیلے تو حرام ہے۔اور جوا کھیلنے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے

وجه :(۱) انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون (آیت۹۰،سورۃ المائدۃ۵)(۲)اور اگر جوئے کے بغیر نرد کھیلے تب بھی جائز نہیں ہے۔اس حدیث میں ہے۔عن سليمان بن بريدة عن ابيه ان النبى ﷺ قال من لعب بالنردشير فكانما صبغ يده فى لحم خنزير ودمه۔(مسلم شریف، باب تحریم اللعب بالنردشیر،ص۱۰۰۱،نمبر۲۲۶۰/۵۸۹۶/ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن اللعب بالنرد،ص۶۹۶، نمبر۴۹۳۹)اس حدیث میں ہے کہ نردشیر سے جو کھیلے گویا کہ اپنا ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں رنگا۔اسلئے اسکے کھیلنے والوں کی گواہی مقبول نہیں ہے

لغت :والشطرنج : یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے اگر اس میں جوا نہ ہوا ہو اور اس میں مشغولیت کی وجہ سے نماز اور دینی فرائض نہ چھوٹتے ہوں تو بعض حضرات نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔

وجه:میں ہے۔(۱) انبأ الشافعى قال كان محمدبن سيرين وهشام بن عروة يلعبان بالشطرنج استدبارا (سنن للبیہقی ، باب الاختلاف فی اللعب بالشطرنج ،ج عاشر،ص ۳۵۷،نمبر۲۰۹۲۳) اس عمل تابعی سے معلوم ہوا کہ شطرنج کھیلنا جائز ہے۔کیونکہ اس کھیل میں دماغ تازہ ہوتا ہے بشرطیکہ نماز اور دینی فرائض نہ چھوٹتے ہوں اور جوا نہ ہوا ہو۔

ترجمه :۲ بہر حال شطرنج سے صرف کھیلنا ہو تو فسق نہیں ہے،اور شہادت سے روکنے والی نہیں ہے،اس، لئے کہ اجتہاد کی اس میں گنجائش ہے۔

تشريح :اور اگر اس میں اتنی مشغولیت ہے کہ نماز اور دینی فرائض چھوٹتے ہوں تو پھر عدالت ساقط ہوگی اور گواہی مقبول نہیں ہوگی

وجه:(۱)اس قول تابعی میں ہے۔عن على انه يقول الشطرنج هو ميسر الاعاجم (سنن للبیہقی ، باب الاختلاف فی اللعب بالشطرنج، ج عاشر،ص ۳۵۸،نمبر ۲۰۹۲۸)(۲) دوسری روایت میں ہے۔ عن ابن عمرؓ انه سئل عن الشطرنج فقال هو شر من النرد (سنن للبیہقی ، باب الاختلاف فی اللعب بالشطرنج، ج عاشر،ص ۳۵۸،نمبر۲۰۹۳۴)

للاجتهاد فيه مساغا. ۳؎ وشرط في الأصل أن يكون آكل الربا مشهورا به لأن الإنسان قلما ينجو عن مباشرة العقود الفاسدة وكل ذلک ربا. (۵۲۶) قال ولا من يفعل الأفعال المستحقرة كالبول على الطريق والأكل على الطريق ا؎ لأنه تارک للمروءة وإذا كان لا يستحي عن مثل

ان آثار سے معلوم ہوا کہ شطرنج کھیلنا جائز نہیں ہے۔اس لئے یوں کہا جائے کہ اس سے دینی فرائض چھوٹتے ہوں تو کھیلنے والے کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور فاسق ہونے کی بنا پر گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

ترجمہ :۳؎ اور مبسوط میں یہ ہے کہ سود کھانے میں مشہور ہو اس لئے کہ فاسد عقد کرنے سے کم لوگ محفوظ ہیں، اور یہ سب سود ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :(۵۲۶)اور نہ اس کی گواہی جو حقیر کام کرتا ہو جیسے راستے پر پیشاب کرنا اور راستے پر کھانا۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ وہ مروت کو چھوڑنے والا ہے۔، اور اس لئے کہ جو اس قسم کی چیزوں سے شرماتا نہیں ہے تو وہ جھوٹ سے بھی نہیں رکے گا، اس لئے وہ متہم ہے۔

تشریح: جو حقیر کام کرنے کا عادی ہو وہ جھوٹ بولنے سے بھی عار محسوس نہیں کرے گا۔اسلئے ایسے آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہے

وجہ :(۱) حدیث میں ہے۔ظنین یعنی دین میں متہم آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔**عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودة ولا ذی غمر لاحنة ولا مجرب شهادة ولا القانع اهل البيت لهم ولا ظنين فی ولاء ولا قرابة.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لا تجوز شهادته، ص ۵۲۶، نمبر ۲۲۹۸)اس میں ہے ولا ظنین یعنی اس کی گواہی مقبول نہیں جو دین میں متہم ہو۔چنانچہ اس کی تفسیر حدیث میں ہے **عن ابی هريرة قال بعث رسول الله مناديا فی السوق انه لا تجوز شهادة خصم ولا ظنين. قيل وما الظنين ؟قال المتهم فی دينه** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب لا یقبل متهم ولا جار الی نفسه ولا ظنین، ج ثامن، ص ۲۴۸، نمبر ۱۵۴۴۴)(۲) دوسری روایت میں ہے۔**سمعت شريحا يقول لا اجيز عليک شهادة الخصم .....و لا مريب** (مصنف عبد الرزاق، باب لا یقبل متهم ولا جار الی نفسه ولا ظنین، ج ثامن، ص ۲۴۹، نمبر ۱۵۴۵۰)اس حدیث میں ہے کہ جو دین میں متہم ہو اسکی گواہی مقبول نہیں ہے

نوٹ: جس معاشرے میں تھوڑا بہت راستے پر کھانا معیوب نہیں ہے اس کے کھانے سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔

ترجمہ :(۵۲۷)اس آدمی کی گواہی مقبول نہیں جو سلف کو گالیاں دیتا ہو۔

ذلک لا يمتنع عن الكذب فيتهم.(۵۲۷) ولا تقبل شهادة من يظهر سب السلف لظهور فسقه بخلاف من يكتمه. (۵۲۸) وتقبل شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية وقال الشافعي رحمه الله لا

ترجمه: اس کا فسق ظاہر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : جو سلف صالحین کو برا بھلا کہتا ہو یا گالیاں دیتا ہو وہ فاسق ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں۔

وجہ :(۱) جو سلف کا احترام نہ کرتا ہو وہ عموما جھوٹ بولنے میں عار محسوس نہیں کرتا اس لئے بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ سباب المسلم فسوق وقتا له كفر** (بخاری شریف، باب ما ینہی من السباب واللعن، ص ۱۰۵۵، نمبر ۶۰۴۴/ مسلم شریف، باب بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، ص ۴۸، نمبر ۶۴/۲۲۱، کتاب الایمان) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ اس لئے سلف صالحین کو گالی دیتا رہتا ہو تو بدرجۂ اولی فسق ہوگا اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمہ :(۵۲۸) اور قبول کی جائے گی اہل ہواء [بدعتی] کی گواہی سوائے خطابیہ کے۔

تشریح : اہل ہواء سے مراد وہ تمام جماعتیں ہیں جو اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ ہوں جیسے شیعہ، رافضی وغیرہ۔ وہ مسلمان ہیں اگر چہ ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ ہے۔ اس لئے ان کی گواہی اہل سنت والجماعۃ کے خلاف قبول کی جائے گی۔ البتہ خطابیہ ایک قوم ہے جسکی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

وجہ: عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ المسلمون عدول بعضهم على بعض الا محدودا فی فرية (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۷ من قال لا تجاوز شہادتہ اذا تاب، ج رابع، ص ۳۳۰، نمبر ۲۰۶۵۰/ دار قطنی، کتاب عمرؓ الی ابی موسی اشعریؓ، ج رابع، ص ۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سب کے سب عادل ہیں اس لئے چاہے تھوڑا بہت اختلاف ہو سچ بولنے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ : امام شافعیؒ نے فرمایا اہل ھوا کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ یہ فسق کی غلیظ شکل ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی گواہی اہل سنت والجماعۃ کے خلاف مقبول نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعۃ سے کینہ ہوگا اور کینہ کی وجہ سے جھوٹی گواہی دے سکتے ہیں اس لئے مقبول نہیں

وجہ :(۱) حدیث میں ہے کہ کسی آدمی سے کینہ ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے. **عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله ﷺ رد شهادة الخائن والخائنة وذی الغمر على اخيه ... وقال ابوداؤد، الغمر الحقد والشحناء** (ابوداؤد شریف، باب من ترد شہادتہ، ص ۵۱۷، نمبر ۳۶۰۰/ ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن لا تجوز

تقبل لأنه أغلظ وجوه الفسق. ٢ ولنا أنه فسق من حيث الاعتقاد وما أوقعه فيه إلا تدينه به وصار كمن يشرب المثلث أو يأكل متروك التسمية عامدا مستبيحا لذلك بخلاف الفسق من حيث التعاطي . ٣ أما الخطابية فهم من غلاة الروافض يعتقدون الشهادة لكل من حلف عندهم. وقيل يرون الشهادة لشيعتهم واجبة فتمكنت التهمة في شهادتهم لظهور فسقهم .(٥٢٩)قال وتقبل

شھادتہ،ص ۵۲۷،نمبر ۲۲۹۸)اس حدیث میں ہے کہ غمر والے یعنی کینے والے کی گواہی مقبول نہیں۔اور دوسرے فرقے والوں کو چونکہ اہل سنت کے خلاف کینہ ہوگا اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

ترجمہ :٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ اعتقاد کے اعتبار سے فاسق ہیں اور دین ہی نے اس کو بدعت میں ڈالا ہے اس لئے جھوٹ سے بچے گا،اور ایسا ہوگیا کہ مثلث پیتا ہو،یا جان کر جس ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دیا اس کو حلال سمجھ کر کھاتا ہو،بخلاف جو عملا فاسق ہو[اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی]

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ بدعی لوگ جو بدعات میں پڑے ہیں اس کو دین سمجھ کر پڑے ہیں،اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیندار ہیں،اس لئے وہ جھوٹ نہیں بولیں گے،اس کی دو مثالیں دیتے ہیں۔مثلث شیرہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال اور امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہے اب اس آدمی نے شیخین کی بات پر عمل کرتے ہوئے مثلث پی لیا تب بھی اس کی گواہی امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ اس آدمی نے اس کو دین سمجھ کر کیا ہے۔دوسری مثال یہ ہے کہ جس جانور پر جان کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا ہے وہ حنفیہ کے نزدیک حرام ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے،اب کسی آدمی نے حلال سمجھ کر اس کو کھا لیا تب بھی اس کی گواہی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ دین سمجھ کر کھایا ہے۔اسی طرح دین سمجھ کر اہل ھوا[بدعت] کوئی کام کرتا ہے اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

لغت : مثلث:انگور کا شیرہ ہو اس کا دو حصہ جلا دیا جائے اور ایک حصہ رہ جائے اور ابھی نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو اس کو مثلث کہتے ہیں ،کیونکہ تین حصے میں سے ایک حصہ رہ گیا ہے،امام محمدؒ کے نزدیک اس پینا کا حرام ہے،لیکن امام شیخین کے نزدیک اسکا پینا حلال ہے۔متروک التسمیۃ:کسی جان کر جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ چھوڑ دیا تو حنفیہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے۔مستبیحا:مباح سے مشتق ہے،حلال سمجھ کر کرنا۔التعاطی:عطا سے مشتق ہے دینا،یہاں مراد ہے عملا فسق

ترجمہ :٣ بہر حال خطابی تو وہ غالی رافضی قوم ہے جو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ جو بھی اس کے سامنے قسم وہ گواہی ہے[اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی]،اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شیعہ کے لئے گواہی دینا واجب سمجھتے ہیں اس لئے اس کے فسق کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اس کی گواہی میں تہمت ہے[اس لئے گواہی قبول نہیں کی جائے گی]

شهادة أهل الذمة بعضهم على بعض وإن اختلفت مللهم. ۱؎ **وقال مالك والشافعي رحمهما الله لا تقبل لأنه فاسق قال الله تعالى والكافرون هم الظالمون فيجب التوقف في خبره ولهذا لا تقبل**

تشریح : الخطابیہ : یہ رافضیوں کا غالی فرقہ ہے۔ یہ ابی خطاب محمد بن وہب الاجدع کی طرف منسوب ہے۔ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے مذہب کے علاوہ پر جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ مذہب کو چھپانے یا بچانے کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہے۔تو چونکہ جھوٹ بولنے کا شبہ ہے اس لئے اس کی گواہی دوسرے مذہب والے کے خلاف مقبول نہیں ہے۔دوسری تفسیر صاحب ہدایہ نے بیان کی کہ شیعہ مذہب والوں کے لئے گواہی دینا واجب ہے، چاہے اس کا دعوی غلط ہو،اس لئے اب وہ شیعہ کے لئے جھوٹ بولے گا اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

لغت: اہل الھواء : خواہش والے، یہاں مراد ہے اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ کے مذاہب۔

ترجمہ :(۵۲۹) ذمیوں کی گواہی بعض کی بعض کے خلاف جائز ہے چاہے وہ آپس میں مختلف ہوں۔

تشریح : یہودی یا نصرانی جو دار الاسلام میں ٹیکس دیکر رہتے ہوں ان کو ذمی کہتے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں تو جائز ہے۔

وجہ :(۱) نصرانی نصرانی کے خلاف گواہی دے تو دونوں ایک مذہب کے ہوئے اس لئے جائز ہے۔اور نصرانی یہودی کے خلاف گواہی دے تب بھی جائز ہے کیونکہ دونوں ذمی ہیں۔اور گویا کہ غیر مسلم ہونے کے اعتبار سے ایک مذہب ہوئے (۲) حدیث میں ہے۔**عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ اجاز شهادة اهل الكتاب بعضهم على بعض** . (ابن ماجہ شریف، باب شھادۃ اہل الکتاب بعضھم علی بعض، ص ۳۴۰، نمبر ۲۳۷۴ مصنف عبد الرزاق، باب شھادۃ اہل الملل بعضھم علی بعض وشھادۃ المسلم علیھم، ج ثامن، ص ۲۷۹، نمبر ۱۵۶۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب جو ذمی ہوتے ہیں بعض کی گواہی بعض کے خلاف جائز ہے۔

ترجمہ : ۱؎ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذمی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ یہ فاسق ہیں۔اللہ تعالی نے فرمایا۔الکافرون ھم الفاسقون۔اس لئے اس کی خبر میں توقف کرنا واجب ہے،اسی لئے مسلمان کے خلاف اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے،اسلئے وہ مرتد کی طرح ہوا۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ذمی میں بھی ایک مذہب والے کی گواہی دوسرے کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ واذا شهد الغلام قبل ان يبلغ و العبد قبل ان يعتق و الكافر قبل ان يسلم لرجل بشهادة فليس للقاضى ان يجيزها و لا عليه ان يسمعها ، و سمعها منه**

شهادته على المسلم فصار كالمرتد. ۲؎ ولنا ما روي أن النبي عليه الصلاة والسلام أجاز شهادة النصارى بعضهم على بعض ولأنه من أهل الولاية على نفسه وأولاده الصغار فيكون من أهل

تکلف۔(موسعۃ امام شافعیؒ باب شہادۃ الغلام والعبد والکافر، ج ۱۳،ص ۳۵۹،نمبر ۲۶۵۴۸)اس عبارت میں ہے کہ کافر کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

وجه: (۱)صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ **انهم كفرو بالله و رسوله و ماتوا وهم فاسقون** ۔(آیت ۸۴،سورت التوبۃ ۹)(۲)**و من كفر بعد ذالک فأولئک هم الفاسقون** ۔(آیت ۵۵،سورت النور ۲۴)ان دونوں آیتوں میں ہے کہ کفر فسق ہے اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے (۳) پیچھے گزر چکا ہے کہ جن کے درمیان کینہ ہو اس کی گواہی مقبول نہیں۔اور یہود اور نصاری کے درمیان دائمی کینہ ہے اس لئے یہودی کی گواہی نصرانی کے خلاف اور نصرانی کی گواہی یہودی کے خلاف مقبول نہیں۔آپس کی دشمنی کی دلیل یہ آیت ہے۔**فاغرينا بينهم العداوة والبغضاء الى يوم القيامة** (آیت ۱۴، سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ اس کے آپس میں عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔اس لئے ایک ملت کی گواہی دوسری ملت کے لئے مقبول نہیں ہے(۴)حدیث میں ہے۔**عن ابی هريرة** ؓ **قال قال رسول الله** ﷺ **لايتوارث اهل ملتين شيء ولا تجوز شهادة ملة على ملة الا ملة محمد فانها على غيرهم** (سنن للبیہقی ،باب من رد شہادۃ اہل الذمۃ ،ج عاشر،ص ۲۷۴،نمبر ۲۰۶۱۶ رمصنف عبد الرزاق،باب شہادۃ اہل الملل بعضہم علی بعض وشہادۃ المسلم علیہم ،ج ثامن،ص ۲۷۷،نمبر ۱۵۶۱۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مذہب والا دوسرے مذہب کے خلاف گواہی نہ دے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل حضور ﷺ نصاری کی گواہی بعض کا بعض پر دینے کی اجازت دی ہے،اور اس لئے بھی کہ اس کی ولایت اپنی ذات پر ہے اور اپنی چھوٹی اولاد پر ہے اس لئے وہ اپنے ہم جنس پر گواہی دینے کا اہل ہے۔

تشریح: یہ حنفیہ کی دلیل ہے[۱] یہ قول تابعی ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے۔ **عن الشعبى انه كان يجيز شهادة اليهودى على النصرانى و النصرانى على اليهودى** (مصنف عبد الرزاق،باب شہادۃ اہل الملل بعضہم علی بعض وشہادۃ المسلم علیہم ،ج ثامن،ص ۲۷۹،نمبر ۱۵۶۲۵)۔[۲] صاحب ہدایہ کی تائید میں ایک قول تابعی اور بھی پیش خدمت ہے۔ **سمعت حمادا يقول تجوز شهادة الكتاب بعضهم على بعض اذا كانوا عدولا فى دينهم** (مصنف عبد الرزاق،باب شہادۃ اہل الملل بعضہم علی بعض وشہادۃ المسلم علیہم ،ج ثامن،ص ۲۷۹،نمبر ۱۵۶۲۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب جو ذمی ہوتے ہیں بعض کی گواہی بعض کے خلاف جائز ہے[۳] دوسری دلیل عقلی ہے کہ خود نصاری اور یہودی کو اپنی ذات پر اور اپنے چھوٹے بچے پر ولایت ہے اس لئے انکو اپنے ہم مذہب کے خلاف گواہی دینے کی گنجائش ہوگی۔

الشهادة على جنسه ۳؎ والفسق من حيث الاعتقاد غير مانع لأنه يجتنب ما يعتقده محرم دينه والكذب محظور الأديان ۴؎ بخلاف المرتد لأنه لا ولاية له وبخلاف شهادة الذمي على المسلم

ترجمه ۳؎ اور فسق اعتقاد کے اعتبار سے ہے جو گواہی کے لئے مانع نہیں ہے، اس لئے کہ مذہب میں جو حرام ہے جس کا وہ اعتقاد کرتا ہے اس سے وہ پرہیز کرے گا، اور جھوٹ بولنا تمام مذاہب میں حرام ہے [اسلئے ذمی بھی جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے گا]

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ ذمی کافر ہیں اس لئے وہ فاسق ہیں اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، یہ فسق عمل میں نہیں ہے بلکہ اعتقاد کے اعتبار سے ہے، اور وہ یہودی، یا نصرانی مذہب کو مانتا ہے اور تمام مذاہب میں جھوٹ حرام ہے اس لئے وہ اپنے مذہب کے مطابق جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے گا اس لئے اس کی گواہی اپنے ہم مذہب کے خلاف قبول کی جائے گی۔

ترجمه: ۴؎ بخلاف مرتد کے اس لئے کہ اس کو کوئی ولایت نہیں ہے، اور بخلاف ذمی کی شہادت مسلم کے خلاف اس لئے کہ ذمی کو مسلمان کی طرف نسبت کرتے ہوئے ولایت نہیں ہے۔

تشریح : یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ ذمی کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں ہے، یا مرتد کی گواہی قبول نہیں ہے اسی طرح ذمی کی گواہی ذمی کے خلاف بھی قبول نہ ہو، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مرتد تو مباح الدم ہے وہ اب قتل کر دیا جائے گا اس لئے اس کو اپنی ذات پر بھی ولایت نہیں اس لئے وہ دوسروں پر گواہی کیسے دے سکتا ہے، کیونکہ گواہی دینا دوسروں پر اپنی بات ثابت کرنا ہے۔ اور ذمی کی ولایت مسلمان پر نہیں ہے اس لئے ذمی مسلمان کے خلاف گواہی نہیں دے سکتا۔

وجه :(ا) اس آیت میں اس کی صراحت ہے۔ **یاایها الذین آمنوا شهادة بینکم اذا حضر أحدکم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم أو آخران من غیرکم ان ضربتم فی الارض فأصابتکم مصیبة الموت** ۔(آیت ۱۰۶، سورت المائدة ۵) اس آیت میں ہے کہ اپنوں یعنی مسلمانوں میں سے دو گواہ بناو، وہ نہ ہو سکے تو صرف سفر میں غیر مسلم کو گواہ بنا سکتے ہو۔ (۲) **عن ابراهیم عن شریح قال لاتجوز شهادة الیهودی و النصرانی الا فی السفر** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب شهادة اہل الکفر علی اہل الاسلام، ج ثامن، ص ۲۸۱، نمبر ۱۵۶۳۰) اس قول تابعی میں آیت کی ترجمانی کی ہے اور فرمایا کہ ذمی کی گواہی مسلمان کے خلاف صرف سفر میں جائز ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے غیر مسلم حکومت میں بھی معاملات میں کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف سنی جائے گی اور فیصلہ کیا جائے گا۔

لأنـه لا ولاية له بالإضافة إليه ۵ؐ ولأنـه يتـقـول عليه لأنه يغيظه قهره إياه وملل الكفر وإن اختلفت فلا قهر فلا يحملهم الغيظ على التقول. (۵۳۰) قال ولا تقبل شهادة الحربي على الذمي ا؎ أراد به والـلـه أعـلـم الـمستـأمن لأنه لا ولاية له عليه لأن الذمي من أهل دارنا وهو أعلى حالا منه وتقبل

ترجمه :۵ؐ اوراس لئے کہ ذمی مسلمانوں کے خلاف بہتان باندھے گا، کیونکہ مسلمانوں کا اس پر قابض ہونا اس کو غصہ دلاتا ہے، [باقی رہا ذمی ذمی کا معاملہ] تو تو کفر سب کے سب ایک ہی ملت ہے تو اس پر قہر نہیں ہے اس لئے ایک دوسرے خلاف غیظ وغضب پر نہیں ابھارے گا۔

تشـــريـــح : یہ دوسری دلیل ہے کہ مسلمان نے ذمی پر قبضہ کر رکھا ہے اس لئے اس کے غصے کی وجہ سے گواہی دیتے وقت مسلمان پر بہتان باندھے گا اس لئے اس کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ اور چونکہ ذمی کا قبضہ ذمی پر نہیں ہے اس لئے اس کے آپس میں غیض وغضب نہیں ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے خلاف بہتان نہیں باندھے گا چاہے الگ الگ مذہب کے ذمی ہوں، کیونکہ کفر سب کے سب ایک ہی مذہب ہے۔

لـغـت :یتقول: قول سے مشتق ہے، زیادہ بولنا، بہتان باندھنا۔ یغیظ: غیظ سے مشتق ہے، غصہ کرنا .**یـحـمـلهم** : حمل سے مشتق ہے، ابھارنا۔ قہر: غصہ۔

ترجمه :(۵۳۰) حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

تـرجـمـه :ا؎ یہاں حربی سے مراد امن لیکر داخل ہونے والا ہے، [اور ذمی کے خلاف حربی کی گواہی اس لئے قبول نہیں ہے ذمی پر حربی کی ولایت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ذمی دار الاسلام میں رہنے کی وجہ سے اس کی حالت حربی سے اعلی ہے۔

تشـــريـح :ذمی سے مراد مستامن ہے یعنی وہ حربی جو امن لیکر دار الاسلام آیا ہو۔ یا دوسری شکل یہ ہے کہ ذمی کسی کام کے لئے دار الحرب گیا اور کوئی بات ہوگئی اب حربی ذمی کے خلاف گواہی دے رہا ہے تو یہ گواہی مقبول نہیں ہے۔

وجـه :(۱) کیونکہ حربی کا درجہ کم ہے اور ذمی دار الاسلام میں رہنے کی وجہ سے اعلی ہے۔ اس لئے حربی کی گواہی ذمی کے خلاف مقبول نہیں ہے (۲) اوراس لئے بھی کہ ذمی پر حربی کی ولایت نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف گواہی بھی نہیں دے سکتا۔ (۳) اوپر حدیث گزری کہ ایک ملت کی گواہی دوسرے کے خلاف مقبول نہیں۔ اس لئے ذمی اور حربی کے بارے میں اس پر عمل کیا جائے گا (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ **کان شـريـح يـجـيـز شهـادة كـل ملتها ولا يجيز شهادة اليهـودی على الـنـصـرانی ولا النصرانی على اليهودی الا المسلمين فانه كان يجيز شهادتهم على الملل كلها** (سنن للبیہقی، باب من اجاز شہادۃ اہل الذمۃ علی الوصیۃ فی السفر عند عدم من شہد علیہا من المسلمین، ج عاشر، ص ۲۷۹، نمبر ۲۰۶۲۸ر

شهادة الذمي عليه كشهادة المسلم عليه وعلى الذمي(۵۳۱) وتقبل شهادة المستأمنين بعضهم على بعض إذا كانوا من أهل دار واحدة فإن كانوا من دارين كالروم والترک لا تقبل۱ لأن اختلاف الدارين يقطع الولاية ولهذا يمنع التوارث ۲بخلاف الذمي لأنه من أهل دارنا ولا

مصنف عبد الرزاق، باب شهادة اہل الملل بعضهم على بعض وشهادة المسلم عليهم، ج ثامن، ص ۲۷۸، نمبر ۱۵۶۱۷) اس اثر میں ہے کہ یہودی کی گواہی نصرانی کے خلاف اور نصرانی کی گواہی یہودی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ جب ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی تو اسی پر قیاس کر کے حربی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ : (۵۳۱) ذمی کی گواہی ذمی کے خلاف جائز ہے، جیسے مسلمان کی گواہی مسلمان کے خلاف اور ذمی کے خلاف جائز ہے۔ امن لیکر داخل ہونے والے کی گواہی بعض کا بعض پر جائز ہے اگر وہ ایک ہی ملک کے ہوں، اور اگر دو ملک کے ہوں جیسے ایک روم کا دوسرا ترکی کا تو قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ اختلاف دار کی وجہ سے ایک دوسرے پر ولایت منقطع ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ وراثت بھی نہیں ملے گی۔

اصول : گواہی دینے والے اور جس کے خلاف گواہی دی جارہی ہے دونوں کی حالت ایک جیسی ہے، مثلا دونوں ہی ذمی ہیں، یا دونوں ایک ملک کے ہیں تو گواہی قبول کی جائے گی، لیکن گواہی دینے والے کی حالت ادنی ہے تو قبول نہیں کی جائے گی، یا دو ملکوں کے ہیں تب بھی قبول نہیں کی جائے گی، صرف مسلمان کی گواہی دوسرے ملک، یا دوسرے مذہب والے پر قبول کی جائے گی۔

تشریح : یہاں پانچ مسئلے بیان کئے گئے ہیں [۱] ...... پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ذمی کی گواہی ذمی کے خلاف قبول کی جائے گی، کیونکہ دونوں برابر ہیں، اور ایک کی دوسرے پر ولایت ہے۔ [۲] ......دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول کی جائے گی، کیونکہ دونوں برابر ہیں۔ [۳] ......تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کی گواہی ذمی کے خلاف قبول کی جائے گی، کیونکہ مسلمان ذمی سے اعلی حالت کا ہے۔ [۴] ......امن لیکر دار الاسلام میں داخل ہونے والا حربی کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی، اگر ایک ہی ملک کے ہوں ، کیونکہ دونوں ایک حالت کے ہیں۔ [۵] ......امن لیکر داخل ہونے والے حربی دو ملکوں کے ہیں تو قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ ملک الگ الگ ہونے کی وجہ سے ایک کی ولایت دوسرے پر نہیں ہے۔ جیسے ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں تب بھی وارث نہیں ہوں گے۔

ترجمہ :۲ بخلاف ذمی کے اس لئے کہ وہ دار الاسلام میں رہنے والا ہے، اور امن لیکر داخل ہونے والے کی حالت اتنی اونچی نہیں ہے۔

كـذلـك المستأمن.(۵۳۲) وإن كـانـت الـحسـنـات أغلب من السيئات والرجل ممن يجتنب الـكبـائر قبلت شهادته وإن ألم بمعصية[1] هـذا هـو الصحيح في حد العدالة المعتبرة إذ لا بد من

تشریح: ذمی دارالاسلام کا رہنے والا ہے اس لئے اس کی حالت دوسرے حربی سے اعلی ہے اس لئے مسلمان کے خلاف تو نہیں لیکن دوسرے حربی کے خلاف اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اور امن لیکر داخل ہونے والے حربی کی حالت اتنی اونچی نہیں ہے اس لئے دو الگ الگ ملکوں کے حربی ہوں تو ایک دوسرے کے خلاف گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: (۵۳۲) اگر اچھائیاں برائیاں پر غالب ہوں اور آدمی گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اگر چہ گناہ صغیرہ کر لیتا ہو۔

تشریح: کسی آدمی کے اچھے اعمال غالب ہوں اور برے اعمال کم ہوں اور گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو تو چاہے صغیرہ گناہ کر لیتا ہو پھر بھی اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ: تمام گناہ صغیرہ سے پرہیز کرنا تو آدمی کے لئے مشکل ہے اس لئے یہ قید لگائیں کہ بالکل گناہ صغیرہ نہ کرے تو گواہ کے لئے کوئی آدمی نہیں ملے گا۔ اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ اچھائیاں غالب ہو اور گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو۔ گواہی دینے کے لئے اتنا کافی ہے۔ بلکہ گناہ کبیرہ کر لیا لیکن بعد میں اس سے توبہ کر لی تب بھی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجه: (۱) اس صحابی میں ہے۔ وجلد عمرؓ ابا بكرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغيرة ثم استتابهم وقال مـن تـاب قبـلـت شهادته ... وقال الشعبی وقتادة اذا اكذب نفسه جلد وقبلت شهادته ۔(بخاری شریف، باب شهادة القاذف والسارق والزانی، ص ۴۲۹، نمبر ۲۶۴۸) اس اثر میں ہے کہ گناہ کبیرہ کر کے توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔ (۲) اور ظاہری طور پر اچھے اعمال کرتے ہوں تو گواہی مقبول ہوگی اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ سـمـعـت عمرؓ بن الـخـطـاب يـقـول ان اناسا كانوا يوخذون بالوحی فی عهد رسول الله ﷺ وان الوحی قد انقطع وانما نـاخـذكـم الآن بـمـا ظهـر لـنـا مـن اعـمـالكم، فمن اظهر لنا خيرا امناه وقربناه وليس الينا من سريرته شـیء، الـلـه يـحـاسـب فی سريرته ومن اظهر لنا سوءً ا لم نامنه ولم نصدقه، وان قال ان سريرته حسنة. (بخاری شریف، باب الشهداء والعدول، ص ۴۲۷، نمبر ۲۶۴۱) اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ظاہری طور پر اچھے اعمال نظر آتے ہوں تو اس پر اعتماد کریں گے اور اس کو قریب کریں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

لغت: الم بمعصية: الم: ترجمہ ہے کسی چیز کا ارتکاب کرنا۔ اگر گناہ کرے، اس سے مراد گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرنا ہے۔

ترجمہ: [1] معتبر عادل ہونے کی تعریف میں یہی صحیح ہے اس لئے کہ تمام کبیرہ گناہ سے بچنا ضروری ہے، اور اس کے بعد

تـوقي الكبائر كلها وبعد ذلک يعتبر الغالب كما ذكرنا فأما الإلمام بمعصية لا تنقدح به العدالة المشروطة فلا ترد به الشهادة المشروعة لأن في اعتبار اجتنابه الكل سد بابه وهو مفتوح إحياء للحقوق.(۵۳۳) قال وتقبل شهادة الأقلف لے لأنـه لا يخل بالعدالة إلا إذا تركه استخفافا بالدين لأنـه لـم يبق بهذا الصنيع عدلا (۵۳۴) والخصي لے لأن عـمـر رضـي الـلـه عنه قبل شهادة علقمة

غالب اچھائیاں کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، بہر حال چھوٹے موٹے صغیرہ گناہ کو کر لینا تو یہ عادل ہونے میں نقصان نہیں دیتا اس لئے مشروع شہادت رد نہیں کی جائے گی، اور تمام صغیرہ گناہ سے بچنے کی شرط لگانے سے گواہی کا دروازہ بند ہو جائے گا حالانکہ وہ حق کو زندہ کرنے کے لئے کھلا ہوا ہے۔

تشریح : کبیرہ گناہ سے بچتا ہو اور صغیرہ کے بارے میں اچھائی غالب ہو تو وہ شرعی طور پر عادل ہے، صحیح روایت یہی ہے، کیونکہ صغیرہ گناہ بھی نہ کرتا ہو یہ شرط لگائیں گواہی کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ ایسا آدمی ملے گا ہی نہیں حلانکہ وہ کھلا ہوا ہے۔

ترجمہ : (۵۳۳) اور قبول کی جائے گی غیر ختنہ والے کی گواہی۔

ترجمہ : لے اس لئے کہ عدالت میں اس سے کوئی خلل نہیں پڑتا، ہاں دین کو حقیر سمجھ کر چھوڑا ہو تو [گواہی قبول نہیں ہے] اس لئے کہ اس حرکت سے آدمی عادل باقی نہیں رہتا۔

تشریح : اقلف کا ترجمہ ہے ختنہ نہ کیا ہوا۔ جس آدمی کا ختنہ نہ ہوا ہو اس کی گواہی مقبول ہے۔

وجہ : چونکہ ختنہ نہ کرنے سے عدالت ساقط نہیں ہوئی اور نہ فاسق ہوا۔ اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی۔ ہاں دین کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے ختنہ نہیں کرایا تو اب اس حقیر سمجھنے کی وجہ سے آدمی عادل باقی نہیں رہتا اس لئے اب اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ : (۵۳۴) اور خصی کی گواہی [قبول کی جائے گی۔

ترجمہ : لے اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے علقمہ خصی کی گواہی قبول کی، اور اس لئے کہ یہ ظلم کے طور پر ایک عضو کاٹ دیا گیا ہے تو ایسا ہو گیا کہ اس ہاتھ کاٹ دیا گیا ہو۔

تشریح : خصی : جس آدمی کا خصیہ نکال لیا گیا ہو اس کو خصی کہتے ہیں۔ اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

وجہ : (۱) خصیہ نکال لینے کی وجہ سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوئی اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی (۲) عمل صحابی میں ہے۔ عن ابن سيرين ان عمرؓ اجاز شهادة علقمة الخصى على ابن مظعون. (ابن ابی شیبة ۶۲۳، فی شهادة الخصی، جلد خامس، ص ۹، نمبر ۲۳۲۰۹ / سنن للبیهقی، باب من وجد منه ریح شراب اولقی سکران، ج ثامن، ص ۵۴۹، نمبر

الخصي ولأنه قطع عضو منه ظلما فصار كما إذا قطعت يده.(۵۳۵) وولد الزنا لأن فسق الأبوين لا يوجب فسق الولد ككفرهما وهو مسلم.۲ وقال مالك رحمه الله لا تقبل في الزنا لأنه يجب أن يكون غيره كمثله فيتهم. ۳قلنا العدل لا يختار ذلك ولا يستحبه والكلام في

۱۷۵۱۷)عمل صحابی میں ہے کہ علقمہ خصی کی گواہی کی وجہ سے حد شرب جاری کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ خصی کی گواہی مقبول ہے

ترجمہ :(۵۳۵)زنا سے پیدا شدہ آدمی کی گواہی [مقبول ہے]

ترجمہ :۱ اس لئے کہ ماں باپ کا فسق بچے کے فسق کو واجب نہیں کرتا، جیسے ماں باپ کا کفر بچے کو واجب نہیں کرتا۔

وجہ :(۱) گناہ اس کے ماں باپ کا ہے اس لڑکے کا گناہ نہیں ہے۔اس لئے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی اور اس کی گواہی مقبول ہوگی، جیسے ماں باپ کافر ہوں تو لڑکے کے مسلمان ہونے سے اس کو مسلمان شمار کیا جاتا ہے۔(۲) اس قول صحابی میں ہے۔**انس بن مالک ان النبی ﷺ قال المؤمنون شهداء الله فی الارض وروینا عن عطاء والشعبی انهما قالا :تجوز شهادة ولد الزنا** (سنن للبیہقی ، باب زهادة ولد الزنا۔ج عاشر،ص ۴۲۱،نمبر ۲۱۱۸۰ رمصنف عبد الرزاق، باب شهادة ولد الزنا والعبد والشریک، ج ثامن،ص ۲۵۰،نمبر ۱۵۴۶۰) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ ولد الزنا کی گواہی جائز ہے۔

ترجمہ :۲ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زنا میں ولد الزنا کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ وہ یہ پسند کرے گا کہ دوسرا آدمی بھی اسی طرح کا ہو جائے اس لئے وہ متہم ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

وجہ :انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ولد الزنا شر الثلاثة** ۔(مستدرک للحاکم، کتاب العتق، ج ثانی،ص ۲۳۳،نمبر ۲۸۵۳)اس حدیث میں ولد الزنا کو شر کہا گیا ہے اسلئے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے

ترجمہ : ۳ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ عادل ولد الزنا نہ جھوٹی گواہی کو نہ اختیار کرے گا اور نہ اس کو پسند کرے گا، اور کلام عادل آدمی میں ہے۔

تشریح : امام مالک کو ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر ولد الزنا عادل آدمی ہے تو نہ وہ جھوٹی گواہی دینا اختیار کرے گا، اور نہ یہ پسند کرے گا کہ میرے جیسے لوگ بھی ولد الزنا کہلائیں، اور یہاں گواہی جو لی جائے گی وہ عادل کی لیجائے گی اس لئے کہ وہ متہم نہیں ہے

ترجمہ :(۵۳۶) خنثی کی گواہی جائز ہے۔

العدل. (۵۳۶)قال وشهادة الخنثى جائزة ؕ لأنه رجل أو امرأة وشهادة الجنسين مقبولة بالنص. (۵۳۷)وشهادة العمال جائزة ؕ والمراد عمال السلطان عند عامة المشايخ لأن نفس العمل ليس بفسق إلا إذا كانوا أعوانا على الظلم. ٢ وقيل العامل إذا كان وجيها في الناس ذا مروءة لا يجازف في كلامه تقبل شهادته كما مر عن أبي يوسف رحمه الله في الفاسق لأنه لوجاهته لا يقدم على الكذب حفظا للمروءة ولمهابته لا يستأجر على الشهادة الكاذبة. (۵۳۸)قال وإذا

ترجمه : ا اس لئے کہ وہ یا مرد ہے یا عورت ہے، اور آیت میں دونوں قسموں کے لوگوں کی گواہی جائز ہے اس لئے خنثی کی بھی گواہی جائز ہوگی۔

تشریح : خنثی اس کو کہتے ہیں کہ اس میں نہ مرد کی پوری علامت ہو اور نہ عورت کی پوری علامت ہو، اس کی گواہی اس لئے جائز ہے کہ وہ عادل ہے، اور وہ یا مرد ہوگا یا عورت ہوگی، اور چونکہ آیت میں مرد اور عورت دونوں کی گواہی جائز ہے اس لئے خنثی کی گواہی بھی جائز ہوگی۔

ترجمه :(۵۳۷) عمال کی گواہی جائز ہے۔

ترجمه : ا یہاں عام مشائخ کے نزدیک بادشاہ کا عمال مراد ہے، اس لئے کہ نفس عمل میں کوئی فسق نہیں ہے، جب تک کہ ظلم کا مددگار نہ ہو۔

تشریح : بادشاہ کے پاس جو کام کرنے والے ہوتے ہیں اس کو عامل کی جمع عمال، کہتے ہیں، یہ اگر ظلم نہ کرتے ہوں تو یہ فاسق نہیں ہیں اس لئے ان کی گواہی مقبول ہے۔

ترجمه : ٢ بعض حضرات نے فرمایا کہ عامل لوگوں میں وجاہت والا ہو اور مروت والا ہو بے تکی باتیں نہ کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، جیسے کہ پہلے فاسق کے بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول گزر چکا ہے، اس لئے کہ اپنی وجاہت کی وجہ سے مروت کی حفاظت کرنے کے لئے جھوٹ بولنے پر اقدام نہیں کرے گا، اور اپنا رعب برقرار رکھنے کے لئے جھوٹی گواہی دینے کے لئے اجرت پر نہیں آئے گا۔

تشریح : واضح ہے۔

لغت: وجیہ: وجاہت والا، رعب والا۔ جازف: بے تکی باتیں کرنا، بیہودہ بکنا۔ مروۃ: مروت والا، شرافت والا۔ مہابۃ: ہیبت سے مشتق ہے، رعب و دبدبہ والا۔

ترجمه :(۵۳۸) اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس کے والد نے فلاں کو وصی بنیا تھا اور وصی بھی اس کا دعوی کرتا ہے تو یہ

شهد الرجلان أن أباهما أوصى إلى فلان والوصي يدعي ذلك فهو جائز استحسانا وإن أنكر الوصي لم يجز ١ وفي القياس لا يجوز وإن ادعى وعلى هذا إذا شهد الموصي لهما بذلك أو غريمان لهما على الميت دين أو للميت عليهما دين أو شهد الوصيان أنه أوصى إلى هذا الرجل معهما. ٢ وجه القياس أنها شهادة للشاهد لعود المنفعة إليه. وجه الاستحسان أن للقاضي ولاية

استحسانا جائز ہے، اور اگر وصی انکار کرے تو جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : ١ قیاس کا تقاضہ ہے کہ وصی وصی بننے کا دعوی کرے تب بھی جائز نہ ہو، [۲] اور اسی قاعدے پر ہے جنکے لئے وصیت کی انہوں نے گواہی دی [کہ فلاں وصی ہے] [۳] یا دو قرض دینے والے جنکا میت پر قرض ہے انہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی وصی ہے، [۴] یا میت کا ان دونوں پر قرض ہے انہوں نے گواہی دی [۵] یا دو وصی نے گواہی دی کہ ہمارے ساتھ ساتھ فلاں آدمی کو بھی وصی بنایا ہے۔ تو انکی گواہی استحسانا قبول کی جائے گی۔

اصول : یہاں خود گواہوں کا فائدہ ہے، لیکن قاضی کو وصی متعین کرنا ضروری ہے اس لئے گواہوں کی گواہی سے وصی متعین کرنے میں صرف مدد ملی ہے، اس لئے اس گواہی کو قبول کی جائے گی۔

تشریح : یہاں پانچ مسئلے ہیں جن میں گواہوں کا فائدہ ہے، لیکن چونکہ اس سے صرف قاضی کو وصی متعین کرنے میں مدد ملے گی، اور انکو کوئی دوسرا آدمی تلاش نہیں کرنی پڑے گی ، اور اصل فیصلہ تو قاضی ہی کرے گا اس لئے گواہ کا فائدہ کے باوجود استحسانا گواہی قبول کر لی جائے گی، اگر چہ قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ گواہی قبول نہ کی جائے ، کیونکہ گواہ متہم ہیں۔

[۱]...... پہلا مسئلہ متن میں ہے باقی چار مسئلے شرح میں ہیں ۔ دو آدمی گواہی دے کہ میرے باپ نے مثلا حامد کو وصی متعین کیا ہے۔ اور وصی بھی اس کا دعوی کرے کہ ہاں مجھے وصی متعین کیا ہے۔

[۲]...... جسکے لئے مال کی وصیت کی ہے وہ گواہی دے کہ حامد کو وصی متعین کیا ہے۔

[۳]...... قرض دینے والے جنکا میت پر قرض ہے، گواہی دے کہ حامد کو وصی متعین کیا ہے۔

[۴]...... میت کا جن لوگوں پر قرض ہے وہ گواہی دے کہ حامد کو وصی متعین کیا ہے۔

[۵]...... میت نے دو آدمیوں کو وصی بنایا تھا وہ گواہی دیتے ہیں کہ حامد بھی میرے ساتھ وصی بنایا گیا تھا۔ تو ان لوگوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

ترجمہ : ٢ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ یہ گواہی خود گواہوں کے لئے ہے، کیونکہ اس کا فائدہ گواہوں کو ہی ملے گا، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کو وصی متعین کرنے کا حق ہے، اگر وصی طلب کرنے والا ہو، اور موت سب کو معلوم ہے تو قاضی کو اس گواہی

نصب الوصي إذا كان طالبا والموت معروف فيكفي القاضي بهذه الشهادة مؤنة التعيين لا أن يثبت بها شيء فصار كالقرعة ۳؎ والوصيان إذا أقرا أن معهما ثالثا يملك القاضي نصب ثالث معهما لعجزهما عن التصرف باعترافهما ۴؎ بخلاف ما إذا أنكرا ولم يعرف الموت لأنه ليس له

سے وصی متعین کرنے کی مدد ملے گی، اس گواہی سے کوئی چیز ثابت نہیں کی جارہی ہے، تو یہ قرعہ ڈالنے کی طرح ہوا۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان پانچوں مسئلوں میں گواہی قبول نہ ہو، کیونکہ ان میں گواہی سے خود گواہ کو فائدہ ہے۔

[۱]......مثلا بیٹے کے لئے وصی متعین کرے گا تو وصی سے اپنا حق وصول کرے گا، [۲]......دوسرے مسئلے میں جسکے لئے وصیت کی ہے وہ گواہی دے رہا ہے کہ حامد وصی ہے تا کہ اس سے اپنا مال وصول کرے۔ [۳]......تیسرے مسئلے میں قرض دینے والا گواہی دے رہا ہے کہ یہ وصی ہے تا کہ اپنا مال اس سے وصی کرے۔ [۴]...... چوتھے مسئلے میں جس پر میت کا قرض ہے وہ گواہی دے رہا ہے کہ حامد وصی ہے تا کہ اس سے ادائیگی میں ڈھیل لے لے۔ [۵]...... پانچویں مسئلے میں وصی کہہ رہا کہ تیسرا آدمی بھی وصی ہے تا کہ یہ بوجھ تیسرے آدمی پر چلا جائے۔ یہ سب خود گواہوں کے فائدے ہیں اس لئے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول نہ کی جائے۔

استحسانا اس لئے قبول کی جائے گی کہ اس گواہی سے قاضی کوئی فیصلہ نہیں کرے گا اور نہ کوئی نئی چیز ثابت کرے گا بلکہ انکو وصی متعین کرنا ہی تھا تو اب تلاش کرنے کے بجائے اگر مناسب سمجھے تو اسی کو وصی متعین کردے، اور اگر مناسب نہ ہو تو دوسرے کو متعین کردے، جیسے قرعہ سے متعین کرتے ہیں اسی طرح یہ گواہی مدد کی چیز ہوگئی۔

ترجمہ: ۳؎ دو وصی اقرار رتے ہیں کہ انکے ساتھ تیسرا بھی وصی ہے تو قاضی تیسرے کو بھی وصی بنانے کا حق رکھتا ہے، کیونکہ پہلے دونوں اپنے اعتراف کرنے کی وجہ سے عاجز ہیں۔

تشریح: جب دونوں وصی نے گواہی دی کہ تیسرا بھی وصی ہے تو گویا کہ اعتراف کرلیا کہ ہم دونوں سے یہ کام نہیں ہوگا، اس لئے اب قاضی کو حق ہے کہ تیسرے کو بھی وصی متعین کردے، اس لئے قاضی اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے تیسرے کو متعین کردے گا، ان دونوں کی گواہی کی وجہ سے نہیں، کیونکہ یہ دونوں تو متہم ہیں۔

ترجمہ: ۴؎ بخلاف اگر وصی بننے سے انکار کردے، یا میت کی موت کا پتہ نہ ہو تو قاضی کو وصی متعین کرنے کا حق نہیں ہوتا، اس لئے اب گواہی ہی کی وجہ سے وصی متعین کرنا ہوگا [جو گواہی متہم ہے اس لئے گواہی مقبول نہیں ہے]

تشریح: وصی بننے سے انکار کردے، تو قاضی اس کو مجبور نہیں کرسکتا، اس لئے اب صرف گواہوں کی گواہی کی وجہ وصی بنا ہوگا، اور وہ متہم ہے اس لئے نہیں گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اگر موت کا صحیح علم نہ ہو تب بھی قاضی وصی متعین نہیں کرسکتا

ولاية نصب الوصي فتكون الشهادة هي الموجبة ۵؎ وفي الغريمين للميت عليهما دين تقبل الشهادة وإن لم يكن الموت معروفا لأنهما يقران على أنفسهما فيثبت الموت باعترافهما في حقهما (۵۳۹) وإن شهدا أن أباهما الغائب وكله بقبض ديونه بالكوفة فادعى الوكيل أو أنكره لا تقبل شهادتهما ا؎ لأن القاضي لا يملك نصب الوكيل عن الغائب فلو ثبت إنما يثبت بشهادتهما

اس لئے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

لغت :شہادۃ ھی الموجبۃ: شہادت ہی سے وصی ثابت کرنا ہوگا، جو متہم ہونے کی وجہ سے ناممکن ہے۔

ترجمہ :۵؎ قرض لینے والے، کہ میت کا ان پر قرض ہوتو اس کی گواہی قبول کی جائے گی چاہے موت کا پتہ نہ ہو، اس لئے کہ یہ دونوں اپنی ذات پر رقم کا اقرار کر رہے ہیں، اسلئے ان دونوں کے حق ان دونوں کے اقرار کرنے کی وجہ سے موت ثابت ہو جائے گی

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہ اپنے اوپر اقرار کر رہے ہوں تو یہ گواہی قبول کر لی جائے گی۔

تشریح :قرض لینے والے اقرار کرے کہ فلاں مر گیا ہے اور اس کا میرے اوپر قرض ہے، اور فلاں اس کا وصی ہے، تو چاہے موت کا پتہ نہ ہو پھر بھی یہ گواہی قبول کر لی جائے گی۔

وجہ: اس گواہی کو قبول کرنے سے کسی کے اوپر مال ثابت نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ میت کا فائدہ ہے کہ گواہ اپنے اوپر مال کا اقرار کر رہے ہیں، اس لئے صرف ان دونوں کے حق میں موت ثابت کر دی جائے گی۔

ترجمہ :(۵۳۹) اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ انکے باپ غائب باپ نے کسی آدمی کو کوفہ میں قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہے، تو چاہے وکیل ہاں کہے یا انکار کرے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ قاضی غائب آدمی کے وکیل متعین کرنے کا مالک نہیں ہوتا، پس اگر وکیل بنانا ثابت کرے تو ان دونوں کی گواہی ہی سے کرے گا، اور یہاں تہمت کی وجہ سے ثابت کرنے والی نہیں ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی وکیل متعین نہیں کر سکتا۔ اس لئے متہم گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔

تشریح :دو آدمیوں نے گواہی دی کہ میرا باپ غائب ہے، اور مثلا حامد کو فلاں جگہ پر قرض وصول کرنے کا وکیل بنایا ہے تو قاضی ان کی گواہی قبول بھی نہیں کرے گا اور وکیل بھی متعین نہیں کرے گا۔

وجہ : قاضی وکیل متعین کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اس لئے اب گواہوں کی گواہی ہی پر مدار رکھ کر فیصلہ دینا ہوگا، اور گواہوں کا چونکہ فائدہ ہے کہ رقم ملے گی اس لئے متہم ہونے کی وجہ سے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وهي غير موجبة لمكان التهمة. (۵۴۰)قال ولا يسمع القاضي الشهادة على جرح ولا يحكم بذلک ۱؎ أن الفسق مما لا يدخل تحت الحكم لأن له الدفع بالتوبة فلا يتحقق الإلزام ۲؎ ولأنه هتک الستر والستر واجب والإشاعة حرام ۳؎ وإنما يرخص ضرورة إحياء الحقوق وذلک

ترجمہ: (۵۴۰) قاضی جرح مجرد پر گواہی نہیں قبول کرے گا، اور نہ جرح مجرد کا فیصلہ دیگا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ فسق ایسی چیز ہے جو فیصلے کے تحت داخل نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ توبہ سے ختم ہو جائے گا اس لئے گواہی کے ذریعہ کسی پر فسق لازم نہیں کر سکتے۔

اصول : قاضی اسی چیز کا فیصلہ کر سکتا ہے، یا اس کے بارے میں گواہی لے سکتا ہے جس سے [۱] بندے کا حق ثابت کرنا ہو، مثلا مال ثابت کرنا ہو، [۲] یا شریعت کا حق ثابت کرنا ہو، مثلا حد لگانی ہو۔ اس کا نام ,جرح غیر مجرد ہے۔ [۳] اور جس سے نہ بندے کا حق ثابت ہوتا ہو اور نہ شریعت کا حق ثابت ہوتا ہو اس کو ,جرح مجرد، کہتے ہیں اس کے بارے میں وہ گواہی نہیں لے سکتا اور نہ فیصلہ کر سکتا ہے، کیونکہ یہ اس کے فیصلے کے تحت نہیں ہے۔

تشریح : یہاں فقہ کا محاورہ پیش کیا گیا ہے جسکی تفصیل اوپر گزری۔۔ یہاں دو صورت سمجھیں [۱]......ایک تو مدعی علیہ یوں گواہی دلوائے کہ مدعی کا یہ گواہ ابھی شراب پی کر آیا ہے، اور اس پر حد لگنی چاہئے تو حد لگانا شریعت کا حق ہے جو ابھی نافذ کرنی ہے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی، کیونکہ یہ ,جرح غیر مجرد، ہے۔ [۲]......دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی علیہ گواہی دلوائے کہ مدعی کا یہ گواہ نے ابھی تو شراب نہیں پی ہے، لیکن شراب پینے کی عادت ہے جسکی وجہ سے وہ فاسق ہے اور اس کی گواہی قبول نہ کی جائے تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور نہ مدعی کے گواہ کے فاسق ہونے کا فیصلہ کرے گا۔

وجہ : چونکہ ابھی شراب پینے کو ثابت نہیں کر رہا ہے اس لئے اس کو حد تو لگے گی نہیں، اس لئے شریعت کا حق ثابت نہیں ہوا، اور نہ بندے کا حق ثابت ہوا اس لئے یہ گواہی جرح مجرد کی ہے اس لئے قبول نہیں کی جائے گی، اور نہ فاسق ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر کر بھی دے تو فائدہ نہیں ہے کیونکہ توبہ کر کے وہ پھر سے نیک بن جائے گا۔

لغت : جرح مجرد: بندے یا شریعت کا حق ثابت کرنا ہو تو یہ جرح غیر مجرد ہے، قاضی اس کا حقدار ہوتا ہے، اور اگر بندے یا شریعت کا حق نہ ثابت کرنا ہو، صرف فسق ثابت کرنا ہو تو یہ جرح مجرد [خالص تنقید] ہے، قاضی اس کے فیصلے کا حقدار نہیں ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور اس لئے کہ اس گواہی میں عزت کی پردہ دری ہے حالانکہ پردہ پوشی واجب ہے اور اشاعت حرام ہے۔

تشریح :اس گواہی کے نہ قبول کرنے کی دوسری دلیل ہے، فاسق ثابت کر کے اس کی بے عزتی کرنی ہے جو حرام ہے اور مدعی علیہ کا گواہ حرام کام قاضی کی مجلس میں کر رہا ہے اس لئے اس کی وجہ سے خود مدعی علیہ کے گواہ فاسق ہو گئے اس لئے اس

فيـمـا يدخل تحت الحكم(۱ ۵۴) إلا إذا شهـدوا عـلى إقرار المدعي بذلک تقبلا لأن الإقرار مما يدخل تحت الحكم. (۵۴۲)قال ولو أقام المدعى عليه البينة أن المدعي استأجر الشهود لم تقبلا لأنـه شهادة على جرح مجرد۲ والاستئجار وإن كان أمرا زائدا عليه فلا خصم في إثباته

بارے میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجه : آیت میں ہے۔ان الـذيـن يـحبون ان تشيع الفاحشة فی الذين آمنوا لهم عذاب اليم فی الدنيا و الآخـرة ۔(آیت ۱۹،سورت النور۲۴)اس آیت میں ہے کہ جو فحش کو پھیلاتے ہیں انکے لئے عذاب ہے،جس سے معلوم ہوا کہ فحش کو پھیلانا حرام کام ہے اس سے آدمی خود فاسق ہو جاتا ہے۔

ترجمه :۳ برائی بیان کرنے کی رخصت صرف حق کو زندہ کرنے کے لئے ہے،اور حق کو زندہ کرنا قاضی کے فیصلے کے تحت داخل ہوتا ہے۔

تشریح :یہ جملہ اس اشکال کا جواب ہے کہ جب برائی بیان کرنا حرام ہے تو پھر زنا کی شراب پینے وغیرہ کی گواہی کیوں دلوائی جاتی ہے،تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے، کہ جہاں مقصد یہ ہو کہ شریعت کا حق زندہ ہو جائے مثلا زانی کو حد لگے تو دوسرے لوگ اس سے بچیں،تو حق زندہ کرنے کیلئے گواہی دلوائی جاتی ہے اور حق زندہ کرنا یہ قاضی کا حق ہے اور اس کے حکم میں داخل ہوتا ہے

ترجمه: (۵۴۱)ہاں مدعی علیہ نے گواہی دلوائی کہ مدعی نے اقرار کیا ہے کہ میرے گواہ فاسق ہیں[تو گواہی سنی جائے گی]

ترجمه :ا اس لئے کہ مدعی کا اقرار کرنا قاضی کے حکم میں داخل ہوتا ہے۔

تشریح :مدعی علیہ نے یوں گواہی دلوائی کہ خود مدعی نے میرے گواہ کے سامنے اقرار کیا ہے کہ انکے گواہ فاسق ہیں تو اس کی گواہی قاضی سنے گا،اور مدعی کے اقرار کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرے گا کہ مدعی کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

وجه:یہاں گواہوں کے فاسق ہونے کا فیصلہ نہیں ہے، بلکہ مدعی کے اقرار کا فیصلہ ہے،اور جرح غیر مجرد ہے اور قاضی کے فیصلے کے تحت ہے اس لئے اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

ترجمه:(۵۴۲) اور اگر مدعی علیہ نے گواہ قائم کیا کہ مدعی نے گواہ کو اجرت پر لایا ہے تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمه:ا اس لئے کہ گواہی جرح مجرد پر ہے۔

اصول:یہاں کا مسئلہ اوپر کے اس اصول پر متفرع ہے کہ بندے کے حق ، یا شریعت کا حق قاضی سے دلوانا ہو تب تو قاضی اس گواہی کو سنے گا،اسی کا نام جرح غیر مجرد ہے،اور بندے کا حق ، یا شریعت کا حق ثابت نہ کرنا ہو تو قاضی اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا اس لئے اس گواہی کو نہیں سنے گا،اسی کا نام جرح غیر مجرد ہے۔

لأن الـمـدعى عليه في ذلک أجنبي عنه ۳؎ حتـى لـو أقام المدعى عليه البينة أن المدعي استأجر

تشریح :یہاں اوپر کی دو باتوں کی مثال دی ہے۔

[۱]نہ بندے کا حق ثابت کرنا ہو اور نہ شریعت کا حق ثابت کرنا ہو :۔اگر مدعی علیہ نے گواہی دلوائی کہ مدعی نے اپنے پیسے سے اجرت پر گواہ لایا ہے تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ : کیونکہ اجرت پر لایا تو اس سے مدعی علیہ کا کیا گیا؟ اس لئے اس گواہی سے نہ بندے کا حق ثابت ہوتا ہے اور نہ اللہ کا حق [حد] ثابت ہوتا ہے اس لئے قاضی کے فیصلے کے تحت میں نہیں ہے اس لئے یہ جرح مجرد ہے اس لئے قبول نہیں کی جائے گی۔

[۲]بندے کا حق ثابت کرنا ہو :۔اس کے برخلاف اگر مدعی علیہ نے یوں گواہی دلوائی کہ میرا درہم مدعی کے پاس تھا اور اس رقم سے گواہ کو اجرت پر لایا ہے، اور وہ رقم مجھے واپس چاہئے تو یہ رقم واپس لینے کا مطالبہ بندے کا حق ہے، جس کا فیصلہ قاضی کے ذمے ہے، اس لئے قاضی مدعی علیہ کی اس گواہی کو سنے گا۔

[۳]شریعت کا حق ثابت کرنا ہو :۔یا مدعی علیہ نے یوں گواہی دلوائی کہ مدعی کے گواہ نے ابھی شراب پی ہے اس لئے اس کو حد لگنی چاہئے تو یہ اللہ کا حق ہے جس کا فیصلہ قاضی کے ذمے ہے اس لئے اس گواہی کو سنے گا اور فیصلہ کرے گا۔یا گواہی دلوائی کہ اس نے عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے، اس لئے اس پر ابھی حد لگنی چاہئے تو یہ اللہ کا حق ہے جس کا فیصلہ کرنا قاضی کے ذمے ہے اس لئے اس گواہی کو سنے گا۔

ترجمہ :۲؎ اور اجرت گواہ کو لانا جرح مجرد پر زائد چیز ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے کوئی مدعی نہیں ہے اس لئے کہ مدعی علیہ اس بارے میں مدعی سے اجنبی ہے۔

تشریح :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مدعی نے گواہ کو اپنا درہم اجرت دیکر لایا تو مدعی علیہ کا کچھ نہیں گیا اس لئے بندے کا کوئی حق مارا نہیں گیا اس لئے قاضی اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ ان گواہوں کو سن سکتا ہے۔

لغت : لان المدعی علیہ فی ذالک اجنبی عنہ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے، کہ مدعی نے گواہ کو جو اجرت کے پیسے دئے ہیں وہ مدعی علیہ کا نہیں ہے وہ اس سے اجنبی ہے، اس لئے اس کے بارے میں نہ دعوی دائر کر سکتا ہے اور نہ اپنا حق لے سکتا ہے، اس لئے قاضی کے فیصلے کے تحت نہیں ہے اس لئے یہ گواہی بھی نہیں سنی جائے گی۔امر زائد علیہ: اجرت پر گواہ لانا مدعی علیہ سے الگ چیز ہے۔

ترجمہ :۳؎ یہی وجہ ہے کہ اگر مدعی علیہ نے یوں گواہ پیش کیا کہ دس درہم میں گواہوں کو اجرت پر لایا ہے تا کہ گواہی دیں اور گواہوں کو وہ دس میرے اس مال میں سے دیا جو مدعی کے قبضے میں تھا، تو اب گواہی سنی جائے گی اس لئے کہ مدعی علیہ اپنا درہم

الشهود بعشرة دراهم ليؤدوا الشهادة وأعطاهم العشرة من مالي الذي كان في يده تقبل لأنه خصم في ذلک ثم يثبت الجرح بناء عليه ۴ وكذا إذا أقامها على أني صالحت الشهود على كذا من المال. ودفعته إليهم على أن لا يشهدوا علي بهذا الباطلوقد شهدوا وطالبهم برد ذلک المال ۵ ولهذا قلنا إنه لو أقام البينة أن الشاهد عبد أو محدود في قذف أو شارب خمر أو قاذف

لینے کے لئے خصم بن گیا پھر اس پر بنا کرتے ہوئے گواہ پر جرح ثابت ہو جائے گی۔

تشریح: اگر مدعی علیہ نے یوں گواہ قائم کیا کہ میرے درہم سے اجرت دی ہے تو اب مدعی علیہ کو اس کے لینے کا حق ہوگا، اور چونکہ یہ بندے کا حق ثابت کرنا ہے اس لئے قاضی اس کی گواہی سنے گا اور اس کے تحت میں مدعی کے گواہ پر جرح غیر مجرد ثابت کی جائے گی

وجہ: یہاں بندے کا حق حاصل کرنا ہے جو قاضی کے حکم کے تحت میں ہے، اس لئے جرح غیر مجرد ہوا۔

ترجمہ: ۴ ایسے قبول کی جائے گی اگر گواہی قائم کی، کہ میں ان گواہوں سے اتنے مال پر مصالحت کی تھی اور انکو وہ مال دیا بھی تھا کہ وہ یہ باطل گواہی نہ دیں حالانکہ انہوں نے گواہی دے دی، اور قاضی کے پاس مدعی علیہ نے اس مال کے واپس کرنے کا مطالبہ کیا، تو یہ گواہی سنی جائے گی۔

تشریح: یہ دوسری مثال ہے، جس میں مدعی علیہ کا مال گواہی نہ دینے کیلئے گواہ کے پاس ہے، اور قاضی کے سامنے اس حق کو واپس لینا چاہتا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، کیونکہ یہاں بندے کے حق کے لئے فیصلہ کرنا ہے، جو قاضی کے فیصلے کے تحت ہے

ترجمہ: ۵ اسی لئے ہم نے کہا کہ اگر گواہ قائم کیا کہ گواہ غلام ہے، یا تہمت میں حد لگایا ہوا ہے، یا ابھی شراب پیا ہوا، یا زنا کی تہمت لگایا ہوا ہے، یا مدعی کا اس معاملے میں شریک کا رہے تو گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح: یہاں پانچ مثالیں دی ہیں، اور سب کے سب شریعت کے حق حاصل کرنے کے لئے ہیں اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ اللہ کا حق دلوانا قاضی کی ذمہ داری ہے، اسلئے اس کے بارے میں گواہی پیش کی تو قبول کی جائے گی

[۱]...... مدعی علیہ نے گواہی پیش کی کہ گواہ غلام ہے تو پہلے گزر چکا ہے کہ غلام کی گواہی شریعت میں مقبول نہیں ہے اس لئے یہ شریعت کا حق ہے جو قاضی کے فیصلے کے تحت ہے اس لئے یہ گواہی قبول کی جائے گی۔

[۲]...... مدعی علیہ نے گواہی پیش کی کہ گواہ زنا کی تہمت میں حد لگایا ہوا ہے، تو پہلے گزر چکا ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی شریعت میں مقبول نہیں ہے اس لئے یہ شریعت کا حق ہے جو قاضی کے فیصلے کے تحت ہے اس لئے یہ گواہی قبول کی جائے گی۔

أو شريک المدعي تقبل.(۵۴۳) قال ومن شهد ولم يبرح حتى قال أوهمت بعض شهادتي فإن كان عدلا جازت شهادته[1] ومعنى قوله أوهمت أي أخطأت بنسيان ما كان يحق علي ذكره أو بزيادة كانت باطلة. ووجهه أن الشاهد قد يبتلى بمثله لمهابة مجلس القضاء فكان العذر

[۳]......مدعی علیہ نے گواہی پیش کی کہ گواہ ابھی شراب پیا ہوا ہے اس لئے اس پر حد شرب لگنا ضروری ہے، اور حد شرب شریعت کا حق ہے جو قاضی کے فیصلے کے تحت ہے اس لئے یہ گواہی قبول کی جائے گی۔

[۴]...... مدعی علیہ نے گواہی پیش کی کہ نے عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور وہ حد قذف کے قابل ہے، اور حد قذف شریعت کا حق ہے جو قاضی کے فیصلے کے تحت ہے اس لئے یہ گواہی قبول کی جائے گی۔

[۵]......مدعی علیہ نے گواہی پیش کی کہ جس معاملے میں گواہی دے رہا ہے اس میں گواہ مدعی کا شریک ہے، اور اس رقم میں سے آدھی گواہ کو بھی ملے گی، تو مدعی اور گواہ متہم ہو گئے جو شریعت کا حق ہے کہ متہم گواہ کی گواہی قبول نہ کی جائے اس لئے قاضی اس کی گواہی کو سنے گا، اور مدعی کی گواہی رد کرے گا۔

ترجمہ :(۵۴۳) کسی نے گواہی دی اور ابھی جگہ چھوڑی بھی نہیں تھی اور کہنے لگا کہ میری بعض گواہی میں غلطی ہو گئی ہے، تو اگر وہ آدمی عادل ہے تو اس کی بعد کی گواہی جائز ہے۔

ترجمہ :[1] متن میں ,اوہمت، کا معنی ہے کہ جو مجھے حق کے طور پر ذکر کرنا تھا اس کا ذکر کرنا میں بھول گیا، یا کچھ باطل چیز ذکر کر دیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہ مجلس قضا کے ڈر کی وجہ سے اس قسم کی خطا میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے عذر واضح ہے اس لئے اگر اس کے وقت [مجلس] میں تدارک کر لیا تو قبول کر لیا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ یہ یقین ہو کہ گواہ دھوکہ نہیں دے رہا ہے تو اس کا ترمیم کیا ہوا مان لیا جائے گا۔

تشریح : گواہ عادل تھا، اور گواہی دینے کی مجلس ہی میں تھا کہ کہا بعض چیز میں بھول گیا ہوں، یا بعض ایسی چیز اضافہ کر دیا جو غلط تھی تو اس کی بات مان کر قبول کیا جائے گا۔

وجہ :مجلس ایک ہی ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ مدعی نے بعد میں سکھایا ہے اس لئے اب گواہی بدل رہا ہے۔اور چونکہ گواہ عادل ہے اس لئے یقین کیا جا سکتا ہے کہ واقعی بھول گیا ہوگا، کیونکہ قضا کی مجلس بارعب ہوتی ہے اس لئے بھول جانے کا امکان بھی ہے اس لئے اس کی بات قبول کی جائے گی۔

لغت:یبتلی: مبتلا ہو جاتا ہے۔مہابۃ: رعب۔تدارک: جو چھوٹ گیا ہو اس کو کر لے۔اوان: وقت پر۔

ترجمہ :[2] بخلاف جبکہ مجلس سے اٹھ کر چلا گیا ہو پھر واپس آیا اور کہا کہ مجھے وہم ہو گیا تھا [تو یہ بات نہیں مانی جائے گی]

واضحا فتقبل إذا تداركه في أوانه وهو عدل ۲؎ بخلاف ما إذا قام عن المجلس ثم عاد وقال أوهمت لأنه يوهم الزيادة من المدعي بتلبيس وخيانة فوجب الاحتياط ۳؎ ولأن المجلس إذا اتحد لحق الملحق بأصل الشهادة فصار ككلام واحد ولا كذلک إذا اختلف. ۴؎ وعلى هذا إذا وقع الغلط في بعض الحدود أو في بعض النسب ۵؎ وهذا إذا كان موضع شبهة فأما إذا لم يكن فلا بأس بإعادة الكلام أصلا مثل أن يدع لفظة الشهادة وما يجري مجرى ذلک وإن قام عن

اس لئے کہ مدعی کی جانب سے تلبیس اور خیانت کرانے کا وہم ہے اس لئے احتیاط واجب ہے۔

تشریح: گواہ مجلس سے اٹھ کر چلا گیا پھر کہنے لگا کہ مجھے وہم ہو گیا ہے تو اب اس کی بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ مدعی نے خیانت کرنے اور دھوکہ دینے کی ترغیب دی ہو اس لئے اب خیانت کرنے کے لئے کہہ رہا ہے کہ مجھے وہم ہو گیا ہے اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لئے کہ مجلس اگر ایک ہو تو اصل گواہی کے ساتھ ملا دیا جائے گا تو ایک کلام کی طرح ہو جائے گا، اور اگر جگہ بدل جائے تو ایک کلام کی طرح نہیں ہوا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مجلس ایک ہو تو اصل گواہی کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اور ترمیم کیا ہوا بھی اصل گواہی کے ساتھ مل کر ایک کلام کی طرح ہو جائے گا، لیکن اگر مجلس بدل گئی تو اصل گواہی کے ساتھ نہیں ملا سکتے اور ایک کلام کی طرح نہیں ہوگا

ترجمہ: ۴؎ اور اسی قاعدے پر ہے اگر حد کے بعض حصے پر یا نسب کے بعض حصے میں غلطی واقع ہو گئی۔

تشریح: حد کی گواہی دیتے ہوئے اس کے بعض حصے پر غلطی واقع ہو گئی مثلا زنا کی گواہی میں کہا کہ گھر کے مشرقی جانب زنا کر رہا تھا، پھر کہا کہ غلطی ہو گئی اس نے مغربی جانب زنا کر رہا تھا، یا نسب کی گواہی دیتے ہوئے کہا، زید بن خالد، بن حامد، پھر کہا غلطی ہو ہو گئی، بلکہ اصل ہے زید بن سعید بن حامد تو مجلس ایک ہو اور گواہ عادل ہو تو یہ ترمیم مان لی جائے گی۔

ترجمہ: ۵؎ یہ تفصیل اس وقت ہے کہ خیانت کے شبہ کی جگہ ہو، اور اگر شبہ کی جگہ نہ ہو تو کلام کو واپس لوٹانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، مثلا شہادت کا لفظ، یا جو اس کے قائم مقام ہو اس کو چھوڑ دیا تو مجلس سے اٹھ گیا ہو تب بھی اس کی بات مانی جائے گی اگر گواہ عادل ہو۔

تشریح: گواہی دیتے وقت ایسا جملہ چھوڑ دیا جس سے پوری گواہی کی ترمیم نہیں ہوتی اور نہ کوئی قانونی شق بدلتی ہے، اور نہ وہ

المجلس بعد أن يكون عدلا . ٦ وعن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله أنه يقبل قوله في غير المجلس إذا كان عدلا والظاهر ما ذكرناه والله أعلم.

فریب، یا خیانت کا جملہ ہے تو اگر گواہ عادل ہے تو مجلس بدل جانے کے بعد بھی اس کی ترمیم مان لی جائے گی، مثلا شہادت دیتے وقت لفظ شہادت چھوٹ گیا، یا مدعی، یا مدعی علیہ کی طرف اشارہ کرنا بھول گیا تو اس کے اعادے سے کوئی قانونی شق نہیں بدلتی اس لئے اگر گواہ عادل ہے تو مجلس بدل جانے کے بعد بھی اس کو واپس بول سکتا ہے۔

ترجمہ : ٦ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ گواہ عادل ہو تو شبہ کی جگہ میں بھی اس کی ترمیم قبول کی جائے گی، چاہے مجلس بدل جائے، لیکن ظاہر روایت وہ جسکو ہم نے اوپر ذکر کیا۔

تشریح : شیخینؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ خیانت کرنے کی جگہ ہو تب بھی اگر گواہ عادل ہو تو مجلس بدل جانے کے بعد بھی اس کی ترمیم قبول کی جائے گی، کیونکہ عادل ہونے کی وجہ سے اس کا امکان کم ہے کہ اس کو مدعی نے خیانت اور فریب کی ترغیب دی ہوگی اور اسکو مان کر ترمیم کر رہا ہے۔ لیکن ظاہر روایت وہی ہے کہ شبہ کی جگہ میں مجلس بدل جانے کے بعد ترمیم قبول نہیں کی جائے گی، اور احتیاط اسی میں ہے۔

﴿باب الاختلاف في الشهادة﴾

(۵۴۴) قال الشهادة إذا وافقت الدعوى قبلت وإن خالفتها لم تقبل ۱؎ لأن تقدم الدعوى في حقوق العباد شرط قبول الشهادة وقد وجدت فيما يوافقها وانعدمت فيما يخالفها. (۵۴۵) قال ويعتبر اتفاق الشاهدين في اللفظ والمعنى [عند أبي حنيفة] فإن شهد أحدهما بألف والآخر بألفين لم تقبل الشهادة عنده وعندهما تقبل على الألف إذا كان المدعي يدعي الألفين ۱؎ وعلى

﴿باب الاختلاف فى الشهادة﴾

ضروری نوٹ :اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جو دعوی کیا ہے اس میں اور گواہی دینے میں اتفاق ہو تو گواہی قابل قبول ہوگی، اور اگر اتفاق نہ ہو تو گواہی رد کر دی جائے گی۔ اسی طرح دو گواہوں کی گواہی میں اتفاق ہو تو دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی، ورنہ صرف ایک ایک گواہی رہ گئی جس سے فیصلہ نہیں ہو سکتا اس لئے دونوں گواہی رد کر دی جائے گی۔ اور فیصلہ نہیں کر سکے گا۔

ترجمہ :(۵۴۴) اگر شہادت دعوی کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی اور اس کے مخالف ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح :شہادت دعوی کی تائید کے لئے ہوتی ہے اس لئے جو دعوی ہو گواہی کے ذریعہ اسی کی تائید ہو تو گواہی مقبول ہوگی ورنہ رد کر دی جائے گی۔ مثلا مدعی کہتا ہے کہ میری گائے چرائی گئی ہے اور گواہ گواہی دے رہا ہے کہ اس کی بھینس چوری ہوئی ہے تو دعوی کچھ اور ہے اور گواہ کی گواہی کچھ اور ہے۔ اس لئے گواہ کی گواہی رد کر دی جائے گی۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ شہادت قبول کرنے کے لئے حقوق العباد میں دعوی پہلے ہونا شرط ہے، اور گواہ کی موافقت کی وجہ سے گویا کہ دعوی پایا گیا [اس لئے گواہی قبول کر لی جائے گی] اور گواہ دعوی کے مخالف ہو تو گویا کہ دعوی نہیں پایا گیا۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے اور منطقی انداز کی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ بندے کے حقوق ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قاضی کے سامنے پہلے دعوی دائر کرے، اگر دعوی دائر نہیں کیا ہے تو قاضی نہ اس کا فیصلہ کر پائے گا اور نہ اس کے بارے میں گواہی سننے کی اجازت ہوگی۔ پس اگر گواہی دعوی کے موافق ہے تو گویا کہ گواہی نے دعوی کو بھی ثابت کیا اور دعوی پایا گیا اس لئے گواہی قبول کی جائے گی، اور اگر گواہی دعوی کے مخالف ہے، مثلا دعوی کیا ہے دس درہم کا اور گواہی دی دس دینار کی تو گویا کہ گواہی نے دعوی کو ختم کر دی اس لئے دعوی ہی نہیں پایا گیا اس لئے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ:(۵۴۵) اعتبار کیا جائے گا دونوں گواہوں کا متفق ہونا لفظ اور معنی میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ پس اگر ایک

هذا المائة والمائتان والطلقة والطلقتان والطلقة والثلاث. ۲؎ لهما أنهما اتفقا على الألف أو

گواہ گواہی دے ایک ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو دونوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور فرمایا صاحبینؒ نے قبول کی جائے گی ایک ہزار پر، اگر مدعی دو ہزار کا دعوی کرتا ہو۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں گواہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے متفق ہوں تو گواہی مقبول ہوگی۔ صاحبینؒ کے نزدیک صرف معنی کے اعتبار سے دونوں گواہ متفق ہوں تب بھی گواہی مقبول ہوگی۔

تشریح : ایک آدمی نے دعوی کیا کہ میرے فلاں پر دو ہزار درہم ہیں۔ ایک گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ دو ہزار ہیں۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک ہزار کا بھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دونوں کی گواہی رد ہو جائے گی

وجہ : (۱) ایک ہزار اگر چہ دو ہزار میں داخل ہے اس لئے دوسرے گواہ نے دو ہزار کی گواہی دی تو معنوی طور پر گویا کہ ایک ہزار کی بھی گواہی دی اس لئے ایک ہزار پر دو گواہ ہو گئے۔ لیکن لفظی طور پر ایک ہزار اور دو ہزار الگ الگ الفاظ ہیں اس لئے لفظی طور پر دونوں گواہوں کے اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے دونوں گواہ رد ہو جائیں گے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ معنی کے ساتھ الفاظ میں بھی دونوں گواہ متفق ہوں۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک ہزار پر فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ : (۱) کیونکہ لفظ کے اعتبار سے مختلف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔ کیونکہ دو ہزار کی گواہی میں ایک ہزار داخل ہے (۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن شريح في شاهدين يختلفان فشهد احدهما على عشرين والآخر على عشرة قال يوخذ بالعشرة** (مصنف ابن ابی شیبة ۸۳، فی الشاهدین یختلفان، ج رابع، ص ۳۳۵، نمبر ۲۰۷۱۳/۲۰۷۱۱) اس اثر میں عشرة اور عشرین لفظ کے اعتبار سے متفق نہیں ہیں صرف معنی کے اعتبار سے متفق ہیں پھر بھی دس درہم کا فیصلہ کیا۔

ترجمہ : ۱؎ اسی اختلاف پر ہے ایک سو اور دو سو، اور ایک طلاق اور دو طلاق، اور ایک طلاق اور تین طلاق۔

تشریح : اسی اختلاف پر یہ تین مسئلے ہیں [۱]...... مدعی نے دعوی کیا کہ میرا دو سو درہم زید پر ہے، اور ایک گواہ نے گواہی دی کہ دو سو ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ ایک سو ہے۔ [۲] ...... مدعیہ نے دعوی کیا کہ مجھکو دو طلاق دی ہے اور ایک گواہ نے گواہی دی کہ دو طلاقیں دی ہیں اور دوسرے نے گواہی دی کہ ایک دی ہے۔ [۳] ...... مدعیہ نے دعوی کیا کہ مجھکو تین طلاقیں دی ہیں اور ایک گواہ نے گواہی دی کہ تین طلاقیں دی ہیں اور دوسرے نے گواہی دی کہ ایک دی ہے۔ تو ان تینوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں گواہی رد کر دی جائیگی اسلئے کہ دونوں کے الفاظ میں اختلاف ہے، اور صاحبین کے

الطلقة وتفرد أحدهما بالزيادة فيثبت ما اجتمعا عليه دون ما تفرد به أحدهما فصار كالألف والألف والخمسمائة. ٣؎ ولأبي حنيفة رحمه الله أنهما اختلفا لفظا وذلک يدل على اختلاف المعنى لأنه يستفاد باللفظ وهذا لأن الألف لا يعبر به عن الألفين بل هما جملتان متباينتان فحصل على كل واحد منهما شاهد واحد فصار كما إذا اختلف جنس المال.

نزدیک ایک کا فیصلہ کیا جائیگا، کیونکہ لفظ کے اعتبار سے اگر چہ اختلاف ہے، لیکن معنی کے اعتبار ایک سو پر، یا ایک طلاق پر اتفاق ہو گیا ہے اسلئے ایک کا فیصلہ کیا جائے گا

ترجمه :٢؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں گواہ ایک ہزار پر، یا ایک طلاق پر متفق ہو گئے ہیں اور اس سے زیادہ پر ایک گواہ الگ ہو گیا، پس جس پر دونوں جمع ہوئے اس کو ثابت کر دیا جائے گا، اور جس پر دونوں میں سے ایک الگ ہو گیا اس کو ثابت نہیں کیا جائے گا تو ایسا ہو گیا کہ ایک گواہ ایک ہزار کی گواہی دے اور دوسرا ایک ہزار پانچ سو کی تو۔[ایک ہزار کا فیصلہ کیا جاتا ہے]

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے کہ جس گواہ نے دو ہزار، یا دو طلاق کی گواہی دی وہ بھی معنوی طور پر ایک ہزار، یا ایک طلاق پر متفق ہو گئے ہیں اس لئے ایک ہزار، یا ایک طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا، اور باقی دوسرے ایک ہزار پر ایک ہی گواہی ہے اس لئے اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مدعی کا دعوی ایک ہزار پانچ سو کا تھا، ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی، اور دوسرے نے ایک ہزار پانچ سو کی گواہی دی تو یہاں بالاتفاق ایک ہزار کا فیصلہ کیا جاتا ہے، کیونکہ لفظ کے اعتبار سے بھی ایک ہزار پر دونوں متفق ہیں، اسی پر قیاس کرتے ہوئے ایک ہزار اور دو ہزار کی گواہی دے معنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہزار پر متفق ہیں اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمه :٣؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں گواہ لفظ کے اعتبار سے مختلف ہیں، اور یہ معنی کے اختلاف پر بھی دلالت کرتا ہے اس لئے کہ معنی لفظ ہی سے نکلتا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہزار کو دو ہزار سے تعبیر نہیں کرتے بلکہ دونوں الگ الگ جملے ہیں اس لئے ہر ایک پر ایک ایک گواہی حاصل ہوئی، تو ایسا ہو گیا کہ مال کی جنس میں اختلاف ہو گیا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ دونوں گواہ کے الفاظ مختلف ہیں اور معنی الفاظ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے معنی بھی مختلف ہوئے اور ہر معنی پر ایک ایک گواہی ہوئی اس لئے دونوں رد کر دی جائے گی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہزار سے دو ہزار کو تعبیر نہیں کرتے، اسی طرح دو ہزار سے ایک ہزار کو تعبیر نہیں کرتے، بلکہ دونوں الگ الگ جملے ہیں، تو ایسا ہو گیا کہ ایک گواہ نے ایک کیلو گیہوں کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک کیلو چاول کی گواہی دی اور جنس کا اختلاف ہو گیا تو دونوں کی گواہی رد

(۵۴۶)قال وإذا شهد أحدهما بالألف والآخر بألف وخمسمائة والمدعي يدعي ألفا وخمسمائة قبلت الشهادة على الألف[1] لاتفاق الشاهدين عليها لفظا ومعنى لأن الألف والخمسمائة جملتان عطف إحداهما على الأخرى والعطف يقرر الأول[2] ونظيره الطلقة والطلقة والنصف والمائة

کردی جاتی ہے اسی طرح یہاں دونوں کی گواہی رد کردی جائے گی۔

ترجمہ :(۵۴۶)اور اگر ان میں سے ایک نے گواہی دی ایک ہزار کی اور دوسرے نے ایک ہزار پانچ سو کی اور مدعی دعوی کرتا ہے ایک ہزار پانچ سو کا تو دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی ایک ہزار پر۔

ترجمہ :[1] دونوں گواہوں کے لفظ اور معنی کے اعتبار سے متفق ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ ایک ہزار، اور پانچ سو یہ دونوں دو جملے ہیں جو ایک کا دوسرے پر عطف ہے، اور عطف دوسرے کو مزید ثابت کرتا ہے۔

تشریح :مدعی نے دعوی کیا کہ میرے فلاں پر ایک ہزار پانچ سو درہم ہیں۔اس پر ایک گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ ایک ہزار پانچ سو ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ :لفظ کے اعتبار سے دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔اور دوسرا گواہ الگ سے پانچ سو کی گواہی دے رہا ہے۔اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔کیونکہ معنی کے اعتبار سے اور لفظ کے اعتبار سے بھی دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔

اس عبارت کو دیکھیں کہ الف الف کے سامنے ہے

پہلا گواہ۔۔ الف وخمس مأ ۃ

دوسرا گواہ۔۔الف.....

لغت : **العطف یقرر الاول** :اس کا مطلب یہ ہے کہ دو جملوں کے درمیان حرف عطف ہو تو دوسرا جملہ پہلے جملے کو مضبوط کرتا ہے، خمس مأ ۃ کا عطف ،الفِ پر ہے تو الف کو مضبوط کر دیا، اس لئے جس نے الف اور خمس مأ ۃ کی گواہی دی گویا کہ اس نے الف[ہزار] کو اور مضبوط کر دیا، اس لئے ہزار کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

ترجمہ : [2] اسی کی مثل ہے ایک طلاق اور ایک طلاق اور آدھی طلاق، یا ایک سو اور ایک سو پچاس۔

تشریح :عورت کی جانب سے ایک طلاق اور آدھی طلاق کا دعوی تھا، ایک گواہ نے ایک طلاق کی گواہی دی دوسرے نے ایک طلاق اور آدھی طلاق کی گواہی دی تو ایک طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا۔دوسری مثال ہے، مدعی کی جانب سے ایک سو پچاس کا دعوی تھا، ایک گواہ نے ایک سو کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک سو اور پچاس کی گواہی دی تو ایک سو کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ دونوں کے درمیان حرف عطف ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملے کو مضبوط کرتا ہے اس لئے ایک طلاق کا اور ایک سو کا فیصلہ کیا

والمائة والخمسون ۳؎ بخلاف العشرة والخمسة عشر لأنه ليس بينهما حرف العطف فهو نظير الألف والألفين(۵۴۷) وإن قال المدعي لم يكن لي عليه إلا الألف فشهادة الذي شهد بالألف وخمسمائة باطلة۱؎ لأنه كذبه المدعي في المشهود به۲؎ وكذا إذا سكت إلا عن دعوى الألف لأن التكذيب ظاهر فلا بد من التوفيق ۳؎ولو قال كان أصل حقي ألفا وخمسمائة ولكني

جائے گا۔

ترجمه :۳؎ بخلاف ایک آدمی دس کی گواہی دے اور دوسرا آدمی پندرہ کی گواہی دے [تو کچھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ دس اور پانچ کے درمیان حرف عطف نہیں ہے، اس لئے یہ ایک ہزار اور دو ہزار کی طرح ہو گیا۔

تشریح : عربی میں خمسۃ عشر، پندرہ درہم کا دعوی ہو، تو دس اور پانچ کے درمیان حرف عطف نہیں ہے اس لئے پانچ دس کو مضبوط نہیں کرے گا اس لئے اگر ایک آدمی نے دس کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ کی گواہی دی تو دس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، جیسے ایک آدمی نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی گواہی دی تو ایک ہزار کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمه :(۵۴۷) اور اگر مدعی نے کہا کہ میرا مدعی علیہ پر ہزار ہی تھا تو جو پندرہ سو کی گواہی دی وہ باطل ہے۔

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ جس بارے میں گواہی دی مدعی نے اس کو جھٹلا دیا۔

اصــول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی کا دعوی ایک ہزار پانچ سو کا ہونا چاہئے تب ہی ایک ہزار پانچ سو کی گواہی قبول کی جائے گی ورنہ وہ بالکل مردود ہو گا۔

تشریح :مدعی نے حصر کے ساتھ کہا کہ میرا مدعی علیہ پر صرف ایک ہزار ہی ہے، تو یہاں دعوی ہی ایک ہزار کا ہے اسلئے جس نے پندرہ سو کی گواہی دی وہ جھوٹے پڑ گئے اسلئے اس گواہی کا بالکل اعتبار نہیں رہا تو اب صرف ایک گواہ باقی رہ گیا جس پر فیصلہ نہیں ہو سکتا

ترجمه :۲؎ ایسے ہی اگر مدعی نے ایک ہزار کا دعوی کیا اور باقی سے چپ رہا [تو فیصلہ نہیں کیا جائے گا] اس لئے کہ مدعی کی جانب سے جھٹلانا ظاہر ہے، حالانکہ مدعی اور گواہ میں موافقت ضروری ہے۔

تشریح :مدعی نے ایک ہزار کا دعوی کیا اور باقی کچھ نہیں بولا، تو جس نے پندرہ سو کی گواہی دی وہ بیکار گئی اس لئے ظاہر یہی ہے کہ مدعی اس کو جھٹلا رہا ہے اس لئے اب ایک ہی گواہی رہ گئی اس لئے اب ایک ہزار کا بھی فیصلہ نہیں کیا جا سکے گا۔ کیونکہ مدعی کے دعوی اور گواہ میں موافقت ضروری ہے جو یہاں نہیں ہوئی۔

ترجمه :۳؎ اور اگر مدعی نے کہا کہ میرا اصل حق تو ایک ہزار پانچ سو تھا، لیکن پانچ سو میں نے وصول کر لیا ہے، یا پانچ سو

استوفيت خمسمائة أو أبرأته عنها قبلت لتوفيقه. (۵۴۸)قال وإذا شهدا بألف وقال أحدهما قضاه منها خمسمائة قبلت شهادتهما بالألف[لاتفاقهما عليه] ولم يسمع قوله إنه قضاه[لأنه شهادة فرد] إلا أن يشهد معه آخر۱ وعن أبي يوسف رحمه الله أنه يقضي بخمسمائة لأن شاهد

مدعی علیہ کو بری کر دیا ہے تو گواہی قبول کر لی جائے گی، اس لئے کہ مدعی اور گواہ کی بات میں موافقت ہے۔

تشریح :مدعی نے دعوی تو ایک ہزار پانچ سو کا کیا تھا، لیکن اس نے کہا کہ پانچ سو وصول کر لیا ہے، یا پانچ سو سے مدعی علیہ کو بری کر دیا تو اس صورت میں پندرہ سو کی گواہی دینے والے کی گواہی دعوی کے موافق ہوگئی، اس لئے اس کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا، اور چونکہ ایک ہزار پر دو گواہی ہوئی اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ :(۵۴۸) اگر دونوں گواہوں نے گواہی دی ہزار کی، اور ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ادا کر دیا ہے اس میں سے پانچ سو تو دونوں کی گواہی ہزار کی قبول کی جائے گی۔[اس لئے کہ دونوں گواہ اس پر متفق ہو گئے] اور نہیں سنی جائے گی اس کی بات کہ اس میں سے پانچ سو ادا کر دیا ہے۔[اسلئے کہ اس پر ایک ہی گواہی ہوئی] مگر یہ کہ اس کے ساتھ دوسرے گواہی دیں

تشریح: دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں کا فلاں پر ایک ہزار درہم ہے۔ بعد میں ان میں سے ایک نے یہ بھی گواہی دی لیکن فلاں نے ایک ہزار میں سے پانچ سو ادا کر دیا ہے تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا اور پانچ سو درہم کی ادائیگی پر کوئی فیصلہ نہیں ہوگا اور نہ پانچ سو درہم کم ہوگا۔

وجہ: (۱) ایک ہزار پر دو گواہ ہیں۔ اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ ہوگا۔ اور اس میں سے پانچ سو ادا کرنے پر صرف ایک گواہ ہے۔ اس لئے پانچ سو کی ادائیگی کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اس گواہ کے ساتھ دوسرا گواہ بھی ہو جائے تو چونکہ اب دو گواہ ہو گئے اسلئے پانچ سو کی ادائیگی کا فیصلہ کیا جائیگا (۲) **واستشهدوا شهيدين من رجالكم** (آیت ۲۸۲، سورۃ البقرۃ ۲) یعنی دو گواہ پورے نہیں ہوئے

ترجمہ :۱ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ پانچ سو کا فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ ادا کرنے والے گواہ کی گواہی کا حاصل یہ ہے کہ پانچ سو درہم ہی قرض ہے، اور اس کا جواب وہ ہے جسکو ہم نے بیان کیا۔

تشریح :حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پانچ سو کا فیصلہ کیا جائے گا، اور دلیل یہ دی کہ جس گواہ نے یوں کہا کہ ایک ہزار قرض ہے، لیکن پانچ سو ادا کر دیا ہے تو گویا کہ یوں کہا کہ پانچ سو ہی قرض ہے، اور دوسرے گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی ہے تو پانچ سو کو مضبوط کر دیا، اس لئے پانچ سو پر دو گواہی ہوگئی اس لئے پانچ سو کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا تھا کہ پہلے اس نے ایک ہزار کی گواہی دی ہے، اس لئے ایک ہزار پر دونوں متفق ہو گئے،

القضاء مضمون شهادته أن لا دين إلا خمسمائة. وجوابه ما قلنا. (۵۴۹)قال وينبغي للشاهد إذا علم بذلک أن لا يشهد بألف حتى يقر المدعي أنه قبض خمسمائة ۱؎ کي لا يصير معينا على الظلم. ۲؎ وفي الجامع الصغير رجلان شهدا على رجل بقرض ألف درهم فشهد أحدهما أنه قد قضاها فالشهادة جائزة على القرض لاتفاقهما عليه وتفرد أحدهما بالقضاء على ما بينا. ۳؎ وذكر الطحاوي عن أصحابنا أنه لا تقبل وهو قول زفر رحمه الله لأن المدعي أكذب شاهد القضاء.

بعد میں پانچ سو ادا کرنے کی بات کہی ہے اس لئے اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ :(۵۴۹) اور مناسب ہے گواہ کے لئے کہ اگر ادا کرنے کو جانے تو ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اقرار کرے کہ اس نے پانچ سو پر قبضہ کیا ہے۔

ترجمہ :۱؎ تا کہ ایک ہزار دلوا کر ظلم کی تائید کرنے والا نہ ہو۔

تشریح: دو گواہوں میں سے ایک جانتا تھا کہ ایک ہزار میں سے پانچ سو مدعی کو ادا کر دیا گیا ہے۔لیکن اس پر ایک گواہی کی وجہ سے ادا کرنے کی بات نہیں چلے گی، اس لئے قاضی ایک ہزار کا فیصلہ کر دے گا۔تو ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ جب تک پانچ سو وصول کرنے کا لوگوں کے سامنے اقرار نہ کرے ایک ہزار پر گواہی نہ دے تا کہ مدعی علیہ کو صرف پانچ سو ہی ادا کرنا پڑے۔

ترجمہ :۲؎ اور جامع صغیر میں ہے کہ دو مردوں نے ایک آدمی پر گواہی دی ایک ہزار کے قرض کا پھر دونوں میں سے ایک نے گواہی دی کہ پورا قرض اا کر دیا ہے تو قرض کی گواہی مان لی جائے گی کیونکہ دونوں گواہ قرض پر متفق ہیں، اور قرض ادا کرنے کی گواہی پر ایک ہے، جیسا کہ بیان کیا۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں کا فلاں پر ایک ہزار قرض ہے، بعد میں ایک گواہ نے گواہی دی کہ پورا قرض ادا کر دیا ہے، تو ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ پہلے ایک ہزار کے قرض ہونے پر دو گواہ ہیں، اور بعد میں اسکے اا کرنے پر صرف ایک گواہی ہے اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ترجمہ : ۳؎ امام طحاویؒ نے [متن کے مسئلے کے بارے میں] ہمارے اصحاب سے ذکر کیا ہے کہ کوئی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے، اس لئے کہ جس گواہ نے ادا کرنے کی گواہی دی مدعی نے اس کو جھٹلا دیا ۔

۴؎ قلنا هذا إكذاب في غير المشهود به الأول وهو القرض ومثله لا يمنع القبول. (۵۵۰) قال وإذا شهد شاهدان أنه قتل زيدا يوم النحر بمكة وشهد آخران أنه قتله يوم النحر بالكوفة واجتمعوا عند الحاكم لم يقبل الشهادتين ۱؎ لأن إحداهما كاذبة بيقين وليست إحداهما بأولى

تشریح :امام طحاویؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ جس گواہی نے یوں کہا کہ پانچ سوادا کر دیا، یا پورا قرض ادا کر دیا ہے مدعی نے گویا کہ اس کو جھٹلا دیا کیونکہ اس کا دعوی ہے کہ میں نے وصول نہیں کیا میرا تو ابھی بھی مدعی علیہ پر ایک ہزار ہے، اس لئے ایک گواہ تو یوں ساقط ہو گیا، اور باقی ایک گواہ سے قرض کا فیصلہ نہیں ہوگا، اس لئے اصل قرض کا بھی فیصلہ نہ کیا جائے اور پانچ سو کا بھی فیصلہ نہ کیا جائے۔

ترجمہ :۴؎ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ مدعی نے پہلی جو گواہی دی اس کے علاوہ کو جھٹلایا ہے، اور وہ قرض ہے اور اس دوسرے کے جھٹلانے سے قبول کرنا ممنوع نہیں ہوگا۔

تشریح:ہمارا جواب ہے کہ شروع نے دونوں گواہوں نے گواہی دی ہے کہ مدعی کا فلاں پر ایک ہزار قرض ہے، مدعی نے اس کو نہیں جھٹلایا ہے، ہاں بعد میں ایک گواہ نے گواہی دی کہ پانچ سو وصول کر لیا ہے، یا پورا قرض وصول کر لیا ہے، مدعی نے اس دوسری گواہی کو جھٹلایا ہے اس لئے پہلی گواہی قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت :اکذب فی غیر المشهود بہ: جس چیز کی گواہی پہلے دی ہے مدعی نے اس کو نہیں جھٹلایا ہے، اس کے علاوہ کو جھٹلایا ہے۔ الاول: سے مراد ہے پہلی گواہی ایک ہزار والی۔

ترجمہ :(۵۵۰) اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید قتل کیا گیا ہے بقرعید کے دن مکے میں اور دوسرے دو نے گواہی دی کہ وہ قتل کیا گیا ہے بقرعید کے دن کوفے میں۔ اور سب حاکم کے پاس جمع ہو گئے تو دونوں گواہیاں قبول نہیں کی جائیں گی۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ دونوں میں سے ایک گواہی تو یقیناً جھوٹی ہے، اور دونوں میں سے ایک افضل نہیں ہے [اس لئے دونوں رد ہو جائے گی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فیصلہ سے پہلے گواہوں میں ایسا اختلاف ہو جائے کہ موافقت کرنا ناممکن ہو تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح:صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو گواہوں نے گاہی دی کہ زید دسویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں قتل کیا گیا ہے۔ ابھی اس پر فیصلہ بھی نہیں کیا گیا تھا کہ دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید دسویں ذی الحجہ کو کوفے میں قتل کیا گیا ہے۔ اب ایک ہی آدمی ایک ہی تاریخ میں دو مختلف جگہوں پر قتل کیا جائے اور دونوں جگہیں اتنی دور ہیں کہ دونوں جگہوں پر ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے

من الأخرى (۵۵۱) فإن سبقت إحداهما وقضى بها ثم حضرت الأخرى لم تقبل لـ لأن الأولى ترجحت باتصال القضاء بها فلا تنتقض بالثانية. (۵۵۲) وإذا شهدا على رجل أنه سرق بقرة

دونوں قسم کے گواہ مردود ہو جائیں گے۔

وجه: قول تابعی میں ہے۔ عن ابراهيم في اربعة شهدوا على امرأة بالزنا ثم اختلفوا في الموضع، فقال بعضهم بالكوفة وقال بعضهم بالبصرة قال يدراء عنهم جميعا۔ (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة اربعة على امرأة عذراء واختلافهم في الموضع، ج سابع، ص ۲۶۶، نمبر ۱۳۴۵۰) اس قول تابعی میں ہے کہ جگہ کے اختلاف کی وجہ سے گواہی رد ہو گئی ہے۔

ترجمه: (۵۵۱) پس اگر دو میں سے ایک کی گواہی پہلے ہوگئی اور اسکا فیصلہ ہو گیا پھر دوسرے حاضر ہوئے تو گواہی مقبول نہیں ہوگی

ترجمه: ۱ اس لئے کہ فیصلہ ہونے کی وجہ سے پہلی گواہی کو ترجیح ہوگئی اس لئے دوسری گواہی سے پہلی ٹوٹے گی نہیں

تشریح: دو آدمیوں نے پہلے گواہی دی کہ مکہ میں قتل کیا گیا ہے۔ اور اس پر فیصلہ کر دیا گیا۔ بعد میں دو گواہ آئے اور گواہی دی کہ اس کو بصرہ میں قتل کیا ہے تو چونکہ پہلی گواہی پر فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے دوسری گواہی کی وجہ سے پہلے فیصلہ کو توڑا نہیں جائے گا۔

وجه: (۱) پہلی گواہی کو ترجیح ہوگئی ہے کہ اس پر فیصلہ ہو گیا ہے اس لئے دوسری گواہی کی وجہ سے پہلی گواہی توڑی نہیں جائے گی (۲) حدیث مرسل میں ہے۔ عن ابن المسيب قال قال رسول الله ﷺ اذا شهد الرجل بشهادتين قبلت الاولى وتركت الآخرة، وانزل منزلة الغلام (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يشهد بشهادة ثم يشهد بخلافها، ج ثامن، ص ۳۲۷، نمبر ۱۵۵۹۲) اس حدیث مرسل میں ہے کہ آدمی نے دو مرتبہ گواہی دی تو پہلی گواہی مقبول ہوگی اور دوسری رد کر دی جائے گی۔ اور پہلے پر فیصلہ ہو گیا تو بدرجۂ اولی وہ مقبول ہوگی اور دوسری گواہی مردود ہوگی (۳) قول تابعی میں ہے۔ عن الثوري في رجل اشهد على شهادته رجلا فقضى القاضي بشهادته ثم جاء الشاهد الذي شهد على شهادته فقال لم اشهد بشيء قال يقول اذا قضى القاضي مضى الحكم (مصنف عبدالرزاق، باب الشاهد يرجع عن شهادته او يشهد ثم يجحد، ج ثامن، ص ۳۲۴، نمبر ۱۵۵۹۸) اس قول تابعی میں ہے کہ پہلی گواہی پر قاضی کا فیصلہ ہو گیا اب اس کو دوسری گواہی سے رد نہیں کیا جا سکتا

ترجمه: (۵۵۲) اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی پر گواہی دی کہ اس نے گائے چرایا ہے لیکن اس کے رنگ میں اختلاف کیا

واختلفا في لونها قطع وإن قال أحدهما بقرة وقال الآخر ثورا لم يقطع ۱؎ وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا لا يقطع في الوجهين جميعا ۲؎ وقيل الاختلاف في لونين يتشابهان كالسواد

تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اگر گواہوں میں سے ایک نے کہا کہ گائے تھی اور دوسرے نے کہا کہ بیل تھا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

اصول : یہاں چیز کی مقدار میں نہیں بلکہ کیفیت میں گواہوں کا اختلاف ہو جائے تو اس کی مثال ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ دونوں گواہوں اتفاق کرنا ممکن ہو تو گواہی قبول کی جائے گی، اور اتفاق کرنا ممکن نہ ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح : ایک آدمی نے گائے چوری ہونے کا دعوی کیا اور رنگ نہیں بتایا، اب ایک گواہ نے لال رنگ بتایا اور دوسرے نے کالا رنگ بتایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن اگر ایک نے گائے چرانے کی گواہی دی اور دوسرے نے بیل چرانے کی گواہی دی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وجہ : (۱) لال رنگ اور کالا رنگ قریب قریب ہے اور ایک گائے میں دونوں ہو سکتا ہے کہ ایک جانب کالا ہو اور دوسری جانب لال ہو اس لئے دونوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی، لیکن ایک نے گائے کی گواہی دی اور دوسرے نے بیل کی گواہی دی تو دونوں ایک گائے میں جمع نہیں ہو سکتا، کہ گائے بھی ہو اور بیل بھی ہو اس لئے ہر ایک پر ایک ایک گواہی ہوئی اس لئے کسی چیز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ (۲) یہاں حد لگے گی اور چرانے سے ہاتھ کٹے گا اس لئے اور بھی احتیاط کی ضرورت ہے اس لئے گواہی قبول نہ کی جائے۔

ترجمہ : ۱؎ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

تشریح : صاحبین فرماتے ہیں کہ چاہے رنگ کے سلسلے میں دو گواہوں کا اختلاف، اور چاہے گائے اور بیل کے بارے میں اختلاف ہو دونوں صورتوں میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ : کالی گائے اور ہے اور سفید گائے اور ہے دونوں ایک نہیں ہے اس لئے ہر گائے پر گویا کہ ایک ایک گواہی ہوئی اور ایک گواہی پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے دونوں گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ : ۲؎ کہا گیا ہے کہ ان دونوں رنگوں میں ہے جو ایک دوسرے کے متشابہ ہو، جیسے کالا اور لال، لیکن کالا اور سفید میں اختلاف نہیں ہے [بالاتفاق قبول نہیں کیا جائے گا]، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تمام ہی رنگوں میں اختلاف ہے۔

تشریح : یہاں دو روایتیں بیان کی ہیں [۱] ایک یہ دونوں رنگ قریب قریب ہو اور تشابہ ہو سکتا ہو تب تو دو رنگوں کی گواہی دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبول کی جائے گی اور صاحبینؒ کے یہاں قبول نہیں کی جائے گی، اور دونوں رنگ بالکل مختلف ہے

والحمرة لا في السواد والبياض وقيل هو في جميع الألوان. ۳؎ لهما أن السرقة في السوداء غيرها في البيضاء فلم يتم على كل فعل نصاب الشهادة وصار كالغصب بل أولى لأن أمر الحد أهم وصار كالذكورة والأنوثة. ۴؎ وله أن التوفيق ممكن لأن التحمل في الليالي من بعيد واللونان

جس میں دیکھنے والے کو تشابہ نہیں ہوتا، جیسے کالا اور سفید تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی وہ صاحبین کے ساتھ ہیں۔ [۲] اور دوسری رویت یہ ہے کہ تشابہ والا رنگ ہو یا بالکل الگ رنگ ہو ہر حال میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبول کیا جائے گا، کیونکہ دونوں رنگ ایک گائے میں ہو سکتے ہیں، اور صاحبین کے نزدیک قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے ایک دوسرے رنگ کے تضاد ہے۔

ترجمہ: ۳؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کالی گائے کی چوری سفید گائے کی چوری کے علاوہ ہے اس لئے ہر گائے پر گواہی کا نصاب [دو گواہ] مکمل نہیں ہوا [اس لئے فیصلہ نہیں کیا جائے گا] اس لئے غصب کی طرح ہو گیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم ہو گیا اس لئے کہ حد کا معاملہ اہم ہے اس لئے مذکر اور موئث کی طرح ہو گیا۔

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ کالی گائے اور ہے اور سفید اور ہے اور ہر گائے پر ایک ایک گواہی ہے اس لئے دو گواہی کا نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اس کی دو مثال دیتے ہیں [۱] ایک یہ کہ گائے غصب کیا ہو اور ایک گواہ کہے کہ کالی گائے تھی اور دوسرا کہے کہ سفید گائے تھی تو غصب کا فیصلہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح یہاں چوری کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ معاملہ تو اور اہم ہے کیونکہ یہاں چوری کے فیصلے سے ہاتھ کاٹا جائے گا اس لئے ذرا سا فرق کا بھی احتیاط کیا جائیگا۔ [۲] دوسری مثال یہ دیتے ہیں کہ ایک گواہ بیل کہے اور دوسرا گواہ کہے کہ گائے چوری کی ہے تو فیصلہ نہیں کرتے، اسی طرح یہاں رنگ کے فرق میں بھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ یہاں مذکر سے مراد بیل، اور مونث سے مراد گائے ہے۔

ترجمہ: ۴؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں گواہوں میں توفیق کرنا ممکن ہے رات میں دور سے گواہ دیکھتے ہیں، اور کالا اور لال دونوں رنگ قریب قریب ہیں۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے یہاں توفیق کی دو صورتیں بیان کر رہے ہیں، یہ پہلی صورت ہے۔ کہ چوری عام طور پر رات میں ہوتی ہے، اور گواہ دور سے دیکھ کر گواہی دیتے ہیں، اور کالا اور لال رنگ قریب قریب ہوتے ہیں اس لئے ایک گواہ نے لال رنگ سمجھا اور دوسرے نے کالا رنگ سمجھا حالانکہ گائے ایک ہی ہے اس لئے اس مجبوری کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

ترجمہ: ۵؎ یا دونوں رنگ ایک گائے میں جمع ہو سکتے ہیں اس طرح کہ کالا رنگ ایک جانب ہو جسکو ایک گواہ دیکھ رہا ہو، اور

يتشابهان۵ أو يجتمعان في واحد فيكون السواد من جانب وهذا يبصره والبياض من جانب آخر وهذا الآخر يشاهده ٦ بخلاف الغصب لأن التحمل فيه بالنهار على قرب منه ۷ والذكورة والأنوثة لا يجتمعان في واحدة وكذا الوقوف على ذلك بالقرب منه فلا يشتبه. (۵۵۳) قال ومن شهد لرجل أنه اشترى عبدا من فلان بألف وشهد آخر أنه اشتراه بألف وخمسمائة

سفید رنگ دوسری جانب ہو جسکو دوسرا گواہ دیک رہا ہو [اس لئے دونوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی]

تشریح : یہ توفیق کی دوسری صورت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گائے کی ایک جانب کالا ہو جسکو ایک گواہ نے دیکھا اور اس کی گواہی دے دی۔ اور دوسری جانب سفید ہو جسکو دوسرے گواہ نے دیکھا اس لئے اس نے سفید ہونے کی گواہی دی، حالانکہ گائے ایک ہی ہے اس لئے دونوں کی گواہی قبول کر کے چوری کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ترجمہ : ٦ بخلاف غصب کے اس لئے دن میں قریب سے دیکھ کر اس کی گواہی دیتے ہیں۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، کہ غصب پر چوری کو قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ غصب عام طور پر دن کو کرتے ہیں اس لئے گواہ گائے کو دن میں بہت قریب سے دیکھ کر گواہی دیتے ہیں اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کو لال نظر آئے اور دوسرے گواہ کو کالا نظر آئے، اس لئے وہاں اگر ایک نے کالے کی اور دوسرے نے لال گائے کی گواہی دی تو گواہی قبول نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۷ اور دو رنگ تو ایک میں جمع ہو سکتے ہیں لیکن مذکر اور مونث ایک جانور میں جمع نہیں ہو سکتے، اور دوسری بات یہ ہے کہ گائے ہے یا بیل اس پر واقفیت قریب سے ہوتی ہے اس لئے دونوں گواہوں اشتباہ نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ جملہ بھی صاحبین کو جواب ہے، فرماتے ہیں کہ دو رنگ تو ایک جانور میں جمع ہو سکتے ہیں اس لئے دو گواہ ایک ہی جانور پر دو طرح کی گواہی دے سکتے ہیں، لیکن ایک ہی جانور مذکر بھی ہو اور مونث بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا، اس لئے ایک گواہ نے گائے کہا تو وہ اور جانور ہو گیا، اور دوسرے نے بیل کہا تو دوسرا جانور ہو گیا اور ہر ایک پر ایک ایک گواہی ہوئی اس لئے قبول نہیں کی جائے گی، دوسری بات یہ ہے رنگ تو دور سے دیکھتا ہے، لیکن مذکر ہے یا مونث یہ قریب سے دیکھتا ہے، اس لئے کسی گواہ کو یہ اشتباہ نہیں ہوگا کہ گائے ہے یا بیل، اور ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ دو الگ الگ جانور ہیں اس لئے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

لغت: التحمیل: حمل سے مشتق ہے، اٹھانا، یہاں مراد ہے گواہی کے لئے چیز کو دیکھنا۔

ترجمہ : (۵۵۳) کسی نے کسی آدمی کے لئے گواہی دی کہ اس نے فلاں آدمی سے ایک ہزار کے بدلے میں غلام خریدا ہے، اور دوسرے نے گواہی دی پندرہ سو میں خریدا ہے تو دونوں گواہیاں باطل ہوں گی۔

فالشهادة باطلة ا لأن المقصود إثبات السبب وهو العقد ويختلف باختلاف الثمن فاختلف المشهود به ولم يتم العدد على كل واحد ۲ ولأن المدعي يكذب أحد شاهديه ۳ وكذلک إذا

ترجمه : ا اسلئے کہ یہاں مقصد سبب کوثابت کرنا ہےاور وہ عقد ہےاور عقد ثمن کے مختلف ہونے مختلف ہوجا تا ہےاس لئے جس عقد کے لئے گواہی دی وہ الگ الگ ہوگیااور ہرایک عقد پر گواہی کا نصاب پورانہیں ہوا[اس لئے دونوں گواہی باطل ہوجائے گی]

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قیمت کے اختلاف سے عقد بھی مختلف ہوجا تا ہےاور مبیع بھی مختلف ہوجاتی ہے، اس لئے ہرمبیع پرایک ایک گواہی ہےتو نصاب پورانہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا

تشریح : اوپر مسئلہ قرض ثابت کرنے کا تھا یہاں مسئلہ عقداور بیع ثابت کرنے کا ہےاور دونوں میں فرق یہ ہے کہ قرض کی رقم مختلف ہونے کی وجہ سے قرض ایک ہی رہتا ہے، اور مبیع میں قیمت مختلف ہونے کی گواہی دےتو مبیع بھی مختلف ہوجاتی ہے اسلئے اگر دونوں مبیع پرایک ایک گواہی رہ جائے تو گواہی کا نصاب پورانہ ہونے کی وجہ سے دونوں گواہ رد ہوجائیں گےاور فیصلہ نہیں ہو پائے گا

تشریح مسئلہ یہ ہے کہ ایک گواہ نے گواہی دی کہ مثلا زید نے ایک ہزار میں غلام خریدا، اور دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ ایک ہزار پانچ سو میں خریدا ہےتو دونوں گواہ رد ہوجائیں گے۔

وجه : اس لئے کہ گواہی دینے کا مقصد عقد بیع کو ثابت کرنا ہے، اور عقد کا قاعدہ یہ ہے کہ ثمن اور قیمت کے مختلف ہونے سے دو عقد ہوگئے تو گویا کہ دو عقد پر دو گواہی ہوئی، اور ہر عقد پرایک ایک گواہ ہوا اس لئے نصاب پورانہ ہونے کی وجہ سے دونوں گواہ رد ہوجائیں گے۔

لغت: مشہود بہ: ترجمہ ہے، جسکے بارے میں گواہی دی ہے، یہاں مراد ہے عقد کے بارے میں گواہی دی۔

ترجمه : ۲ اوراس لئے مدعی دو گواہوں میں سے ایک کو جھٹلا دیا ہے۔

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ مدعی نے مثلا کہا ڈیڑھ ہزار میں خریدااورایک گواہ نے کہا کہ ایک ہزار میں خریدا تو گویا کہ اس نے اس گواہ کو جھٹلا دیا تو اب ایک ہی گواہ رہ گیا اس لئے ایک گواہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

ترجمه : ۳ اورایسے ہی اگر مدعی بائع ہوتب بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: اوپر یہ تھا کہ مدعی مشتری ہےاور دو گواہوں نے الگ الگ گواہی دی، یہاں فرمارہے ہیں کہ مدعی بائع ہوااور ایک گواہ نے کہا کہ ایک ہزار میں بیچا ہےاور دوسرے نے کہا کہ پندرہ سو میں بیچا ہےتو ہر قیمت پرایک ایک گواہی ہونے کی وجہ سے

كـان الـمـدعي هو البائع ۴؎ ولا فـرق بيـن أن يـدعـي الـمـدعـي أقـل المالين أو أكثرهما لما بينا (۵۵۴)وكذلک الكتابة ا؎ لأن الـمـقـصـود هو العقد إن كان المدعي هو العبد فظاهر وكذا إذا

کسی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ :۴؎ اوراس بارے میں فرق نہیں ہے کہ مدعی نے کم مال کا دعوی کیا ہو یا زیادہ مال کا دعوی کیا ہو،اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح :متن میں دعوی مطلق ہے، یہاں اس کی تفصیل یہ بتا رہے ہیں کہ مدعی نے کم کا دعوی کیا ہو یا زیادہ کا دونوں صورتوں میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی ،[۱] کم کی صورت یہ ہے۔ مثلا بائع نے دعوی کیا کہ ایک ہزار میں بیچا ہے،اور ایک نے گواہی دی ایک ہزار کی اور دوسرے نے گواہی پندرہ سو کی تب بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ،[۲] زیادہ رقم کے دعوی کی صورت یہ ہے۔ بائع نے دعوی کیا کہ پندرہ سو میں بیچا ہے اور ایک گواہ نے گواہی دی ایک ہزار میں بیچا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ پانچ سو میں بیچا ہے تب بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ایک گواہ کو بائع نے جھٹلا دیا ہے۔

ترجمہ: (۵۵۴)اور ایسے ہی مال کتابت کا معاملہ ہے۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ مقصود عقد ہے، پس اگر غلام مدعی ہے تب تو ظاہر ہے [کہ عقد ہی ہے]اور ایسے ہی آقا مدعی ہو [تو بھی عقد کو ہی ثابت کرنا ہے] اس لئے کہ آزادگی مال کتابت ادا کرنے سے پہلے نہیں ہوگی اس لئے کہ مقصد عقد کے سبب کو ثابت کرنا ہے]

تشریح :یہاں متن میں اور شرح میں ۷ سات مسئلے ہیں، اور ہر ایک میں دو دو شقیں ہیں۔[۱] ایک شق کے اعتبار سے،اگر اس میں عقد ثابت ہو جائے تو کسی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ، کیونکہ اختلاف سے عقد دو ہو جاتے ہیں اور ہر عقد پر ایک ایک گواہ ہونے کی وجہ سے دوں گواہ مردود ہوں گے [۲] اور دوسری جانب کے اعتبار سے اس میں قرض اور دین ثابت ہوتا ہے ، چنانچہ گواہوں کے اختلاف کے باوجود جو کم رقم ہے دوسرے گواہ نے اسی کو مضبوط کیا اس لئے کم رقم کا فیصلہ کیا جائے گا، گواہ مردود نہیں ہوں گے۔

[۱]...... پہلا مسئلہ مال کتابت کا ہے۔ اگر غلام نے دعوی کیا کہ ڈیڑھ ہزار میں آزاد ہونے کے لئے مجھے مکاتب بنایا ہے تو گویا کہ کتابت کا عقد ثابت کر رہا ہے۔ اور آقا نے دعوی کیا کہ ڈیڑھ ہزار میں میں نے آزاد ہونے کے لئے مکاتب بنایا ہے تب بھی عقد کتابت ثابت ہوگا ، کیونکہ بغیر مال کتابت ادا کئے ہوئے وہ آزاد نہیں کرے گا ، اور عقد کا معاملہ پہلے گزرا کہ ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک ہزار پانچ سو کی گواہی دی تو گویا کہ دو عقد کی گواہی دی اور ہر ایک عقد پر ایک ایک

كان هو المولى لأن العتق لا يثبت قبل الأداء فكان المقصود إثبات السبب ٢ وكذا الخلع والإعتاق على مال والصلح عن دم العمد إذا كان المدعي هو المرأة أو العبد أو القاتل لأن المقصود إثبات العقد والحاجة ماسة إليه وإن كانت الدعوى من جانب آخر فهو بمنزلة دعوى

گواہ ہوااس لئے دونوں گواہ باطل ہوں گے اور کچھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

لغت :اثبات السبب :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آقا نے رقم کے بدلے آزاد کرنے ہونے کے لئے کہا تو گویا کہ آزاد ہونے کا سبب یعنی عقد کتابت کو ثابت کرنا ہے۔

ترجمہ :٢ اور ایسے ہی خلع اور مال پر آزاد کرنا، اور قتل عمد میں مال کے بدلے صلح اگر مدعی خلع میں عورت ہو، آزاد ہونے میں غلام ہو، اور صلح میں قاتل ہو تو عقد کو ثابت کرنا مقصود ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے، اور اگر دعوی دوسری جانب سے ہو تو یہ قرض کے دعوی کے درجے میں ہے، اس لئے وہ تمام صورتیں ہوں گی جو ہم نے پہلے ذکر کیا اس لئے کہ مقتول کے ورثہ کی جانب سے معافی ہوجائے گی، آقا کی جانب سے آزادگی ہو، اور شوہر کی جانب سے طلاق ہوجائے گی ان لوگوں کے اعتراف کی وجہ سے اس لئے صرف قرض کا دعوی باقی رہا [اس لئے دونوں کی گواہی اقل مال پر قبول کر لی جائے گی]

لغت :قرض اور عقد میں فرق: عقد اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کے بدلے میں مال جائے، مثلا درہم کے بدلے میں غلام جائے۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ دونوں فریق میں سے کوئی معاف کرنا چاہئے تو معاف نہ کر سکے بدل تو دینا ہی ہوگا۔ اور قرض کسی چیز کے بدلے میں نہیں ہوتا بلکہ قرض دینے والے کی جانب سے احسان کے طور پر رقم دی جاتی ہے، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ اپنا قرضہ معاف کرنا چاہے تو معاف کرسکتا ہے۔ اسی قاعدے پر نیچے کے مسئلوں میں جہاں بدل کی صورت ہوگی وہاں عقد ہوگا، اور جہاں معاف کرنے کی صورت ہوگی وہاں قرض ہوجائے گا اور قرض کا حکم متفرع ہوگا۔

تشریح :[یہاں عبارت تھوڑی پیچیدہ ہے، سمجھ کر متفرع کریں] یہاں تین مسئلے بیان کر رہے ہیں، اور متن کے اعتبار سے دوسرا، اور تیسرا اور چوتھا مسئلہ ہے۔ ان تیوں مسئلوں میں ایک جانب سے دعوی ہو تو عقد ہوتا ہے اور گواہ کے اختلاف کی صورت میں دونوں گواہ باطل ہوں گے، اور دوسری جانب سے دعوی ہو تو قرض ہو جاتا ہے، اور گواہ کے اختلاف کی صورت میں کم مال پر فیصلہ کیا جائے گا [۲] مسئلہ نمبر۲۔ عورت نے دعوی کیا کہ شوہر نے ڈیڑھ ہزار پر خلع کیا ہے، تو یہ عقد ہے کیونکہ عقد خلع کے بدلے میں رقم لینا چاہتی ہے، شوہر پر اس کا قرض نہیں ہے اس لئے گواہوں کے اختلاف سے فیصلہ نہیں ہوگا۔ اور شوہر نے دعوی کیا کہ ڈیڑھ ہزار پر خلع ہوا تھا تو وہ معاف کر دے، اور اپنی جانب سے مفت طلاق دے دے تو معاف ہوجائے گا اس لئے یہ قرض ہے۔ اس لئے گواہوں کے اختلاف کی صورت میں کم پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔

الـديـن فيـمـا ذكـرنـا مـن الـوجـوه لأنه ثبت العفو والعتق والطلاق باعتراف صاحب الحق فبقي الـدعوى في الدين ۳؎ وفـي الـرهـن إن كـان الـمدعى هو الراهن لا يقبل لأنه لا حظ له في الرهن

[۳]......تیسرا مسئلہ۔ مال پرآزاد کرنا۔ یہ مکاتب بنانے کی شکل نہیں ہے، بلکہ مال کے بدلے غلام کوآزاد کررہا ہے۔اگر غلام مدعی ہےتو مال کے بدلے میں آزدگی کا عقد ہوگا،اور گواہوں کے اختلاف کی صورت میں دوعقد ہونے کی وجہ سے کوئی گواہی قبول نہیں ہوگی۔اوراگرآقا مدعی ہےتو یہ قرض کی شکل ہوگی، کیونکہ آقا مال معاف کر کے مفت آزادگی دے سکتا ہے،اس صورت میں گواہوں کے اختلاف کی صورت میں کم پر فیصلہ کیا جائے گا۔

[۴]......صلح عن دم العمد: جان کرقتل کیا تھااس لئے قاتل پر قصاص تھا لیکن مقتول کے وارث نے مثلا ایک لاکھ درہم پر صلح کر لی ،تواس کوصلح عن دم العمد ، کہتے ہیں۔اگراس میں قاتل مدعی ہےتو ایک لاکھ کے بدلے میں اپنی جان بچانا چاہتا ہےاس لئے یہ عقد ہوا،اور گواہ کے اختلاف کی صورت میں دونوں گواہ باطل ہوں گے۔اوراگر مقتول کے ورثہ مدعی ہےتو اس رقم کومعاف بھی کرسکتے ہیں اور قاتل کو چھٹکارا دے سکتے ہیں اس لئے یہ قرض ہوا،اس لئے گواہوں کے اختلاف کی صورت میں کم رقم پر فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت : فیما ذکرنا من الوجوہ:اس جملے سے یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ عقد کی صورت ہوگی تو گواہ کے اختلاف کی صورت میں گواہوں کورد کیا جائے گا۔اور قرض کی صورت ہوگی تو کم پر فیصلہ کیا جائیگا۔عفو:اس کا تعلق صلح عن دم العمد کے ساتھ ہے۔عتق: اس کا تعلق مال پرآزدگی کے ساتھ ہے۔طلاق: اس کا تعلق خلع کے ساتھ ہے۔باعتراف صاحب الحق: صاحب حق کے اعتراف کرنے سے معافی، اورآزدگی،اور طلاق واقع ہوجائے گی۔قتل میں صاحب حق مورث کے وارثین ہیں، جوقرض معاف کرسکتے ہیں۔عتق میں صاحب حق آقا ہے جو مال عتق معاف کرسکتا ہے۔اور خلع میں صاحب حق شوہر ہے، جو مال خلع کومعاف کر کے خود طلاق دے سکتا ہے

ترجمہ:۳؎ اور رہن کی شکل میں اگر دعوی قرض لینے والے کی طرف سے ہےتو اس کا دعوی ہی قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ گروی رکھی ہوئی چیز میں اس کو لینے حق نہیں ہے،تو گواہی بغیر دعوے کی رہی[اس لئے گواہی قبول نہیں کی جائے گی]،اور اگر دعوی کرنے والاقرض دینے والا[مرتہن] ہےتو اس کا تو قرض ہی کا دعوی ہے[اس لئے کم مال پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔

لغت :رہن: گروی رکھنا۔راہن: قرض لینے والا،جس نے اپنی چیز قرض کے بدلے گروی رکھی۔مرتہن: قرض دینے والا، جس نے قرض کی وجہ سے مقروض کی چیز گروی رکھی ہے۔مرہون: جو چیز گروی رکھی گئی ہے۔لا حظ: حصہ نہیں ہے،حق نہیں ہے ۔عریت: خالی ہوگئی۔

فعريت الشهادة عن الدعوى وإن كان المرتهن فهو بمنزلة دعوى الدين ؎ وفي الإجارة إن كان ذلک في أول المدة فهو نظير البيع، وإن كان بعد مضي المدة والمدعى هو الآجر فهو دعوى الدين. (۵۵۵) قال فأما النكاح فإنه يجوز بألف استحسانا ؎ وقالا هذا باطل في النكاح أيضا

تشریح :[۵]...... یہ پانچویں صورت ہے، جس میں عقد کی صورت نہیں نکلتی، صرف قرض کی صورت نکلتی ہے اس لئے گواہ کے اختلاف کے وقت کم مال پر فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر قرض لینے والے نے دعوی کیا کہ نے میں ڈیڑھ ہزار کے بدلے میں گروی رکھی ہے اس لئے وہ واپس دے دیں، تو قرض ادا کرنے سے پہلے یہ دعوی ہی غلط ہے، کیونکہ قرض ادا کرنے سے پہلے رہن پر رکھی ہوئی واپس نہیں لے سکتا، اس لئے یہ دعوی ہی صحیح نہیں ہے اس لئے بغیر دعوی کے رہ گیا، اور بغیر دعوی کے گواہی بیکار ہے اس لئے گواہی سنی نہیں جائے گی۔ اس لئے عقد کی شکل نہیں بنی۔ اور اگر قرض دینے والے کی جانب سے دعوی ہے تو وہ مفت میں رہن پر رکھی ہوئی چیز واپس کر سکتا ہے اس لئے اس کی جانب سے صرف قرض کا مطالبہ ہوگا اس لئے گواہوں کے اختلاف کی صورت میں کم رقم پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ترجمہ :؎ اور اجرت کی شکل میں اگر [مدت سے پہلے] کام کرنے سے پہلے دعوی کیا تو یہ بیع کی طرح عقد ہو گیا۔ اور اگر مدت [کام کرنے کے بعد] کے بعد دعوی کیا اور مدعی دوسرا [یعنی اجرت پر دینے والا] ہے تو یہ قرض کا دعوی ہے۔

تشریح :[۶]...... یہ چھٹا مسئلہ ہے جس میں مدت سے پہلے یعنی کام کرنے سے پہلے اختلاف ہو گیا تو چاہے دعوے کرنے والا اجرت پر دینے والا ہو، یا اجرت پر لینے والا ہو یہ اجرت کے عقد کا اختلاف ہے اس لئے کوئی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اگر مدت کے بعد یعنی کام کرنے کے بعد اختلاف ہو، اور دعوی کرنے والا اجرت پر دینے والا مدعی ہے تو یہ صرف اجرت کا دعوی ہے اس لئے کم پر فیصلہ کیا جائے گا۔ اس عبارت میں ھوالاخر سے اجرت پر دینے والا مراد ہے۔

اور اگر اجرت پر لینے والا مدعی ہے تو جتنا اس نے اقرار کیا ہے وہی ملے گا، کیونکہ اگر اس نے ڈیڑھ ہزار کا اقرار کیا تب تو اجرت پر دینے والا بھی ڈیڑھ ہزار مانگ رہا اس لئے کوئی اختلاف ہی نہیں رہا، اور اگر وہ ایک ہزار کا اعتراف کر رہا ہے تو گواہ کے ذریعہ بھی ایک ہی ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے اجرت پر لینے والے کے اعتراف کا ہی اعتبار ہوگا۔

ترجمہ :(۵۵۵) بہر حال نکاح تو ایک ہزار پر استحسانا جائز ہے۔

تشریح :[۷]...... یہ ساتواں مسئلہ ہے۔ نکاح میں مہر میں اختلاف ہوا عورت نے ڈیڑھ ہزار پر نکاح ہونے کا دعوی کیا، ایک گواہ نے ایک ہزار پانچ سو کی گواہی دی دوسرے نے ایک ہزار کی گواہی دی تو اصل میں یہ عقد ہے، پھر بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استحسان کے طور پر ایک ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۲؎ وذكر في الأمالي قول أبي يوسف مع قول أبي حنيفة رحمهما الله. ۳؎ لهما أن هذا اختلاف في العقد لأن المقصود من الجانبين السبب فأشبه البيع. ۴؎ ولأبي حنيفة رحمه الله أن المال في النكاح تابع والأصل فيه الحل والازدواج والملک ولا اختلاف في ما هو الأصل فيثبت ثم إذا وقع الاختلاف في التبع يقضي بالأقل لاتفاقهما عليه ويستوي دعوى أقل المالين أو أكثرهما في

وجه :اس کی وجہ یہ ہے نکاح کے بارے میں دونوں مانتے ہیں نکاح ہوا ہے تو اصل عقد میں اختلاف نہیں ہے، اور اس سے حلال ہونا، بضع کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہاں اختلاف مہر کے بارے میں ہے، پس اگر عورت مدعیہ ہے تو گویا کہ قرض میں اختلاف ہوا اس لئے کم رقم ایک ہزار پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ:۱؎ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کے معاملے میں بھی گواہ باطل ہیں۔

اصول:صاحبین کے نزدیک نکاح میں عقد کا اختلاف ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض کا اختلاف ہے۔

تشریح :صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عورت نے دعوی نے یا شوہر نے دعوی کیا کہ ڈیڑھ ہزار میں نکاح ہوا ہے اور ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک ہزار اور پانچ سو کی گواہی دی تو صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مہر کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ عقد نکاح کا اختلاف ہے اس لئے گواہ کے اختاف سے دو عقد ہو گئے اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک ہی گواہی ہے اس لئے دونوں گواہ باطل ہوں گے۔

ترجمہ :۲؎ امالی کتاب میں ذکر کیا ہے امام ابو یوسفؒ کا قول امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے۔

تشریح: یعنی صاحبینؒ کے نزدیک بھی قرض کا اختلاف ہے عقد نکاح کا اختلاف نہیں ہے۔

ترجمہ :۳؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختلاف عقد میں ہے اس لئے کہ دونوں جانب سے مقصود نکاح کا سبب ہے [یعنی نکاح کا عقد] ہے اس لئے یہ بیع کی طرح ہو گیا۔

تشریح :صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں بیوی اور شوہر کا مقصد نکاح کا سبب یعنی عقد نکاح ثابت کرنا ہے، اس لئے یہ بیع کی طرح ہو گیا، اور بیع میں گواہ کا اختلاف ہو تو دو عقد ثابت ہوتا ہے اور کوئی گواہی قبول نہیں ہوتی اسی طرح نکاح میں بھی کوئی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

ترجمہ :۴؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں مال تابع ہوتا ہے اور نکاح حلال ہونا شوہر بننا اور ملک بضع ہونا ہے اور یہ جو اصل چیز ہے اس میں اختلاف نہیں ہے اس لئے اصل تو ثابت ہو گیا پھر تابع [مہر] میں اختلاف ہوا اس لئے دونوں گواہوں کے اختلاف کی وجہ سے کم کا فیصلہ کیا جائے گا، اور صحیح روایت یہ ہے کہ کم مال کا دعوی کرے یا زیادہ کا دونوں برابر ہیں۔

الصحيح. ٥ ثم قيل الاختلاف فيما إذا كانت المرأة هي المدعية وفيما إذا كان المدعي هو الزوج إجماع على أنه لا تقبل لأن مقصودها قد يكون المال ومقصوده ليس إلا العقد. ٦ وقيل الاختلاف في الفصلين وهذا أصح والوجه ما ذكرنا والله أعلم.

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کے دعوی میں اصل عقد نکاح ہے، جس سے عورت حلال ہوتی ہے شوہر کو ملک بضع حاصل ہوتی ہے، اور ازدواجی رشتہ قائم ہوتا ہے، اور مہر اس کے تابع ہے، اصل عقد میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، صرف مہر کے بارے میں اختلاف ہے جو قرض کے درجے میں ہے اس لئے کم پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ عورت کم مال کا مثلا ایک ہزار کا دعوی کیا ہو، یا زیادہ کا مثلا پندرہ سو کا دعوی کیا ہو، دونوں صورتوں میں ایک ہزار کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ صحیح روایت یہی ہے۔

ترجمہ :٥ پھر کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب کی عورت مدعیہ ہو، اور جس صورت میں شوہر مدعی ہو تو کوئی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ بیوی کا مقصد کبھی مال بھی ہوتا ہے، اور شوہر کا مقصد تو عقد ہی ہے۔

تشریح:عورت کا مقصد مہر کا مال بھی ہو سکتا ہے اور عقد بھی ہو سکتا ہے اس لئے یہ اختلاف ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال مراد ہوگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک عقد نکاح مراد ہوگا۔ لیکن اگر شوہر مدعی ہو تو اس کا مقصد عقد ہی ہو سکتا ہے اس لئے سبھی کا اتفاق ہے کہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ :٦ کہا گیا کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے اور یہی صحیح ہے اور وجہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے، یعنی عورت مدعیہ ہو تب بھی اور شوہر ہو تب بھی اختلاف ہے، یعنی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں عقد نکاح مقصود ہے، اور صاحبین کے نزدیک مہر مقصود ہے۔

﴿فصل في الشهادة على الإرث﴾

(٥٥٦)ومن أقام بينة على دار أنها كانت لأبيه أعارها أو أودعها الذي هي في يده فإنه يأخذها ولا يكلف البينة أنه مات وتركها ميراثا له ﴿ وأصله أنه متى ثبت ملك المورث لا يقضي به للوارث حتى يشهد الشهود أنه مات وتركها ميراثا له عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله

﴿فصل فی الشہادۃ علی الارث﴾

ترجمہ :(۵۵۶) کسی نے اس بات پر گواہ پیش کیا کہ یہ گھر اس کے باپ کا تھا جسکو عاریت پر، یا امانت پر اس کے قبضے والے کو دیا تھا تو وہ آدمی اس گھر کو لے لے گا، اور اس بات گواہی پیش کرنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی اس کا باپ مرا اور یہ گھر اس کے لئے میراث میں چھوڑا۔

ترجمہ :﴿ اس کی اصل یہ ہے کہ جب مرنے والے کی ملکیت ثابت ہو جائے تو ابھی وارث کے لئے ملکیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ یہ گواہ پیش نہ کرے کہ کہ وہ مرا اور یہ چیز میرے لئے میراث چھوڑ کر گیا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

اصول :امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ دو طرح کی گواہی پیش کرنی ہوگی [۱] ایک یہ چیز میت کی ملکیت ہے۔[۲] دوسری گواہی یہ کہ یہ چیز میرے لئے میراث چھوڑی ہے تب آدمی وارث ہوگا۔

اور امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ ایک گواہی کافی ہے کہ میت کی ملکیت ثابت کردے تو وارث کی وراثت خود بخود ثابت ہو جائیگی

تشریح:کسی نے یہ گواہی پیش کی یہ گھر فلاں کے پاس میرے والد نے عاریت کے طور پر یا امانت کے طور پر چھوڑ کر گیا ہے، اور یہ گھر اسکی ملکیت ہے، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ کے نزدیک اسکے بعد یہ گواہی بھی پیش کرنی ہوگی کہ یہ میرے لئے وراثت چھوڑی ہے۔لیکن اگر دوسری گواہی پیش نہ کی تب بھی وراث کو گھر مل جائے گا، اور دوسری گواہی پیش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا

وجہ :وہ فرماتے ہیں کہ وارث کی ملکیت میں جانا گویا کہ نئے آدمی کی طرف ملکیت کا منتقل ہونا ہے، اس لئے وارث کو بھی دوسری گواہی دینی ہوگی کہ یہ گھر میرے لئے وراثت کے طور پر چھوڑی ہے، لیکن عقلی طور پر یہ بات واضح ہے کہ میت کا مال وارث ہی کی ملکیت ہے اس لئے دوسری گواہی دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۲؎ خلافا لأبي يوسف رحمه الله. هو يقول إن ملك الوارث ملك المورث فصارت الشهادة بالملك للمورث شهادة به للوارث ۳؎ وهما يقولان إن ملك الوارث متجدد في حق العين حتى يجب عليه الاستبراء في الجارية الموروثة ويحل للوارث الغني ما كان صدقة على المورث الفقير فلا بد من النقل إلا أنه يكتفي بالشهادة على قيام ملك المورث وقت الموت لثبوت

ترجمہ :۲؎ خلاف امام ابو یوسفؒ کے، وہ فرماتے ہیں کہ مرنے والے کی ملک وارث کی ملکیت ہے اس لئے مورث کی ملکیت کی گواہی وارث کی ملکیت کی گواہی بن گئی [اس لئے دوسری گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۳؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عین چیز کے حق میں وارث کی ملکیت نئی ہے، یہی وجہ ہے کہ وارث شدہ باندی میں استبراء ضروری ہے، اور مالدار وارث کے لئے وہ مال ہے جو فقیر مورث پر صدقہ کیا تھا، اس لئے مورث سے وارث کی طرف منتقل کرنا ضروری ہے، یہ اور بات ہے کہ موت کے وقت مورث کی ملکیت قائم ہونے کی گواہی دی تو اسی پر اکتفاء کیا جائے گا اس لئے کہ ضرورۃ منتقل ہونے کا ثبوت ہو گیا۔

تشریح:امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وراثت کی چیز جب وارث کے پاس آ رہی ہو تو اس کی ملکیت نئی ہوگی، اس کی دو مثالیں دے رہے ہیں [۱]......پہلی مثال، وراثت کی باندی جب وارث کے پاس آئے گی تو اس کو ایک حیض سے استبراء کرنا ہوگا تب باندی سے وطی کرنا حلال ہوگا، جیسے مشتری کے پاس باندی جائے تو اس کو استبراء کرنا لازم ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت نئی ہے۔[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ مرنے والا غریب ہو تو اس پر زکوۃ کا مال حلال ہے، اب وارث مالدار ہو تو اس پر یہ مال حلال نہیں ہونا چاہئے، لیکن چونکہ یہ ملکیت نئی ہے اور مورث سے مل رہی ہے اس لئے حلال ہو گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت نئی ہے، اس لئے یہ نئی ملکیت ثابت کرنے کے لئے دوسری گواہی دینی چاہئے، لیکن پہلی شہادت کے ذریعہ میت کی ملکیت قائم ہوگئی، تو اس کے تحت میں وارث کی ملکیت ہو جائے گی، اس لئے دوسری گواہی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

لغت :استبراء: براء سے مشتق ہے، باندی جب دوسرے کی ملکیت میں جائے تو ایک حیض تک مالک وطی نہ کرے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ پیٹ میں پہلے مالک کا بچہ نہیں ہے، ایک حیض گزر جانے کے بعد وطی کرے۔ اس کو استبراء، کہتے ہیں۔ متجدد فی حق العین: وراثت کی چیز میں وارث کی نئی ملکیت ہوتی ہے۔

ترجمہ :۴؎ اور ایسے ہی مرنے والے کا قبضہ ثابت کیا جائے، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔ اور متن کے مسئلے میں

الانتقال ضرورة ؏ وكذا على قيام يده على ما نذكره وقد وجدت الشهادة على اليد في مسألة الكتاب لأن يد المستعير والمودع والمستأجر قائمة مقام يده فأغنى ذلك عن الجر والنقل

(۵۵۷)وإن شهدوا أنها كانت في يد فلان مات وهي في يده جازت الشهادة لا لأن الأيدي عند الموت تنقلب يد ملك بواسطة الضمان والأمانة تصير مضمونة بالتجهيل فصار بمنزلة

میت کے قبضہ پر گواہی قائم کی گئی ہے۔اس لئے کہ عاریت پر لینے والے کا قبضہ،امانت پر لینے والے کا قبضہ،اوراجرت پر لینے والے کا قبضہ میت کے قبضے کے قائم مقام ہے،اس لئے وارث کی طرف منتقل کرنے کی گواہی کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

تشریح :اوپر یہ ثابت کیا کہ موت کے وقت میت کی ملکیت تھی اس لئے وارث کی طرف خود بخود منتقل ہوجائے گی،اب یہ بتارہے ہیں کہ گواہ کے ذریعہ سے میت کا قبضی ثابت کردیا جائے تب بھی وارث کی طرف اس کی ملکیت منتقل ہوجائے گی۔ دوسری بات یہ بتاتے ہیں کہ جس آدمی نے اس کے گھر کو عاریت پر لیا ہے، یا امانت پر رکھا ہے، یا اجرت پر لیا ہے تو ان تینوں کا قبضہ میت کا قبضہ ہے جسکو متن میں گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے اس لئے ان تینوں کا مال خود بخود وارث کی طرف منتقل ہوجائے گا اس کے لئے الگ سے دوسری گواہی پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

لغت :مودع:امانت پر رکھنے والا۔الجر والنقل: دونوں لفظوں کا ترجمہ ہے منتقل کرنا،یعنی وارث کی طرف منتقل کرنے کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :(۵۵۷)اگر کسی نے گواہی دی موت کے وقت میں یہ چیز میت کے قبضے میں تھی تو یہ گواہی جائز ہے۔[اوراس کو قبول کر کے یہ چیز وارث کی طرف منتقل ہوجائے گی]

ترجمہ :لا اس لئے کہ موت کے وقت یہ قبضہ ضمان کے واسطے سے میت کی ملک ہوجائے گی اور امانت بھی مجہول ہونے کی وجہ سے ضمان لازم ہوگا تو گویا کہ موت کے وقت ملک کے قیام کی گواہی ہوگئی[اس لئے یہ چیز وارث کی ہوجائے گی]

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موت کے وقت میں اس کے قبضے میں کوئی چیز ہے تو چاہے وہ غصب کی چیز ہو، چاہے امانت کی چیز ہو،اب تحقیق کرنے کا وقت نہیں ہے اس لئے ضمان لازم کر کے میت کی ملکیت بنادی جائے گی، پھر یہ چیز وارث کی طرف منتقل ہوجائے گی۔

تشریح : گواہ نے گواہی دی کے موت کے وقت مثلا گائے میت کے قبضے میں تھی، پس وہ اگر غصب کی ہے تو اس کی قیمت لازم ہوگی۔اسی طرح امانت کی ہے،اور کسکی امانت کی ہے یہ نہیں بتلایا تو مجہول امانت کی وجہ سے اس کا ضمان لازم ہوگا، اور یہ چیز میت کی ملکیت ہوگی، پھر یہ چیز وارث کی ملکیت میں آجائے گی۔

الشهادة على قيام ملكه وقت الموت.(۵۵۸) وإن قالوا لرجل حي نشهد أنها كانت في يد المدعي منذ شهر لم تقبل[1] وعن أبي يوسف رحمه الله أنها تقبل لأن اليد مقصودة كالملك ولو شهدوا أنها كانت ملكه تقبل فكذا هذا وصار كما إذا شهدوا بالأخذ من المدعي .

لغت :الامانة تصير مضمونة بالتجهيل :امانت مجہول ہوتو موت کے وقت لمبی تحقیق کا وقت نہیں ہے اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی ،اور چیز میت کی شمار کی جائے گی۔فصار بمنزلۃ الشہادۃ علی قیام الملک :موت کے وقت قبضے کی گواہی دینا گویا کہ اس کی ملکیت کی گواہی دینا ہے۔

ترجمہ:(۵۵۸) کسی نے زندہ آدمی کے لئے گواہی دی کہ یہ چیز چند ماہ پہلے اس کے قبضے میں تھی[تو یہ گواہی قبول کر کے اس کی ملکیت قرار نہیں دی جائے گی۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زندہ آدمی کے قبضے میں کوئی چیز پہلے تھی اس کی گواہی دی تو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ قبضہ غصب کا ہو، یا امانت کا ہو،اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی ملکیت کی چیز ہے اور ابھی تحقیق کرنے کا وقت بھی ہے اس لئے اس کی ملکیت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکے گا۔

تشریح :گواہوں نے گواہی دی کہ مثلا یہ گائے چند مہینے پہلے زید کے قبضے میں تھی تو یہ ممکن ہے کہ اس نے غصب کر کے قبضہ کیا ہو یا امانت کے طور پر قبضہ کیا ہو ملکیت کا قبضہ نہ ہو،اور ابھی تحقیق کا بھی وقت ہے اس لئے اس چیز کا ضمان اس پر لازم نہیں ہوگا ،اور نہ اس کی گواہی قبول کر کے اس کی ملکیت قرار دی جائے گی۔

ترجمہ :[1] امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس کی گواہی قبول کر کے مدعی کی ملکیت قرار دی جائے گی ،اس لئے کہ قبضے سے مقصود ملک ہے، جیسے ملک کی گواہی دیتا تو گواہی قبول کی جاتی، چنانچہ اگر ملک ہونے کی گواہی دے تو قبول کی جاتی ہے ایسے ہی یہاں بھی ہے،اور ایسا ہو گیا کہ گواہی دے کہ مدعی علیہ نے مدعی ہی سے یہ چیز لی ہے[تو گواہی قبول کی جاتی ہے]

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ زندوں کے لئے بھی قبضے کی گواہی قبول کی جائے گی اور یہ چیز مدعی کی ملکیت ثابت کر دی جائے گی۔

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ گواہی دے کہ اس کی ملکیت تھی تو قبول کی جاتی ہے اور مدعی کی ملکیت ثابت کی جاتی ہے اسی طرح قبضے کی گواہی دے تو اس مقصود ملکیت ہے اس لئے اس سے ملکیت ثابت کر دی جائے گی (۲) اس کی مثال دیتے ہیں کہ اگر یوں گواہی دے کہ مدعی علیہ نے غصب کر کے لیا تھا تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور مدعی کو واپس دلوائی جاتی ہے اسی طرح قبضے کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس سے ملکیت ثابت کی جائے گی۔

۲؎ وجه الظاهر وهو قولهما أن الشهادة قامت بمجهول لأن اليد منقضية وهي متنوعة إلى ملك وأمانة وضمان فتعذر القضاء بإعادة المجهول ۳؎ بخلاف الملک لأنه معلوم غير مختلف ۴؎ وبخلاف الآخذ لأنه معلوم وحكمه معلوم وهو وجوب الرد ۵؎ ولأن يد ذي اليد معاين ويد

لغت: اخذ: اخذ کا ترجمہ لینا ہے، لیکن یہاں غصب کرنا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ ظاہر قول کی وجہ یہ ہے کہ، اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی ہے کہ یہاں گواہی مجہول قبضے کی دی گئی ہے، اس لئے کہ مدعی کا قبضہ تو ابھی ختم ہو گیا ہے، اور وہ بھی کئی قسم کا ہو سکتا ہے [۱] ملک کا۔ [۲] اور امانت کا [۳] اور غصب کا قبضہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے مجہول قبضے کی وجہ سے مدعی کی طرف واپس لوٹانا مشکل ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ مدعی کا قبضہ پہلے تھا، ابھی نہیں ہے، اور وہ بھی مجہول ہے [ابھی تو مدعی علیہ کا قبضہ ہے]، کیونکہ گواہ یہ نہیں بتا رہا ہے کہ کس قسم کا قبضہ تھا اس لئے یہ قبضہ اس کی ملکیت کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے، غصب کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے، اور امانت کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے، اور اگر امانت کی، یا غصب کی وجہ سے ہو تو اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ وہ زندہ ہے، اس لئے مجہول قبضے کی وجہ سے اس کی ملکیت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔

لغت: منقضیۃ: نقض سے مشتق ہے، ختم ہو گیا ہے۔ متنوعۃ: نوع سے مشتق ہے۔ قبضہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ البتہ ملک ایک طرح کی ہوتی ہے، چاہے خرید کر ہو، چاہے امانت، اور غصب کا ضمان ادا کرنے کے بعد ہوئی ہو۔ باعادۃ المجھول: مجہول قبضے کی وجہ سے مدعی علیہ کے قبضے سے واپس لوٹا کر کے مدعی کے قبضے میں دینا مشکل ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف ملک کی گواہی ہو [تو فیصلہ کر دیا جائے گا] اسلئے کہ ملکیت معلوم ہے اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے۔ انہوں کہا تھا کہ گواہ مدعی کی ملکیت کی گواہی دے تو قبول کی جاتی ہے، تو اس کا جواب دیا رہا ہے کہ ملک کئی قسم کی نہیں ہوتی، ہاں مالک بننے کے اسباب بہت ہوتے ہیں، پس جب ملک کی گواہی دی تو اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے قاضی مدعی کی ملکیت کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ بخلاف اخذ [غصب کرنے] کی گواہی کے اس لئے کہ اس کا معنی معلوم ہے، اور اس کا حکم بھی معلوم ہے کہ مالک کی طرف واپس کرنا ہوگا [اس لئے فیصلہ کرنا ممکن ہے]

تشریح: یہ بھی امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ اخذ کی گواہی دے تو قبول کی جاتی ہے، اسی طرح قبضے کی گواہی دے تو قبول کرنی چاہئے۔ اس کا جوب یہ ہے کہ اخذ کا معنی کئی نہیں ہے، ایک ہی ہے غصب کے طور پر لینا اور اس کا حکم بھی معلوم ہے کہ چیز واپس کرنی ہوگی، اس لئے اس کا فیصلہ کرنا ممکن ہے، اور قبضہ کئی قسم کا ہوتا ہے اس لئے اس کا فیصلہ کرنا ممکن

المدعي مشهود به وليس الخبر كالمعاينة.(۵۵۹) وإن أقر بذلك المدعى عليه دفعت إلى المدعي [لأن الجهالة في المقر به لا تمنع صحة الإقرار] وإن شهد شاهدان أنه أقر أنها كانت في يد المدعي دفعت إليه ا لأن المشهود به هاهنا الإقرار وهو معلوم.

نہیں ہے۔

ترجمہ:۵ اوراس لئے کہ قبضے والے کا قبضہ ابھی موجود ہے،اور مدعی کا قبضہ ابھی نہیں ہے،صرف اس کی گواہی دی گئی ہے ،اور جو سامنے ہو اس کے مقابلے پر خبر دینے والی چیز نہیں ہوتی۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دوسری دلیل ہے کہ، مدعی کے قبضے میں یہ چیز ابھی نہیں ہے، اس کے بارے میں تو صرف گواہی دی گئی ہے، جو خبر کے درجے میں ہے، جو کمزور ہے، اور جس کے قبضے میں ابھی چیز ہے وہ سامنے ہے، جو مضبوط ہے اس لئے مضبوط کو چھوڑ کر کمزور کا فیصلہ نہیں کیا جا سکے گا۔

ترجمہ :(۵۵۹) اگر خود مدعی علیہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ مکان مدعی کے قبضے میں تھا تو مکان مدعی کو دے دیا جائے گا [اس لئے کہ جس چیز کا اقرار کیا اس میں جہالت ہے [کہ یہ قبضہ ملکیت کا ہے، یا غصب کا ہے، یا امانت کا ہے، تاہم اقرار کے صحیح ہونے کو نہیں روکتا]

اور اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ مدعی علیہ نے اقرار کیا ہے کہ یہ مکان مدعی کے قبضے میں تھا تب بھی مدعی کو دے دیا جائے گا

ترجمہ :ا کیونکہ یہاں مدعی علیہ کے اقرار کی گواہی دی ہے اور وہ معلوم ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس مدعی علیہ کے قبضے میں ابھی زمین ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ یہ زمین پہلے مدعی کے قبضے میں تھی تو چاہے امانت کا قبضہ ہو، یا غصب کا قبضہ ہو، یا ملکیت کا قبضہ اس کی تفصیل جانے بغیر بھی اس کو مکان دے دیا جائے گا

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں [ا] ایک یہ ہے کہ اس وقت جس کے قبضے میں مکان ہے [جسکو مدعی علیہ کہتے ہیں] وہ خود اقرار کرتا ہے کہ یہ مکان پہلے مدعی کے قبضے میں تھا لیکن یہ تفصیل نہیں بتا تا کہ یہ مکان کس انداز میں مدعی کے قبضے میں تھا امانت کے طور پر تھا، یا غصب کے طور پر تھا یا ملکیت کے طور پر تھا پھر بھی یہ مکان مدعی کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ خود مدعی علیہ اس کے پاس ہونے کا اقرار کرتا ہے، اس لئے مدعی علیہ کا اقرار کرنا صحیح ہے۔[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ دو گواہ گواہی دیتے ہیں کہ مدعی علیہ نے میرے سامنے اقرار کیا ہے کہ یہ مکان مدعی کے پاس تھا تب بھی اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور یہ مکان مدعی کے حوالے کیا جائے گا، کیونکہ گواہی کے ذریعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ مدعی علیہ نے اقرار کیا تھا کہ یہ مکان مدعی کے قبضے میں تھا۔

﴿باب الشهادة على الشهادة﴾

(۵۶۰) قال الشهادة على الشهادة جائزة في كل حق لا يسقط بالشبهة ۱؎ وهذا استحسان لشدة

﴿باب الشہادۃ علی الشہادۃ﴾

ضروری نوٹ : یہاں گواہ خود واقعہ کو نہیں دیکھا بلکہ دوسرے نے دیکھا ہے، اور یہ خود مجلس قضا میں کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکتا ہے اس لئے اپنی گواہی پر دوسرے کو گواہ بنا رہا ہے تا کہ مجلس قضا میں جا کر گواہی دے سکے اس کو شہادۃ علی الشہادۃ ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۵۶۰) گواہی پر گواہی دینا جائز ہے ہر اس حق میں جو شبہ سے ساقط نہ ہوتا ہے۔

تشریح :اصل گواہ وہ کسی مجبوری کی بنا پر دوسرے آدمی کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے ، ایسا کرنا ایسے حقوق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہ ہوتے ہوں۔ اس لئے حدود اور قصاص میں شہادۃ علی الشہادۃ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں

وجہ :(۱) شہادت پر شہادت جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ تسمعون ويسمع منكم ويسمع ممن يسمع منكم.** (ابوداؤد شریف، باب فضل نشر العلم ص ۵۲۵، نمبر ۳۶۵۹) اس حدیث میں ہے کہ حدیث جو لوگ سنیں گے وہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے اور دوسرے لوگ ان سے سنیں گے۔ جب حدیث میں سماعت در سماعت ہو سکتی ہے تو گواہی میں بھی ہو سکتی ہے (۲) **عن ابراهيم قال تجوز شهادة الرجل على الرجل في الحقوق** ۔ (مصنف عبد الرزاق ، باب شہادۃ الرجل علی الرجل ، ج ثامن ، ص ۲۶۴، نمبر ۱۵۵۳۳) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حقوق میں شہادۃ علی الشہادۃ جائز ہے۔ (۳) اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ بعض مرتبہ اصل گواہ اتنا بیمار ہوتا ہے کہ مجلس قضاء میں نہیں جا سکتا اس لئے اپنی گواہی پر فرع کو گواہ بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

حدود اور قصاص میں شہادۃ علی الشہادۃ مقبول نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حد اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور فرع گواہی میں شبہ ہوتا ہے اس لئے شہادت پر شہادت جائز نہیں ہوگی

وجہ :(۱) قول تابعی میں ہے۔ **عن مسروق وشريح انهما قالا لا تجوز شهادة على شهادة في حد ولا يكفل في حد** (سنن للبیہقی ، باب ما جاء فی الشہادۃ علی الشہادۃ فی حدود اللہ ، ج عاشر ، ص ۴۲۳، نمبر ۲۱۱۸۶ / مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۴۷ فی الشہادۃ علی الشہادۃ فی حد ، ج خامس ، ص ۵۴۸، نمبر ۲۸۹۰۱ / مصنف عبد الرزاق ، باب شہادۃ الرجل علی الرجل ، ج ثامن ، ص ۲۶۴، نمبر ۱۵۵۳۵) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حدود و قصاص میں شہادت پر شہادت جائز نہیں ہے۔

الحاجة إليها إذ شاهد الأصل قد يعجز عن أداء الشهادة لبعض العوارض فلو لم تجز الشهادة على الشهادة أدى إلى إتواء الحقوق ولهذا جوزنا الشهادة على الشهادة وإن كثرت ٢إلا أن فيها شبهة من حيث البدلية أو من حيث إن فيها زيادة احتمال وقد أمكن الاحتراز عنه بجنس الشهود فلا تقبل فيما تندرء بالشبهات كالحدود والقصاص. (۵٦١) ويجوز شهادة شاهدين

ترجمہ: ١ یہ استحسان کا تقاضہ ہے اس کی سخت ضرورت کی وجہ سے، اس لئے کہ بعض عوارض کی وجہ سے اصل گواہ کبھی گواہی ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے، پس اگر گواہی پر گواہی جائز نہ ہو تو حقوق برباد ہو جائیں گے، اسی لئے ہم نے گواہی پر گواہی جائز قرار دیا چاہے کتنی گواہیاں نہ ہو جائیں۔

تشریح: یہ گواہی پر گواہی دینے کی دلیل عقلی ہے کہ، قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو کیونکہ اس نے واقعہ کو دیکھا نہیں ہے، لیکن ضرورت کیوجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ بیماری کی وجہ سے یا دوری کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ اصل گواہ مجلس قضا تک حاضر نہ ہو سکتا ہو تو گواہی پر گواہی جائز قرار نہ دیں تو حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ اس لئے استحسان کے طور پر اس کو جائز قرار دیا۔

لغت: اتواء الحقوق: حقوق کا ضائع ہونا۔ ان کثرت: اصل نے گواہ بنایا، پھر فرع گواہ نے گواہ بنایا، پھر اس فرع نے گواہ بنایا، چنانچہ سلسلہ وار چار فروع ہو گئے تب بھی جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو گواہ نے دو دو فرع بنائے، پھر اس دو دو فرع نے دو دو فرع بنائے، اور مجموعہ آٹھ آدمی فروع ہو گئے تب بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ٢ مگر یہ کہ اس میں بدل ہونے کا شبہ ہے، یا اس لئے کہ اس میں احتمال زیادہ ہے، اور اصل گواہ کو لا کر فرع گواہ سے بچنے کا امکان ہے اس لئے جو چیزیں شبہات سے ساقط ہو جاتیں ہیں [مثلا حدود اور قصاص] تو ان میں گواہی پر گواہی قبول نہیں کی جائے گی

تشریح: یہاں دو دلیل دے رہے ہیں [١] پہلی دلیل یہ ہے کہ۔ فرع گواہ اصل گواہ کا بدل ہے اس لئے اس میں شبہ ہے۔ [٢] دوسری دلیل یہ ہے کہ اصل گواہ میں جھوٹ بولنے کا امکان تھا تو فرع میں تو اور زیادہ ہو گیا اس لئے حدود اور قصاص میں یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

لغت: جنس الشہود: اصل گواہ، جسنے واقعہ دیکھا ہے۔ یندری ء: درء سے مشتق ہے، ختم ہو جانا۔

ترجمہ: (۵٦١) جائز ہے دو گواہوں کا گواہی دینا دو گواہوں کی گواہی پر۔ اور نہیں قبول کی جائے گی ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر

على شهادة شاهدين ۔ا۔ وقال الشافعي رحمه الله لا يجوز إلا الأربع على كل أصل اثنان لأن كل شاهدين قائمان مقام شاهد واحد فصارا كالمرأتين ۔٢۔ ولنا قول علي رضي الله عنه لا يجوز على

تشریح: شہادت پر شہادت کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک اصل گواہ دو آدمیوں کو گواہ بنائے اور دوسرا اصل گواہ بھی دو آدمیوں کو گواہ بنائے ،اس طرح فرع گواہ چار ہو جائیں گے۔لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک اصل گواہ نے جن دو گواہوں کو گواہ بنایا ان ہی کو دوسرا اصل بھی اپنی گواہی پر گواہ بنادے اس طرح فرع گواہ بھی دو رہیں گے۔ پہلے اصل گواہ کے بھی یہی دو گواہ اور دوسرے اصل گواہ کے بھی یہی دو گواہ۔البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک اصل ایک ہی فرع کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے۔

وجہ:(۱) قول تابعی میں ہے۔ **عن اسمعیل الا زرق عن الشعبی قالا لا تجوز شهادة الشاهد على الشاهد حتى يكونا اثنين.** (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی عدد شهود الفرع، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۱ر مصنف ابن ابی شیبة، ۴۸۰ فی شهادة الشاهد علی الشاهد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۷۰) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ایک اصل گواہ پر دو فرع گواہ چاہئے (۲) اصل کی گواہی منتقل کرنا ہے اس لئے آیت **و استشهدوا شهيدين من رجالكم** (آیت ۲۸۲، سورة البقرة ۲) کے اعتبار سے دو گواہ چاہئے۔

ترجمہ: ۱۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فرع گواہ چار ہی ضروری ہے، ہر اصل گواہ کے لئے دو گواہ ہوں، اس لئے کہ ہر دو گواہ ایک گواہ کے قائم مقام ہیں، اس لیے فرع گواہ دو عورت کی طرح ہو گئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر اصل گواہ کے لئے الگ الگ دو گواہ چاہئے اس طرح چار گواہ ضروری ہیں۔ انکی دلیل یہ ہے کہ ہر دو فرع گواہ ایک اصل گواہ کے قائم مقام ہیں، جس طرح دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں اس لئے ہر اصل گواہ کے لئے الگ الگ دو دو گواہ ہوں۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ **و لا يجوز ان يشهد على شهادة الرجل و لا المرأة حيث تجوز الا رجلان**۔(موسوعة امام شافعی، باب الشهادة علی الشهادة، ج ۱۳، ص ۳۶۵، نمبر ۲۶۵۷۰) اس عبارت میں ہے کہ ہر گواہ کے لئے دو گواہ چاہئے۔

وجہ:(۱) اوپر حضرت شعبیؒ کا قول گزرا کہ دو گواہ ہوں، اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ ہر گواہ کے لئے دو الگ الگ گواہ ہوں۔

ترجمہ: ۲۔ ہماری دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے ایک گواہ پر دو گواہ ہوں۔

تشریح: ہم یہ کہتے ہیں قول تابعی میں یہ گزرا کہ ایک اصل گواہ پر دو گواہ ہوں، جسکا مطلب یہ ہے کہ پہلے اصل گواہ کے جو دو فرع گواہ تھے انہیں کو دوسرے اصل گواہ نے اپنا گواہ بنالیا تب بھی چل جائے گا۔

وجہ:(۱) صاحب ہدایہ نے جو حضرت علی کا قول بیان کیا ہے شاید وہ یہ ہے۔ **عن علی قال : لا تجوز علی شهادة ا**

شهادة رجل إلا شهادة رجلين ۳؎ ولأن نقل شهادة الأصل من الحقوق فهما شهدا بحق ثم شهدا بحق آخر فتقبل. ۴؎ ولا تقبل شهادة واحد على شهادة واحد لما روينا وهو حجة على مالك رحمه الله ولأنه حق من الحقوق فلا بد من نصاب الشهادة. (۵۶۲) وصفة الإشهاد أن يقول شاهد الأصل لشاهد الفرع اشهد على شهادتي أني أشهد أن فلان بن فلان أقر عندي بكذا

لميت الا رجلان (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۲۶۴، نمبر ۱۵۵۳۴) اس قول صحابی میں ہے کہ میت کے لئے دو گواہی چاہئے۔

ترجمہ :۳؎ اور اس لئے کہ اصل گواہ کی گواہی نقل کرنا حقوق میں سے ہے، پس ان دونوں نے حق کی گواہی دی، پھر دوسرے اصل گواہ کی گواہی دی تو قبول کر لی جائے گی۔

تشریح :یہ حنفیہ کی دلیل عقلی ہے۔ کہ اصل گواہ کی گواہی نقل کرنا کسی کے حق کی گواہی دینا ہے، پس پہلے ایک اصل کی گواہی کو قاضی کے سامنے نقل کیا، اس کے بعد دوسرے اصل گواہ کی گواہی کو نقل کیا تو یہ جائز ہے اور قاضی اس کو قبول کرے گا۔

ترجمہ :۴؎ اور نہیں قبول کی جائے ایک اصل کے لئے ایک ہی فرع ہو اس روایت کی وجہ سے جو پہلے گزری، اور یہ روایت امام مالک پر حجت ہے۔

تشریح :ایک اصل گواہ کے لئے ایک ہی فرع ہو، اور دوسرے کے لئے بھی ایک ہی فرع ہو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے قول تابعی گزرا کہ ہر اصل کے لئے دو فرع ہوں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا تھا کہ ایک اصل کے لئے ایک فرع ہو تب بھی جائز ہے۔ اوپر کا قول تابعی انکے خلاف حجت ہوگا۔

ترجمہ :۵؎ اور اس لئے کہ فرع کی گواہی دینا بھی حقوق العباد ہے اس لئے گواہی کا نصاب دو ہونا چاہئے۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے، حدیث کی روایت کرنے میں ایک راوی کی روایت ایک ہی راوی نے کی تو یہ جائز ہے، کیونکہ وہ حقوق العباد نہیں ہے، لیکن اصل گواہ کی گواہی کو نقل کرنا حقوق العباد کو زندہ کرنا ہے اس لئے اس نقل کرنے میں نصاب شہادت پورا کرنا چاہئے جو دو گواہی ہے۔ اس لئے ہر اصل گواہ کے لئے دو گواہ چاہئے۔

ترجمہ :(۵۶۲) گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ سے کہے، میری گواہی پر گواہ بن جاؤ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں ابن فلاں نے میرے سامنے اتنے کا اقرار کیا ہے اور مجھے اپنی ذات پر گواہ بنایا ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ فرع گواہ اصل کا نائب ہے اس لئے اس کی جانب سے گواہ بنانا، اور وکیل بنانا ضروری ہے جیسا کہ پہلے گزرا

وأشهدني على نفسه ۱؎ لأن الفرع كالنائب عنه فلا بد من التحميل والتوكيل على ما مر ۲؎ ولا بد أن يشهد كما يشهد عند القاضي لينقله إلى مجلس القضاء ۳؎ وإن لم يقل أشهدني على نفسه جاز لأن من سمع إقرار غيره حل له الشهادة وإن لم يقل له اشهد(۵۶۳) ويقول شاهد الفرع

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل گواہ جب تک باضابطہ طور پر فرع کو اپنی گواہی کا گواہ نہیں بنائے گا تو وہ گواہ نہیں بن سکے گا۔صرف گواہی دیتے ہوئے سن لینے سے گواہ نہیں بن سکے گا۔

تشریح:اصل گواہ فرع گواہ سے باضابطہ کہے کہ تم میری گواہی پر گواہ بنو اس بات کا کہ فلاں نے فلاں کا اتنے روپے کا میرے سامنے اقرار کیا ہے۔اور مجھے اقرار پر گواہ بھی بنایا ہے۔اور اگر اصل گواہ نے یوں نہیں کہا کہ مجھے قرض کے اقرار کرنے والے نے اپنی ذات پر گواہ بنایا ہے تب بھی اصل گواہ کو حق ہے کہ فرع گواہ بنادے۔

وجہ:(۱) فرع گواہ اصل گواہ کا نائب اور وکیل ہے اس لئے اصل پر باضابطہ گواہ بنا ضروری ہوگا،تب ہی نائب بن سکے گا۔ **تحمیل** کا ترجمہ ہے گواہ بنانا۔(۲) قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن شریح قال: تجوز شهادة الرجل على الرجل في الحقوق،ويقول شريح للشاهد قل: اشهدني ذو عدل** ۔(مصنف عبدالرزاق،باب شھادۃ الرجل علی الرجل،ج ثامن،ص۲۶۳،نمبر۱۵۵۳۱)اس قول تابعی میں ہے۔قل اشھد نی ذو عدل،جس سے معلوم ہوا کہ فرع گواہ گواہی دیتے وقت کہے گا کہ مجھے عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ اصل گواہ اپنی گواہی پر باضابطہ گواہ بنائے تب فرع گواہ بن سکے گا۔

ترجمہ : ۲؎ اور ضروری ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ کے سامنے پوری گواہی پیش کرے،جیسا قاضی کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ فرع قضا کی مجلس میں اس گواہی کو نقل کر سکے۔

تشریح :اصل گواہ جس وقت فرع گواہ کو گواہ بنا رہا ہو اس وقت اپنی پوری گواہی فرع کے سامنے اس طرح بیان کرے جس طرح قاضی کے سامنے بیان کرے گا،تاکہ یہ فرع قاضی کے سامنے اسی طرح بیان کر سکے۔

ترجمہ :۳؎ اگر اصل گواہ نے یوں نہیں کہا کہ قرض کے اقرار کرنے والے نے مجھے اپنی ذات گواہ بنایا ہے تب بھی اس کو فرع گواہ بنانے کا حق ہے،اس لئے کہ اگر غیر کے مال کا اقرار کرتے ہوئے سنا تو اس کے لیے گواہی دینا حلال ہے چاہے اقرار کرنے والے یوں نہ کہا کہ میرے اقرار کا تم گواہ بن جاؤ۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فرع کو اپنی گواہی پر باضابطہ گواہ بنائے گا تب گواہ بنے گا ۔لیکن اصل گواہ کو اقرار کرنے

عند الأداء أشهد أن فلانا أشهدني على شهادته أن فلانا أقر عنده بكذا وقال لي اشهد على شهادتي بذلك؏ **لأنه لا بد من شهادته وذكر شهادة الأصل وذكر التحميل ولها لفظ أطول من**

والا اپنے اقرار پر گواہ نہ بھی بنائے ،صرف اسکو اقرار کرتے ہوئے سن لے تب بھی اس کے لئے جائز ہے کہ قاضی کے سامنے گواہی دے،اور یہ بھی جائز ہے کہ فرع کو اپنی گواہی پر گواہ بنادے۔

تشریح:اصل گواہ کو قرض کا اقرار کرنے والا اپنے اقرار پر گواہ نہ بھی بنائے ،صرف اس کے سامنے اقرار کرلے تب بھی اس کے لئے جائز ہے کہ قاضی کے سامنے گواہی دے دے،اور یہ بھی جائز ہے کہ فرع کو اس پر گواہ بنادے۔

ترجمہ :(۵۶۳) فرع گواہ ادائیگی کے وقت کہے گا فلاں نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے۔وہ گواہی دیتے ہیں کہ فلاں نے اس کے پاس اتنے کا اقرار کیا ہے۔یا یوں کہے کہ،مجھکو کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ بن جاؤ۔

تشریح:فرع گواہ گواہی دیتے وقت یوں نہیں کہے گا کہ میں اصل گواہ ہوں بلکہ باضابطہ کہے گا میں فرع گواہ ہوں اور اصل گواہ نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے اس بات کا کہ اس کے سامنے فلاں نے اتنی رقم کا اقرار کیا ہے۔

وجہ :(۱) قول تابعی میں ہے کہ قاضی شریح فرع گواہ سے کہلواتے تھے کہ مجھے عادل آدمی نے گواہ بنایا ہے۔ **عن شریح قال ... قل اشهدنی ذو عدل** (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الرجل علی الرجل، ج ثامن ،ص ۲۶۳ نمبر ۱۵۵۳۱)اس قول تابعی میں ہے کہ فرع گواہ اقرار کرے کہ مجھ کو اصل گواہ نے گواہ بنایا ہے(۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن حسن بن صالح قال قلت للجعد بن زكوان،شهدت شريحا يقول: اجيز شهادة الشاهد على الشاهد اذا شهد عليهما.** (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۸۰ فی شهادة الشاهد علی الشاهد ،ج رابع ،ص ۵۵۴،نمبر ۲۳۰۶۸)اس اثر میں ہے کہ گواہ بنائے تو گواہ بن سکتا ہے۔

ترجمہ :؏ اس لئے فرع گواہ کو گواہی دینا ضروری ہے،اور یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ اصل کی گواہی ہے،اور یہ بھی ذکر کرے کہ مجھے گواہ بنایا ہے،اور سب ذکر کرنے کیلئے لمبے الفاظ بھی ہیں اور مختصر الفاظ بھی ہیں،لیکن درمیانہ الفاظ ذکر نا بہتر ہے

تشریح :فرع گواہی دیتے وقت تین باتوں کا ذکر کرے[۱]......اپنی پوری گواہی پیش کرے[۲]......یہ ذکر کرے کہ میں فرع گواہ ہوں اور میرا اصل گواہ فلاں ہے [۳]......اور تیسری بات یہ ذکر کرے کہ مجھے اصل نے باضابطہ اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے تب گواہی دینے آیا ہوں۔اس کی ادائیگی کے لئے لمبے لمبے الفاظ بھی ہیں اور مختصر بھی،لیکن درمیانہ الفاظ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ :(۵۶۴) کسی نے کہا کہ فلاں نے مجھکو اپنی ذات پر گواہ بنایا ہے تو اس بات کو سننے والا اس کی گواہی نہیں دے سکتا

هذا وأقصر منه وخير الأمور أوسطها. (۵۶۴) ومن قال أشهدني فلان على نفسه لم يشهد السامع على شهادته حتى يقول له اشهد على شهادتي ۱؎ لأنه لا بد من التحميل ۲؎ وهذا ظاهر عند محمد رحمه الله لأن القضاء عنده بشهادة الفروع والأصول جميعا حتى اشتركوا في الضمان عند الرجوع ۳؎ وكذا عندهما لأنه لا بد من نقل شهادة الأصول ليصير حجة فيظهر تحميل ما

جب تک کہ وہ یوں نہ کہے کہ میری گواہ پر تم گواہ بن جاؤ۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ فرع کو باضابطہ گواہ بنانا ضروری ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ فرع کو باضابطہ گواہ بنائے گا تب ہی گواہ بن سکتا ہے، صرف اصل سے گواہی کے جملے سن لینے سے گواہ نہیں بن جائے گا۔

تشریح :مثلا زید نے کہا کہ مجھے عمر نے اپنے اقرار پر گواہ بنایا ہے، اور خالد یہ بات سن رہا تھا تو وہ فرع گواہ نہیں بنے گا، اور نہ مجلس قضا میں گواہی دے سکے گا، جب تک کہ زید [اصل گواہ] خالد کو باضابطہ اپنا فرع گواہ نہ بنائے۔ کیونکہ فرع گواہ بننے کے لئے گواہ بنانا ضروری ہے۔۔ تحمیل کا ترجمہ ہے گواہ بنانا۔ گواہ پر گواہی لادنا۔

ترجمہ :۲؎ امام محمدؒ کے نزدیک گواہ بنانے کی شرط ظاہر ہے اس لئے کہ انکے نزدیک فرع اور اصل دونوں کی گواہی سے فیصلہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ گواہی سے رجوع کر جائے تو دونوں ضمان کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

تشریح : چونکہ امام محمدؒ کے نزدیک فرع کی گواہی اور اصل کی گواہی دونوں کی گواہی سے فیصلہ ہوتا ہے، اور گواہی واپس لے لے تو دونوں ضمان کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس لئے اصل گواہ فرع گواہ کو باضابطہ گواہ بنائے یہ ضروری ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور ایسے ہی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی فرع کو گواہ بنانا ضروری ہے اس لئے کہ اصل کی گواہی کو منتقل کرنا ضروری ہے تاکہ قاضی کے سامنے یہ گواہی حجت بن سکے، پس یہ حضت بنانے کے لئے گواہ بنانا ضروری ہے

تشریح :امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی گواہ بنانا ضروری ہے، اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ صرف گواہ بنا کافی نہیں ہے، بلکہ اس گواہی کو قاضی کی مجلس میں حجت بنانا ضروری ہے تب ہی حقوق العباد کا فیصلہ ہوگا، اور حجت بنانے کے لئے یہ نقل کرنا ضروری ہے کہ میں اصل گواہ نہیں ہوں مجھے گواہ بنایا گیا ہے، اور یہ اسی وقت کہہ سکتا ہے جبکہ اصل نے گواہ بنایا ہو، ورنہ جھوٹ ہو جائے گا، اس لئے انکے یہاں بھی تحمیل یعنی باضابطہ گواہ بنانا ضروری ہو گیا۔

ترجمہ :(۵۶۵) اور نہیں قبول کی جائے گی فرع گواہوں کی گواہی مگر یہ کہ اصل گواہ مر جائیں، یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر چلے جائیں یا ایسا بیمار ہو جائیں کہ اس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکیں۔

هو حجة. (۵٦۵)قال ولا تقبل شهادة شهود الفرع إلا أن يموت شهود الأصل أو يغيبوا مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا أو يمرضوا مرضا لا يستطيعون معه حضور مجلس الحاكم ۱؎ لأن جوازها للحاجة وإنما تمس عند عجز الأصل وبهذه الأشياء يتحقق العجز. ۲؎ وإنما اعتبرنا السفر لأن المعجز بعد المسافة ومدة السفر بعيدة حكما حتى أدير عليها عدة من الأحكام فكذا سبيل هذا الحكم. ۳؎ وعن أبي يوسف رحمه الله أنه إن كان في مكان لو غدا لأداء الشهادة لا يستطيع أن يبيت في أهله صح الإشهاد إحياء لحقوق الناس قالوا الأول أحسن والثاني أرفق وبه أخذ الفقيه

ترجمه : ۱؎ اس لئے گواہی پر گواہی کا جائز ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اور اصل گواہ کے عاجز ہونے کے وقت فرع گواہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور ان باتوں سے اصل گواہ مجلس قضا میں حاضر ہونے سے عاجز ہوتا ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گواہی کے لئے اصل گواہ ضروری ہے۔ فرع گواہ مجبوری کے درجے میں مہیا کئے جائیں گے۔

تشریح: اصل گواہ مر جائیں یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر چلے جائیں یا ایسا بیمار ہو جائیں کہ مجلس قضا میں حاضر ہونا مشکل ہو تب فرع گواہ بنانا جائز ہوگا۔ اور وہ گواہی دے سکے گا۔

وجه :(۱) فرع گواہ اصل کی مجبوری کے بعد ہے (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن شريح انه كان لايجيز شهادة الشاهد مادام حيا ولو كان باليمين (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸۰ فی شھادۃ الشاھد علی الشاھد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۹) اس قول تابعی میں ہے کہ اصل گواہ کو ایسی مجبوری ہو جائے جن سے مجلس قضاء میں حاضر ہونا ناممکن ہو تب فرع گواہ کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمه :۲؎ مدت سفر کا اعتبار اس لئے ہم نے کیا کہ مسافت کی دوری کی وجہ سے عاجزی ہوتی ہے اور مدت سفر حکما دور ہے، یہی وجہ ہے کہ اس پر بہت سے احکامات نافذ کئے جاتے ہیں، پس اسی طرح اس حکم میں بھی مدت سفر ہی کو لیا۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه :۳؎ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر گواہ اتنا دور ہو کہ اگر صبح گواہی ادا کرنے کے لئے جائے تو واپس آ کر گھر میں رات نہ گزار سکے، تو اب گواہ بنانا جائز ہے لوگوں کے حق کو زندہ کرنے کے لئے، حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی روایت احسن ہے اور دوسری روایت میں آسانی ہے، اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے۔

أبو الليث. (٥٦٦)قال فإن عدل شهود الأصل شهود الفرع جاز ل لأنهم من أهل التزكية(٥٦٧) وكذا إذا شهد شاهدان فعدل أحدهما الآخر صح ل لما قلنا ٢ غاية الأمر أن فيه منفعة من حيث القضاء بشهادته لكن العدل لا يتهم بمثله كما لا يتهم في شهادة نفسه كيف وأن قوله في حق

تشریح :امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چاہے مدت سفر پر نہ ہو،لیکن اتنا دور ہو کہ صبح گواہی دینے آئے تو واپس جا کر اپنے گھر میں رات نہ گزار سکے تو یہ دوری بھی اس قدر ہے کہ فرع گواہ بنانا جائز ہے، تا کہ لوگوں کے حقوق زندہ ہو جائے۔ ہمارے حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی روایت [مدت سفر] شریعت کے مطابق ہے اس لئے وہ اچھی ہے۔اور دوسری روایت میں لوگوں کے لئے سہولت ہے،اور اسی کو فقیہ ابو اللیثؒ نے اختیار کیا ہے۔

ترجمہ:(٥٦٦)اگر فرع گواہ اصل گواہوں کو عادل بتائے تو جائز ہے۔

ترجمہ :ل اس لئے فرع گواہ بھی تزکیہ کا اہل ہے۔

تشریح :فرع گواہ قاضی کے سامنے یہ کہے کہ جنہوں نے ہمیں گواہ بنائے ہیں وہ عادل لوگ ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔

وجہ :(۱)فرع گواہ بھی انسان ہے،مسلمان اور عاقل بالغ ہے اس لئے ان کو کسی کی تعدیل اور تزکیہ کرنے کا حق ہے۔اس لئے وہ اصل گواہوں کی تعدیل کر سکتا ہے۔ (۲) قول تابعی میں ہے کہ حضرت شریح فرع گواہوں سے گواہی لیتے وقت یہ بھی کہلواتے تھے کہ تم اقرار کرو کہ اصل گواہ عادل ہیں۔تا کہ قاضی صاحب کو اصل گواہوں کے بارے میں اطمینان ہو جائے قول تابعی یہ ہے۔ویقول شریح للشاهد قل اشهدنى ذو عدل (مصنف عبدالرزاق، باب شہادۃ الرجل علی الرجل، ج ثامن، ص ۲۶۳، نمبر ۱۵۵۳۱)اس قول تابعی میں ہے کہ کہو کہ میرا اصل گواہ عادل ہے۔

ترجمہ:(٥٦٧) ایسے ہی اگر دو گواہوں نے گواہی دی اور ایک نے دوسرے کی تعدیل کی تو صحیح ہے۔

ترجمہ :ل اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا۔[کہ وہ اہل تزکیہ ہے]

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۲ زیادہ سے زیادہ معاملہ یہ ہے کہ اس کی گواہی سے فیصلہ کرنے سے گواہ کو فائدہ ہے،لیکن اگر عادل ہے تو اس قسم کے اتہام کا اعتبار نہیں ہے، جیسے خود اس کی گواہی میں اتہام نہیں ہے،اور اگر اس کے ساتھی کی گواہی رد کر دی گئی تو بھی کوئی تہمت نہیں ہے

تشریح :اگر گواہ نے اپنے ساتھی گواہ کا تزکیہ کیا تو زیادہ سے زیادہ یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ قاضی کے سامنے یہ بڑا آدمی مانا جاتا ہے کہ اس کی گواہی سے فیصلہ ہوتا ہے،لیکن جب ہم نے گواہ کو عادل مان لیا تو عادل آدمی سے یہ امید نہیں کی جا سکتی ہے کہ

نفسه وإن ردت شهادة صاحبه فلا تهمة.(٥٦٨) قال وإن سكتوا عن تعديلهم جاز وينظر القاضي في حالهم ۱وهذا عند أبي يوسف رحمه الله. ۲ وقال محمد رحمه الله لا تقبل لأنه لا شهادة إلا بالعدالة فإذا لم يعرفوها لم ينقلوا الشهادة فلا يقبل. ۳ ولأبي يوسف رحمه الله أن المأخوذ عليهم النقل دون التعديل لأنه قد يخفى عليهم وإذا نقلوا يتعرف القاضي العدالة كما إذا حضروا

اس تھوڑے سے فائدے کے لئے وہ ساتھ کا غلط تزکیہ کیا ہوگا۔، دوسری بات کہتے ہیں کہ خود اس کی اپنی گواہی کے بارے میں بھی اس قسم کی تہمت کی جاسکتی ہے کہ بڑا آدمی بننے کے لئے گواہی دی، اس کے باوجود اس کی اپنی گواہی مقبول ہے، اس لئے ساتھی کے بارے میں تزکیہ بھی مقبول ہوگا، اور اگر ساتھی کی گواہی رد ہوگئی تب بھی اس گواہ پر کوئی تہمت نہیں ہے اور نہ کوئی نقصان ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس کے اپنے فائدے کے لئے ساتھی کا تزکیہ کیا ہے۔

ترجمہ :(٥٦٨) اگر فرع گواہ اصل گواہ کی تعدیل سے چپ رہا تو جائز ہے، پھر قاضی اصل گواہ کے حال کی تحقیق کرے گا

ترجمہ:۱ اور یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرع گواہ پر اصل گواہ کا تزکیہ لازم نہیں ہے، یہ قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اس کی تحقیق کرے۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک فرع گواہ پر اصل گواہ کی تعدیل ضروری ہے تب ہی اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح :فرع گواہ اصل گواہ کی تعدیل اور تزکیہ سے چپ رہا، یا یہ کہا کہ مجھے اس کے حالت کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ عادل ہے، یا فاسق ہے تب بھی فرع کی گواہی قبول کی جائے گی، اور یہ قاضی کی ذمہ داری ہوگی کہ اصل گواہ کے حالات کی تحقیق کرے، جیسے خود اصل گواہ مجلس قضا میں آکر گواہی دیتا تو قاضی کے ذمے تھا کہ اس کی حالت کی تحقیق کرواتا اسی طرح فرع گواہ نے گواہی دی ہے تو اصل گواہ کی تحقیق خود قاضی کرے۔

ترجمہ :۲ امام محمدؒ نے فرمایا کہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ بغیر اصل کی عدالت بیان کئے ہوئے گواہی ہی نہیں ہے، پس اگر اصل کی عدالت کو جانتا نہ ہو تو گویا کہ اس کی گواہی ہی کو منتقل نہیں کیا۔

تشریح :امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فرع گواہ اگر اصل کے عادل ہونے کو جانتا نہ ہو تو گویا کہ اس کی گواہی کو ہی منتقل نہیں کیا اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ:فرع پر اصل کے عادل ہونے کو جاننا بھی ضروری ہے، تاکہ اس کو اطمینان ہو کہ میں نے عادل آدمی سے گواہی لی ہے۔

ترجمہ :۳ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ فرع پر صرف گواہی کو منتقل کرنا ضروری ہے اس کا تزکیہ کرنا ضروری نہیں ہے اس

بأنفسهم وشهدوا.(۵۶۹) قال وإن أنكر شهود الأصل الشهادة لم تقبل شهادة الشهود الفرع لـ لأن التحميل لم يثبت للتعارض بين الخبرين وهو شرط.(۵۷۰) وإذا شهد رجلان على شهادة رجلين على فلانة بنت فلان الفلانية بألف درهم وقالا أخبرانا أنهما يعرفانها فجاء بامرأة وقالا لا ندري أهي هذه أم لا فإنه يقال للمدعي هات شاهدين يشهدان أنها فلانة لـ لأن الشهادة على

لئے کہ کبھی فرع پر اصل کی حالت پوشیدہ رہتی ہے، اور جب گواہی منتقل کردی تو قاضی اصل گواہ کی تحقیق کرے، جیسا کہ خود اصل گواہ مجلس قضا میں حاضر ہوتا تو قاضی اس کی حالت کی تحقیق کرتا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ فرع گواہ پر صرف اصل کی گواہی منتقل کرنے کی ذمہ داری ہے اس کی تعدیل کی ذمہ داری نہیں ہے، کیونکہ بعض مرتبہ اصل کی حالت پوشیدہ رہتی ہے، اس لئے گواہی دے دی تو اس کی ذمہ داری پوری ہوگئی، اب خود قاضی صل گواہ کی حالت کی تحقیق کرے، جیسے وہ خود مجلس قضا میں آتا تو خود قاضی اس کی تحقیق کرتا۔

لغت: یتعرف: تعریف سے مشتق ہے، معلومات حاصل کرنا۔ تحقیق کرنا۔

ترجمہ: (۵۶۹) اگر اصل گواہوں نے گواہی کا انکار کردیا تو فرع گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ اصل اور فرع کے خبروں کے درمیان تعارض کی وجہ سے گواہ بنانا نہیں پایا گیا۔

تشریح: اصل گواہ کہتا ہے کہ میں نے گواہ نہیں بنایا اور فرع کہتا ہے کہ بنایا ہے تو دونوں کی باتوں میں تعارض ہوگیا، اس لئے گویا کہ گواہ بنانا نہیں پایا گیا اس لئے فرع کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجہ: قول تابعی میں گزرا۔ عن حسن بن صالح قال قلت للجعد بن ذکوان شهدت شريحا يقول اجيز شهادة الشاهد على الشاهد اذا شهد عليهما (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ فی شهادۃ الشاہد علی الشاہد، ج رابع، ص ۵۵۴، نمبر ۲۳۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ اصل گواہ اپنی گواہی پر فرع کو گواہ بنائے تب بنے گا ورنہ نہیں۔ اور یہاں اصل نے گواہ بنانے سے انکار کردیا اس لئے اس کی گواہی کیسے قبول کی جائے گی۔

ترجمہ: (۵۷۰) اگر دو آدمیوں نے اصل دو آدمیوں کے لئے گواہی دی کہ فلاں بنت فلاں پر ایک ہزار درہم ہے، اور فرع گواہ نے یہ بھی کہا کہ اصل گواہ نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ اس عورت کو پہچانتا ہے، پھر ایک عورت سامنے لائی گئی تو فرع گواہ نے کہا کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ یہی عورت ہے یا دوسری ہے، تو مدعی سے کہا جائے گا کہ دوسرے دو گواہ لاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہی وہ عورت ہے۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ گواہی یہ ہوئی ہے کہ نسل [فلاں بنت فلاں] کے ساتھ معلوم ہے، چنانچہ اس کی گواہی دے دی، اور

المعرفة بالنسبة قد تحققت والمدعي يدعي الحق على الحاضرة ولعلها غيرها فلا بد من تعريفها بتلك النسبة ۲؎ ونظير هذا إذا تحملوا الشهادة ببيع محدودة بذكر حدودها وشهدوا على المشتري لا بد من آخرين يشهدان على أن المحدود بها في يد المدعى عليه ۳؎ وكذا إذا

مدعی جو سامنے عورت حاضر ہے اس پر ہزار کا دعوی کر رہا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ عورت وہ نہ ہو، اس لئے اس نسب کا معلوم کرنا ضروری ہے

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ نسب بیان کر کے [کہ زید کی بیٹی سارہ ہے] گواہی دے دی، لیکن فرع گواہ چہرے سے اس کو پہچانتا نہیں ہے تو دوسری گواہی دینی ہوگی کہ ہاں یہ عورت زید کی بیٹی سارہ ہی ہے۔

تشریح: فرع گواہ نے گواہی دی کہ مثلا زید کی بیٹی سارہ پر عمر کا ایک ہزار درہم ہے، فرع نے یہ بھی کہا کہ اصل گواہ سارہ کو پہچانتا ہے۔ اب ایک عورت کا سامنے لایا تو فرع گواہ نے کہا میں چہرے سے نہیں پہچانتا کہ یہ سارہ ہے یا کوئی اور، تو عمر مدعی سے کہا جائے گا، کہ دو گواہ اور لاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ سارہ ہی ہے۔

وجہ: نام اور باپ کے نام سے تو گواہ نے گواہی دے دی، لیکن سامنے کھڑی عورت کو وہ پہچانتا نہیں ہے، اور مدعی سامنے والی عورت پر ایک ہزار کا دعوی کر رہا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ سامنے کھڑی عورت سارہ نہ ہو تو خواہ مخواہ اس پر ایک ہزار لازم ہو جائے گا، اس لئے دوسری دو گواہی ضرور چاہئے کہ یہ واقعی سارہ ہی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی فرع نے محدود زمین کے بیچنے کی گواہی دی، اور اس کی حدود بھی بیان کی، اور مشتری پر اس کی گواہی دی تو دوسری دو گواہی چاہئے جو اس بات کی گواہی دے کہ حدود والی زمین مدعی علیہ [مشتری] کے قبضے میں ہے۔

تشریح: اس کی دو مثالیں دیتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ۔۔ فرع گواہ نے گواہی دی کہ فلاں زمین مشتری زید نے خریدی ہے اور اس وقت اس کے قبضے میں ہے، پھر اس زمین کی پورب، پچھّم، شمال، جنوب حد بیان کی، اور یہ کہا کہ عمر کو اس میں حق شفعہ حاصل ہے، لیکن گواہ نے یہ بھی کہا کہ میں اس زمین کو دیکھ کر نہیں پہچان سکتا، مجھے تو اصل گواہ نے چاروں طرف والوں کے نام بتائے ہیں جو مجھے یاد ہے۔ تو مدعی [شفیع] پر یہ لازم ہوگا کہ دوسرے دو گواہ پیش کریں جو زمین دیکھ کر بتا سکیں کہ پہلی گواہی والی زمین یہ ہے جو اس وقت زید مشتری کے قبضے میں ہے۔۔ ٹھیک اسی طرح زید کی بیٹی سارہ کو گواہ پہچانتا نہ ہو تو دسرے دو گواہ پیش کریں جو اس کو چہرے سے پہچانتا ہو۔

لغت: حد: زمین کے پورب میں کسکی زمین ہے، پچھّم میں کسکی، شمال میں کسکی، اور جنوب میں کسکی زمین ہے اس کی تفصیل بیان کرنے کو اس زمین کی حد بیان کرنا کہتے ہیں۔ محدود بھا: جس زمین کی حد بیان کی گئی ہو۔

أنكر المدعى عليه أن الحدود المذكورة في الشهادة حدود ما في يده.(۱۷۵) قال وكذا كتاب القاضي إلى القاضي ۱ لأنه في معنى الشهادة على الشهادة ۲ إلا أن القاضي لكمال ديانته ووفور

ترجمه :۳ ایسے ہی اگر مدعی علیہ نے انکار کیا کہ گواہی میں ذکر کی ہوئی حدود والی زمین اس کے قبضے میں نہیں ہے۔[تو مدعی سے کہا جائے گا اور دو گواہ پیش کرو کہ حدود والی زمین ابھی بھی مدعی علیہ کے قبضے میں ہے]

تشریح :یہ دوسری مثال ہے۔فرع گواہ نے گواہی دی کہ اس حدود والی زمین مدعی علیہ کے قبضے میں ہے اس نے انکار کیا ۔اور فرع گواہ اس زمین پر جا کر نہیں پہچان سکتا کہ یہ وہی زمین ہے جسکی میں نے گواہی دی ہے، تو مدعی سے کہا جائے گا کہ دوسرے دو گواہ دیں جو یہ پہچانتا ہو کہ حدود والی زمین یہی ہے اور یہ ابھی مدعی علیہ کے قبضے میں ہے۔۔ٹھیک اسی طرح زید کی بیٹی سارہ کو گواہ پہچانتا نہ ہو تو دوسرے دو گواہ پیش کریں جو اس کو چہرے سے پہچانتا ہو۔

ترجمہ:(۱۷۵) اسی طرح ہے کتاب الی القاضی بھی۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ وہ بھی گواہی پر گواہی دینے کی طرح ہے۔

تشریح :صورت یہ ہوگی۔ایک شہر کے قاضی نے اصلی گواہ سے گواہی لیکر لفافے میں بند کیا اور دوسرے شہر کے قاضی کو بھیج دیا،[اس کو کتاب القاضی الی القاضی کہتے ہیں]، مدعی نے دوسرے شہر کے قاضی کے سامنے ایک عورت کو پیش کیا، جسکو وہ پہچانتا نہیں ہے تو مدعی پر لازم ہوگا کہ دوسرے دو گواہ کو پیش کرے جو یہ گواہی دے کہ یہی وہ عورت ہے جس پر مدعی ایک ہزار کا دعوی کر رہا ہے۔جس طرح اوپر کے مسئلے میں دوسرے دو گواہ پیش کیا کہ یہی وہ عورت ہے جس پر اصلی گواہ نے کہا کہ ایک ہزار درہم ہے۔

وجه : کیونکہ قاضی کا خط قاضی کی طرف یہ گواہ پر گواہ[شہادت علی الشہادۃ] کی طرح ہے۔

ترجمہ :۲ مگر یہ کہ قاضی کی پوری دیانت کی وجہ سے اور اس کی پوری ولایت کی وجہ سے ایک ہی قاضی کافی ہے۔

تشریح :یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ اصلی گواہ کے دو فرع گواہ چاہئے، اور کتاب القاضی الی القاضی شہادۃ علی الشہادۃ کی طرح ہے تو یہاں بھی دوسرے شہر کے دو قاضی ہونا چاہئے جو اصل قاضی کے خط پر فیصلہ کر سکے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ قاضی میں امانت بھی زیادہ ہے اور اس کی ولایت بھی اپنے شہر کے عوام پر پوری ہے اس لئے ایک ہی قاضی فیصلے کیلئے کافی ہے

لغت :وفور: وفر سے مشتق ہے، پورا پورا۔ولایت: حاکمیت۔یتفرد بالنقل: اکیلے گواہی کو نقل کر سکتا ہے، دوسرے قاضی کو ساتھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولايته ينفرد بالنقل(۵۷۲) ولو قالوا في هذين البابين التميمية لم يجز حتى ينسبوها إلى فخذها ل وهي القبيلة الخاصة وهذا لأن التعريف لا بد منه في هذا ولا يحصل بالنسبة إلى العامة وهي عامة بالنسبة إلى بني تميم لأنهم قوم لا يحصون ويحصل بالنسبة إلى الفخذ لأنها خاصة. ۲ وقيل الفرغانية نسبة عامة والأوزجندية خاصة وقيل السمرقندية والبخارية عامة وقيل إلى

ترجمه :(۵۷۲)ان دونوں معاملوں[شہادة علی الشہادة ،اور کتاب القاضی الی القاضی] میں تمیمی کہا تو کافی نہیں ہے یہاں تک کہ چھوٹے قبیلے کا نام نہ لے۔

ترجمه :ل فخذ : چھوٹا قبیلہ ہے۔ اوراس کی وجہ یہ ہے کہ ان معاملوں میں تعرف کرنا ضروری ہے اور یہ عام قبیلوں کی طرف نسبت کرنے سے نہیں ہوگا ،اور بنی تمیم کی طرف نسبت کرنے سے یہ عام ہو جائے گا ،اس لئے کہ بنو تمیم میں بے حساب آدمی ہے ۔اور خاص خاندان کی طرف نسبت کرنے سے تعارف حاصل ہوگا ، کیونکہ وہ خاص قبیلہ ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باب الشہادة علی الشہادة میں اور کتاب القاضی الی القاضی ، میں مدعی علیہ کا نام لیتے وقت اس طرح تعارف کرانا ہوگا کہ اس آدمی کا پہچان ہو جائے۔

تشریح : باب الشہادة علی الشہادة میں اور کتاب القاضی الی القاضی ، میں مدعی علیہ کا نام لیتے وقت کہا کہ وہ تمیمی ہے تو یہ تعارف کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے کہ قبیلہ تمیم بہت بڑا قبیلہ ہے اس میں لاکھوں آدمی آتے ہیں اور ایک نام کے کتنے ہی آدمی ہے ،اس لئے تعارف کراتے وقت خاص خاندان [فخذ] کا نام لینا ہوگا ،جس سے مخصوص آدمی متعین ہو جائے

لغت :عرب میں قبیلوں اور خاندانوں کی چھ قسمیں ہوتی ہیں ،اس کی تفصیل اس طرح ہے

۱......شعب :......سب سے زیادہ عام ہے

۲......قبیلہ :......شعب سے چھوٹا ہوتا ہے

۳......فصیلہ :......قبیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے

۴......عمارة :......فصیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے

۵......بطن :......فصیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے

۶......فخذ :......بطن سے چھوٹا ہوتا ہے

ترجمه :۲ اور کہا گیا ہے کہ فرغانہ عام نسبت ہے اور اوزجندیہ ،خاص نسبت ہے ،اور کہا گیا ہے کہ سمرقندیہ اور بخاریہ عام نسبت ہے ،اور کہا کہ چھوٹی گلی کی طرف نسبت کرنا خاص نسبت ہے اور بڑے محلے اور شہر کی طرف نسبت کرنا عام نسبت ہے۔

السكة الصغيرة خاصة وإلى المحلة الكبيرة والمصر عامة. ۳؎ ثم التعريف وإن كان يتم بذكر الجد عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله خلافا لأبي يوسف رحمه الله على ظاهر الروايات فذكر الفخذ يقوم مقام الجد لأنه اسم الجد الأعلى فنزل منزلة الجد الأدنى.

تشریح : اوپر باپ اور دادا کا نام لیکر تعارف کرانے کی بات تھی، اب یہاں شہر اور محلے کا نام لیکر تعارف اور پہچان کرانے کی بات ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔ سمرقند اور بخاری بڑا بڑا شہر ہے اس لئے سمرقندی کہہ دے یا بخاری کہہ دے تو اس سے تعارف نہیں ہوگا، اسی طرح بڑے محلے اور بڑے شہر کی طرف نسبت کر دے، تو تعارف نہیں ہوگا، اور چھوٹی گلی کا نام لیلے تو تعارف ہو جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ پھر تعریف اگر چہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دادا کے ذکر سے پورا ہوتا ہے خلاف امام ابو یوسفؒ کے ظاہر روایت پر اس لئے فخذ کا ذکر کرنا دادے کے قائم مقام ہو جائے گا اس لئے کہ فخذ اوپر والے دادے کا نام ہے اس لئے اس کو نیچے کے دادے کے درجے میں اتار دیا گیا ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک باپ کے ساتھ اس کے دادے کا نام بھی لینا ہوگا، تب اس کی شناخت پوری ہو پائے گی۔ البتہ اگر دادے کی جگہ پر فخذ کا نام لے لیا تب بھی تعارف مکمل ہو جائے گا، کیونکہ فخذ اوپر کے دادے کا نام ہوتا ہے اس لئے اس کو نیچے کے دادے کی جگہ پر رکھکر کام چلا لیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں آدمی کے نام کے ساتھ صرف باپ کا نام لے لیا تب بھی تعارف کے لئے کافی سمجھا جائے گا، دادا کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿فصل﴾

(۵۷۳)قال أبو حنيفة رحمه الله شاهد الزور أشهره في السوق ولا أعزره. وقالا نوجعه ضربا ونحبسه[۱] وهو قول الشافعي رحمه الله. لهما ما روي عن عمر رضي الله عنه أنه ضرب شاهد

﴿فصل﴾

ضروری نوٹ :تعزیر کی سزا کیا ہے اس فصل میں یہ بیان کیا جائے گا۔اس میں چالیس سے کم کوڑے مارسکتا ہے، کیونکہ چالس کوڑے غلام اور باندی کی حدقذف کی سزا ہے۔اس قول تابعی میں ہے۔عن الشعبی قال شاهد الزور یضرب ما دون اربعین : خمسة و ثلاثین ، ستة وثلاثین سبعة و ثلاثین ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۴۶۵،شاهد الزور ما یصنع بہ؟،ج رابع،ص ۵۵۱،نمبر ۲۳۰۴۰ رمصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن،ص ۲۵۲،نمبر ۱۵۴۶۹) اس قول تابعی میں ہے کہ چالیس سے کم کوڑے تعزیر میں مارے۔اس آیت میں جھوٹی گواہ سے دور رہنے کی تاکید کی ہے۔فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور ۔(آیت ۳۰،سورۃ الحج ۲۲)۔اس حدیث میں شہادہ الزور کو گناہ کبیرہ کہا ہے ۔عن عبد الرحمن بن ابی بکرة عن ابیہؓ قال النبی ﷺ الا أنبئکم باکبر الکبائر ؟ثلاثا قالوا بلی یا رسول الله قال الاشراک بالله ، و عقوق الوالدین ، و جلس و کان متکئا ألا وقول الزور ،قال فما زال یکررها حتی قلنا لیته سکت ۔(بخاری شریف، باب ما قیل فی شهادة الزور،ص ۴۳۰،نمبر ۲۶۵۴)اس حدیث میں جھوٹی گواہی کو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے۔

ترجمہ :(۵۷۳)امام ابوحنیفہؒ نے جھوٹے گواہ کے سلسلے میں فرمایا میں بازار میں اس کی تشہیر کروں گا اور اس کو سزا نہیں دوں گا۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کو ماریں گے اور قید کریں گے۔

ترجمہ :[۱] اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ان دونوں حضرات کی دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ انہوں نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے،اور اس کا منہ کالا کیا۔

تشریح :صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹے گواہ کی چالیس کوڑے مار کر تعزیر کی جائے گی اور قید بھی کیا جائے گا۔

وجہ:(۱) صاحب ہدایہ کی روایت یہ ہے۔ان عمر بن الخطاب کتب الی عماله بالشام فی شاهد الزور ان یجلد اربعین جلدة و ان یسخم وجهه و ان یحلق رأسه و ان یطال حبسه (مصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن،ص ۲۵۲،نمبر ۱۵۴۷۱) اس عمل صحابی میں ہے کہ چالس کوڑے مارے اور منہ کالا کیا، اور قید بھی کیا۔

الزور أربعين سوطا وسخم وجهه ۲؎ولأن هذه كبيرة يتعدى ضررها إلى العباد وليس فيها حد مقدر فيعزر. ۳؎ وله أن شريحا كان يشهر ولا يضرب ولأن الانزجار يحصل بالتشهير فيكتفي به

(۲)عن مکحول ان عمر بن الخطاب ضرب شاهد الزور اربعين سوطا (مصنف عبدالرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن، ص۲۵۳، نمبر ۱۵۴۷۵/مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۶۵، شاهد الزور ما یصنع بہ؟، ج رابع، ص ۵۵۱، نمبر ۲۳۰۴۰)
اس عمل صحابی میں ہے کہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے

لغت : تعزیر : شریعت میں اس جرم کی حد متعین نہ ہو، لیکن جرم کیا ہے اس لئے تنبیہ کرنے کے لئے مارے، یا ذلیل کرے تو اس کو تعزیر، کہتے ہیں، اس میں مار زیادہ سے زیادہ ۳۹ کوڑے ہوں، کیونکہ چالیس کوڑا غلام اور باندی کا حد قذف ہے اس لئے تعزیر کی مار کسی حد کی تعداد تک نہیں پہنچنی چاہئے۔ سخم: منہ کو کالا کرنا۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس لئے کہ جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے اور بندوں کو اس کا نقصان پہنچتا ہے، اور اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے اس لئے اس لئے تعزیر کی جائے، یعنی کوڑے مارے جائیں گے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے اور واضح ہے۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت شریحؒ تشہیر کرتے تھے اور مارتے نہیں تھے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹی گواہی سے رکنا تشہیر سے حاصل ہو گیا اس لئے اسی تشہیر پر اکتفاء کیا جائے گا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت شریح مارتے نہیں تھے صرف تشہیر کرتے تھے، اور اس کی دلیل عقلی یہ ہے کہ تشہیر کرنے ہی سے جھوٹی گواہی دینے سے رکنا ہو جائے گا۔

وجہ : (۱) صاحب ہدایہ کی دلیل یہ ہے۔ عن ابی حصین قال جلس الی القاسم فقال ای شیء کان یصنع شریح بشاهد الزور اذا اخذه ؟ قال قلت کان یکتب اسمه عنده ، فان کان من العرب بعث به الی مسجد قومه و ان کان من الموالی بعث به الی سوقه یعلمهم ذالک منه ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۶۵، شاهد الزور ما یصنع بہ؟، ج رابع، ص ۵۵۱، نمبر ۲۳۰۳۵/مصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن، ص۲۵۲، نمبر ۱۵۴۶۹) اس میں ہے حضرت شریح تشہیر کرتے تھے۔ (۲) آیت میں ہے کہ جھوٹے گواہ سے دور رہو اس لئے اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے بارے میں قوم اور بازار میں تشہیر کی جائے تا کہ لوگ اس سے پرہیز کیا کریں۔ آیت میں ہے۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور ۔ (آیت ۳۰، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں جھوٹی گواہی سے دور رہنے کی تاکید کی ہے (۳) حضرت عمرؓ کا عمل ہے۔ ان عمر بن الخطابؓ امر بشاهد الزور ان یسخم وجهه

۴ والضرب وإن كان مبالغة في الزجر ولكنه يقع مانعا عن الرجوع فوجب التخفيف نظرا إلى هذا الوجه. ۵ وحديث عمر رضي الله عنه محمول على السياسة بدلالة التبليغ إلى الأربعين والتسخيم ٦ ثم تفسير التشهير منقول عن شريح رحمه الله فإنه كان يبعثه إلى سوقه إن كان سوقيا وإلى قومه إن كان غير سوقي بعد العصر أجمع ما كانوا ويقول إن شريحا يقرئكم السلام ويقول إنا وجدنا هذا شاهد زور فاحذروه وحذروا الناس منه. ۷ وذكر شمس الأئمة السرخسي

ويلقى فى عنقه عمامته ويطاف به فى القبائل ويقال ان هذا شاهد الزور فلا تقبلوا له شهادة. (مصنف عبد الرزاق، باب عقوبة شاهد الزور، ج ثامن، ص ۲۵۲، نمبر ۱۵۴۷۳/ مصنف ابن ابی شیبة، ۴۶۵ شاهد الزور ما یصنع به؟، ج رابع، ص ۵۵۰، نمبر ۲۳۰۰۳۴) اس عمل صحابی میں ہے کہ جھوٹے گواہ کی تشہیر کی گئی ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف تشہیر کی جائے گی۔

ترجمہ :۴ اور مارنا اگر چہ جھوٹ سے روکنے میں مبالغہ ہے لیکن پھر گواہ کبھی اپنی گواہی سے رجوع نہیں کرے گا اس لئے اس حکمت کو دیکھتے ہوئے اس میں تخفیف ضروری ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے یہ حکمت بیان کر رہے ہیں، کہ گواہ خود کہے گا کہ میں نے جھوٹ بولا ہے تب ہی اس کو جھوٹا قرار دے سکتے ہیں، آگے آرہا ہے کہ گواہی کے ذریعہ کسی کو جھوٹا قرار نہیں دے سکتے، اب اگر جھوٹے گواہ کو مارنے کا حکم لگایا جائے تو پھر مار کے ڈر سے کوئی بھی آدمی اپنے کو جھوٹا نہیں کہے گا۔ اس لئے اس حکمت کو دیکھتے ہوئے مار کا حکم دینا اتنا اچھا نہیں لگتا۔ اگر چہ اس میں زجر اور توبیخ زیادہ ہے۔

ترجمہ :۵ اور حضرت عمرؓ کا قول سیاست پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ اس میں چالیس کوڑے کا اور منہ کالا کرنے کا ذکر ہے۔

تشریح : یہاں حضرت عمرؓ نے چلیس کوڑے مارے ہیں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس وقت کی مصلحت ہوگی، حکم کے طور پر مارنا نہیں ہے، یہ تاویل کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ تعزیر میں چالیس کوڑے نہیں مار سکتے۔

ترجمہ :٦ پھر تشہیر کی تفسیر حضرت شریح سے منقول یہ ہے کہ اگر گواہ بازاری آدمی ہوتا تو بازار کی طرف بھیجتے، اور اگر بازاری آدمی نہیں ہے تو اس کی قوم کی طرف بھیجتے عصر کے بعد جب زیادہ مجمع ہوتا، اور لیجانے والا کہتا کہ حضرت شریح آپ لوگوں کو سلام کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں نے اس کو جھوٹا گواہ پایا اس لئے اس سے بچو اور لوگوں کو بھی بچاؤ۔

تشریح :حضرت شریح کا یہ عمل اس لئے تھا کہ آیت میں ہے کہ جھوٹے گواہ دور رہو اور بچو، اس لئے حضرت شریح جھوٹے

رحمه الله أنه يشهر عندهما أيضا. والتعزير والحبس على قدر ما يراه القاضي عندهما وكيفية التعزير ذكرناه في الحدود(۵۷۴) وفي الجامع الصغير شاهدان أقرا أنهما شهدا بزور لم يضربا وقالا يعزران ا وفائدته أن شاهد الزور في حق ما ذكرنا من الحكم هو المقر على نفسه بذلك فأما لا طريق إلى إثبات ذلك بالبينة لأنه نفي للشهادة والبينات للإثبات والله أعلم.

گواہوکولوگوں کی طرف بھیج کر بچنے کی تلقین کرتے۔آیت یہ ہے۔**فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور**۔(آیت ۳۰، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ جھوٹے گواہ سے بچو۔صاحب ہدایہ کا پیش کردہ حضرت شریح کا عمل یہ ہے۔**عن ابی حصین قال جلس الی القاسم فقال ای شیء کان یصنع شریح بشاهد الزور اذا اخذه ؟ قال قلت کان یکتب اسمه عنده ، فان کان من العرب بعث به الی مسجد قومه و ان کان من الموالی بعث به الی سوقه یعلمهم ذالک منه**۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۶۵، شاهد الزور ما یصنع بہ؟، ج رابع، ص ۵۵۱، نمبر ۲۳۰۴۰ رمصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن، ص ۲۵۲، نمبر ۱۵۴۶۹) اس میں ہے حضرت شریح کی تشہیر کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ۱ حضرت شمس الائمہ سرخسیؒ نے فرمایا کہ صاحبینؒ کے یہاں بھی تشہیر ہے، اور کوڑے مارنا اور قید کرنا قاضی کے صواب دید پر ہے، اور تعزیر کی کیفیت ہم نے کتاب الحدود میں ذکر کی ہے۔

تشریح: حضرت شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ صاحبینؒ کے یہاں بھی تشہیر ہے۔دوسری بات یہ فرمائی کہ یہ تعزیر ہے اس میں کوڑا متعین نہیں ہوتا اور نہ قید کا دن متعین ہوتا ہے، وہ قاضی کے صواب دید پر ہوتا ہے، وہ جتنا جس گواہ کے لئے مناسب سمجھے گا کوڑا مارے گا۔اور تعزیر کا کوڑا کس طرح مارا جائے گا اس کی تفصیل ہم نے کتاب الحدود میں ذکر کیا ہے۔اتنی بات ضرور ہے کہ چالیس سے کم کوڑا مارا جائے گا، کیونکہ چالیس کوڑا غلام اور باندی کی حد قذف کی حد ہے۔

وجہ: اس قول تابعی میں ہے۔**عن الشعبی قال شاهد الزور یضرب ما دون اربعین : خمسة و ثلاثین ، ستة و ثلاثین سبعة و ثلاثین**۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۶۵، شاهد الزور ما یصنع بہ؟، ج رابع، ص ۵۵۱، نمبر ۲۳۰۴۰ رمصنف عبد الرزاق، باب عقوبۃ شاهد الزور، ج ثامن، ص ۲۵۲، نمبر ۱۵۴۶۹) اس میں ہے کہ چالیس سے کم کوڑے تعزیر میں مارے

ترجمہ: (۵۷۴) جامع صغیر میں ہے کہ دو گواہوں نے اقرار کیا کہ وہ جھوٹے گواہ ہیں تو اس کو مارا نہ جائے، صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تعزیر کی جائے۔

ترجمہ: ۱ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جس کا حکم ہم نے ذکر کیا وہ جوٹے گواہ وہ بنتا ہے جو اپنی ذات پر خود جھوٹ ہونے کا اقرار

﴿كتاب الرجوع عن الشهادة﴾

(۵۷۵)قال إذا رجع الشهود عن شهادتهم قبل الحكم بها سقطت ١ **لأن الحق إنما يثبت**

کرے، اس لئے کہ گواہ کے ذریعہ جھوٹ ثابت کرنے کا طریقہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں گواہی کی نفی کرنا ہے، حالانکہ گواہ ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

تشریح : جامع صغیر میں ہے گواہ خود جھوٹ ہونے پر اقرار کرے، اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ گواہ کے ذریعہ کسی کو جوٹا قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ گواہی کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور یہاں گواہ کے ذریعہ گواہی کی نفی کی جارہی ہے اس لئے گواہ کے ذریعہ کسی کو جھوٹا قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، جھوٹ ہونے کے لئے صرف ایک ہی شکل ہے کہ خود گواہ اقرار کرلے کہ میں جھوٹا ہوں۔

﴿ کتاب الرجوع عن الشہادۃ ﴾

ضروری نوٹ : گواہی دے کر اس سے رجوع کرلے اس کو رجوع عن الشہادۃ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **حدثنی عبد الله بن بریدة عن ابیه قال کنا اصحاب رسول الله ﷺ نتحدث ان الغامدیة و ماعز بن مالک لو رجعا بعد اعترافهما او قال لو لم یرجعا بعد اعترافهما لم یطلبهما و انما رجمها عند الرابعة** ۔(ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص۶۲۴، نمبر۴۴۳۴)(۲) دوسری روایت میں ہے۔ **حدثنی یزید بن نعیم بن هزال عن ابیه قال کان ماعز بن مالک یتیما ... ثم اتی النبی ﷺ فذکر له ذلک فقال هلا ترکتموه لعله ان یتوب فیتوب الله علیه** (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص۶۲۲، نمبر۴۴۱۹) اس حدیث میں ہے کہ حضرت ماعزؓ زنا کے اعتراف کے بعد رجوع کر لیتے تو حد نہ لگتی۔ اس سے گواہوں کا رجوع کرنا ثابت ہوا۔

اصول : اس باب کے اکثر مسائل اس اصول پر ہیں کہ جس نے جس کا جتنا نقصان کیا وہ اتنے کا ذمہ دار ہوگیا۔ آیت اور اثر سے اس کی دلیلیں آگے آرہی ہیں۔

ترجمہ :(۵۷۵) اگر گواہ اپنی گواہی سے فیصلے سے پہلے رجوع کر جائیں تو اس کی شہادت ساقط ہو جائے گی [اور ان پر ضمان لازم نہیں ہوگا]

ترجمہ : ١ اس لئے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد حق ثابت ہوتا ہے، اور قاضی تناقض والے کلام سے فیصلہ نہیں کرے گا، اور

بالقضاء والقاضي لا يقضي بكلام متناقض ولا ضمان عليهما لأنهما ما أتلفا شيئا لا على المدعي ولا على المشهود عليه (۵۷۶) فإن حكم بشهادتهم ثم رجعوا لم يفسخ الحكم ۱؎ لأن آخر كلامهم يناقض أوله فلا ينقض الحكم بالتناقض ۲؎ ولأنه في الدلالة على الصدق مثل الأول وقد

ان دونوں گواہوں پرضمان بھی نہیں ہے اس لئے کہ انہوں نے کسی کا نقصان نہیں کیا ہے نہ مدعی کا اور نہ مدعی علیہ کا۔

تشریح واہی کے بعد فیصلے سے پہلے دونوں گواہوں نے رجوع کرلیا، اور اپنی گواہی واپس لے لی تو ان کی گواہی ساقط ہوجائے گی، اور اب قاضی کچھ فیصلہ نہیں کر پائے گا، اور ان پر کچھ ضمان لازم نہیں ہوگا، کیونکہ انہوں نے کسی کا نقصان نہیں کیا ہے

وجه: (۱) اس حدیث میں ہے۔ حدثنی عبد الله بن بريدة عن ابيه قال كنا اصحاب رسول الله ﷺ نتحدث ان الغامدية وماعز بن مالک لو رجعا بعد اعترافهما او قال لو لم يرجعا بعد اعترافهما لم يطلبهما وانما رجمها عند الرابعة۔ (ابوداؤد شریف، باب رجم ماعز بن مالک، ص ۶۲۴، نمبر ۴۴۳۴) اس حدیث میں ہے کہ حد کا اقرار کرنے والا فیصلے کے بعد بھی رجوع کر جائے تو ان کی گواہی پر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ دونوں شہادتیں آپس میں متعارض ہوگیں۔ اور چونکہ گواہی سے ابھی کوئی نقصان نہیں ہوا ہے اس لئے اس پر کچھ ضمان بھی لازم نہیں آئے گا

(۲) قول تابعی میں ہے۔ سألت الزهری عن رجل شهد عند الامام فاثبت الامام شهادته ثم دعی لها فبدلها اتجوز شهادته الاولی او الآخرة؟ قال لا شهادة له فی الاولی ولا فی الآخرة. قال الشيخ وهذا فی الرجوع قبل امضاء الحكم بالاولی (سنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشہادۃ، ج عاشر، ص ۴۲۵، نمبر ۲۱۱۹۵) اس قول تابعی میں ہے کہ فیصلے سے پہلے رجوع کر جائے تو پہلی یا دوسری کسی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمه: (۵۷۶) پس اگر ان کی گواہی سے فیصلہ کر دیا پھر وہ رجوع کئے تو فیصلہ فسخ نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ بعد کا کلام پہلے کلام کے معارض ہے اس لئے فیصلہ کی چیز معارض سے نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: گواہوں نے شہادت دی جس کی وجہ سے قاضی نے فیصلہ کر دیا بعد میں گواہ رجوع کر گئے تو اب فیصلہ نہیں توڑا جائے گا۔

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہ کی بات معارض ہوگئی اور معارض بات سے قاضی کا فیصلہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے گواہ کے رجوع کرنے سے قاضی کا فیصلہ اب نہیں ٹوٹے گا۔ (۲) فیصلہ ہونے کے بعد نہیں ٹوٹے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے ہے۔ عن الثوری فی رجل اشهد علی شهادته رجلا فقضی القاضی بشهادته ثم جاء الشاهد الذی شهد علی شهادته فقال لم اشهد بشیء قال يقول اذا قضی القاضی مضی الحكم (مصنف عبد الرزاق، باب

ترجح الأول باتصال القضاء به(٥٧٧) وعليهم ضمان ما أتلفوه بشهادتهم ١؎ لإقرارهم على أنفسهم بسبب الضمان ٢؎ والتناقض لا يمنع صحة الإقرار وسنقرره من بعد إن شاء الله

الشاهد یرجع عن شھادتہ اویشھد ثم یجحد ، ج ثامن ،ص ۲۷۴ ،نمبر ۱۵۵۹۸/مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۳۷۶ الشاھد یشھد ان ثم یرجع احدھما ، ج رابع ،ص ۵۰۵ ،نمبر ۲۲۵۵۱/سنن للبیھقی ، باب الرجوع عن الشھادۃ ، ج عاشر ،ص ۴۲۴ ،نمبر ۲۱۱۹۴) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کے بعد توڑا نہیں جائے گا۔ (۳) حضرت علیؓ کا قول ہے۔عن الشعبی ان رجلین شھدا عند علیؓ علی رجل بالسرقة فقطع علیؓ یدہ ثم جاء ا بآخر فقالا ھذا ھو السارق لا الاول، فاغرم علیؓ الشاھدین دیة ید المقطوع الاول وقال لو اعلم انکما تعمدتما لقطعت ایدیکما ولم یقطع الثانی (سنن للبیھقی ، باب الرجوع عن الشھادۃ ، ج عاشر ،ص ۴۲۴ ،نمبر ۲۱۱۹۲ /مصنف عبدالرزاق ، باب الشاھد یرجع عن شھادتہ اویشھد ثم یجحد ، ج ثامن ،ص ۲۷۴ ،نمبر ۱۵۶۰۶) اس روایت میں ہے کہ رجوع کرنے والے گواہ پر دیت لازم ہوگی ،لیکن پہلا فیصلہ نہیں بدلا جائے گا۔

ترجمہ :۲؎ اوراس لئے کہ دوسرا کلام سچا ہونے میں پہلے کلام کی طرح ہے اور قضا کے متصل ہونے سے پہلے کلام کو ترجیح ہوگئی [اس لئے پہلا کلام توڑا نہیں جائے گا]

تشریح : یہ دوسری دلیل عقلی ہے کہ پہلے کلام کے ساتھ قاضی کا فیصلہ متصل ہو گیا اس لئے وہ مضبوط ہو گیا، اس لئے دوسرے کلام سے پہلے کلام کو توڑا نہیں جائے گا وہ برقرار رہے گا۔

ترجمہ :(۵۷۷) انکی گواہی سے جو نقصان ہوا گواہوں پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ کیونکہ گواہوں نے اپنے اوپر خود ہی ضمان کے سبب کا اقرار کیا۔

تشریح : گواہوں نے رجوع کرنے کی وجہ سے اپنے اوپر ضمان کا اقرار کیا ہے اس لئے اس کی گواہی سے جو نقصان ہوا ہے وہ ادا کرنا ہوگا۔

وجہ: اوپر حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ جسکا ہاتھ کاٹا تھا اس کی دیت گواہوں پر لازم کی۔

ترجمہ:۲؎ اور بات میں تناقض کی وجہ سے اقرار کا صحیح ہونا مانع نہیں ہے، ہم اس کو بعد میں ان شاء اللہ بیان ثابت کریں گے

تشریح : یہ اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ جب گواہ کی بات میں تناقض ہو گیا تو اس کے جھوٹ کے اقرار کو کیسے مان لیا گیا، کیسے اس پر ضمان لازم کر دیا گیا؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بات میں تناقض کی وجہ سے اقرار نہیں رکتا، اس لئے جھوٹ کا اقرار کرنا صحیح ہے، اور اس پر بنیاد رکھ کر اس پر ضمان لازم کرنا بھی صحیح ہے۔

ترجمہ :(۵۷۸) رجوع صحیح نہیں ہے مگر حاکم کے سامنے۔

تعالی(٥٧٨) ولا يصح الرجوع إلا بحضرة الحاكم ١ لأنه فسخ للشهادة فيختص بما تختص به الشهادة من المجلس وهو مجلس القاضي أي قاض كان ٢ ولأن الرجوع توبة والتوبة على حسب الجناية فالسر بالسر والإعلان بالإعلان. ٣ وإذا لم يصح الرجوع في غير مجلس القاضي فلو ادعى المشهود عليه رجوعهما وأراد يمينهما لا يحلفان وكذا لا تقبل بينته عليهما لأنه ادعى رجوعا باطلا حتى لو أقام البينة أنه رجع عند قاضي كذا وضمنه المال تقبل لأن

ترجمه :١ اس لئے کہ پہلی گواہی کو فسخ کرنا ہے اس لئے جس طرح گواہی دینا قاضی کی مجلس کے ساتھ ہی اسی طرح فسخ گواہی بھی قاضی کی مجلس کے ساتھ ہوگا۔ چاہے جو قاضی بھی ہو۔

تشریح : گواہی سے رجوع کرنا چاہے تو حاکم کے سامنے ہی رجوع کرے گا تو پہلی گواہی سے رجوع سمجھا جائے گا۔ عوام کے سامنے رجوع کرنے سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔ جس قاضی کے سامنے گواہی دی تھی اسی کے سامنے ہو یا شہر کے دوسرے قاضی کے سامنے ہو، بہر حال ہو قاضی کے سامنے۔

وجه :(١) جس طرح گواہی دینا قاضی کی مجلس میں ہوتا ہے اس کے علاوہ میں نہیں ہوتا اسی طرح اس کا فسخ کرنا بھی قاضی کے سامنے ہی ہوگا، اور وہی پہلی گواہی کے فسخ کا فیصلہ کرے گا۔ (٢) قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ عن الشعبی ان رجلین شهدا عند علیؓ علی رجل بالسرقة فقطع علیؓ یده ثم جاء ا بآخر فقالا هذا هو السارق لا الاول (سنن للبیهقی، باب رجوع عن الشهادة، ج عاشر، ص ٤٢٤، نمبر ٢١١٩٢) اس قول صحابی میں پہلے گواہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور دوسرے گواہ بھی رجوع کرنے کے لئے حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اور حضرت علی قاضی تھے جس سے معلوم ہوا کہ رجوع کے لئے بھی قاضی کے پاس آئے تب رجوع مقبول ہے۔

ترجمه :٢ اس لئے کہ رجوع کرنا توبہ ہے، اور وہ جرم کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے جرم پوشیدہ تو توبہ بھی پوشیدہ ہوگا، اور جرم اعلانیہ ہو تو توبہ بھی اعلانیہ ہوگا

تشریح : جھوٹی گواہی سے رجوع کرنا توبہ کرنا ہے اسلئے گواہی قاضی کی مجلس میں دی ہے تو توبہ بھی قاضی کی مجلس میں ہی کرنا ہوگا

ترجمه :٣ اور جب قاضی کی مجلس کے علاوہ میں رجوع کرنا صحیح نہیں ہے پس مدعی علیہ قاضی کی مجلس کے علاوہ میں رجوع کرنے کا دعوی کیا اور قسم لینا چاہتا ہے تو قسم نہیں کھائے گا، ایسے ہی گواہوں کے خلاف بینہ قبول نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ باطل رجوع کا دعوی کیا ہے، ہاں اگر یوں گواہ قائم کیا کہ اس نے قاضی کے پاس رجوع کیا ہے، اور اس نے اس کو مال کا بھی

السبب صحيح.(۵۷۹) وإذا شهد شاهدان بمال فحكم الحاكم به ثم رجعا ضمنا المال للمشهود عليه لأن التسبيب على وجه التعدي سبب الضمان كحافر البئر وقد سببا للإتلاف

ضامن بنایا تھا تو قبول کیا جائے گا اس لئے کہ رجوع کا سبب صحیح ہے۔

تشریح : یہ پچھلے اصول پر تبصرہ ہے، اگر مدعی علیہ نے دعوی کیا کہ قاضی کی مجلس کے علاوہ میں گواہوں نے رجوع کیا ہے، تو یہ بینہ قبول نہیں کیا جائے گا، اسی طرح وہ گواہوں سے قسم لینا چاہے کہ میں نے رجوع نہیں کیا ہے تو قسم نہیں لے سکے گا، کیونکہ قاضی کے علاوہ میں رجوع کرنے کا اعتبار ہی نہیں ہے۔ ہاں یوں گواہ قائم کیا کہ کسی دوسرے قاضی کے سامنے گواہوں نے رجوع کیا ہے، اور انہوں نے اس پر ضمان بھی لازم کیا تھا لیکن ابھی تک ضمان ادا نہیں کیا، تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اور گواہوں سے تاوان وصول کیا جائے گا، کیونکہ قاضی کے سامنے رجوع کرنا صحیح ہے۔

ترجمه :(۵۷۹) اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی۔ پس حاکم نے اس کا فیصلہ کیا پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں مشہود علیہ کے مال کے ضامن ہوں گے۔

ترجمه: اس لئے کہ گواہ تعدی کی وجہ کا سبب بنا ہے جو تاوان کا سبب ہے، جیسے کنواں کھودنے والا مرنے کا سبب بنتا ہے، اور یہ دونوں گواہ تعدی کے طور مال کے ضائع ہونے کا سبب بنا ہے [اس لئے ان پر مال کا ضمان لازم ہوگا]

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد گواہ رجوع کر جائے تو جو نقصان ہوا ہے گواہ اس کی تلافی کریں گے۔ اس مسئلے میں جس کے خلاف گواہی دی ہے اس کا نقصان کیا ہے اس لئے اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ ایک آدمی نے راستے پر کنواں کھودا، اور اس میں گر کر ایک آدمی مر گیا تو چونکہ کنواں کھودنے والا مرنے کا سبب بنا ہے اس لئے اس پر دیت لازم ہوگی، اسی طرح یہاں گواہ مدعی علیہ کے مال ضائع ہونے کا سبب بنا ہے اس لئے اس پر مال لازم ہوگا۔

وجه :(۱) قول تابعی میں ہے۔ **عن ابن شبرمة فی رجلین شهدا علی رجل بحق فاخذا منه ثم قالا انما شهدنا علیه بزور یغرمانه فی اموالهما** (مصنف عبدالرزاق، باب الشاہد یرجع عن شہادتہ او یشہد ثم یجحد، ج ثامن، ص ۲۷۵، نمبر ۱۵۶۰۱ رسنن للبیہقی، باب الرجوع عن الشھادۃ، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۴) اس اثر میں ہے کہ گواہوں نے مشہود علیہ کا جو نقصان کیا ہے وہ ادا کرنا ہوگا (۲) اس آیت میں بھی اس قاعدے کا ثبوت ہے کہ جس کا جتنا نقصان کیا ہے اس پر اتنا ہی ضمان لازم ہوگا۔ **وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص** (آیت ۴۵، سورۃ المائدۃ ۵) اس میں قاتل نے جتنا نقصان کیا ہے اس پر اتنا ہی جرمانہ لازم کیا زیادہ نہیں

تعديا. ٢ وقال الشافعي رحمه الله لا يضمنان لأنه لا عبرة للتسبيب عند وجود المباشرة. ٣ قلنا تعذر إيجاب الضمان على المباشر وهو القاضي لأنه كالملجإ إلى القضاء وفي إيجابه صرف الناس عن تقلده وتعذر استيفائه من المدعي لأن الحكم ماض فاعتبر التسبيب ٤ وإنما يضمنان إذا قبض المدعي المال دينا كان أو عينا لأن الإتلاف به يتحقق ولأنه لا مماثلة بين أخذ العين

لغت: تسبیب علی وجہ التعدی: ظلم وزیادتی کا سبب بنا، حافر البیر: کنواں کھودنے والا۔ حافر کا ترجمہ ہے کنواں کھودنا۔

ترجمہ: ٢ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں گواہ ضامن نہیں ہوں گے اس لئے کہ اصل کام کرنے کے پائے جاتے وقت سبب کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ، مال دینے کا فیصلہ قاضی نے کیا ہے اس لئے ضائع کرنے سبب قاضی ہے، گواہ تو صرف ایک سبب ہے اس لئے قاضی پر ضمان لازم ہوگا، گواہ پر نہیں۔ کیونکہ اصل کے ہوتے ہوئے سبب کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ٣ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اصل فیصلہ کرنے والے پر ضمان لازم کرنا مشکل ہے، کیونکہ وہ تو قاضی ہے، اور گواہ آنے کے بعد وہ فیصلے پر مجبور ہے، اور اس پر ضمان لازم کریں تو کوئی عہدہ قضا لے گا ہی نہیں، اور مدعی سے وصول کرنا مشکل ہے اس لئے کہ اس کے لئے تو فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے سبب کا ہی اعتبار کیا گیا۔

تشریح: ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر قاضی نے فیصلہ کیا ہے، لیکن اس پر ضمان لازم کرنا مشکل ہے، کیونکہ گواہ آجانے کے بعد شرعی اعتبار سے وہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قاضی پر ضمان لازم کریں تو ان پر اتنا ضمان ہو جائے گا کہ اس کا دینا مشکل ہے، پھر کوئی بھی آدمی قاضی نہیں بنے گا جس سے امت کا نقصان ہے، اس لئے قاضی پر ضمان لازم نہیں کر سکتے۔ اور مدعی جسکو مال دیا گیا ہے اسپر ضمان لازم نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ تو فیصلے کے بعد لیا ہے، اس لئے گواہ ہی رہ گیا جس نے فیصلہ کروایا ہے، اور اب وہ رجوع بھی کر رہا ہے اس لئے گواہ پر ہی ضمان لازم ہوگا۔

لغت: ۔مباشر: باشر سے مشتق ہے، کام کرنے والا۔ ملجأ: لجأ سے مشتق ہے، مجبور ہونا، پناہ لینا۔

ترجمہ: ٤ دونوں گواہ اس وقت ضامن ہوں گے جب مدعی مال پر قبضہ کر چکا ہو چاہے مال دین [سونا چاندی] ہو، یا عین [کپڑا وغیرہ] ہو اس لئے کہ قبضہ کرنے کے بعد ہی ضائع ہونا متحقق ہوگا۔

تشریح: قاضی نے فیصلہ کیا، ابھی مدعی نے مال پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ گواہ نے رجوع کر لیا تو مدعی کو وہ رقم نہیں دی جائے گی، اور گواہ پر بھی کچھ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ مال ابھی مدعی کے پاس نہیں گیا، اس لئے ضائع ہونا متحقق نہیں ہوا، ہاں مدعی مال پر قبض کر لے گا تو گویا کہ مال ضائع ہوا اور اب گواہ پر اس کا تاوان لازم ہوگا۔

والإلزام الدين.(۵۸۰) قال فإن رجع أحدهما ضمن النصف۱ والأصل أن المعتبر في هذا بقاء من بقي لا رجوع من رجع وقد بقي من يبقى بشهادته نصف الحق۲ وإن شهد بالمال ثلاثة فرجع

لغت: دین: سے مراد سونا اور چاندی ہے۔عین: سے مراد سونا اور چاندی کے علاوہ ہے، جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے، جیسے کپڑا وغیرہ۔

ترجمہ:۵ اور اس لئے کہ عین کے لئے اور دین کے لازم کرنے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔مدعی کے مال کا فیصلہ ہوا ہے لیکن ابھی لیا نہیں ہے تو ابھی متعین نہیں ہے قرض اور دین کے درجے میں ہے، اور گواہ پر مال لازم کریں تو یہ عین ہو جائے گا ، گواہ کا جرم ابھی دین کا ہے اس لئے اس پر عین لازم نہیں کر سکتے ،اس لئے ابھی اس پر تاوان لازم نہیں کیا جائے گا۔مدعی کے مال پر قبضہ کرنے کے بعد گواہ پر تاوان لازم کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۵۸۰) اگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے رجوع کیا تو آدھے کا ضامن ہوگا۔

ترجمہ: ۱ یہاں اصول یہ ہے کہ کتنا گواہ باقی رہا اس کا اعتبار ہے، کتنے نے رجوع کیا اس کا اعتبار نہیں ہے۔اور ایک گواہ کے رجوع کرنے سے آدھی گواہی باقی رہ گئی ہے، اس لئے آدھے کا ضامن ہوگا۔

اصول: گواہ کے رجوع میں باقی رہنے والے کا اعتبار ہے۔

تشریح: فیصلے کے لئے دو مرد گواہ چاہئے، یہ گواہ کا نصاب ہے۔یا ایک مرد اور دو عورتیں چاہئے۔گواہ کے رجوع کرنے میں قاعدہ یہ ہے کہ رجوع کرنے کے بعد کتنا گواہ باقی رہا اس کا اعتبار ہے، مثلا تین مردوں نے گواہی دی، بعد میں ایک نے رجوع کر لیا تو ابھی بھی دو گواہ باقی ہے جو گواہی کے لئے کافی ہے اس لئے فیصلہ برقرار رہے گا، اس لئے رجوع کرنے والے پر ضمان لازم نہیں ہوگا، لیکن اب دوسرے نے بھی رجوع کیا تو ابھی ایک گواہ باقی ہے تو گویا کہ آدھی گواہی باقی ہے، اس لئے دونوں رجوع کرنے والوں پر آدھا تاوان لازم ہوگا۔

اب متن میں دو گواہوں میں سے ایک نے رجوع کیا ہے اسلئے اسپر آدھا ضمان لازم ہوگا، کیونکہ آدھی گواہی باقی ہے اور آدھی گواہی ختم ہوئی ہے۔

وجہ: (۱) دو گواہوں کی گواہی سے نقصان ہوا ہے اس لئے اس پر آدھے کا ضمان ہوگا (۲) قول تابعی میں ہے۔**عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضى بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ** (ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المبسوط، اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشھادۃ، ج عاشر، ص ۲۹۷، نمبر ۵۰۴۳) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ایک گواہ نے رجوع کیا تو آدھے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

أحـدهـم فلا ضمان عليه لأنه بقي من يبقي بشهادته كل الحق وهذا لأن الاستحقاق باق بالحجة ۳؎ والـمتلف متى استحق سقط الضمان فأولى أن يمتنع ۴؎ فإن رجع الآخر ضمن الراجعان نصف

ترجمه : ۲؎ اگر مال کی گواہی تین گواہوں نے دی۔ پس ان میں سے ایک نے رجوع کیا تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن دو کی گواہی باقی رہی اس سے پورا حق باقی ہے اس لئے کہ استحقاق حجت [دو گواہی] سے باقی رہتا ہے۔

تشریح : یہاں سے اور چار مثالیں دے رہے ہیں۔۔ دو گواہوں سے مال کا فیصلہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں تین آدمیوں نے گواہی دی ہے اس لئے ایک زیادہ ہے۔ دو سے زیادہ گواہ گواہی دے سکتا ہے لیکن اس کا زیادہ اعتبار نہیں ہے۔ قول تابعی میں ہے۔ کتب عبد الرحمن بن اذينة الى شريح فى ناس من الازدادعوا قبل ناس من بنى اسد قال واذا غدا هؤلاء ببينة راح اولئک باکثر منهم قال فكتب اليه ليست من التهاتر والتكاثر فى شىء، الدابة لمن هى فى ايديهم اذا اقاموا البينة ۔ اسی روایت کے دوسرے حصے میں ہے۔ عن حنش عن علىؓ انه لا يرجح بكثرة العدد (سنن للبیہقی، باب من قال لا یرجح فی الشھود بکثرۃ العدد، ج عاشر، ص ۴۳۴، نمبر ۲۱۲۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دو سے زیادہ گواہوں پر فیصلے کا مدار نہیں ہے۔

اس قاعدے کے بعد مسئلے کی صورت یہ ہے کہ تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی پھر ایک آدمی اپنی گواہی سے رجوع کر گیا تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ابھی دو گواہ باقی ہیں جو گواہی کا نصاب ہے اس لئے مدعی کا حق باقی ہے۔

وجه: کیونکہ انہیں دو پر فیصلے کا مدار نہیں تھا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دو سے زیادہ گواہوں پر فیصلے کا مدار نہیں ہے۔

ترجمه : ۳؎ ضائع کی ہوئی چیز اگر مستحق نکل آئے تو ضمان ختم ہو جاتا ہے تو بدرجہ اولی یہاں بھی رجوع کرنے والے گواہ پر ضمان لازم نہ ہو۔

تشریح : صاحب ہدایہ دلیل کے طور پر یہ بیان کرتے ہیں، مثلا زید نے عمر کی گائے غصب کی، اور اس کو ضائع کر دیا، بعد میں اس گائے مالک کوئی مستحق نکل آیا تو زید پر اس گائے کا ضمان نہیں ہے اسی طرح ایک گواہ نے رجوع کیا تو اس گواہ پر ضمان نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۴؎ پس اگر دوسرا گواہ بھی رجوع کر گیا تو اب یہ دونوں گواہ آدھے کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ ایک گواہ باقی رہنے کی وجہ سے آدھا حق باقی رہ گیا۔

تشریح : تین گواہوں میں سے ایک پہلے رجوع کیا تھا اب دوسرے نے بھی رجوع کر لیا تو رجوع کرنے والے دو ہوئے،

المال لأن ببقاء أحدهم يبقى نصف الحق ۵؎ وإن شهد رجل وامرأتان فرجعت امرأة ضمنت ربع الحق لبقاء ثلاثة الأرباع ببقاء من بقي ٦؎ وإن رجعتا ضمنتا نصف الحق لأن بشهادة الرجل بقي نصف الحق ۷؎ وإن شهد رجل وعشرة نسوة ثم رجع ثمان فلا ضمان عليهن لأنه بقي من يبقى بشهادته كل الحق ۸؎ فإن رجعت أخرى كان عليهن ربع الحق لأنه بقي النصف بشهادة الرجل

لیکن ایک گواہ ابھی باقی ہے اس لئے آدھی گواہی باقی ہے اس لئے یہ دونوں رجوع کرنے والے گواہ آدھے حق کا ذمہ دار ہوگا، مثلا ۲۰ بیس درہم کی گواہی دی تو اب دونوں دس درہم ادا کریں گے اور ہر ایک پر پانچ پانچ درہم لازم ہوگا۔

ترجمہ :۵؎ اور اگر گواہی دی ایک مرد اور دو عورتوں نے، پھر رجوع کر گئی ایک عورت تو چوتھائی حق کی ضامن ہوگی، اس لئے کہ ابھی تین چوتھائی گواہی باقی ہے۔

وجہ : گواہی میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لئے ایک مرد نے گویا کہ آدھی گواہی دی اور دو عورتوں نے باقی آدھی دی۔ ان میں سے ایک عورت نے رجوع کیا تو گویا کہ ایک چوتھائی گواہی سے رجوع ہوا اس لئے اس عورت پر چوتھائی ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ : ٦؎ اور اگر دونوں عورتیں رجوع کر گئیں تو آدھے کا ضامن ہوگی۔ اس لئے ایک مرد کی گواہی باقی رہنے سے آدھا حق باقی رہ گیا

وجہ :(۱) دو عورتیں آدھی گواہی یعنی ایک مرد کے قائم مقام ہیں اس لئے دونوں نے رجوع کیا تو پورے نقصان کے آدھے کی ذمہ دار ہوں گی (۲) قول تابعی پہلے گزر چکا ہے۔ **عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضى بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية ،وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ** (ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المسبوط، اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشہادۃ، ج عاشر، ص ۲۹۷، نمبر ۱۵۰۴۳) اس اثر میں ہے کہ آدھے گواہ نے رجوع کیا تو اس پر آدھا ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ :۷؎ اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی۔ پھر ان میں سے آٹھ عورتیں رجوع کر لیں تو ان عورتوں پر ضمان نہیں ہے، اس لئے جو دو عورتیں ایک مرد باقی ہیں ان سے پورا حق باقی ہے۔ [اس لئے کسی پر ضمان لازم نہیں ہوگا]

وجہ: ایک مرد اور دو عورتیں ابھی باقی ہیں جن پر فیصلے کا مدار ہے۔ اسلئے ان رجوع کرنے والی آٹھ عورتوں پر کچھ لازم نہیں ہوگا

ترجمہ :۸؎ پس اگر رجوع کر جائے نویں بھی تو عورتوں پر چوتھائی حق لازم ہوگا، اس لئے کہ مرد کے باقی رہنے سے آدھی گواہی باقی ہے اور ایک عورت جو باقی ہے اس سے ایک چوتھائی گواہی باقی ہے اس لئے تین چوتھائی گواہی باقی رہ گئی۔ [اس

والربع بشهادة الباقية فبقي ثلاثة الأرباع ۹وإن رجع الرجل والنساء فعلى الرجل سدس الحق وعلى النسوة خمسة أسداسه عند أبي حنيفة رحمه الله وعندهما على الرجل النصف وعلى النسوة النصف لأنهن وإن كثرن يقمن مقام رجل واحد ولهذا لا تقبل شهادتهن إلا بانضمام

لئے ان نوعورتوں پر صرف ایک چوتھائی ادا کرنا لازم ہے]

تشریح : پہلے آٹھ عورتیں رجوع کیں تھیں تو ان پر کچھ لازم نہیں ہوا۔اب نویں عورت بھی رجوع کر گئیں اس لئے ایک مرد اور ایک عورت باقی رہیں۔ایک مرد کی آدھی گواہی اور ایک عورت کی چوتھائی گواہی مجموعہ تین چوتھائی گواہی باقی رہی اور نو عورتوں کو ملا کر چوتھائی گواہی سے رجوع ہوا۔اس لئے ان سب عورتوں پر چوتھائی ضمان لازم ہوگا۔

اصول:اوپر اثر سے ثابت کیا تھا کہ جو باقی رہا اس کی گواہی کا اعتبار ہے دو کے علاوہ جو رجوع کر گئے ان کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ : ۹ پس اگر مرد اور عورتیں سب رجوع کر جائیں تو مرد پر حق کا چھٹا لازم ہوگا اور عورتوں پر حق کے پانچ چھٹے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک،اور صاحبینؒ فرماتے ہیں مرد پر آدھا اور ساری عورتوں پر آدھا۔اس لئے عورتیں کتنے ہی ہو جائیں وہ سب ایک ہی مرد کے قائم مقام ہیں،یہی وجہ ہے کہ بغیر مرد کے ملائے ہوئے کسی عورت کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

تشریح : دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں اس اعتبار سے دس عورتیں پانچ مرد کے قائم مقام ہوئیں اور ایک مرد ہے اس لئے گویا کہ چھ مردوں نے مال کی گواہی دی اس لئے جب سب رجوع کر گئے تو مرد پر ایک چھٹا حصہ لازم ہوا اور باقی پانچ چھٹا حصہ دس عورتوں پر لازم ہوگا۔

مثلا : جس مال کی گواہی ایک مرد اور دس عورتوں نے دی اس کی قیمت 48 درہم تھی،اب رجوع کرنے پر مرد پر ایک چھٹا حصہ 8=6÷48 آٹھ درہم لازم ہوگا۔اور دس عورتوں پر پانچ چھٹا حصہ یعنی 40 درہم لازم ہوگا۔اور ہر عورت کے ذمے 4 چار درہم آئے گا۔

وجہ :مرد اور عورتیں سب نے مل کر گواہی دی ہیں اس لئے دس عورتیں پانچ مرد ہوئیں اور ایک مرد ہے اس لئے گویا چھ مردوں نے گواہی دی اس لئے مرد پر ایک مرد کا ضمان چھٹا حصہ آئے گا اور دس عورتوں پر پانچ مردوں کا ضمان یعنی پانچ چھٹا حصہ آئے گا صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مرد پر آدھا ضمان آئیگا اور باقی آدھا سب عورتوں پر آئے گا۔مثال مذکور میں 48 درہم میں سے آدھا یعنی 24 درہم مرد پر لازم ہوگا اور باقی 24 درہم دس عورتوں پر لازم ہوگا اور ہر عورت پر دو درہم اور چالیس پیسے (2.40) لازم ہوں گے۔

وجہ : وہ فرماتے ہیں کہ مرد کے بغیر صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے اس لئے مرد نے گویا کہ آدھی گواہی دی اور دس

رجل واحد. ۱۰؎ ولأبي حنيفة رحمه الله أن كل امرأتين قامتا مقام رجل واحد قال عليه الصلاة والسلام في نقصان عقلهن عدلت شهادة اثنتين منهن بشهادة رجل واحد فصار كما إذا شهد بذلک ستة رجال ثم رجعوا ۱۱؎ وإن رجع النسوة العشرة دون الرجل كان عليهن نصف الحق على القولين لما قلنا ۱۲؎ ولو شهد رجلان وامرأة بمال ثم رجعوا فالضمان عليهما دون المرأة لأن الواحدة ليست بشاهدة بل هي بعض الشاهد فلا يضاف إليه الحكم.

عورتوں نے مل کر آدھی گواہی دی اس لئے مرد پر آدھا ضمان لازم ہوگا اور باقی آدھا تمام عورتوں پر لازم ہوگا۔

ترجمہ :۱۰؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہر دو عورت ایک مرد کے قائم مقام ہیں، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کے عقل کے نقصان کی وجہ سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے قائم مقام ہے اس لئے ایسا ہوگیا کہ چھ مردوں نے گواہی دی، پھر سب رجوع کر گئے۔ [تو چھ مردوں پر ضمان لازم ہوتا ہے ایسے ہی یہاں سب عورتوں پر چھٹا حصہ ضمان لازم ہوگا]

تشریح :امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، اس لئے گویا کہ ۶ چھ مردوں نے گواہی دی، اس لئے سب مرد پر اس کے حصے کے مطابق ضمان لازم ہوگا، اس لئے یہاں دو عورتوں پر ایک چھٹا حصہ ضمان لازم ہوگا۔۔ تفصیل اوپر گزر گئی ہے۔

وجہ :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال خرج رسول الله فی الاضحی .....قلن وما نقصان ديننا و عقلنا يا رسول الله؟قال اليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل ؟ قلن بلى يا رسول قال فذالک من نقصان عقلها ۔(بخاری شریف، باب ترک الحائض الصوم، ص ۵۳، نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک عورت کی گواہی مرد کا آدھا ہے، یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔

ترجمہ :۱۱؎ اگر دس عورتیں رجوع کر گئیں مرد نے رجوع نہیں کیا تو دونوں قول پر ان سب عورتوں پر آدھا حق لازم ہوگا۔ اس دلیل کی وجہ سے جو میں کہا [یعنی ایک مرد آدھا ہے جو باقی ہے اس لئے باقی آدھے ہی کا ضمان تمام عورتیں ادا کریں گیں۔

تشریح :دس عورتیں رجوع کر گئیں تو ابھی ایک مرد باقی ہے، تو گویا کہ آدھا حق باقی ہے، اس لئے باقی آدھے حق کا ہی سب عورتیں ذمہ دار ہوں گیں۔

ترجمہ :۱۲؎ اگر دو مرد اور ایک عورت نے مال کی گواہی دی پھر سب رجوع کر گئے تو عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا اس لئے

(۵۸۱) قال وإن شهد شاهدان على امرأة بالنكاح بمقدار مهر مثلها ثم رجعا فلا ضمان عليهما^ل وكذلك إذا شهدا بأقل من مهر مثلها لأن منافع البضع غير متقومة عند الإتلاف لأن التضمين يستدعي المماثلة على ما عرف وإنما تضمن وتتقوم بالتملك لأنها تصير متقومة ضرورة

کہ ایک عورت کچھ بھی گواہی نہیں ہے، بلکہ بعض گواہی ہے اس لئے اس کی طرف حکم منسوب نہیں ہوگا۔

تشریح: ایک عورت گواہی ہے ہی نہیں جب تک کہ دو عورتیں جمع نہ ہو جائیں، اس لئے جب دو مردوں نے اور ایک عورت نے گواہی دی تو عورت کا اعتبار نہیں ہے صرف مرد سے گواہی مکمل ہو گئی اس لئے رجوع کرنے سے عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۵۸۱) اگر دو گواہوں نے کسی عورت پر گواہی دی نکاح کی اس کے مہر مثل کی مقدار میں پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں پر ضمان نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے۔ گواہ کی گواہی سے نقصان ہوا ہو تو رجوع کرنے پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ اور اگر نقصان نہ ہوا ہو بلکہ مشہود علیہ کا فائدہ ہوا ہو یا برابر سرابر رہا ہو تو گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔

وجہ: رجوع کرنے کے بعد گواہ نقصان کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہاں مہر مثل دلوایا ہے اس لئے رجوع کے بعد عورت کا کچھ نقصان نہیں ہوا اس کو تو بضع کے بدلے مہر مثل مل گیا اگر چہ اس کا بضع گیا اس لئے گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔

ترجمہ: ^ل ایسے ہی اگر مہر مثل سے کم کی گواہی دی تب بھی گواہ پر کوئی ضمان نہیں ہے اس لئے کہ تلف کے واقت بضع کی قیمت نہیں ہوتی، اس لئے کہ ضمان واجب کرنا مماثلت کا تقاضہ کرتا ہے جیسا کہ پہلے قاعدہ معلوم ہوا، اور نکاح کے ذریعہ مالک بنتے وقت بضع کی قیمت اس لئے رکھی جاتی ہے تا کہ ملک نکاح کے وقت بضع کی عزت ظاہر ہو۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نکاح کے وقت بضع کی قیمت اس کی عزت بڑھانے کے لئے لگائی جاتی ہے، اور طلاق کے وقت اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اس گواہ رجوع کر جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

تشریح: اس مسئلے میں مرد مدعی ہے اور عورت مدعی علیہ ہے۔ مثلا مہر مثل ایک ہزار درہم ہے اور گواہ نے اس کم کی گواہی دی، پھر رجوع کر لیا تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: ضمان واجب کرنے کے لئے مماثلت چاہئے، اور درہم کی قیمت ہے اور علیحدہ ہوتے وقت شرمگاہ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے درہم اور منافع بضع میں کوئی مماثلت نہیں ہے اس لئے اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا، باقی رہا کہ نکاح کے وقت بضع کی قیمت کیوں ہے، تو بتایا اس کی عزت بحال کرنے کے لئے نکاح کے وقت اس کی قیمت ہے۔

لغت: بضع: عورت کی شرمگاہ۔ ابانۃ الخطر: عزت کو ظاہر کرنے کے لئے۔ محل: سے مراد بضع ہے۔ متقومۃ: جسکی قیمت لگائی

الـملک إبانة لخطر المحل(۵۸۲) و كـذا إذا شهـدا على رجل يتزوج امرأة بـمقدار مهر مثلها ١ لأنـه إتـلاف بعوض لما أن البضع متقوم حال الدخول في الملک والإتلاف بعوض كلا إتلاف ٢ وهـذا لأن مبـنـى الضمان على المماثلة ولا مماثلة بين الإتلاف بعوض وبينه بغير عوض (۵۸۳) وإن شهدا بأكثر من مهر المثل ثم رجعا ضمنا الزيادة ١ لأنهما أتلفاها من غير عوض.

جائے

ترجمہ :(۵۸۲)ایسے ہی اگر گواہی دی مرد پر عورت سے نکاح کرنے کی اس کے مہر مثل کی مقدار میں۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ یہاں شوہر کا مہر مثل کا نقصان ہوا لیکن اس کے بدلے میں بضع مل چکا ہے، اس لئے کہ ملک میں داخل ہوتے وقت بضع متقوم ہے اس لئے مہر کا نقصان گویا کہ نقصان نہیں ہے۔

تشریح :عورت کا مہر مثل مثلا ایک ہزار ہے اور دو گواہوں نے مرد پر گواہی دی کہ ایک ہزار کے بدلے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ شوہر نے عورت سے وطی کی پھر گواہ رجوع کر گئے تو گواہوں پر کچھ ضمان نہیں ہوگا۔

وجہ : یہاں شوہر کو ایک ہزار دینا تو پڑا لیکن اس کے بدلے بضع ملا جس کا مہر مثل ایک ہزار ہے۔ اس لئے شوہر کا کوئی نقصان نہیں ہوا اس لئے گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔ باقی رہا کہ مزید سالوں تک بضعہ استعمال نہ کر سکا تو اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ مہر پہلی مرتبہ وطی کی قیمت شمار کی جاتی ہے۔ اور بعد کی وطی اسی میں تداخل ہوتی جاتی ہے۔

ترجمہ :٢ اور یہ بات اس لئے ہے کہ ضمان کا دار مدار برابری پر ہے، اور عوض کے بدلے نقصان ہو اور بغیر عوض کے نقصان ہو دونوں میں کوئی برابری نہیں ہے۔

تشریح : یہ عقلی دلیل ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ شوہر نے بضع استعمال کیا ہے اس لئے اس کے بدلے میں مہر مثل گیا، اور گواہ نے تو کچھ بھی استعمال نہیں کیا ہے تو اس پر کیسے ضمان لازم کر دیں، ان دونوں میں کوئی مماثلت نہیں ہے، اس لئے گواہ پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اتلاف: نقصان۔

ترجمہ :(۵۸۳)اور اگر دونوں نے مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی پھر رجوع کر گئے تو زیادتی کے ضامن ہوں گے۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ دونوں گواہ نے مہر مثل سے زیادہ درہم بغیر عوض کے ضائع کیا۔

اصول: گواہ جتنا نقصان دے گا اتنے کا ضامن ہوگا اس سے زیادہ کا نہیں۔ اس کے لئے اثر پہلے گزر چکا ہے (اعلاء السنن، نمبر ۵۰۴۳)

تشریح :مثلا مہر مثل ایک ہزار تھا اور گواہوں نے گواہی دی کہ بارہ سو درہم میں شادی ہوئی تھی۔ شوہر نے بیوی سے وطی کی

(۵۸۴) قال وإن شهدا ببيع شيء بمثل القيمة أو أكثر ثم رجعا لم يضمنا ۱ لأنه ليس بإتلاف معنى. نظرا إلى العوض **(۵۸۵) وإن كان بأقل من القيمة ضمنا النقصان** ۱ لأنهما أتلفا هذا الجزء بلا عوض. ۲ ولا فرق بين أن يكون البيع باتا أو فيه خيار البائع لأن السبب هو البيع السابق

پھر گواہ رجوع کر گئے تو مہر مثل سے زیادہ جو دوسو درہم ہے اس کے ضامن ہوں گے۔

وجه : بضعہ کی قیمت مہر مثل یعنی ایک ہزار تھی اور گواہوں نے بارہ سو مہر کی گواہی دی۔ اور بعد میں رجوع بھی کر گئے تو گویا کہ گواہوں نے دوسو درہم کا نقصان دیا اس لئے گواہ دوسو درہم کے ضامن ہوں گے۔

ترجمه : (۵۸۴) اگر گواہی دی کسی چیز کے بیچنے کی مثل قیمت میں یا زیادہ میں پھر رجوع کر گئے تو ضامن نہیں ہوں گے۔

ترجمه: ۱ اس لئے کہ اس کے بدلے میں جو چیز آئی ہے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گویا کہ نقصان نہیں ہے۔

تشريح : مثلا چیز کی قیمت پانچ درہم تھی اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے یہ چیز پانچ درہم میں یا چھ درہم میں بیچی ہے۔ مشتری کے قبضے کے بعد گواہی سے رجوع کر گئے تو گواہوں پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجه : جتنے کی چیز تھی اتنی قیمت مل گئی یا اس سے زیادہ مل گئی اس لئے گواہوں نے کچھ نقصان نہیں کیا اس لئے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمه: (۵۸۵) اور اگر قیمت سے کم کی گواہی دی تو دونوں نقصان کے ضامن ہوں گے۔

ترجمه : ۱ اس لئے کہ ان دونوں نے اس جز کو بغیر عوض کے دلوا دیا۔

تشريح : مثال مذکور میں چیز کی قیمت پانچ درہم تھی، گواہوں نے گواہی دی کہ چار درہم میں بیچی ہے پھر رجوع کر گئے تو گواہوں نے بائع کے ایک درہم کا نقصان کیا اس لئے گواہ نقصان کے ضامن ہوں گے

وجه : (۱) اوپر قول تابعی گزرا۔ عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضي بذلك ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ (ذکرہ محمد فی الاصل کما فی المبسوط، اعلاء السنن، باب الرجوع عن الشہادۃ، ج عاشر، ص ۲۹۷، نمبر ۵۰۴۳) اس میں ہے جتنا نقصان کیا اتنا لازم ہوگا۔

ترجمه : ۲ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ بیع مکمل طے ہو یا اس میں بائع کی خیار شرط ہو اس لئے کہ ضمان کا سبب پچھلا بیع ہے اس لئے خیار کے ساقط ہوتے وقت حکم اس کی طرف منسوب کیا جائے گا، اس لئے نقصان گواہوں کی طرف منسوب ہوگا۔

تشريح : بیع تام ہو تب تو گواہوں کے رجوع کرنے سے اس پر ضمان لازم ہوگا ہی، لیکن اگر بیع میں خود بائع کو خیار شرط ہو اور اس نے خیار کے ماتحت بیع نہیں توڑا اور تین دن کے بعد بیع تام ہوگئی تو چونکہ پہلی بیع کی طرف ہی حکم منسوب ہوتا ہے اور وہ

فيضاف الحكم عند سقوط الخيار إليه فيضاف التلف إليهم(٥٨٦) وإن شهدا على رجل أنه طلق امرأته قبل الدخول بها ثم رجعا ضمنا نصف المهر ١ لأنهما أكدا ضمانا على شرف السقوط ألا ترى أنها لو طاوعت ابن الزوج أو ارتدت سقط المهر أصلا ٢ ولأن الفرقة قبل الدخول في معنى الفسخ فيوجب سقوط جميع المهر كما مر في النكاح ثم يجب نصف المهر

گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوئی اس لئے نقصان کا ضمان بھی گواہوں پر لازم ہوگا۔

ترجمہ :(٥٨٦)اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی پر گواہی دی کہ اس نے بیوی کو وطی سے پہلے طلاق دی ہے پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں آدھے مہر کے ضامن ہوں گے۔

وجہ :اگر گواہی دی کہ دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو شوہر پر بغیر بضعہ وصول کئے ہوئے آدھا مہر لازم ہوا ہوگا۔اسلئے اس کو مفت کی رقم دینی پڑی اور یہ نقصان گواہوں کی وجہ سے ہوا ہے، بعد میں گواہ رجوع کر گئے اسلئے آدھے مہر کا نقصان گواہوں پر لازم ہوگا

ترجمہ :۱ اس لئے کہ گواہوں نے ایسے مہر کو مؤکد کر دیا جو ساقط ہونے کے قریب تھا، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اگر عورت نے شوہر کے بیٹے کی اطاعت کر لیتی، یا مرتد ہو جاتی تو یہ مہر بالکل ساقط ہو جاتی [لیکن گواہ نے اس کو دلوا ہی دیا]

تشریح : وطی سے پہلے دو صورتیں ایسی ہیں کہ مہر بالکل ساقط ہو جائے، لیکن گواہوں نے گواہی دے کر اس کو دلوا ہی دیا اس لئے رجوع کے بعد اس پر یہ آدھا مہر لازم ہوگا [۱] ایک صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کے بیٹے سے زنا کروالے تو یہ عورت شوہر کی بہو بن گئی اس لئے نکاح خود بخود عورت کی حرکت سے ٹوٹ گیا اس لئے شوہر سے مہر ساقط ہو جائے گا۔[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ عورت مرتد ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا اور مہر ساقط ہو جائے گا، لیکن گواہ نے مہر کو موکد کر دیا، اس پر مہر لازم ہوگا۔

ترجمہ :۲ اور اس لئے کہ دخول سے پہلے فرقت فسخ کے معنی میں ہے، اس لئے تمام مہر ساقط ہونا چاہئے جیسے کہ کتاب النکاح میں گزر چکا ہے، پھر آدھا مہر لازم ہونا گویا شروع سے متعہ کے طور پر ہے اور یہ ان دونوں کی گواہی سے واجب ہوا ہے [اس لئے رجوع کے بعد ان دونوں پر ضمان لازم ہوگا]

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے کہ، کہ دخول سے پہلے نکاح ٹوٹنے کا معنی یہ ہے کہ وہ فسخ ہو گیا، یعنی نکاح ہوا ہی نہیں اس لئے مہر ہی لازم نہیں ہوگا۔اور یہاں جو لازم ہوا ہے وہ گواہوں کی گواہی سے بطور متعہ ہوا ہے اس لئے گواہوں کے رجوع کے بعد اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ :(٥٨٧)اگر دونوں نے گواہی دی کہ اپنے غلام کو آزاد کیا پھر دونوں رجوع کر گئے تو دونوں غلام کی قیمت کے

ابتداء بطريق المتعة فكان واجبا بشهادتهما (۵۸۷)قال وإن شهدا أنه أعتق عبده ثم رجعا ضمنا قيمته ل لأنهما أتلفا مالية العبد عليه من غير عوض ٢ والولاء للمعتق لأن العتق لا يتحول إليهما بهذا الضمان فلا يتحول الولاء(۵۸۸) وإن شهدوا بقصاص ثم رجعوا بعد القتل ضمنوا الدية

ضامن ہونگے

ترجمه :ل اس لئے کہ دونوں گواہوں نے بغیرعوض کے مالک کی مالیت کوضائع کیا[اس لئے ضامن ہوں گے]

تشریح :دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنا غلام آزاد کیا ہے جس کی وجہ سے قاضی نے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ بعد میں دونوں گواہ رجوع کر گئے۔ اب غلام تو آزاد ہی رہے گا البتہ اس کی قیمت گواہوں پر لازم ہوگی۔

وجه : کیونکہ گواہون کی گواہی کی وجہ سے بغیر کسی عوض کے زید کا غلام آزاد ہوا۔ اور زید کو اس کا نقصان ہوا اس لئے گواہوں پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اصول گزر چکا ہے۔

ترجمه :٢ اور ولاء آزاد کرنے والے مالک کے لئے ہوگا اس لئے کہ اس ضمان سے آزادگی گواہوں کی طرف منتقل نہیں ہوگی، اس لئے ولاء بھی ان دونوں کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

تشریح واضح ہے۔

لغت :غلام آزاد ہونے کے بعد، جب وہ مرے گا تو جو اس کا مال ہوگا وہ آزاد کرنیوالے آقا کے لئے ہوتا ہے، اسکو ولاء، کہتے ہیں

ترجمه :(۵۸۸)اگر قصاص کی گواہی دی پھر قتل کے بعد دونوں رجوع کر گئے تو دونوں دیت کے ضامن ہوں گے۔ لیکن دونوں سے قصاص نہیں لیا جائیگا۔

وجه :(۱) دیت تو اس لئے لی جائے گی کہ اس کی گواہی کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے اور بعد میں گواہی سے رجوع کر گئے۔ اور قصاص میں جان کا بدلہ جان اس لئے نہیں لیا جائے گا کہ اس نے براہ راست قتل نہیں کیا بلکہ قاضی کے سامنے گواہی دی پھر قاضی نے قتل کر دیا اس لئے یہ قتل عمد نہیں ہوا بلکہ قتل خطاء کے درجے میں ہے۔ اور قتل خطا میں دیت لازم ہوتی ہے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں بھی دیت لازم ہوگی قصاص لازم نہیں ہوگا۔ (۲) آیت ہے۔ ومن قتل مومنا خطأ فتحرير رقبة مومنة ودية مسلمة الى اهله (آیت ۹۲، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ قتل خطاء کی دیت لازم ہوگی۔ اس لئے یہاں بھی دیت لازم ہوگی (۳) اثر گزر گیا۔ عن ابراهيم قال اذا شهد شاهدان على قطع يد فقضى القاضى بذلک ثم رجعا عن الشهادة فعليهما الدية وان رجع احدهما فعليه نصف الدية وبه ناخذ (ذکرہ محمد فی

ولا يقتص منهم[1] وقال الشافعي رحمه الله يقتص منهم لوجود القتل منهم تسبيبا فأشبه المكره[2] بل أولى لأن الولي يعان والمكره يمنع. [3] ولنا أن القتل مباشرة لم يوجد وكذا تسبيبا لأن

الاصل كما فى المبسوط ،اعلاء السنن ، باب الرجوع عن الشهادة ، ج عاشر، ص ۲۹۷، نمبر ۵۰۴۳)اس اثر میں ہے کہ گواہی سے رجوع کرنے پر دیت لی جائے گی قصاص نہیں۔

ترجمہ :[1] امام شافعیؒ نے فرمایا کہ گواہوں سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ ان کی جانب سے قتل کا سبب پایا گیا ہے۔، اس لئے زبردستی کرنے والے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گواہ رجوع کر جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

وجہ :(۱) انکی دلیل یہ ہے کہ یہی گواہ قتل کا سبب بنے ہیں، تو جس طرح زبردستی کر کے قتل کرانے والے سے قصاص لیا جاتا ہے اس سے لیا جائے گا۔(۲) ان کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **عن الحسن قال اذا شهد شاهدان على قتل ثم قتل القاتل ثم يرجع احد الشاهدين قتل** (سنن للبیہقی ، باب الرجوع عن الشهادة ، ج عاشر، ص ۴۲۴، نمبر ۲۱۱۹۳)اس اثر میں ہے کہ گواہ کی وجہ سے قتل کیا گیا پھر اس نے رجوع کیا تو خود گواہ قصاصا قتل کیا جائے گا۔ اس لئے یہاں بھی گواہ سے قصاص لیا جائے گا۔

ترجمہ :[2] بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ اس میں قصاص کے ولی کی معاونت ہے، اور جس پر زبردستی کی گئی ہے اس کو لوگ بھی قتل کرنے سے روکتے ہیں۔

تشریح :اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گواہی دینے والا اکراہ [زبردستی] کرنے والے سے بھی اہم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زبردستی کرنے والے کو شریعت بھی روکتی ہے کہ قتل نہ کرؤاو اور اس کے رشتہ دار بھی روکتے ہیں کہ قتل نہ کرؤاو، اور جس آدمی پر زبردستی کر کے قتل کروا رہا ہے اس کو بھی شریعت روکتی ہے اور لوگ بھی قتل کرنے سے روکتے ہیں، اس لئے وہ کم درجہ ہوئے اور گواہ کو مقتول کا ولی ہمت افزائی کرتے ہیں کہ ضرور گواہی دو تا کہ میں اس کو قصاصا قتل کر سکوں، اس لئے یہ اہم ہوا، اور جب زبردستی کرنے والے سے قصاص لیا جاتا ہے تو گواہ سے بھی لیا جائے گا۔

ترجمہ :[3] ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہ کے اپنے ہاتھ سے قتل کرنا نہیں پایا گیا ہے، بلکہ قتل کا سبب بھی نہیں ہے اس لئے کہ سبب وہ ہوتا ہے کہ وہ کام ہو جائے، اور یہاں گواہی دینے سے ضروری نہیں ہے کہ قتل ہی ہو جائے، کیونکہ معاف کرنا مستحب ہے

تشریح :ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہ نے خود تو قتل نہیں کیا، قتل تو حاکم کے حکم سے جلا دنے کیا ہے، بلکہ وہ قتل کا سبب بھی نہیں ہے، کیونکہ سبب اس کو کہتے ہیں کہ اس سے اکثر کام ہو جائے، یہاں گواہی دینے سے ضروری نہیں ہے کہ قتل ہو ہی جائے بلکہ

التسبيب ما يفضي إليه غالبا وهاهنا لا يفضي لأن العفو مندوب ؎ بخلاف المكره لأنه يؤثر حياته ظاهرا ؎ ولأن الفعل الاختياري مما يقطع النسبة ؎ ثم لا أقل من الشبهة وهي دارئة للقصاص بخلاف المال لأنه يثبت مع الشبهات والباقي يعرف في المختلف. (٥٨٩)قال وإذا رجع شهود الفرع ضمنوا ؎ لأن الشهادة في مجلس القضاء صدرت منهم فكان التلف مضافا إليهم

ہوسکتا ہے کہ مقتول کا وارث معاف کردے، کیونکہ معاف کرنا مستحب ہے، یا دیت لیکر چھوڑ دے، پس جب گواہ نے خود قتل نہیں کیا، اور قتل کا خاص سبب بھی نہیں بنا تو اس کو کیسے قتل کیا جائے گا!

لغت: سبب: سبب اس کو کہتے ہیں کہ عام طور اس سبب سے کام انجام ہی پا جائے۔ اور اگر عام طور پر کام انجام نہ پائے تو اس کو سبب نہیں کہیں گے۔

ترجمہ: ؎ بخلاف زبردستی کئے جانے والے کے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ترجیح دیکر قتل کرے گا ہی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ جس پر زبردستی کیا ہے وہ اپنی جان بچانے کے لئے قتل کرے گا ہی اس لئے زبردستی کرنے والا قتل کا واقعی سبب ہے اس لئے اس کو قتل کیا جائے گا۔

لغت: مکرہ: ر، پر فتحہ ہو تو اسم مفعول ہوا جس پر زبردستی کر کے قتل کروائے۔ اور مکرہ: ر، کے کسرے کے ساتھ اسم فاعل ہے زبردستی کرنے والا۔ یوثر حیاتہ: اپنی زندگی کو ترجیح دے گا، اور قتل کر ہی دے گا۔

ترجمہ: ؎ اور اس لئے کہ فعل اختیاری دوسرے کی طرف نسبت کو قطع کر دیتا ہے۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے کہ ولی نے اپنے اختیار سے قاتل کو قتل کروایا ہے، گواہ نے اس کو زبردستی نہیں کی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ کوئی اپنے اختیار سے قتل کرے تو یہ قتل اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے، دوسرے کی طرف منسوب نہیں ہوتا، اس لئے یہ قتل ولی کی طرف منسوب ہوگا، گواہ کی طرف منسوب نہیں ہوگا، اور اس میں قتل بھی نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ؎ پھر کم سے کم اس میں شبہ تو ضرور ہے جس سے قصاص ختم ہو جاتا ہے، بخلاف مال کے اسلئے کہ وہ شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہوتا ہے، اور باقی باتیں فقیہ ابو اللیث کی کتاب المختلف، میں موجود ہے۔

تشریح: گواہ پر قصاص لازم نہ ہونے کی تیسری دلیل ہے۔۔ چونکہ قتل گواہ نے نہیں کیا ہے بلکہ درمیان میں قاضی کا واسطہ اور مقتول کے ولی کا واسطہ ہے اس لئے قتل کرنے میں شبہ ہوگیا اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے اس لئے بھی گواہ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ باقی باتیں حضرت فقیہ ابو اللیث کی کتاب المختلف، ہے اس میں ہے۔

ترجمہ: (۵۸۹) اگر فرع گواہ رجوع کر گئے تو ضامن ہوں گے۔

(۵۹۰)ولو رجع شهود الأصل وقالوا لم نشهد شهود الفرع على شهادتنا فلا ضمان عليهم ١ لأنهم أنكروا السبب وهو الإشهاد ٢ ولا يبطل القضاء لأنه خبر محتمل فصار كرجوع الشاهد

ترجمه : ١ اس لئے کہ قضا کی مجلس میں انہیں فرع سے گواہی صادر ہوئی ہے، اس لئے نقصان انہیں کی طرف منسوب ہوگا [اوران پرضمان لازم ہوگا]

تشریح : اصل گواہوں نے فرع کو گواہ بنایا تھا اور انہوں نے ہی مجلس قضا میں گواہی دی تھی جس کی بنا پر فیصلہ ہوا تھا۔ اب وہ رجوع کر گئے تو وہ ضامن ہوں گے۔ یہ طے ہے کہ فرع حدود اور قصاص میں گواہی دے سکتا، اس لئے یہ حدود اور قصاص کے علاوہ کی گواہی ہے، جس میں مال لازم ہوتا ہے، اس لئے فرع پر مال لازم ہو جائے گا۔

وجه : مجلس قضا میں فرع نے گواہی دی ہے اور بنیاد فرع کی گواہی ہے اور وہی رجوع کر رہے ہیں اس لئے وہی ضامن ہوں گے، اصل ضامن نہیں ہوں گے۔

ترجمه : (۵۹۰) اور اگر اصل گواہ رجوع کر گئے اور یوں کہا کہ میں نے اپنی گواہی پر فرع کو گواہ نہیں بنایا ہے تو اصل پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمه : ١ اس لئے کہ اس نے ضمان کے سبب کا انکار کر دیا، یعنی گواہ بنانے کا انکار کر دیا۔

تشریح : اصل گواہ اس طرح اپنی گواہی سے رجوع کرتا ہے کہ میں نے فرع گواہ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہی نہیں ہے تو اصل گواہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ ہاں یوں کہتا کہ میں نے گواہ تو بنایا تھا لیکن میں غلطی کی تھی تو اب ضمان لازم ہوگا۔

وجه : وہ خود مجلس قضا میں جا کر گواہی نہیں دی ہے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ فرع گواہ جھوٹ بول رہے ہوں اور بغیر گواہ بنائے گواہی دے دی ہو۔ اس لئے اصل گواہ پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور فرع پر بھی ضمان لازم نہیں ہوگا کیونکہ وہ گواہی سے رجوع نہیں کر رہے ہیں۔ اور قضا بھی نہیں ٹوٹے گا کیونکہ قاضی کا فیصلہ ہونے کے بعد جلدی ٹوٹتا نہیں ہے۔

ترجمه : ٢ اور فیصلہ بھی نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ اصل گواہ کی بات خبر محتمل ہے، تو ایسا ہو گیا کہ خود اصلی گواہ رجوع کر جائے، بخلاف اگر فیصلے سے پہلے اصل گواہ انکار کر جائے تو [اب فیصلہ ہی نہیں کرے گا]

تشریح : فرماتے ہیں کہ اصل گواہ نے کہا کہ میں گواہ نہیں بنایا ہے تو اس سے قاضی کا فیصلہ نہیں ٹوٹے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل گواہ ہو سکتا ہے کہ جھوٹا ہو کہ پہلے گواہ بنایا تھا اور اب انکار کر رہا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ سچا ہو، اس لئے اس کی بات خبر محتمل ہے اس لئے اس کی بات پر فیصلہ نہیں ٹوٹے گا، اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ خود اصل گواہ مجلس قضا میں آ کر گواہی دیتا اور پھر رجوع کر جاتا تو اس سے فیصلہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح یہاں بھی نہیں ٹوٹے گا۔ ہاں اگر فیصلے سے پہلے اصلی گواہ کہہ دے کہ میں نے

بـخلاف ما قبل القضاء(۱ ۹ ۵) وإن قـالـوا أشهدناهم وغلطنا ل ضـمـنوا وهذا عند محمد رحمه الله. ۲ وعـنـد أبـي حـنـيـفة وأبـي يـوسف رحمهما الله لا ضمان عليهم لأن القضاء وقع بشهادة الـفـروع لأن القاضي يقضي بما يعاين من الحجة وهي شهادتهم. ۳ ولـه أن الفروع نقلوا شهادة الأصول فصار كأنهم حضروا ۴ ولـو رجع الأصول والفروع جميعا يجب الضمان عندهما على

گواہ نہیں بنایا ہے تو اب قاضی فیصلہ ہی نہیں کرے گا۔

ترجمہ:(۵۹۱)اور اگر کہا کہ ہم نے ان کو گواہ بنایا تھا لیکن غلطی کی تھی تو وہ ضامن ہوں گے۔

ترجمہ :ل یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

اصول: یہ مسائل اسی اصول پر ہیں کہ جس نے جتنا نقصان کیا ہے وہی ضامن ہوگا۔

تشریح :اگر اصول نے یوں کہا کہ ہم نے فروع کو گواہ بنایا تھا لیکن گواہی کے الفاظ میں غلطی کی تھی تو اصل گواہ ضامن ہونگے

وجہ :اصل گواہ نے خود اقرار کیا کہ میری غلطی ہے اور فرع گواہوں نے اصل گواہوں کی بات ہی نقل کی ہے اس لئے اصل گواہ ضامن ہوں گے۔اور چونکہ فرع گواہوں نے رجوع نہیں کیا اس لئے وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

ترجمہ :۲ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اصل گواہ پر ضمان نہیں ہے اس لئے کہ فیصلہ فروع کے گواہ سے واقع ہوا ہے اس لئے کہ جو جو سامنے حجت ہے قاضی اس کی گواہی سے فیصلہ کرتا ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قاضی نے فروع کی گواہی سے فیصلہ کیا ہے اصول تو مجلس قضا میں حاضر بھی نہیں تھا اس اصول پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۳ امام محمدؒ نے کی دلیل یہ ہے کہ فروع نے اصل کی گواہی نقل کی ہے تو گویا کہ اصل مجلس قضا میں حاضر ہوا۔اس لئے اصل پر ضمان لازم ہوگا۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۴ اور اگر اصول اور فروع دونوں رجوع کر گئے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف فروع پر ضمان لازم ہوگا اصول پر نہیں اس لئے کہ فروع کی گواہی سے فیصلہ کیا ہے۔

تشریح :اگر اصل اور فرع دونوں نے رجوع کیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں چونکہ فروع کی گواہی سے فیصلہ کیا گیا ہے اس لئے صرف فروع پر ضمان پڑ نہیں ہوگا۔

الفروع لا غير لأن القضاء وقع بشهادتهم ۵ وعند محمد رحمه الله المشهود عليه بالخيار إن شاء ضمن الأصول وإن شاء ضمن الفروع لأن القضاء وقع بشهادة الفروع من الوجه الذي ذكرا وبشهادة الأصول من الوجه الذي ذكر فيتخير بينهما ۶ والجهتان متغايرتان فلا يجمع بينهما في التضمين ۷ وإن قال شهود الفرع كذب شهود الأصل أو غلطوا في شهادتهم لم يلتفت إلى ذلك لأن ما أمضي من القضاء لا ينتقض بقولهم ولا يجب الضمان عليهم لأنهم ما

ترجمہ :۵ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کو اختیار رہے، اگر چاہے تو اصول کو ضامن بنادے، اور اگر چاہے تو فروع کو ضامن بنادے اس لئے کہ فیصلہ فروع کی گواہی سے ہوئی ہے اس طرح جو ہم نے اوپر ذکر کیا، اور اصول کی گواہی سے بھی فیصلہ ہوا ہے اس طرح سے جو ہم نے اوپر ذکر کیا، اس لئے اصول اور فروع دونوں کے درمیان اختیار رہوگا۔

تشریح :اوپر یہ ذکر کیا کہ فروع نے مجلس قضا میں آ کر گواہی دی ہے اس لئے اس کو بھی ضامن بنا سکتا ہے۔اور اصول کی گواہی کو فروع نے نقل کیا ہے اور اس نے فروع کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے اس لئے نقصان کا ذمہ دار اصول بھی ہے اس لئے اس سے بھی ضمان لے سکتا ہے۔البتہ اصول سے ضمان لے گا تو صرف اصول سے لے، اور فروع سے لیگا تو صرف فروع سے لے دونوں کو جمع نہیں کر سکتے۔

ترجمہ:۶ اور دونوں جہتیں ایک دوسرے سے الگ ہیں اس لئے ضامن بنانے میں دونوں کو جمع نہیں کر سکتے۔

تشریح :یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ ایسا کیوں نہیں کر سکتے کہ اصول پر آدھا ضمان ڈال دیا جائے اور فروع پر بھی آدھا ضمان ڈال دیا جائے، اور سب کو ایک ساتھ جمع کر دیا جائے۔اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ فروع پر ضمان ڈالنے کی وجہ الگ ہے، کہ اسنے مجلس قضا میں جا کر گواہی دی ہے، اور اصول پر ضمان ڈالنے کی وجہ الگ ہے کہ اس کی گواہی نقل کی گئی ہے، چونکہ دونوں کی جہتیں الگ الگ ہیں اسلئے دونوں پر ضمان نہیں ڈال سکتے اور دونوں کو جمع نہیں کر سکتے، کرے گا تو صرف ایک فریق سے وصول کریگا

ترجمہ : ۷ اگر فرع گواہوں نے کہا کہ اصل گواہ جھوٹ بولے ہیں یا انہوں نے گواہی نوٹ کرانے میں غلطی کی ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ جو فیصلہ ہو گیا ہے وہ انکی باتوں سے ٹوٹے گا نہیں، اور فروع پر ضمان بھی لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ اپنی گواہی سے رجوع نہیں کئے ہیں، انہوں نے تو یہ گواہی دی ہے کہ دوسرے آدمی نے رجوع کیا ہے

وجہ :(۱) فرع گواہوں نے سچ اور صحیح سمجھ کر اصل گواہوں کی گواہی مجلس قضا میں منتقل کی۔اور قاضی کے فیصلے کے بعد کہہ رہے

رجعوا عن شهادتهم إنما شهدوا على غيرهم بالرجوع.(۵۹۲) قال وإن رجع المزكون عن التزكية ضمنوا وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله. وقالا لا يضمنون لأنهم أثنوا على الشهود خيرا

ہیں کہ اصل گواہ جھوٹ بولے ہیں یا گواہی نوٹ کرانے میں غلطی کی ہے تو ان کی اپنی باتوں میں تضاد ہو گیا۔قضا سے پہلے اس کو صحیح سمجھا اور قضا کے بعد غلط بتا رہے ہیں اس لئے ان کی باتوں کی طرف قاضی توجہ نہیں دیں گے (۲) فیصلے کے بعد فیصلہ ٹوٹے گا نہیں اس لئے اس کی باتوں کی طرف توجہ دے کر فائدہ کیا ہے؟ (۳) فرع گواہ رجوع نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصل پر الزام ڈال رہے ہیں جس پر کوئی گواہ نہیں ہے اس لئے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

لغت: لم یلتفت : توجہ نہیں دی جائے گی۔

ترجمہ:(۵۹۲) تزکیہ کرنے والے تزکیہ سے رجوع کر جائیں تو ضامن ہوں گے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضامن نہیں ہوں گے۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ انہوں نے گواہ کے لئے خیر کی بات کی ہے، جیسے احسان کی گواہی دینے والے پر ضمان لازم نہیں ہوتا ،اس پر بھی نہیں ہوگا۔

اصول : امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ تزکیہ کرنا گواہ کو کار آمد کرنا ہے اس لئے علۃ العلت کے درجے میں ہے اس لئے رجوع کے بعد ضامن ہوگا۔اور صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ تزکیہ کرنے والا صرف گواہ کی تعریف کرتا ہے، علت کے درجے میں ہے اس لئے رجوع کے بعد وہ ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح : چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی۔پھر قاضی نے گواہوں کی عدالت کی تحقیق کے لئے آدمی بھیجے۔انہوں نے کہا گواہ عادل ہیں۔ان کے عادل کہنے کی وجہ سے قاضی نے رجم کا فیصلہ کیا۔کیونکہ گواہوں کے عادل ہوئے بغیر رجم کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔تو گویا کہ تزکیہ کرنے والوں نے گواہ کو کار آمد بنایا، اس لئے وہ علۃ العلۃ کے درجے میں ہے اس لئے اس کے رجوع کرنے کے بعد اس پر ضمان لازم ہوگا

وجہ : گواہی قبول ہی کی جائے گی تزکیہ کرنے والے کے کہنے پر، تو گویا کہ تزکیہ کرنے والے سزا دینے میں شریک ہوئے۔ اور پھر وہ رجوع کر گئے تو ان پر ضمان لازم ہوگا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تزکیہ کرنے والے نے صرف گواہوں کی تعریف کی ہے، اس لئے اس کی حیثیت احسان کی گواہی دینے والے کی طرح ہے۔اس لئے جس طرح احسان کی گواہی دینے والوں پر ضمان نہیں ہے اسی طرح تزکیہ کرنے والوں پر بھی ضمان نہیں ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ رجم کا مدار گواہوں پر ہے تزکیہ کرنے والوں پر نہیں ہے۔وہ تو صرف ایک صفت بیان

فصاروا كشهود الإحصان. ۲؎ وله أن التزكية إعمال للشهادة إذ القاضي لا يعمل بها إلا بالتزكية فصارت بمعنى علة العلة ۳؎ بخلاف شهود الإحصان لأنه شرط محض(۵۹۳) وإذا شهد شاهدان باليمين وشاهدان بوجود الشرط ثم رجعوا فالضمان على شهود اليمين خاصة ۱؎ لأنه هو

کرنے والے ہیں۔اس لئے ان پر ضمان نہیں ہے۔

لغت :اثنوا:ثنی ، سے مشتق ہے،تعریف کرنا۔احصان: آدمی شادی شدہ ہو،اورآزاد ہو،مسلمان تو اس کو محصن کہتے ہیں،رجم کرنے کے لئے آدمی کا محصن ہونا شرط ہے،اور اگر محصن نہیں ہے تو آزاد پر 80اسی کوڑے حد لگے گی ،اور غلام ، باندی پر چالیس کوڑے حد لگے گی۔

ترجمہ :۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تزکیہ کرنے سے گواہ کارآمد ہوتے ہیں،اس لئے کہ قاضی تزکیہ کے بغیر فیصلہ نہیں کرے گا،اس لئے تزکیہ علۃ العلۃ کے درجے میں ہوا۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فیصلے کے گواہ اصل علت ہے،لیکن اسکا تزکیہ کرنا یہ علت کی علت کے درجے میں ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے گواہ کارآمد ہوا، اگر تزکیہ کرنے والا کہہ دے کہ گواہ عادل نہیں ہے تو قاضی فیصلہ نہیں کرے گا، پس جب یہ علت کی علت کے درجے میں ہوا تو اس کے رجوع کرنے سے اس پر ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ :۳؎ بخلاف احصان کی گواہی کے اس لئے کہ وہ صرف شرط کے درجے میں ہے۔

تشریح :یہ صاحبین کو جواب ہے، کہ تزکیہ کو احصان کی گواہی پر قیاس نہیں کر سکتے ،اس لئے کہ احصان کی گواہی ایک شرط محض ہے اس پر زنا کا ثبوت نہیں ہے، کیونکہ احصان کی گواہی نہ دے تب بھی زنا ثابت ہوگا ،اور رجم کے بجائے حد لگے گی،اس لئے یہ علۃ العلۃ کے درجے میں نہیں ہے اس لئے اس کے رجوع کرنے سے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ :(۵۹۳)اگر دو گواہوں نے گواہی دی قسم کھانے کی۔اور دوسرے دو نے دی شرط کے پائے جانے کی پھر سب رجوع کر گئے تو ضمان صرف قسم کے گواہوں پر ہوگا۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قسم کھانا یہ کام کی اصل علت ہے اور شرط پایا جانا یہ ایک شرط ہے جس پر کام کا مدار نہیں ہے اس لئے اس کے رجوع کرنے پر ان پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح :کسی نے قسم کھائی کہ امتحان میں پاس ہوں گا تو دعوت کھلاؤں گا۔اب اس میں دو باتیں ہیں۔قسم کھانا اور امتحان میں پاس ہونے کا ثبوت یعنی شرط پائے جانے کا ثبوت۔شرط پائے جانے پر دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی امتحان میں پاس ہو گیا ہے اور قسم کھانے پر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے ایسی قسم کھائی ہے۔اس لئے سب کے رجوع کرنے

السبب والتلف يضاف إلى مثبتي السبب دون الشرط المحض ألا ترى أن القاضي يقضي بشهادة اليمين دون شهود الشرط ۲ ولو رجع شهود الشرط وحدهم اختلف المشايخ فيه. ۳ ومعنى المسألة يمين العتاق والطلاق قبل الدخول.

پر قسم کے گواہ ضمان کے ذمہ دار ہوں گے۔

وجه :قسم پائے جانے اور کفارہ دینے کا اصل مدار قسم کے گواہ ہیں۔شرط پائے جانے کے گواہ صرف صفت بتانے کے گواہ ہیں ان پر مدار نہیں ہے۔اس لئے قسم کھانے کے گواہ ذمہ دار ہوں گے۔

ترجمه :۱ اسلئے کہ قسم کے گواہ ہی سبب ہے،اور نقصان سبب کے ثابت کرنے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے،شرط محض کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا،کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ قاضی قسم کی گواہی سے فیصلہ کرتا ہے شرط کے گواہ سے فیصلہ نہیں کرتا

تشریح :یہ دلیل ہے کہ قسم کی گواہی نقصان کا اصل سبب ہے،اور شرط پائے جانے کی گواہی صرف شرط محض ہے،اور نقصان کا مدار قسم کی گواہی ہے شرط پائے جانے کی گواہی نہیں ہے اس لئے قسم کھانے کی گواہ ضامن ہوں گے۔اس کی دوسری دلیل دیتے ہیں کہ،یہی وجہ ہے کہ قاضی قسم کی گواہی پر کام کا فیصلہ کرتا ہے شرط پائے جانے کی گواہی پر فیصلہ نہیں کرتا۔

ترجمه :۲ اور اگر صرف شرط کے گواہوں نے رجوع کیا تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔

تشریح :قسم کھانے کی جو گواہی دی تھی اس نے رجوع نہیں کیا،البتہ شرط پائے جانے کی جس نے گواہی دی تھی اس نے رجوع کیا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ ان پر ضمان لازم ہوگا،اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ چونکہ شرط محض کی گواہی ہے اس لئے ان پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمه :۳ مسئلے کی صورت یہ بنے گی کہ غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی ہو۔یا عورت سے دخول سے پہلے طلاق کی قسم کھائی ہو [کیونکہ دخول کے بعد گواہ رجوع کر جائیں تو اس پر مہر لازم نہیں ہوتا]

تشریح : متن میں مسئلے کی صورت یہ بنے گی۔کسی نے قسم کھائی کی اگر میں گھر میں داخل ہوا تو میرا غلام آزاد ہوگا۔یا قسم کھائی کہ میں گھر میں داخل ہوا تو میری بیوی کو طلاق،اور بیوی سے ابھی تک وطی نہیں کیا تھا غیر مدخول بھا تھی،پھر قسم کھانے کے گواہ،اور شرط پائے جانے کے گواہ [کہ وہ آدمی گھر میں داخل ہوا ہے] رجوع کرے تو قسم کھانے کے گواہ پر ضمان لازم ہوگا۔ دخول سے پہلے کی قید اس لئے لگائی کہ دخول کے بعد طلاق کی گواہی دی تو بضع فائدہ اٹھانے کی وجہ سے شوہر پر مہر لازم ہوا ہے اس لئے گواہ رجوع بھی کر جائے تو گواہ پر ضمان نہیں ہے۔ہاں دخول سے پہلے طلاق کی گواہی دی اور رجوع کر گئے تو گواہ پر آدھی مہر لازم ہوتی ہے،کیونکہ بغیر فائدہ اٹھائے شوہر کا نقصان کیا ہے۔یہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

﴿كتاب الوكالة﴾

(۵۹۴)قال كل عقد جاز أن يعقده الإنسان بنفسه جاز أن يوكل به غيره لے لأن الإنسان قد يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال فيحتاج إلى أن يوكل غيره فيكون بسبيل منه دفعا للحاجة. ۲ے وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم وكل بالشراء حكيم بن حزام وبالتزويج عمر

﴿ كتاب الوكالة ﴾

ضروری نوٹ : وکالت کے معنی سپرد کرنا، خود کوئی کام نہ کرے اور دوسرے کو کام کرنے کا وکیل بنائے اس کو وکالت کہتے ہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ الی المدینة فلینظر ایھا ازکی طعاما فلیأتکم برزق منه (آیت ۱۹ سورة الکھف ۱۸) اس آیت میں اصحاب کہف کے ساتھیوں نے کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن علیؓ قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان اتصدق بجلال البدن التی نحرت وبجلودھا (بخاری شریف، باب وکالة الشریک الشریک فی القسمة وغیرھا ص ۳۶۸ نمبر ۲۲۹۹) اس حدیث میں اونٹ ذبح کرنے اور اس کی کھال کو صدقہ کرنے کا وکیل حضرت علی کو آپؐ نے بنایا۔

ترجمہ: (۵۹۴) ہر وہ عقد جو انسان خود کر سکتا ہو، جائز ہے کہ اس کا دوسرے کو بھی وکیل بنائے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ انسان بعض حالتوں میں خود کرنے سے عاجز ہوتا ہے اس لئے دوسرے کو وکیل بنانے کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ ضرورت پوری کرنے کا کوئی راستہ نکل سکے۔

تشریح : جو کام خود کر سکتا ہے اس کام کے کرنے کا دوسروں کو بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ (۱) اوپر کی حدیث میں حضورؐ نے حضرت علی کو اونٹ ذبح کرنے اور کھال صدقہ کرنے کا وکیل بنایا۔ اور یہ کام حضورؐ خود بھی کر سکتے تھے (۲) بعض مرتبہ آدمی خود ایک کام نہیں کر سکتا ہے تو مجبوری ہوتی ہے کہ دوسروں سے وہ کام کروائے (۳) اوپر کی آیت میں بھی کہف کے ساتھیوں نے دوسرے کو کھانا خریدنے کا وکیل بنایا ہے۔

ترجمہ :۲ے صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت حکیم بن حزام کو قربانی خریدنے کا وکیل بنایا، اور عمر بن سلمة کو اس کی ماں نے نکاح کا وکیل بنایا۔

تشریح :صاحب ہدایہ کی پہلی حدیث یہ ہے۔ عن حکیم بن حزام ان رسول اللہ ﷺ بعث معه بدینار یشتری له أضحیة فاشتراھا بدینار و باعھا بدینارین فرجع فاشتری له أضحیة بدینار و جاء بدینار الی

بن أم سلمة رضي الله عنهما. (۵۹۵) قال ويجوز الوكالة بالخصومة في سائر الحقوق ۱ لما قدمنا من الحاجة إذ ليس كل أحد يهتدي إلى وجوه الخصومات. ۲ وقد صح أن عليا رضي الله

النبی ﷺ فتصدق به النبی ﷺ و دعا له ان یبارک له فی تجارته ۔(ابوداود شریف، باب فی المضارب یخالف، ص ۴۹۱، نمبر ۳۳۸۶ / ترمذی شریف، باب الشراء والبیع الموقوفین، ص ۳۰۶، نمبر ۱۲۵۷) اس حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو قربانی خریدنے کا وکیل بنایا ہے۔ صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ام سلمة لما انقضت عدتها ..... فقالت لابنها : یا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه ، مختصر ۔(نسائی شریف، باب انکاح الابن امه، ص ۴۵۱، نمبر ۳۲۵۶) اس حدیث میں حضرت ام سلمہ نے اپنے بیٹے عمر کو نکاح کا وکیل بنایا ہے۔

ترجمه : (۵۹۵) اور جائز ہے وکیل بنانا تمام حقوق میں جھگڑا کرنے کا۔

ترجمه : ۱ اس ضرورت کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا، اس لئے کہ ہر آدمی جھگڑے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا۔

تشریح : تمام حقوق میں خصومت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔ خصومت کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرے، پھر اس کو ثابت کرے، گواہ پیش کرے اور اپنے حق میں فیصلہ کے لئے زور لگائے۔ ان تمام کارروائیوں کو وکیل بالخصومت کہتے ہیں۔ اسی طرح حق کو ثابت کرنے اور حق کو وصول کرنے کے لئے بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وجه : (۱) ہر آدمی قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے خصومت کا وکیل بنانا جائز ہے (۲) حضورؐ نے مسیلمہ کذاب کو جواب دینے کے سلسلے میں ثابت بن قیس کو وکیل بنایا ہے۔ اس لمبی حدیث کا ٹکڑا پیش خدمت ہے۔ عن ابن عباس قال قدم مسیلمة الکذاب علی عهد النبی ﷺ ... وهذا ثابت بن قیس یجیبک عنی ثم انصرف عنه (بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن اثال، کتاب المغازی، ص ۷۴۲، نمبر ۴۳۷۳) (۳) مقدمہ پیش کرنے کے لئے عبد الرحمٰن بن سہل آگے بڑھے جوان لوگوں میں سے چھوٹے تھے تو آپ نے بات کرنے کے لئے بڑے کو خصومت کا وکیل بنایا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال انطلق عبد الله بن سهل و محیصة بن مسعود بن زید الی خیبر ... فذهب عبد الرحمن یتکلم فقال ﷺ کبر کبر وهو احدث القوم فسکت فتکلما (بخاری شریف، باب الموادعة والمصالحة مع المشرکین بالمال وغیرہ، ص ۵۲۸، نمبر ۳۱۷۳) اس حدیث میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے بڑے کو وکیل بنایا جس سے معلوم ہوا کہ خصومت کے لئے وکیل بنا سکتا ہے۔

ترجمه : ۲ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عقیل کو وکیل بنایا اور بوڑھے ہونے کے بعد حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کو وکیل بنایا۔

عنه وكل عقيلا وبعدما أسن وكل عبد الله بن جعفر رضي الله عنه(۵۹۶) وكذا بإيفائها واستيفائها إلا في الحدود والقصاص فإن الوكالة لا تصح باستيفائها مع غيبة الموكل عن المجلس لأنهما تندرء بالشبهات وشبهة العفو ثابتة حال غيبة الموكل بل هو الظاهر للندب

تشريح :صاحب ہدایہ کا عمل صحابی یہ ہے۔عن عبد الله بن جعفر قال كان على بن ابى طالب يكره الخصومة فكان اذا كانت له خصومة وكل فيها عقيل بن ابى طالب فلما كبر عقيل وكلنى (سنن للبیھقی ، باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور والغیبة ، ج سادس ،ص ۱۳۴،نمبر ۱۱۴۳۷)اس عمل صحابی میں ہے کہ حضرت علی خود خصومت نہیں کرتے بلکہ حضرت عقیل کو خصومت کا وکیل بناتے تھے۔

ترجمہ :(۵۹۶)ایسے ہی حق دینے کے لئے یا حق وصول کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے اس مجلس میں موکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں۔

ترجمہ :[۱] اس لئے کہ حدود اور قصاص شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں،اور موکل کے غائب ہونے کی حالت میں معاف کرنے کا شبہ ہے، بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ معاف کر دے گا، کیونکہ شرعی طور پر معاف کرنا مستحب ہے۔

نوٹ :یہاں چار بحثیں ہیں۔

[۱]......وکیل کے ذریعہ حدود اور قصاص کو وصول کرنا۔۔موکل موجود نہ ہو تو وصول نہیں کر سکتے۔

[۲]......وکیل کے ذریعہ حدود اور قصاص کو ثابت کرنا۔۔موکل موجود نہ ہو تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ثابت کر سکتے ہیں۔۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ثابت بھی نہیں کر سکتے۔

[۳]......مدعی علیہ، یعنی جس پر حد اور قصاص لاگو ہو رہا ہو اس کی جانب جواب کے لئے وکیل بنائے۔یہ جائز ہے، لیکن وکیل جواب دے سکتا ہے، مدعی علیہ پر حد اور قصاص کا اقرار نہیں کر سکتا، کہ ہاں میرے موکل نے حد کا کام کیا ہے۔

[۴]......مدعی وکیل بنانا چاہے تو مدعی علیہ کی رضامندی ہو یا نہیں۔اس بارے امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ رضامنی کے بغیر وکیل نہیں بنا سکتا، الا یہ کہ موکل بیمار، یا مسافر ہو۔اور صاحبینؒ کے یہاں بغیر رضامندی کے بھی وکیل بنا سکتا ہے۔

وکیل کے ذریعہ حدود اور قصاص کو ثابت کرنا۔۔موکل موجود نہ ہو تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ثابت کر سکتے ہیں۔۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ثابت بھی نہیں کر سکتے۔

تشریح :[۱] یہ پہلی صورت ہے۔مجلس میں موکل موجود نہ ہو تو حدود اور قصاص کو لاگو کرنے کی وکالت صحیح نہیں ہے۔ہاں! مجلس میں موکل موجود ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کا وکیل بنایا جا سکتا ہے۔

الشرعي۲ بخلاف غيبة الشاهد لأن الظاهر عدم الرجوع ۳وبخلاف حالة الحضرة لانتفاء هذه الشبهة۴ وليس كل أحد يحسن الاستيفاء. فلو منع عنه ينسد باب الاستيفاء أصلا وهذا الذي

وجه :(۱) حدود اور قصاص شبہ سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور موکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ موکل نے فیصلے کے بعد وصول کرنے سے پہلے اخیر وقت میں حدود یا قصاص لینے سے معاف کر دیا ہو۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں قصاص والے کو اور حد والے کو معاف کرنے کی کافی ترغیب دی گئی ہے۔ اس لئے اس کی موجودگی کے بغیر وکیل بنانا جائز نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود اور قصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرو اور وکیل بنانے میں اس کو مضبوط کرنا ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ **عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ادرء وا الحدود عن المسلمين مااستطعتم ،فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ فى العفو خير من ان يخطئ فى العقوبة.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی درء الحدود، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۲۴/ ابن ماجہ شریف، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبھات، ص ۳۶۵، نمبر ۲۵۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود وقصاص کو ساقط کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ترجمہ:۲ بخلاف گواہ کے غائب رہنے کے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ وہ رجوع نہیں کرے گا۔

تشریح :فیصلہ کرتے وقت، یا حدود اور قصاص وصول کرتے وقت گواہ مجلس سے غائب ہو تو فیصلہ کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ گواہی دینے کے بعد اس سے رجوع نہیں کریں گے، ورنہ تو اس پر ضمان لازم ہو جائے گا۔

ترجمہ :۳ بخلاف جبکہ موکل حاضر ہو اس لئے کہ معاف کرنے کا شبہ منتفی ہے۔

تشریح : جس مجلس میں حدود اور قصاص وصول کیا جا رہا ہو اس میں موکل موجود ہو تو معاف کرنے کا شبہ نہیں ہے اس لئے کہ معاف کرنا ہوتا تو کر دیتا اس لئے اب اس کا وکیل حدود اور قصاص وصول کر سکتا ہے۔، دوسری بات یہ ہے کہ موکل سامنے ہے اس لئے وکیل کی بات موکل کی طرف منتقل ہو جائے گی اس لئے گویا کہ موکل ہی نے وصول کیا۔

ترجمہ :۴ ہر آدمی قاعدے کے مطابق وصول بھی نہیں کرنا جانتا اس لئے وکیل بنانے کا راستہ بند کر دیا جائے تو وصول کرنے دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ اور یہ جو بیان کیا یہ کہ حدود اور قصاص کے وصول کرنے میں وکیل بن سکتا ہے، البتہ موکل کا موجود رہنا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

تشریح :یہ اس اشکال کا جواب ہے کہ جب موکل مجلس میں موجود ہے تو اب وکیل کی کیا ضرورت ہے۔ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہر آدمی قاعدے کے مطابق حدود اور قصاص وصول کرنا نہیں جانتا اس لئے وکیل بنانے کی ضرورت ہے، ورنہ حدود اور قصاص وصول ہی نہیں کر پائے گا۔

ذكرناه قول أبي حنيفة رحمه الله ۵ وقال أبو يوسف رحمه الله لا تجوز الوكالة بإثبات الحدود والقصاص بإقامة الشهود أيضا ومحمد مع أبي حنيفة وقيل مع أبي يوسف رحمهم الله ۶ وقيل هذا الاختلاف في غيبته دون حضرته لأن كلام الوكيل ينتقل إلى الموكل عند حضوره فصار كأنه متكلم بنفسه. ۷ له أن التوكيل إنابة وشبهة النيابة يتحرز عنها في هذا الباب كما في

ترجمہ :۵ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا گواہ قائم کرکے حدود اور قصاص کو ثابت کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔اور امام محمدؒ کا قول امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے،اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے۔

تشریح :[۲] یہ دوسری صورت ہے،یعنی حد اور قصاص کو گواہ کے ذریعہ ثابت کرنا۔موکل مجلس سے غائب ہو اور وہ وکیل بنا لے اور گواہوں کے ذریعہ سے حدود اور قصاص کو ثابت کرے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وصول کرنا تو جائز نہیں ہے،لیکن ثابت کرنا جائز ہے۔

وجہ ؛ امام ابو یوسفؒ کی دلیل آگے آرہی ہے کہ،موکل موجود نہ ہو تو وکیل کی بات موکل کی طرف منسوب نہیں ہوگی، اس لئے یہ گویا کہ بدل ہو گیا،اور بدل کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا،جس سے حدود اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے اس لئے وکیل بنانا جائز نہیں ہے، ہاں موکل موجود ہو تو وکیل کی بات موکل کی طرف منتقل ہو جائے گی،اس لئے بدلیت کا شبہ نہیں رہے گا اس لئے جائز ہو جائے گا۔

ترجمہ :۶ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اختلاف موکل کے غائب ہونے کی صورت میں ہے حاضر ہونے کی صورت میں نہیں ہے، کیونکہ حاضر ہونے کی صورت میں وکیل کی بات موکل کی طرف منتقل ہو جائے گی،تو ایسا ہوا کہ موکل خود ہی بول رہا ہو

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ موکل حاضر ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ دونوں فرماتے ہیں کہ وکیل کے ذریعہ سے حد اور قصاص ثابت کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں وکیل کی بات موکل کی طرف منتقل ہو جائے گی،اور کوئی غلطی ہوگی تو موکل اس کی اصلاح کر دے گا،تو گویا کہ موکل خود ہی بول رہا ہے، ہاں موکل مجلس میں نہیں ہے تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کے ذریعہ ثابت کرنا صحیح نہیں ہے اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صحیح ہے۔

ترجمہ :۷ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل بنانا گویا کہ نائب بنانا ہے،اور اس حدود کے باب میں نیابت کے شبہ سے بچنا ہوتا ہے، جیسا کہ شہادۃ علی الشہادۃ سے بچنا ہوتا ہے، یا جیسا کہ حدود اور قصاص کے وصول کے وقت موکل موجود نہ ہو تو جائز نہیں ہے [تو یہاں بھی جائز نہیں ہوگا]

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ موکل مجلس میں نہ ہو تو وکیل بنانا گویا کہ نائب بنانا ہے،اور اس سے بدلیت کا شبہ

الشهادة على الشهادة وكما في الاستيفاء ۸؎ ولأبي حنيفة رحمه الله أن الخصومة شرط محض لأن الوجوب مضاف إلى الجناية والظهور إلى الشهادة فيجري فيه التوكيل كما في سائر الحقوق ۹؎ وعلى هذا الخلاف التوكيل بالجواب من جانب من عليه الحد والقصاص. وكلام أبي حنيفة رحمه الله فيه أظهر لأن الشبهة لا تمنع الدفع غير أن إقرار الوكيل غير مقبول عليه

پیدا ہوتا ہے، اور حدود اور قصاص شبہ سے ثابت نہیں ہوتا اس لئے وکیل بنانا جائز نہ ہو۔ اس کی دو مثالیں دیتے ہیں [۱] اس میں گواہی پر گواہی جائز نہیں کیونکہ اس سے بدلیت کا شبہ ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی بدلیت کے شبہ سے جائز نہیں ہونا چاہئے ۔[۲]......دوسری دلیل یہ ہے کہ حدود اور قصاص جاری کرنا ہو اور موکل حاضر نہ ہو تو وکیل جاری نہیں کروا سکتا، اسی طرح یہاں موکل حاضر نہ ہو تو قصاص ثابت نہیں کروا سکتا ہے۔

لغت: استیفاء: کا ترجمہ ہے وصول کرنا، یہاں حدود اور قصاص کو وصول کرنا، یعنی اس کو جاری کروانا مراد ہے۔

ترجمہ: ۸؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جھگڑا کرنا ایک شرط محض ہے اس لئے کہ حد کا واجب ہونا جرم کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور اس کا ظاہر ہونا گواہی کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لئے جھگڑے میں وکیل بننا جاری ہو سکتا ہے جیسے تمام حقوق میں ہوتا ہے

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ جرم کی جو سزا واجب ہوتی ہے وہ جرم کی وجہ سے ہوتا ہے، وہ جھگڑے کی وجہ سے نہیں ہوتی، جھگڑا تو صرف ایک شرط محض ہے، اور گواہی دلوانے سے اس حد کا اظہار ہوتا ہے، چونکہ حد کا مدار جھگڑے پر نہیں ہے اسلئے یہ عام حقوق کی طرح ہو گیا، اس لئے اس میں وکیل بنانا جائز ہوگا، اور موکل کی موجودگی کے بغیر بھی جرم ثابت کیا جا سکے گا

ترجمہ: ۹؎ اسی اختلاف پر ہے کہ جس پر حد ہے اس کی جانب سے جواب کا وکیل بنانا، امام ابو حنیفہؒ کی بات اس میں بہت ظاہر ہے [یعنی وکیل بنا سکتا ہے] اس لئے کہ بدلیت کے شبہ سے حد کو دفع کرنا ممنوع نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ وکیل حد کا اقرار کر لے تو جس پر حد لگائی جا رہی ہے اس پر مقبول نہیں ہے اس لئے کہ شبہ ہے کہ مجرم نے اس اقرار کا حکم نہ دیا ہو۔

تشریح: یہاں دو باتیں کہہ رہے ہیں [۱]......مجرم کی جانب سے جواب دینے کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ کا موقف واضح ہے کہ انکے یہاں جب حد ثابت کرنے کے لئے وکیل بنا سکتا ہے تو حد کو دفع کرنے کے لئے بدرجہ اولی وکیل بنانا جائز ہوگا، کیونکہ حد کو دور کرنا تو اور بہتر ہے۔[۲]......دوسری بات یہ ہے کہ اگر مجرم کے وکیل نے یہ اقرار کر لیا کہ ہاں میرے موکل نے یہ جرم کیا ہے تو یہ مجرم کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وکیل کو یہ نہیں کہا ہو کہ ہاں میں نے یہ جرم کیا ہے، یہ وکیل نے اپنی جانب سے اقرار کر لیا اس لئے یہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

لما فيه من شبهة عدم الأمر به. ۱۰وقال أبو حنيفة رحمه الله لا يجوز التوكيل بالخصومة إلا برضا الخصم إلا أن يكون الموكل مريضا أو غائبا مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا. ۱۱وقالا يجوز التوكيل بغير رضا الخصم وهو قول الشافعي رحمه الله. ولا خلاف في الجواز إنما الخلاف في اللزوم. لهما أن التوكيل تصرف في خالص حقه فلا يتوقف على رضا غيره كالتوكيل بتقاضي

ترجمه: ۱۰ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مخالف کے رضامندی کے بغیر جھگڑے کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر موکل بیمار ہو یا تین کے سفر پر ہو تو جائز ہے۔

تشریح: یہ چوتھا مسئلہ ہے کہ۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں۔ مدعی حد، یا قصاص کے لئے وکیل بنانا چاہتا ہے تو اس کا جو خصم ہے، یعنی جو مدعی علیہ ہے اس کی رضامندی کے بغیر وکیل بنانا جائز نہیں ہے، ہاں موکل تین دن یا اس سے زیادہ کی مدت سفر پر ہو، یا اتنا بیمار ہو کہ مجلس قضا میں حاضر نہیں ہوسکتا ہو تب مدعی علیہ کی رضامندی کے بغیر وکیل بنا سکتا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مدعی جب وکیل بنائے گا تو مدعی علیہ پر اس کا جواب لازم ہوتا ہے، اور وکیل وکیل میں فرق ہوتا ہے، کوئی سخت ہوتا ہے جس کا جواب دینا مشکل ہوتا ہے۔ اور کوئی نرم اور سنجیدہ ہوتا جس کا جواب دینا آسان ہوتا ہے اس لئے مدعی علیہ کی رضامندی ضروری ہے تاکہ اس کی ثواب دید پر وکیل کا انتخاب کر سکے۔

نوٹ: وکیل بنالے اور فیصلہ ہوجائے تو درست ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۱۱ صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر خصم کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے، یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، فرماتے ہیں کہ وکیل بنانا تو جائز ہے لیکن یہ وکیل کا کام خصم پر لازم نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کی رضامندی نہ ہو۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل بنانا مدعی کا خالص حق ہے، اس لئے دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوگا، جیسے قرض وصول کرنے کا وکیل بنائے تو مقروض کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح صاحبینؒ کی رائے ہے کہ خصم کی رضامندی کے بغیر بھی مدعی، یا مدعی علیہ وکیل بنا سکتا ہے، یہ رائے امام شافعیؒ کی بھی ہے

وجہ: (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ وکیل بنانا اس کا ذاتی حق ہے، اس لئے دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوگا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ قرض وصول کرنے کا وکیل بنائے تو مقروض کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح جھگڑے میں بھی خصم کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (۲) اوپر اثر گزرا کہ حضرت علی بغیر کسی مجبوری کے حضرت عقیل کو خصومت کا وکیل بنایا کرتے تھے۔ عن عبد الله بن جعفر قال كان على بن طالب يكره الخصمةفكان اذا كانت له خصومة

الديون. ۱۲ ولـه أن الـجـواب مستـحـق عـلـى الـخـصـم ولهذا يستحضره والناس متفاوتون في الـخصومة فلو قلنا بلزومه يتضرر به فيتوقف على رضاه ۱۳ كالعبد المشترك إذا كاتبه أحدهما يتخير الآخر ۱۴ بخلاف المريض والمسافر لأن الجواب غير مستحق عليهما هنالك

وكـل فيها عقيل بن ابى طالب فلما كبر عقيل وكلنى (سنن للبیھقی ، باب التوکیل فی الخصومات مع الحضور والغیبۃ ، ج سادس ، ص ۱۳۴ ، نمبر ۱۱۴۳۷) اس سے معلوم ہوا کہ مجبوری نہ ہو اور خصم راضی نہ ہو تب بھی خصومت کا وکیل بنا سکتا ہے۔

اصول: امام ابوحنیفہ کی نظر مدمقابل کے نقصان کی طرف جاتی ہے، جبکہ صاحبین کی نظر خود موکل کے نقصان کی طرف جاتی ہے

لغت: انما الخلاف فی اللزوم: ایک ہے وکیل بنانا، یہ تو بغیر خصم کی رضامندی کے بھی جائز ہے۔ دوسرا ہے کیا اس کا جواب دینا خصم پر لازم ہے، تو اس بارے میں ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں جواب دینا لازم ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر رضامندی کے بنایا تو جواب دینا لازم نہیں۔

ترجمہ: ۱۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خصم پر جواب دینا لازم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو مجلس قضا میں حاضر کرایا جاتا ہے، اور لوگ [وکیل] جھگڑا کرنے میں الگ الگ ہوتے ہیں، پس اگر کہیں کہ وکیل کی بات لازم ہے تو اس سے خصم کو نقصان ہوگا اس لئے خصم کی رضامندی پر موقوف ہوگا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ صرف مدعی کا کام نہیں ہے بلکہ وکیل بنائے گا تو مدعی علیہ پر اس کا جواب دینا لازم ہوگا، اور وکیل الگ الگ طرح کے ہوتے ہیں، اگر وہ سخت طبیعت کا ہوا تو مدعی کو جواب دینا مشکل ہوگا اور اس کو ضرر ہوگا اس لئے اس کی رضامندی پر موقوف ہوگا۔

لغت: مستحق: جواب دینا واجب ہے۔ یستحضرہ: حضر سے مشتق ہے، اس کو حاضر کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۱۳ جیسے مشترک غلام ایک مالک کاتب بنائے تو دوسرے کو اختیار ہوگا۔

تشریح: مشترک غلام ہو، اس میں سے ایک مالک نے مکاتب بنایا تو یہ اس کا اپنا حق ہے لیکن دوسرے مالک کا حق مارا جائے گا اس لئے اب اس کی رضامندی پر ہوگا اگر وہ مکاتب بنانے پر راضی ہوگا تو مکاتب بن جائے گا، اور راضی نہیں ہوگا تو مکاتب نہیں بنے گا۔ اسی طرح یہاں مدعی علیہ کا نقصان ہے اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر وکیل نہیں بنا سکے گا۔

لغت: یتخیر الآخر: دوسرے کو یعنی دوسرے مالک کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ پہلے مالک کو مکاتب بنانے دے یا نہ دے۔

ترجمہ: ۱۴ بخلاف بیمار اور مسافر کے اس لئے کہ اس صورت میں اس پر جواب دینا واجب نہیں ہے۔

تشریح: مسافر ہو یا بیمار ہو تو وہ اس صورت میں مجلس قضا میں نہیں آسکتا ہے اس لئے اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں ہے

۱۵ؕثم كما يلزم التوكيل عنده من المسافر يلزم إذا أراد السفر لتحقق الضرورة ۱۶ؕولو كانت المرأة مخدرة لم تجر عادتها بالبروز وحضور مجلس الحكم قال الرازي رحمه الله يلزم التوكيل لأنها لو حضرت لا يمكنها أن تنطق بحقها لحيائها فيلزم توكيلها. قال وهذا شيء استحسنه المتأخرون. (۵۹۷)قال ومن شرط الوكالة أن يكون الموكل ممن يملك التصرف

اس مجبوری کی وجہ سے بغیر خصم کی رضا مندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

ترجمہ :۱۵ؕ پھر جس طرح سفر میں ہوتو وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح سفر کا ارادہ ہوتب بھی وکیل بنانا جائز ہے، اس لئے کہ اب مجبوری ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۱۶ؕ اگر عورت پردہ والی ہو اور باہر نکل کر قضا کی مجلس میں حاضر ہونے کی عادت نہ ہو تو امام رازیؒ نے فرمایا کہ اس پر وکیل کرنا واجب ہے اس لئے کہ اگر حاضر بھی ہوگی تو شرم کی وجہ سے وہ اپنے حق کے بارے میں بول نہیں سکے گی اس لئے وکیل بنانا لازم ہے، اس بات کو متأخرین نے اچھا سمجھا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

لغت:مخدرۃ : خدر سے مشتق ہے، پردے میں رہنے والی عورت۔ بروز: برز سے مشتق ہے، باہر نکلنا۔

ترجمہ :(۵۹۷)اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ موکل ان میں سے ہو جو تصرف کرنے کا مالک ہو اور اس کو احکام لازم ہوتے ہوں۔

تشریح:وکالت کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ خود وکیل بنانے والا جس چیز کا وکیل بنا رہا ہو اس کام کو کر سکتا ہو۔

وجہ :اگر وہ خود نہیں کر سکتا ہے تو وہ دوسروں کو کرنے کا حکم کیسے دے گا؟ اور دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام اس پر لازم ہوتے ہوں، یعنی وہ خود عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ اگر وہ عاقل، بالغ اور آزاد نہیں ہے تو اس پر شریعت کے احکام لازم نہیں ہونگے۔ جب اس پر لازم نہیں ہوتے تو دوسرے کو احکام لازم کرنے کا حکم کیسے دے؟ یعنی اس کام کو کرنے کا حکم کیسے دے سکتا

وجہ :حدیث میں ہے نابالغ اور مجنون سے احکام اٹھا دیئے گئے ہیں۔ عن علی ان رسول اللہ ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی يستيقظ وعن الصبی حتی يشب وعن المعتوه حتی يعقل (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لا یجب علیہ الحد، ص۳۴۴، نمبر۱۴۲۳/ ابو داؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا، ص۶۱۹، نمبر۴۳۹۹) اس لئے اگر موکل بچہ یا مجنون ہو تو وکیل نہیں بنا سکے گا۔ یا جو کام موکل نہیں کر سکتا تو اس میں وکیل نہیں بنا سکے گا۔ مثلا موکل اجنبیہ

وتلزمه الأحكام لأن الوكيل يملك التصرف من جهة الموكل فلا بد أن يكون الموكل مالكا ليملكه من غيره.(٥٩٨) و يشترط أن يكون الوكيل ممن يعقل العقد ويقصده لأنه يقوم مقام الموكل في العبارة فيشترط أن يكون من أهل العبارة حتى لو كان صبيا لا يعقل أو مجنونا كان التوكيل باطلا.(٥٩٩) وإذا وكل الحر العاقل البالغ أو المأذون مثلهما جاز لأن الموكل

عورت کوطلاق نہیں دے سکتا تو کسی کو اجنبیہ عورت کوطلاق دینے کا وکیل بھی نہیں بنا سکے گا۔

ترجمہ : اس لئے کہ وکیل موکل کی جانب سے تصرف کا مالک ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ خود موکل تصرف کا مالک ہو، تا کہ دوسرے کو مالک بنا سکے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے جس کا خلاصہ اوپر گزر گیا۔ کہ موکل وکیل کو تصرف کا مالک بناتا ہے تو خود وکیل بھی اس چیز کا مالک ہو تب ہے دوسرے کو مالک بنا سکے گا، یعنی خود موکل عاقل بالغ، ہو تب وکیل بنا سکے گا۔

ترجمہ :(۵۹۸)اور وکیل ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا قصد کرتا ہو۔

تشریح :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وکیل بھی عاقل بالغ ہو۔ اور بیع وشراء کیا چیز ہے ان کو سمجھتا ہو اور قصد وارادہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہو۔ مذاق اور کھیل نہ سمجھتا ہو۔ تب وہ وکیل بن سکتا ہے۔

وجہ : اوپر حدیث گزری کہ بچے اور معتوہ کے معاملات کا اعتبار نہیں ہے اس لئے ان کو وکیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے وکیل بھی عاقل و بالغ ہو یا کم از کم بیع وشراء کو سمجھتا ہو۔

ترجمہ : اس لئے کہ وکیل بات کرنے میں موکل کے قائم مقام ہے، اس لئے وہ اہل عبارت میں سے ہو، یہی وجہ ہے کہ ایسا بچہ ہو سمجھتا نہ ہو یا مجنون ہو اس کو وکیل بنانا باطل ہے۔

تشریح :جس موکل میں یہ شرط تھی کہ وہ عاقل بالغ ہو اسی طرح وکیل میں بھی یہ شرط ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو، کیونکہ وکیل موکل کی بات کو نقل کرتا ہے اس لئے اس میں بھی نقل کرنے کی صلاحیت ہو یعنی عاقل اور بالغ ہو، یہی وجہ ہے کہ ایسا بچہ ہو جو بیع اور شراء کو سمجھتا نہ ہو تو اس کو وکیل بنانا باطل ہے، یا مجنون کو وکیل بنانا باطل ہے۔

لغت :اہل العبارۃ: عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ عاقل ہو، بالغ ہو، اور تصرف کا مالک ہو۔

ترجمہ:(۵۹۹) اگر آزاد اور بالغ یا عبد ماذون اپنے جیسوں کو وکیل بنائے تو جائز ہے۔

ترجمہ : اس لئے کہ موکل تصرف کا مالک ہے اور وکیل بھی اہل عبات میں سے ہے

تشریح :ماذون غلام یا ماذون بچہ ان کو کہتے ہیں جن کو مولی نے یا والی نے خرید وفروخت کرنے کی اجازت دی ہو۔ اس

مالک للتصرف والوكيل من أهل العبارة(۲۰۰) وإن وكل صبيا محجورا يعقل البيع والشراء أو عبدا محجورا جاز ولا يتعلق بهما الحقوق ويتعلق بموكلهما لأن الصبي من أهل العبارة ألا

لئے اگر آزاد اور بالغ آدمی کسی کو وکیل بنائے یا تجارت کی اجازت دیا ہوا غلام یا تجارت کی اجازت دیا ہوا بچہ کسی کو خرید و فروخت کا وکیل بنائے تو جائز ہے۔

وجہ :غلام عاقل بالغ ہے تو صرف مولی کو نقصان نہ ہو اس کی وجہ سے غلام کو خرید و فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔لیکن اگر وہ اجازت دیدے تو غلام خود بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے اور خرید و فروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔یہی حال ہے سمجھدار بچے کا کہ اس کا ولی اس کو تھوڑی بہت خرید و فروخت کی اجازت دیدے تو خود بھی خرید و فروخت کر سکتا ہے اور خرید و فروخت کا وکیل بھی بنا سکتا ہے۔

وجہ :(۱) چھوٹے موٹے کام کی ضرورت پڑتی ہے کہ سمجھدار بچے کو بھیج دے تا کہ وہ دکان سے سودا خرید لائے یا کسی کو ہدیہ پہنچا دے۔اس لئے اس کو وکیل بنانا جائز ہے (۲) عبد ماً ذون کے وکیل بنانے کا اشارہ اس حدیث میں ہے۔عن ابن مالک قال حجم ابو طيبة رسول الله فامر له بصاع من تمر وامر اهله ان يخففوا من خراجه. (بخاری شریف، باب ذکر الحجام، ص ۳۳۸، نمبر ۲۱۰۲) اس حدیث میں ابو طیبہ غلام ہیں اور ان کو تجارت کرنے کی اجازت ہے۔

ترجمہ :(۲۰۰) اور اگر مجور بچے کو وکیل بنایا جو بیع و شراء سمجھتا ہو یا مجور غلام کو وکیل بنایا تو جائز ہے اور حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ ان کے موکلوں سے متعلق ہوں گے۔

تشریح :کسی نے ایسے بچے کو وکیل بنایا جو اتنا بڑا ہے کہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہے لیکن ہے بچہ اور اس کے ولی نے اس کو خرید و فروخت کرنے کی اجازت بھی نہیں دی ہے تو ایسے بچے کو وکیل بنانا جائز ہے۔لیکن بیع و شراع کے جتنے حقوق لین دین کے ہیں وہ وکیل بنانے والے سے متعلق ہو جائینگے بچے سے متعلق نہیں ہوں گے۔اور نہ بچے اس کے ذمہ دار ہوں گے۔۔اسی طرح ایسے غلام کو وکیل بنایا جو ہے تو عاقل بالغ ،لیکن آقا نے اس کو تجارت کی اجازت نہیں دی ہے تو وکیل بنانا درست ہے، کیونکہ عاقل بالغ ہے،لیکن حقوق اس سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ خود موکل سے متعلق ہوں گے۔

وجہ :(۱) کیونکہ حدیث کی وجہ سے بچہ سے قلم اٹھا دیا گیا ہے اور وہ مرفوع القلم ہیں۔اس طرح اگر مجور غلام سے حقوق متعلق ہو جائیں تو اس کے مولی کا نقصان ہوگا اس لئے غلام وکالت میں کام تو کر دے گا کیونکہ وہ عاقل بالغ ہے لیکن خرید و فروخت کے حقوق وکیل بنانے والے کے ساتھ متعلق ہوں گے، وہی لین دین ادا کرے گا۔(۲) غلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ کفیل نہیں بن سکتا تو وہ وکیل بھی نہیں بن سکتا کیونکہ کفالت میں وکالت بھی ہوتی ہے۔عن جابر عن عامر قالا لا كفالة

ترى أنه ينفذ تصرفه بإذن وليه ۲؎ والعبد من أهل التصرف على نفسه مالک له وإنما لا يملكه في حق المولى والتوكيل ليس تصرفا في حقه ۳؎ إلا أنه لا يصح منهما التزام العهدة. أما الصبي لقصور أهليته والعبد لحق سيده فتلزم الموكل. ۴؎ وعن أبي يوسف رحمه الله أن المشتري إذا لم يعلم بحال البائع ثم علم أنه صبي أو مجنون له خيار الفسخ لأنه دخل في العقد على أن حقوقه

للعبد. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۲۹ فی العبد یکفل، ج رابع، ص ۵۳۴، نمبر ۲۲۸۷۷) اس اثر میں ہے کہ غلام کے لئے کفالۃ نہیں ہے۔

اصـــول : یہ مسئلہ اس پر ہے کہ مجور کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہوتے۔ (۱) اوپر حدیث گزری رفع القلم عن ثلاثۃ (ترمذی شریف، نمبر ۱۴۲۳) (۲) سمجھدار بچے کو وکیل بنانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ام سلمة لما انقضت عدتها ... فقالت لابنها يا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه** (نسائی شریف، باب نکاح الابن امہ، ص ۴۵۱، نمبر ۳۲۵۶) اس حدیث میں حضرت ام سلمہؓ نے اپنے سمجھدار بچے عمر کو حکم فرمایا کہ میرا نکاح حضورؐ سے کردو۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ بچہ اہل عبارت میں سے ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ولی کی اجازت سے اس کا تصرف نافذ ہوجاتا ہے

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور غلام اپنی ذات پر تصرف کا اہل ہے، اور اپنا مالک ہے، ہاں آقا کے حق میں مالک نہیں ہے، اور وکیل بننا آقا کے حق میں تصرف کرنا نہیں ہے۔

تشریح : غلام اپنی ذات پر تصرف کا مالک ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر حد کا اور قصاص کا اقرار کرسکتا ہے، اور وکیل بننا آقا کے حق میں تصرف کرنا نہیں ہے اس لئے وکیل بن سکتا ہے۔

ترجمہ : ۳؎ مگر یہ کہ یہ دونوں اپنے اوپر عہدہ لازم نہیں کرسکتے، بچہ اس لئے کہ اس میں اہلیت کی کمی ہے اور غلام اپنے آقا کے حق کی وجہ سے اس لئے حقوق موکل پر لازم ہوگا۔

تشریح : بچہ اور غلام وکیل تو بن سکتے ہیں، مگر اس پر حقوق لازم نہیں ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ نابالغ ہونے کی وجہ سے اہلیت ناقص ہے، اور غلام پر حقوق لازم ہوں گے تو اس سے آقا کا نقصان ہوگا اس لئے ان دونوں پر حقوق لازم نہیں ہوں گے

ترجمہ : ۴؎ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ خریدنے والا اگر بائع کی حالت سے واقف نہ ہو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بچہ ہے یا مجنون ہے، یا مجور غلام ہے تو مشتری کو خیار فسخ ہوگا اس لئے کہ مشتری نے عقد اس لئے کیا کہ حقوق عقد کرنے والے سے ہی متعلق ہوں گے، پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا مشتری کو اختیار ہوگا، جیسے بعد میں عیب پر مطلع ہوتا۔

تتعلق بالعاقد فإذا ظهر خلافه يتخير كما إذا عثر على عيب. (۶۰۱) قال والعقد الذي يعقده الوكلاء على ضربين كل عقد يضيفه الوكيل إلى نفسه كالبيع والإجارة فحقوقه تتعلق بالوكيل

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بعد میں معلوم ہوا کہ عقد کرنے والا ایسا بچہ ہے جسکو ولی نے تجارت کی اجازت نہیں دی ہے، یا ایسا غلام ہے جسکو آقا نے تجارت کی اجازت نہیں دی ہے، یا مجنون ہے اور کبھی کبھار افاقہ کی حالت میں بیع کر لیا ہے تو ان صورتوں میں مشتری کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

وجہ: (۱) مشری نے یہ سمجھا تھا کہ خود عقد کرنے والے وکیل کے ساتھ میرا معاملہ ہوگا، اور بعد میں پتہ چلا کہ اس کے موکل کے ساتھ معاملہ ہوگا، پس یہ مشتری کا نقصان ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ موکل سخت طبیعت ہو یا دھوکہ باز ہو جس سے مشتری کو نقصان ہوسکتا ہے اس لئے مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ (۲) جس طرح مبیع میں عیب نکل آئے تو اس کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اسی طرح یہ عیب کی طرح ہے اس لئے بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

لغت: عثر: مطلع ہونا۔

ترجمہ: (۶۰۱) وہ عقد جو وکلاء کرتے ہیں دو قسم کے ہیں۔ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے مثلا خرید اور فروخت اور اجارہ تو ان عقدوں کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کے موکل سے،

تشریح: وکالت میں جو عقد اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور موکل کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں مثلا میں بیع کرتا ہوں یا مین خریدتا ہوں یا مین اجارہ کرتا ہوں تو ان مین عقود کے تمام حقوق خود وکیل سے متعلق ہوتے ہیں موکل سے متعلق نہیں ہوتے۔ اس کی چند مثالیں متن میں بیان کی ہیں۔ مثلا وکیل ہی مبیع مشتری کو سپرد کرے گا، وکیل ہی مبیع کی قیمت پر قبضہ کرے گا۔ اگر وکیل نے کچھ خریدا ہے تو وکیل ہی سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائیگا۔ اور اگر مبیع میں کوئی عیب نظر آیا تو وکیل ہی مقدمہ میں خصم ہوگا

وجہ: (۱) وہی عاقد ہے اور اس نے اپنی طرف عقد منسوب کیا ہے اس لئے وہی حقوق کا ذمہ دار ہوگا (۲) ایک لمبی حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضورؐ کے لئے ایک یہودی سے قرض لیا تھا تو یہودی نے حضرت بلال ہی سے قرض کا مطالبہ کیا اور بعد میں حضرت بلال ہی نے یہودی کو قرض ادا کیا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنی عبد الله الهوزنی یعنی ابا عامر الهوزنی قال لقیت بلالا مؤذن النبی ﷺ بحلب ... فاذا المشرک فی عصابة من التجار فلما رآنی قال یا حبشی قلت یا لبیه فتجهمنی وقال قولا غلیظا ... قلت من کان یطلب رسول الله ﷺ دینا فلیحضر فما زلت ابیع واقضی واعرض واقضی حتی لم یبق علی رسول الله دین فی الارض** (سنن

دون الموكل. ۱؎ وقال الشافعي رحمه الله تتعلق بالموكل لأن الحقوق تابعة لحكم التصرف والحكم وهو الملك يتعلق بالموكل فكذا توابعه وصار كالرسول والوكيل بالنكاح. ۲؎ ولنا أن الوكيل هو العاقد حقيقة لأن العقد يقوم بالكلام وصحة عبارته لكونه آدميا وكذا حكما لأنه يستغني عن إضافة العقد إلى الموكل ولو كان سفيرا عنه لما استغنى عن ذلك كالرسول وإذا

للبیھقی ، باب التوکیل فی المال وطلب الحقوق وقضائھا الخ ، ج سادس ،ص ۱۳۳، نمبر ۱۱۴۳۵) اس حدیث میں یہودی نے حضرت بلال وکیل ہی سے قرض طلب کیا اور انہوں نے ہی حضور کے پاس آئے ہوئے ہدیہ سے قرض ادا کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل ان حقوق کا ذمہ دار ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے، اس لئے کہ حقوق حکم تصرف [ملک] کے تابع ہے، اور ملک موکل کی ہے اس لئے اس کے توابع بھی موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے۔

اصول : امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ ملکیت موکل کی ہے اس لئے حقوق بھی موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں حقوق بھی موکل سے متعلق ہوں گے وکیل سے متعلق نہیں ہوں گے، یعنی موکل ہی قیمت دیگا اور مبیع بھی لے گا۔

وجہ : اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس میں ملکیت موکل کی ہے [مبیع کی قیمت بھی اسی کی ہوگی، مبیع بھی اسی کی ہے] اور حقوق ملک کے تابع ہوتے ہیں اس لئے تمام حقوق موکل کی طرف منتقل ہوں گی۔ اس کی دو مثالیں دیتے ہیں [۱] ایک یہ کہ جس طرح قاصد ہو تو حقوق بھیجنے والے کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی موکل کی طرف منتقل ہوگی [۲] دوسری مثال دیتے ہیں نکاح میں جو وکیل ہوتا ہے اس کی طرف حقوق ہوتے بلکہ میاں بیوی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اسی طرح یہاں بھی موکل کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ وکیل ہی حقیقت میں عقد کرنے والا ہے [اسی نے بات کی ہے] اس لئے کہ عقد کلام سے قائم ہوتا ہے اور اس کی عبارت سے صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وہ عاقل بالغ آدمی ہے، اور حکم کے اعتبار سے بھی اسی سے عقد ہوا ہے، اسی وجہ سے عقد کو موکل کی طرف منسوب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر وکیل سفیر محض ہوتا تو موکل کی طرف منسوب کرنے سے بے نیاز نہیں ہوتا، جیسے قاصد اپنے بھیجنے والے کی طرف منسوب کرنے سے بے نیاز نہیں ہوتا ہے۔ پس جب ایسی بات ہے کہ حقیقت میں بھی اور حکما بھی وکیل ہی عقد کرنے والا ہے تو عقد کے حقوق بھی اسی کے ساتھ متعلق ہوں گے، اسی لئے تو متن میں یہ کہ ہے کہ وکیل ہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور وکیل ہی قیمت وصول کرے گا۔

كـان كـذلک كـان أصيـلا فـي الـحـقوق فتتعلق به ولهذا قال في الكتاب (۲۰۲) يسـلـم المبيع ويـقـبـض الثـمن ويطالب بالثمن إذا اشترى ويقبض المبيع ويخاصم في العيب ويخاصم فيه ا لأن كـل ذلک من الحقوق ٢ والـمـلـک يثبـت لـلموكل خلافة عنه اعتبارا للتوكيل السابق كالعبد يتهـب ويـصـطـاد هو الصحيح. قال العبد الضعيف وفي مسألة العيب تفصيل نذكره إن شاء الله

اصول: حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وکیل حقیقت میں اور حکما عقد کرتا ہے اس لئے تمام حقوق بھی وکیل کے ساتھ متعلق ہوں گے

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ ظاہری طور پر وکیل ہی بیع اور شراء کی بات کرتا ہے اس لئے حقیقت میں اسی نے عقد کیا، اور حکما بھی اس نے عقد کیا ہے، کیونکہ اگر حکما اس کی جانب سے عقد نہیں ہوتا تو عقد کرتے وقت موکل کا نام لینے کی ضرورت پڑتی کہ میں موکل کی جانب سے عقد کرتا ہوں، جس طرح قاصد اس کی وضاحت کرتا ہے کہ میں اپنے بھیجنے والے کی طرف سے بات تم کو پہنچا رہا ہوں اسی طرح وکیل بھی بیع، شراء کرتے وقت یہ کہتا کہ میں موکل کی جانب سے بیع، یا شراء کر رہا ہوں، لیکن یہ نہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ حکما بھی عقد کرنے والا وکیل ہی ہے اس لئے تمام حقوق بھی وکیل ہی کے ساتھ متعلق ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ متن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ وکیل ہی مبیع سپرد کرے گا اور وکیل ہی ثمن کا مطالبہ کرے گا۔

ترجمہ :(۶۰۲) پس وہی مبیع کو سپرد کرے گا اور وہی قیمت پر قبضہ کرے گا۔ اسی سے قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے اور وہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور اسی سے عیب مین جھگڑا ہوگا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ یہ تمام باتیں حقوق میں سے ہیں۔

تشریح :مبیع کو سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، ثمن کا مطالبہ کرنا، یہ سب وکیل کرینگے، اور وکیل نے خریدا تھا اور مبیع میں عیب نکلا تو وکیل ہی اس کو واپس کرنے کیلئے جھگڑا کرے گا، کیونکہ یہ سب باتیں بیع اور شراء کے حقوق میں سے ہیں اور یہ تمام وکیل سے متعلق ہونگے

ترجمہ :۲ اور ملک تو وکیل کی نیابت میں موکل کو حاصل ہوگی شروع میں وکیل بنانے کی وجہ سے، جیسے غلام ہبہ کی چیز قبول کرے، شکار کرے، لکڑی چنے [تو آقا کی ملکیت غلام کی نیابت میں ہوتی ہے] صحیح بات یہی ہے، اور عیب کے مسئلے کو ان شاء اللہ بعد میں ذکر کریں گے۔

تشریح :یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ موکل کی ملکیت ہے اس لئے حقوق اس کی طرف منتقل ہوگی۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، اصل میں وکیل کی ملکیت ہوتی ہے اور موکل کی ملکیت وکیل کی نیابت میں ہوتی ہے اس لئے حقوق بھی وکیل ہی کے ساتھ متعلق ہوں گے۔ اس کی مثال دے رہے ہیں۔ کہ غلام کسی کا ہدیہ اور ہبہ قبول کرتا ہے، یا

تعالی.(۲۰۳) قال وكل عقد يضيفه إلى موكله كالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد فإن حقوقه تتعلق بالموكل دون الوكيل فلا يطالب وكيل الزوج بالمهر ولا يلزم وكيل المرأة تسليمها! لأن الوكيل فيها سفير محض ألا يرى أنه لا يستغنى عن إضافة العقد إلى الموكل ولو

پرندے کا شکار کرتا ہے، یا لکڑی چنتا ہے تو پہلے غلام کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کی نیابت میں فورا آقا کی ملکیت ہوتی ہے، اسی طرح پہلے وکیل کی ملکیت ہوتی ہے اس کی نیابت میں موکل کی ملکیت ہوتی ہے، اس لئے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے۔

ترجمہ :(۲۰۳) اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے [۱] جیسے نکاح، [۲] خلع، [۳] دم عمد سے صلح، پس ان کے حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ وکیل ساتھ۔ اس لئے شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اور نہ عورت کے وکیل پر عورت کو سونپنا لازم ہوگا۔

ترجمہ :! اسلئے کہ وکیل اس میں صرف سفیر ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ عقد کو موکل کی طرف منسوب کرنے سے بے نیاز نہیں ہے، اور نکاح میں اپنی طرف منسوب کر لیا تو خود وکیل سے نکاح ہو جائے گا، اس لئے یہاں وکیل قاصد کی طرح ہو گیا

اصول : یہاں ۱۵ مسئلے ہیں جن کا اصول یہ ہے کہ وکیل بات کرنے والا صرف سفیر ہوتا ہے، اور اصل عقد موکل سے ہوتا ہے اور اسی سے تمام حقوق متعلق ہوتے ہیں۔

تشریح : یہاں ۱۵ مسئلے ہیں۔ جن جن عقدوں میں وکیل عقد کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا کہ میں کر رہا ہوں بلکہ موکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔

[۱]......مثلا شادی میں وکیل یوں کہتا ہے کہ میں آپ سے فلاں کی شادی کروا رہا ہوں، یوں نہیں کہتا کہ میں خود شادی کر رہا ہوں، اگر ایسا کہے گا تو نکاح خود وکیل سے ہو جائے گا۔

[۲]......یا خلع میں وکیل یوں نہیں کہتا کہ میں خود خلع کر رہا ہوں بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں فلاں کی جانب سے خلع کر رہا ہوں

[۳]......قتل عمد کیا تھا اس میں وکیل نے مال پر صلح کرائی۔ تو ایسے عقدوں میں تمام حقوق موکل سے متعلق ہوں گے وکیل سے نہیں۔ بلکہ وکیل عقد کر کے فارغ ہو جائے گا۔ چنانچہ نکاح میں عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں کرے گی بلکہ شوہر سے کرے گی۔ خلع میں مال عورت سے لیگا، صلح میں مال قاتل سے لیگا، صلح کروانے والے سے نہیں۔

وجہ (۱) ان عقود میں وکیل صرف سفیر محض ہوتا ہے کہ موکل کی بات مقابل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی لئے عقد کو اپنی طرف نسبت کرنے کے بجائے موکل کی طرف نسبت کرتا ہے۔ ورنہ عقد کرنے والا حقیقت میں موکل ہی ہوتا ہے۔ اس لئے تمام حقوق موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ایک

أضافه إلى نفسه كان النكاح له فصار كالرسول ۲ وهذا لأن الحكم فيها لا يقبل الفصل عن السبب لأنه إسقاط فيتلاشى فلا يتصور صدوره من شخص وثبوتحكمه لغيره فكان سفيرا.

عورت نے اپنے آپ کو حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپؐ خاموش رہے تو ایک صحابی نے فرمایا میری ان سے شادی کروا دیجئے تو آپ نے پوچھا تمہارے پاس مہر کے لئے کچھ ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس قرآن کریم کی کچھ آیتیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! پس آپؐ نے ان سے شادہ کروا دی اور مہر کی ذمہ داری ان پر رکھی۔ آپؐ ان کے وکیل تھے پھر بھی مہر ادا کرنے کی ذمہ داری آپؐ پر نہیں تھی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **سمعت سهل بن سعد الساعدى يقول انى لفى القوم عند رسول الله ﷺ اذ قامت امرأة فقالت ... قال هل معک من القرآن شيء؟ قال معى سورة كذا وسورة كذا قال اذهب فقد انكحتک بما معک من القرآن** ۔(بخاری شریف، باب التزوج علی القرآن وبغیر صداق، ص ۹۲۱، نمبر ۵۱۴۹) اس حدیث کے اخیر ٹکڑے میں ہے کہ میں نے قرآن کی وجہ سے شادی کروائی جس کا مطلب یہ ہوا کہ مہر وغیرہ دینے کی ذمہ داری خود تمہاری ہے میری نہیں۔

لغت: صلح عن دم عمد : جان کر قتل کیا ہو جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم تھا، لیکن اس کے بدلے میں کچھ رقم پر صلح کر لی تو اس کو صلح عن دم عمد کہتے ہیں۔ سفیر محض: جو آدمی اپنے موکل کی بات کو صرف نقل کرتا ہو، اور خود اس پر حقوق لازم نہ ہوتا ہو اس کو، سفیر محض، کہتے ہیں۔

ترجمہ :۲ یہاں وکیل سفیر محض اس لئے ہے کہ حکم سبب سے علیحدگی کو قبول نہیں کرتا اس لئے ان سب میں اپنا حق ساقط کرنا ہے، اس لئے کمزور ہوتا ہے، اس لئے ایک شخص سے عقد صادر ہو اور حکم [نکاح] کسی اور کے لئے ہو جائے ایسا نہیں ہوگا، اس لئے وکیل کو سفیر محض قرار دیا جائے۔

تشریح : یہ دلیل منطقی ہے اور پیچیدہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ۱۵ مسئلوں میں اپنے حق کو ساقط کرنا ملحوظ ہے، اس کے بدلے میں جو چیز آتی ہے وہ ملحوظ نہیں ہے، اس لئے یہ عقد کمزور ہے، اس لئے ایسا نہیں ہوگا کہ حکم وکیل کی طرف جائے اس کے بعد اس کو موکل کی طرف جائے، مثلا وکیل نے نکاح کروایا تو پہلے وکیل سے نکاح ہو پھر شوہر سے نکاح ہوا ایسا نہیں ہوگا، بلکہ براہ راست شوہر ہی سے نکاح ہوگا، اور وکیل بیچ میں صرف شوہر کی بات نقل کرنے والا سفیر محض ہوگا۔

لغت : لا یقبل الفصل عن السبب: سبب سے عقد مراد ہے، ارمطلب یہ ہے کہ جیسے سبب یعنی عقد ہوا تو فورا حکم اصلی موکل پر چلا جائے گا، ایسا نہیں ہوگا کہ عقد کے بعد حکم یعنی ملکیت وکیل کے لئے ہو بعد میں موکل کی طرف جائے، اور ملکیت اور عقد میں وکیل کا فاصلہ ہو جائے۔ اسقاط: اپنے حق کو ساقط کرنا ہے، مثلا نکاح میں عورت اپنے ملک بضع کے حق کو ساقط کرتی ہے اور

۳؎ والضرب الثاني من أخواته العتق على مال والكتابة والصلح على الإنكار. فأما الصلح الذي هو جار مجرى البيع فهو من الضرب الأول والوكيل بالهبة والتصدق والإعارة والإيداع والرهن والإقراض سفير أيضا لأن الحكم فيما يثبت بالقبض وأنه يلاقي محلا مملوكا للغير فلا يجعل

شوہر کو دیتی ہے۔ خلع میں شوہر اپنے ملک بضع کے حق کو ساقط کرتا ہے، اور قتل عمد کے صلح میں، مقتول کے ولی اپنے قصاص کے حق کو ساقط کرتا ہے۔ تو یہ سب اسقاط ہیں، اس لئے یہ عقد کمزور ہیں۔ یتلاشی: کمزور ہونا۔

ترجمہ: ۳؎ اس سفیر محض کی دوسری اور بھی مثالیں ہیں

[۴]...... جیسے مال کے بدلے میں آزاد کرنے کے لئے وکیل بنانا۔

[۵]...... مال کے بدلے میں مکاتب بنانے کے لئے وکیل بنانا۔

[۶]...... انکار کرنے کے لئے صلح کے لئے وکیل بنانا۔

o...... بہر حال اقرار کرنے کے بعد مال پر صلح کرنا یہ بیع کے قائم مقام ہے اور پہلی قسم میں سے ہے۔ یعنی وکیل یہاں سفیر محض نہیں ہے

[۷]...... کسی چیز کو ہبہ کرنے کے لئے وکیل بنانا۔

[۸]...... کسی چیز کو صدقہ کرنے کے لئے وکیل بنانا۔

[۹]...... کسی چیز کو عاریت پر دینے کے لئے وکیل بنانا۔

[۱۰]...... کسی چیز کو امانت رکھنے کے لئے وکیل بنانا۔

[۱۱]...... کسی چیز کو رہن پر رکھنے کے لئے وکیل بنانا۔

[۱۲]...... کسی چیز کو قرض دینے کے لئے وکیل بنانا۔ ان سب میں وکیل سفیر محض ہے۔

اس لئے ان سب میں حکم [ملکیت] محض قبضے سے ثابت ہو جاتا ہے [اس لئے وکیل کی بات کا اعتبار نہیں ہے] اور اس لئے کہ دوسرے کا مملوک ہے اس لئے وکیل کو اصل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

تشریح: ان ۹ نو مسئلوں میں وکیل کے سفر محض ہونے کی دو دلیل دے رہے ہیں [۱] پہلی دلیل یہ ہے کہ جسکو ہبہ کیا گیا ہو یا صدقہ کیا گیا ہو تو وہ اس چیز پر قبضہ کر لے تو مالک ہو جاتا ہے، یا اس کی حفاظت میں داخل ہو جاتا ہے، اس اعتبار سے قبضہ اصل چیز ہے اس لئے وکیل کی بات کا اتنا اعتبار نہیں ہے اس لئے وکیل سفیر محض ہے۔ [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ چیز اصل مالک کی ہے وکیل کی نہیں ہے اس لئے وکیل کو اصل مالک کی طرح دخل انداز نہ بنایا جائے، اس کو سفیر محض ہی رکھا جائے، اس لئے اوپر

أصيلا ۴ وكذا إذا كان الوكيل من جانب الملتمس ۵ وكذا الشركة والمضاربة ۶ إلا أن

کے مسئلوں میں وکیل سفیر محض ہے، تمام حقوق اصل مالک سے اور جس کو دیا اس سے متعلق ہو جائیں گے۔

لغت: یلاقی محلا مملوکا للغیر: عبارت پیچیدہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ چیزیں وکیل کی مملوک نہیں ہے غیر کی مملوک ہے، یعنی اصل مالک کی مملوک ہے اس لئے وکیل کو اصل مالک کی طرح نہ رکھا جائے بلکہ اس کو سفیر محض ہی رکھا جائے۔

ترجمہ: ۴ [۱۳] ایسے ہی اوپر کی تمام چیزیں مانگنے کا وکیل بنایا [تو سفیر محض ہوگا۔

تشریح: اوپر کی پانچ صورتیں تھی جن میں دینے کا وکیل بنایا تھا، جو سفیر محض تھا۔ اب تیرہویں صورت یہ بیان کررہے ہے کہ اوپر کی چھ صورتوں میں مانگنے کا وکیل بنائے تب بھی سفیر محض ہی ہوگا۔

اوپر کی ۵ صورتیں یہ ہیں

[۷]...... کسی سے ہبہ مانگنے کا وکیل بنایا۔

[۸]...... کسی سے صدقہ مانگنے کا وکیل بنایا

[۹]...... کسی سے عاریت پر مانگنے کا وکیل بنایا۔

[۱۰]...... کسی سے امانت کی چیز لینے کے لئے کا وکیل بنایا۔

[۱۱]...... قرض دینے والے نے مقروض سے چیز رہن پر رکھنے کے لئے وکیل بنایا۔

تو ان تمام صورتوں میں وکیل سفیر محض ہوگا

لغت: ملتمس: لمس سے مشتق ہے چھونا، اور التمس کا ترجمہ ہے مانگنا، اور ملتمس، مانگنے والا، یہاں مراد ہے ہبہ، صدقہ، عاریت کی چیز، امانت کی چیز مانگنے کے لئے وکیل بنانا، یا قرض دینے والے وکیل بنائے کہ جا کر مقروض سے کہو کہ وہ اپنی چیز میرے پاس گروی رکھے۔

ترجمہ: ۵ [۱۴]...... ایسے ہی کسی چیز میں شرکت کے لئے وکیل بنانا، [۱۵] ی...... امضاربت کے لئے وکیل بنانے میں بھی وکیل سفیر محض ہوتا ہے۔

تشریح: [۱۴]...... کسی کو وکیل بنایا کہ فلاں آدمی سے کہو کہ مجھے اپنی بیع میں شریک کرلے، [۱۵]...... یہ پندرویں صورت ہے۔ یا وکیل بنایا کہ فلاں آدمی سے کہو کہ مجھے اپنے مال کے بیچنے میں مضاربت پر رکھ لے ان صورتوں میں بھی وکیل سفیر محض ہوگا۔ کیونکہ ان صورتوں میں بھی موکل جب مال پر قبضہ کرے گا تو وہ مالک بن جائے گا اس لئے وکیل کی بات کا اعتبار نہیں ہے اس لئے وکیل سفیر محض رہے گا۔

التوكيل بالاستقراض باطل حتى لا يثبت الملك للموكل بخلاف الرسالة فيه. (۶۰۴) قال وإذا طالب الموكل المشتري بالثمن فله أن يمنعه إياه ۱؎ لأنه أجنبي عن العقد وحقوقه لما أن الحقوق إلى العاقد (۶۰۵) فإن دفعه إليه جاز ولم يكن للوكيل أن يطالبه به ثانيا ۱؎ لأن نفس الثمن المقبوض حقه وقد وصل إليه ولا فائدة في الأخذ منه ثم الدفع إليه ۲؎ ولهذا لو كان للمشتري

ترجمه :۶؎ مگر یہ کہ قرض لینے کا وکیل بنانا باطل ہے، اگر ایسا کیا تو موکل کی ملک نہیں ہوگی [خود وکیل کی ہو جائے گی] ہاں قرض لینے کے لئے قاصد بنادے تو صحیح ہے۔

تشریح :اوپر بارہویں صورت تھی کہ قرض دینے کا وکیل بنانا جائز ہے، لیکن قرض لینے کے لئے وکیل بنائے تو یہ باطل ہے۔ ہاں یوں کہے کہ تم قاصد اور ایلچی ہو، فلاں سے جا کر کہو کی میں قرض مانگ رہا ہوں تو قاصد بنانا جائز ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض کی رقم جیسے ہی وکیل کے ہاتھ میں آئے گی تو وہ مالک بن جائے گا، موکل مالک نہیں بنے گا۔ اس لئے قرض کے لینے کا وکیل بنانا ہی درست نہیں ہے۔ قاصد بنا سکتا ہے۔۔ رسالۃ: رسول سے مشتق ہے، اس کا ترجمہ ہے قاصد بنانا،

ترجمہ:(۶۰۴) اگر موکل نے مشتری سے قیمت کا مطالبہ کیا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ موکل کو اس سے روک دے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ مؤکل اس عقد اور اس کے حقوق سے اجنبی ہے، اس لئے حقوق عقد بیع کرنے والے کی طرف ہے [یعنی وکیل کی طرف ہے]

تشریح : قیمت مانگنے کا حق وکیل کو تھا موکل کو نہیں تھا اور نہ مشتری موکل کو جانتا ہے اس لئے اگر موکل مشتری سے چیز کی قیمت مانگے تو مشتری کو حق ہے کہ موکل کو نہ دے۔ اور یوں کہے کہ میں آپ کے وکیل کو دوں گا۔

وجہ: عقد وکیل نے کیا ہے۔ اور اسی کو قیمت مانگنے کا حق ہے موکل کو نہیں۔

ترجمہ:(۶۰۵) اور اگر مشتری نے موکل کو قیمت دیدی تو جائز ہے۔ اور اب وکیل کے لئے درست نہیں ہے کہ اس سے دو بارہ مطالبہ کرے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے قبضہ کیا ہوا اصل ثمن تو موکل کا ہی ہے، اور یہ اس کو پہنچ گیا ہے، اب موکل سے لیکر پھر اسی کو دینے میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح :مشتری کو وکیل کو قیمت دینی چاہئے لیکن اس نے وکیل کے بجائے موکل کو مبیع کی قیمت دیدی تب بھی جائز ہے۔ اور اب وکیل کو حق نہیں ہے کہ دوبارہ مشتری سے قیمت وصول کرے۔

علی الموکل دین یقع المقاصة ولو کان له علیهما دین یقع المقاصة بدین الموکل أیضا دون دین الوکیل ۳؎ وبدین الوکیل إذا کان وحده إن کان یقع المقاصة عند أبي حنیفة ومحمد رحمهما الله لما أنه یملک الإبراء عنه عندهما ولکنه یضمنه للموکل في الفصلین.

وجه: حقیقت میں یہ قیمت موکل کی ہی تھی اور اس کو پہنچ گئی تو چیز اپنے مقام تک پہنچ گئی اس لئے جائز ہو گیا۔ اور جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا اس لئے وکیل کو مشتری سے دوبارہ قیمت مانگنے کا حق نہیں ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حق حقدار کو پہنچ گیا تو کوئی بات نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ چنانچہ اگر اگر مشتری کا موکل پر کوئی قرض ہو تو مقاصہ [ادل بدل] ہو جائے گا، اور اگر وکیل اور مؤکل دونوں پر قرض ہو تو مؤکل کے قرض کا مقاصہ [ادل بدل] ہوگا وکیل کے قرض کا نہیں [کیونکہ یہ رقم حقیقت میں وکیل کی نہیں ہے]

تشریح: یہ اس بات کی دلیل دے رہے ہیں کہ اصل میں یہ رقم موکل ہی کی ہے۔ اگر خریدنے والے کا موکل پر قرض ہے تو مشتری اپنے قرض کے بدلے میں مؤکل کی یہ رقم روک لے گا اور ادل بدل کر لے گا۔ اور اگر موکل اور وکیل دونوں پر مشتری کا قرض ہو تو صرف موکل کے قرض کا مقاصہ ہوگا، کیونکہ یہ رقم اسی کی ہے، وکیل کے قرض کا مقاصہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی رقم نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر صرف وکیل پر مشتری کا قرض ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مقاصہ ہو جائے گا، اس لئے کہ ان دونوں کے نزدیک وکیل مشتری کو قیمت سے بری کرنے مالک ہے۔ [اس لئے مقاصہ کرنے کا حق بھی ہوگا] لیکن دونوں صورتوں میں وکیل مؤکل کے رقم کا ضامن ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وکیل کو یہ حق ہے کہ مشتری سے مبیع کی قیمت نہ لے اور اس کو بری کر دے، اس لئے یہ حق بھی ہوگا کہ اپنے قرض کے بدلے میں مشتری سے قیمت نہ لے۔ دونوں صورتوں میں۔ اگر مشتری کو قیمت سے بری کر دیا تو وکیل موکل کی رقم کا ضامن ہوگا، اسی طرح اپنے قرض کے بدلے میں مقاصہ کر دیا تب بھی مؤکل کے لئے اس کی رقم کا ضامن ہوگا، کیونکہ دونوں صورتوں میں یہ رقم مؤکل کی ہے۔

﴿باب الوكالة في البيع والشراء﴾

﴿فصل في الشراء﴾

(٢٠٦) قال ومن وكل رجلا بشراء شيء فلا بد من تسمية جنسه وصفته أو جنسه ومبلغ ثمنه لے ليصير الفعل الموكل به معلوما فيمكنه الائتمار

﴿باب الوکالۃ بالبیع والشراء﴾

﴿فصل فی الشراء﴾

ترجمہ :(٢٠٦) کسی نے کسی آدمی کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو ضروری ہے اس کی جنس اور اس کی صفت اور قیمت کی مقدار کا بتانا۔

ترجمہ: لے تا کہ جس کام کے لئے وکیل بنایا ہے وہ معلوم ہو سکے، اور اس کام کو کرلانا ممکن ہو۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایسا حکم دے جس سے متعین ہو جائے کہ کون سی چیز مؤکل خریدنا چاہتا ہے تب وکیل بنانا درست ہوگا، اور اگر مبیع میں بہت جہالت رہ گئی تو وکیل بنانا درست نہیں ہوگا۔

تشریح :وکیل بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنا رہا ہے یا جو کام کرنے کا وکیل بنا رہا ہے اس کی جنس متعین کردے۔ مثلا بکری خرید کر لاؤ۔ اس کی صفت متعین کرے۔ مثلا عمدہ بکری خرید کر لاؤ۔ اور اس کی قیمت کی مقدار متعین کرے مثلا ایک دینار کی بکری خرید کر لاؤ۔ تب وکالت بنانا درست ہوگا۔ ہاں! وکیل کو وکالت عامہ دیدے اور یوں کہہ دے کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں خرید کر لائیں تو پھر وکیل بنانا درست ہوگا۔

وجہ:(۱) حدیث میں وکیل بناتے وقت جنس اور قیمت طے کی ہے۔ عن عروة يعني ابن الجعد البارقي قال اعطاه النبي ﷺ دينارا يشتري به اضحية او شاة فاشترى شاتين۔ (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب یخالف، ص۴۹۱، نمبر ۳۳۸۴ رترمذی شریف، باب الشراء والبیع الموقوفین، ص ۳۰۷، نمبر ۱۲۵۸) اس حدیث میں بکری جو جنس ہے اور ایک دینار قیمت وکیل کے لئے متعین کی ہے۔ اور قیمت سے بکری کی صفت بھی معلوم ہوگئی کہ کس قسم کی بکری چاہئے۔ اس لئے جنس، صفت اور قیمت متعین کرنا ضروری ہے۔

لغت :موکل بہ: جس کام کے لئے وکیل بنایا ہو۔ ایتمار: امر سے مشتق ہے، جس کام کا حکم دیا ہے اس کو کرلیا جائے۔ جنس: یہ منطقی محاورہ ہے، گائے ایک جنس ہے جس میں مختلف قسم کی گائیں شامل ہیں، مثلا جرسی گائے، پہاڑی گائے۔ نوع: ایک قسم کی

(۶۰۷) إلا أن يوكله وكالة عامة فيقول ابتع لي ما رأيت[1] لأنه فوض الأمر إلى رأيه فأي شيء يشتريه يكون ممتثلا. [2] والأصل فيه أن الجهالة اليسيرة تتحمل في الوكالة كجهالة الوصف استحسانا لأن مبنى التوكيل على التوسعة لأنه استعانة. وفي اعتبار هذا الشرط بعض الحرج وهو مدفوع [3] ثم إن كان اللفظ يجمع أجناسا أو ما هو في معنى الأجناس لا يصح التوكيل وإن

گائے کو نوع کہتے ہیں جیسے انگلینڈ کی جرسی گائے۔صفت: جیسے گائے عمدہ، ہوگی یا گھٹیا ہوگی، یا اوسط درجے کی ہوگی یہ صفت کہلاتی ہے۔

ترجمہ:(۶۰۷) :مگر یہ کہ عام وکیل بنائے اور کہے کہ جو مناسب سمجھیں میرے لئے خرید لیں۔

ترجمہ: [1] اس لئے کہ وکیل کو اس کی صواب دید پر سونپ دیا اس لئے جو چیز بھی خریدے گا وہ حکم کی تعمیل قرار پائے گا۔

تشریح:جب مؤکل نے یوں کہہ دیا کہ آپ جو چاہیں خرید کر لائیں تو اب یہ اس کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا اس لئے جو چیز بھی لائے گا یہ مؤکل کی ہی حکم کی تعمیل ہوگی۔

وجہ:(۱)وکالت عامہ کی دلیل لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔عن جابر بن عبد الله قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر ... فلما قدمنا المدینة قال یا بلال اقضه وزده فاعطاه اربعة دنانیر وزاده قیراطا. (بخاری شریف، باب اذا وکل رجل رجلا ان یعطی شیئا ولم یبین کم یعطی فاعطی علی ما یتعارفه الناس، ص۳۰۹، نمبر ۲۳۰۹)اس حدیث میں حضرت بلال کو یہ نہیں فرمایا کہ اتنا دو بلکہ وکیل عام بنا دیا کہ قرض ادا کرنے کے علاوہ جو آپ مناسب سمجھیں وہ زیادہ دیں تو حضرت بلال نے عرف عام کے اعتبار سے ایک قیراط مناسب سمجھا اور ایک قیراط زیادہ دیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وکیل عام بنا دینے سے وکیل کے مناسب سمجھنے پر ہوگا۔اور ایسا وکیل بنانا درست ہے۔

ترجمہ: [2] وکیل بالشراء میں قاعدہ یہ ہے کہ تھوڑی سی جہالت استحسانا برداشت کی جاتی ہے، جیسے صفت کی جہالت ہو، اس لئے کہ وکیل بنانے کا مدار وسعت پر ہے، اس لئے کہ یہ ایک قسم کی مدد ہے، اور چھوٹی چھوٹی جہالت کے اعتبار کرنے میں حرج ہے، حالانکہ حرج مدفوع ہے، اس لئے چھوٹی چھوٹی رہ بھی گئی تب بھی وکالت درست ہوگی۔

تشریح: چھوٹی موٹی جہالت رہ جائے تب بھی وکالت درست ہے اس کی کئی وجہ بتا رہے ہیں، ایک تو یہ کہ وکیل بنانے کا دار مدار وسعت پر ہے اور چھوٹی چھوٹی جہالت سے وکالت باطل کریں تو تنگی ہو جائے گی جو شریعت میں جائز نہیں ہے، دوسری دلیل یہ بتا رہے ہیں کہ وکیل موکل کا کام انجام دیکر مدد کر رہا ہے، اس لئے اس احسان میں اتنی تنگی نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ: [3] پھر اگر ایسا لفظ استعمال کیا کہ اس میں کئی جنسیں شامل ہیں، یا بہت سارے جنسوں کے معنی میں ہے تو وکالت

بين الثمن لأن بذلک الثمن يوجد من كل جنس فلا يدرى مراد الآمر لتفاحش الجهالة ؎وإن كان جنسا يجمع أنواعا لا يصح إلا ببيان الثمن أو النوع لأنه بتقدير الثمن يصير النوع معلوما وبذكر النوع تقل الجهالة فلا تمنع الامتثال. مثاله إذا وكله بشراء عبد أو جارية لا يصح لأنه يشمل أنواعا فإن بين النوع كالتركي والحبشي أو الهندي أو السندي أو المولد جاز وكذا إذا

درست نہیں ہوگی چاہے قیمت بھی بیان کیا ہو اس لئے کہ اس قیمت سے ہر جنس کی چیز خریدی جا سکے گی اس لئے جہالت زیادہ ہونے کی وجہ سے مؤکل کی مراد معلوم نہیں ہوگی۔

تشریح :مثلا مؤکل نے یوں کہا کہ چار سو درہم کا دابہ خرید کر لاؤ تو وکالت درست نہیں ہوگی، کیونکہ دابہ کے لفظ بہت سارے جنس کی چیزیں شامل ہیں، گائے، بکری، بھینس، گھوڑا، گدھا سب چار پاؤں والے جانور کو دابہ کہتے ہیں، اور سب الگ الگ جنس ہیں۔ اور چار سو درہم میں بکری بھی مل سکتی ہے اور گائے، بھینس، گھوڑا اور گدھا سب مل سکتے ہیں اس لئے یہ معلوم نہیں ہوا کہ مؤکل کا مقصد کون سا جانور خریدنا ہے اس لئے وکالت باطل ہوگی۔

ترجمہ :؎ اگر ایسا جنس ہے جسکے تحت نوع آتا ہے پس قیمت یا نوع بیان کر دے تو تو وکالت درست ہے اس لئے کہ ثمن کے متعین کرنے سے نوع معلوم ہو جائے گا، اور نوع کے ذکر کرنے سے جہالت کم ہو جائے گی، اور حکم کو پورا کرنا ممنوع نہیں ہوگا، اس کی مثال یہ کہ غلام یا باندی کے خریدنے کا وکیل بنایا تو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بہت سی نوع کی غلام اور باندی ہوتی ہیں، پس اگر اس کی نوع، جیسے ترکی، حبشی، ہندی، سندی، مولد تو اب جائز ہے، اور ایسے ہی قیمت بیان کر دی تو جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا [قیمت بیان کرنے سے نوع کا پتہ چل جائے گا]

تشریح :مؤکل نے ایک ایسا جملہ بولا جو جنس ہے اور اس کے تحت میں بہت سے انواع ہیں، پس اگر نوع کی بھی وضاحت کر دی تو وکیل بنانا درست ہے اور نوع کی وضاحت نہیں کی تو وکیل بنانا درست نہیں ہے، اسی طرح نوع تو بیان نہیں کی لیکن قیمت بیان کر دی تب بھی وکیل بنانا درست ہوگا، کیونکہ قیمت بیان کرنے سے نوع کا اندازہ ہو جائے گا اور پتہ چل جائے گا مؤکل کو کون سی قسم چیز چاہئے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ مؤکل نے غلام، یا باندی خریدنے کا وکیل بنایا، اب لفظ غلام جنس ہے اس کے تحت میں بہت سے نوع کے غلام آتے ہیں مثلا ترکی غلام، حبشی، ہندی، سندھی، مولد غلام، پس اگر دو میں سے ایک بیان کر دیا مثلا نوع بیان کر دیا کہ ہندی غلام چاہئے تو وکیل بنانا درست ہو جائے گا، یا غلام کی قیمت بیان کر دی کہ چار سو درہم کا غلام چاہئے تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ چار سو سے ہندی غلام ہی خریدا جا سکے گا اس لئے نوع کا پتہ چل گیا اس لئے وکیل بنانا درست ہو جائے گا، اور ان دونوں میں سے کوئی چیز بیان نہیں کی صرف جنس بیان کیا تو وکیل بنانا درست نہیں ہوگا، کیونکہ جہالت

بين الثمن لما ذكرناه ۵ ولو بين النوع أو الثمن ولم يبين الصفة والجودة والرداءة والسطة جاز لأنه جهالة مستدركة ٦ ومراده من الصفة المذكورة في الكتاب النوع ٧ وفي الجامع الصغير ومن قال لآخر اشتر لي ثوبا أو دابة أو دارا فالوكالة باطلة للجهالة الفاحشة فإن الدابة في حقيقة اللغة اسم لما يدب على وجه الأرض. وفي العرف يطلق على الخيل والحمار والبغل فقد جمع أجناسا وكذا الثوب لأنه يتناول الملبوس من الأطلس إلى الكساء ولهذا لا يصح تسميته مهرا وكذا الدار تشمل ما هو في معنى الأجناس لأنها تختلف اختلافا فاحشا باختلاف الأغراض

کاملہ ہے۔

لغت: مولد: جوغلام اسلامی مملکت میں پیدا ہوا ہو اس کومولد غلام کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۵ اگر نوع اور قیمت بیان کی، لیکن اعلی صفت کا ہونا، ردی صفت کا ہونا، یا اوسط صفت کا ہونا بیان نہیں کیا تب بھی وکالت جائز ہے اس لئے کہ تھوڑی بہت جہالت ہے۔

تشریح: یہاں جنس بیان نہیں کیا جو بہت ساروں کو شامل ہوتا ہے، بلکہ ایک نوع [قسم] کو بیان کیا، یا صرف ثمن کو بیان کیا، لیکن اعلی درجے کا غلام ہو یا ادنی درجے کا اس کو بیان نہیں کیا تب بھی وکیل بنانا درست ہے، اس لئے کہ یہ جہالت بہت کم ہے جو چل جائے گا

لغت: السطۃ: وسط، سے مشتق ہے، اوسط درجے کا۔ مستدرکۃ: درک سے مشتق ہے، پائی ہوئی، مراد ہے تھوڑی سی جہالت۔

ترجمہ: ٦ متن میں جو صفۃ کا لفظ ہے اس سے نوع مراد ہے، صفت مراد نہیں ہے۔

تشریح: تمام شارح نے جنس کے ساتھ نوع کی بحث کی ہے اس لئے متن میں جو صفۃ کا لفظ ہے اس سے نوع مراد ہے، کیونکہ اوپر گزرا کہ صفت بیان نہ بھی کرے تب بھی وکیل بنانا درست ہے۔

ترجمہ: ٧ جامع صغیر میں ہے، کسی نے کہا میرے لئے کپڑا خریدو، یا دابہ [چوپایہ] خریدو، یا گھر خریدو تو بہت زیادہ جہالت کی وجہ سے وکالت باطل ہے اس لئے کہ عرب میں دابہ کا ترجمہ ہے جو بھی زمین پر چل رہا ہو، اور عرف میں گھوڑا، گدھا اور خچر پر بولا جاتا ہے اس لئے کئی جنسوں کو شامل ہے، اور ایسے ہی کپڑا، اطلس کپڑے سے لیکر کساء تک کے کپڑے کا شامل ہے، اسی لئے مہر میں اس کا متعین کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح گھر مختلف جنسوں کو شامل ہے، اور اغراض کے اعتبار سے آپس میں بہت فرق ہوتا ہے، اس لئے کہ مقاصد، پڑوسی، منافع، محلّہ اور شہر کے اعتبار سے بہت فرق پڑتا ہے اس لئے حکم کی تعمیل

والجيران والمرافق والمحال والبلدان فيتعذر الامتثال (٦٠٨)قال وإن سمى ثمن الدار ووصف جنس الدار والثوب جاز ا معناه نوعه وكذا إذا سمى نوع الدابة بأن قال حمارا أو نحوه. (٦٠٩) قال ومن دفع إلى آخر دراهم وقال اشتر لي بها طعاما فهو على الحنطة ودقيقها ل استحسانا. والقياس أن يكون على كل مطعوم اعتبارا للحقيقة كما في اليمين على الأكل إذ الطعام اسم لما

متعذر رہوگئی۔

تشریح : جامع صغیر میں تین الفاظ استعمال کئے ہیں جو بہت سارے جنسوں کو شامل ہے اس لئے ان لفظوں سے وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ پہلا لفظ ہے ,دابہ، اس کا معنی ہے چوپایہ، جو چیز بھی زمین پر چلتی ہو عرب میں اس کو ,دابہ کہتے ہیں، اور عرف میں گھوڑے، گدھے، اور خچر، کو کہتے ہیں، اور گھوڑا الگ جنس ہے، گدھا الگ جنس ہے، اور خچر جنس ہے، اوران سب میں بہت بڑا فرق ہے، اس لئے لفظ ,دابہ، کے ساتھ وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ دوسرا لفظ ہے ثوب، کپڑا، اس میں اطلس [ریشمی کپڑا] سے لیکر کساء [سوتی] کپڑا سب شامل ہے اور یہ مختلف جنس کے کپڑے ہیں اس لئے اس لفظ سے وکیل بنانا درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مہر میں کہے کہ کپڑا دوں گا مہر متعین نہیں ہوگا، اس لئے کہ مختلف جنسوں کو شامل ہے۔ تیسرا لفظ ہے ,دار، [گھر] اس لفظ سے بھی وکیل بنانا درست نہیں ہے۔ اسلئے کہ دار میں دکان ہو تو اس کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دیہات میں رہائشی ہو اس کی قیمت بہت کم ہوتی ہے، اسی طرح پڑوس، منافع، محلے، اور شہر کے اعتبار سے قیمت میں بڑا فرق پڑتا ہے اس لئے اس لفظ سے وکیل بنانا درست نہیں ہے

لغت : اطلس: ریشمی کپڑا۔ کساء ادنی کپڑا، سوتی کپڑا۔ امتثال: مثل سے مشتق ہے، حکم کو پورا کرنا، حکم کی تعمیل کرنا۔

ترجمہ: (٦٠٨) اگر گھر کی قیمت بیان کی اور گھر کے نوع کی صفت اور کپڑے کے نوع کی صفت بیان کی تو وکالت جائز ہے

ترجمہ : ا یہاں جنس کا مطلب نوع ہے، اسی طرح دابہ کی نوع بیان کی مثلا کہا کہ گدھا خرید کر لاؤ تو وکالت جائز ہے۔

تشریح : یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ اگر دار کی، کپڑے، کی اور دابہ کی نوع بیان کر دی مثلا کہا کہ گدھا خرید کر لاؤ، تو اب چونکہ جہالت بہت کم رہ گئی اس لئے وکالت درست ہو جائے گی۔

ترجمہ : (٦٠٩) اگر کسی نے دوسرے کو درہم دئے اور کہا میرے لئے طعام خرید کر لاؤ، تو اس سے مراد گیہوں یا اس کا آٹا ہوگا۔

ترجمہ ل یہ استحسان کے طور پر ہے۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر کھانے پر طعام اطلاق ہو حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے جیسا کہ قسم میں اکل کا لفظ بولے تو ہر کھانا مراد ہوتا ہے، اس لئے کہ طعام ہر کھانے کی چیز کو کہتے ہیں، لیکن استحسان کی وجہ

يطعم. وجه الاستحسان أن العرف أملك وهو على ما ذكرناه إذا ذكر مقرونا بالبيع والشراء ۲ ولا عرف في الأكل فبقي على الوضع ۳ وقيل إن كثرت الدراهم فعلى الحنطة وإن قلت فعلى الخبز وإن كان فيما بين ذلك فعلى الدقيق. (۶۱۰) قال وإذا اشترى الوكيل وقبض ثم اطلع على عيب فله أن يرده بالعيب ما دام المبيع في يده ۱ لأنه من حقوق العقد وهي كلها إليه فإن

یہ ہے کہ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ عرف کا عتبار زیادہ ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، خاص طور پر جب طعام کو بیع اور شراء کے ساتھ ذکر کیا جائے تو گیہوں ہی مراد ہوتا ہے۔

تشریح :اس لمبی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کسی نے کسی کو کہا کہ طعام خرید کر لاؤ تو یہ وکالت باطل ہونی چاہئے، کیونکہ طعام کا معنی ہے کوئی بھی کھانے کی چیز، اس لئے یہ لفظ کھانے کی بہت ساری قسموں کو شامل ہے، چنانچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ طعام کے لفظ سے وکالت درست نہ ہو، کیونکہ کوئی قسم کھائے کہ طعام نہیں کھائے گا تو یہاں طعام سے تمام کھانے مراد ہیں، کوئی بھی کھانا کھائے گا تو حانث ہو جائے گا۔لیکن استحسان کے طور پر یہ وکالت باطل نہیں ہوگی، اس لئے کہ عرف میں طعام سے مراد گیہوں ہوتا ہے، اور عرف کا ہی یہاں زیادہ اعتبار ہے، خصوصا جب طعام کو بیع اور شراء کے ساتھ ملایا جائے تو گیہوں ہی مراد ہوتا ہے اس لئے وکالت درست ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۲ اکل میں کوئی عرف نہیں ہے اس لئے اپنی حقیقت پر باقی رہے گا۔

تشریح : لا آکل طعاما، [کھانا نہیں کھاؤں گا] میں کوئی عرف نہیں ہے، یعنی اس کا عرفی معنی کوئی دوسرا نہیں ہے اس لئے اس کا حقیقی معنی کا اعتبار کیا جائے گا، اور کوئی بھی چیز کھائے گا تو حانث ہو جائے گا۔اس کے برخلاف شتری طعاما، میں عرف ہے کہ اس سے گیہوں مراد لیتے ہیں۔

ترجمہ :۳ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ اگر درہم زیادہ ہو تو طعام سے مراد گیہوں ہوگا، اور اگر درہم کم ہو تو روٹی مراد ہوگی، اور اگر درمانی ہو اس سے آٹا مراد ہوگا۔

تشریح :مؤکل نے مثلا دو سو درہم دئے تو اس وقت طعام سے گیہوں خریدنے کے لئے کہہ رہا ہے، اور اگر درمانی ہو تو آٹا مراد ہوگا، اور بہت تھوڑا سا درہم دیا تو اس سے روٹی مراد ہوگی، کہ روٹی خرید کر لاؤ۔ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی قرینہ نہ ہو، لیکن کوئی قرینہ ہو تو وہ متعین ہو جائے گا، مثلا مہمان کھانے کے لئے تیار ہو تو روٹی مراد ہوگی۔

ترجمہ:(۶۱۰) اگر وکیل نے خریدا اور مبیع پر قبضہ کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ عیب کی وجہ سے واپس کر دے جب تک مبیع اس کے قبضہ میں ہے، پس اگر مبیع کو موکل کو سپرد کر دیا تو اس کو نہیں لوٹائے گا مگر موکل کی اجازت سے۔

سلمه إلى الموكل لم يرده إلا بإذنه لأنه انتهى حكم الوكالة ۲ ولأن فيه إبطال يده الحقيقية فلا يتمكن منه إلا بإذنه ولهذا كان خصما لمن يدعي في المشتري دعوى كالشفيع وغيره قبل التسليم إلى الموكل لا بعده. (۶۱۱) قال ويجوز التوكيل بعقد الصرف والسلم ۱ لأنه عقد يملكه بنفسه فيملك التوكيل به على ما مر ۲ ومراده التوكيل بالإسلام دون قبول السلم لأن

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہ عقد کے حقوق میں سے ہے اور یہ تمام حقوق وکیل سے متعلق ہیں، ہاں اگر مؤکل کو مبیع سپرد کر دیا تو تو اب بغیر مؤکل کی اجازت سے وکیل اس کو واپس نہیں کرسکتا، اس لئے کہ وکالت ختم ہوگئی ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جب تک وکیل کے ہاتھ میں ہے تو اس کی ذمہ داری ہے، اور جب مؤکل کو دے دیا تو اب وکالت ختم ہوگئی بغیر مؤکل کی اجازت کے کچھ نہیں کرسکتا۔

تشریح: وکیل نے مبیع خریدا پھر اس پر قبضہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ اس مبیع میں عیب ہے تو جب تک مبیع اس کے ہاتھ میں ہے اس وقت تک اس کو عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کرسکتا ہے۔ اور اگر مبیع کو موکل کے حوالے کر دیا تو اب موکل کی اجازت کے بغیر مبیع کو عیب کے ماتحت واپس نہیں کرسکتا۔

وجہ: کیونکہ جب تک مبیع مؤکل کے قبضے میں ہے تو عیب کے ماتحت واپس کرنے کے تمام حقوق وکیل سے متعلق ہیں۔ اور جیسے ہی موکل کے حوالے کیا تو اس کی وکالت ختم ہوگئی۔ اس لئے وکالت ختم ہونے سے پہلے واپس کرسکتا تھا۔ وکالت ختم ہونے کے بعد موکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کرسکتا ہے۔

لغت: سلمہ : سپرد کر دیا، حوالہ کر دیا۔

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ مبیع واپس کرنے میں مؤکل کا حقیقی قبضہ ختم ہو جائے گا اس لئے بغیر اس کی اجازت کے قبضہ ختم کرنے پر قدرت نہیں ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جس چیز کو خریدا ہے کوئی دعوی کرنے کا مدعی ہو مثلا شفیع وغیرہ تو مؤکل کی طرف سپرد کرنے سے پہلے وکیل ذمہ دار ہوگا، نہ کہ اس کے بعد۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے کہ مبیع کو مؤکل کو سپرد کر دیا تو اس کی حقیقی قبضہ ہوگیا اب اس کے حقیقی قبضے کو بغیر اس کی اجازت کے توڑنا ممکن نہیں ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ خریدی ہوئی چیز میں کوئی حق شفعہ کا دعوی کرے تو اس کے دفعیہ کا ذمہ دار وکیل ہوگا، لیکن اگر موکل کو سپرد کر دیا تو اب وکیل نہیں ہوگا مؤکل اس کا ذمہ دار ہوگا۔

ترجمہ: (۶۱۱) عقد صرف یا عقد سلم کا بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ بیع سلم اور صرف بھی عقد ہے جسکو مؤکل خود کرسکتا ہے اس لئے اس کا وکیل بھی بنا سکتا ہے ضرورت کو

ذلک لا يجوز فإن الوكيل يبيع طعاما في ذمته على أن يكون الثمن لغيره وهذا لا يجوز. (٦١٢) فإن فارق الوكيل صاحبه قبل القبض بطل العقد[لوجود الافتراق من غير قبض] ولا يعتبر مفارقة الموكل لأنه ليس بعاقد والمستحق بالعقد قبض العاقد وهو الوكيل فيصح قبضه

دفع کرنے کے لئے جیسے کہ پہلے گزرا۔

تشریح: جس طرح عام تجارت میں وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح بیع صرف اور بیع سلم میں بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

وجہ: (۱) آدمی کو عام تجارت کی طرح بیع صرف اور بیع سلم کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔اس لئے ان میں وکالت جائز ہوگی۔(۲) عمل صحابی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عمر کو صرف میں وکیل بنایا تھا۔**وقد وكل عمر ابن عمر فی الصرف**. (بخاری شریف، باب الوکالۃ فی الصرف والمیزان، ص۳۶۹، نمبر۲۳۰۲)

ترجمہ: ۲ے یہاں بیع سلم سے مراد مشتری کی جانب سے بیع سلم کو کرنے کا وکیل بنانا ہے، بائع کی جانب سے بیع سلم کو قبول کرنے کا وکیل بنانا نہیں ہے اس لئے کہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ وکیل جو کھانا بیچے گا وہ اس کے ذمے میں ہوگا، اور اس کی قیمت دوسرے کے لئے [یعنی بائع کے لئے ہو جائے گی]

تشریح: بیع سلم کیا ہے، پہلے اس کو سمجھیں۔بیع سلم میں مثلا گیہوں خریدنے والا ابھی رقم دے گا، اور گیہوں بیچنے والا ایک مہینے میں گیہوں ادا کرے گا، اور یہ گیہوں اس کے ذمے گویا کہ قرض رہے گا۔اب مشتری کی جانب سے وکیل بنے یہ جائز ہے اس کو کہتے ہیں سلم کے لئے وکیل بننا۔لیکن بائع کی جانب سے وکیل بنے تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وکیل اپنے ذمے گیہوں لے گا اور بعد میں ادا بھی کرے گا، اور اس کی قیمت بائع کے لئے ہو جائے گی، تو گیہوں ہو وکیل کے ذمے اور اس کی قیمت دوسرا آدمی یعنی بائع لے لے یہ جائز نہیں ہے، اس لئے بائع کی جانب سے وکیل بننا جائز نہیں ہے، اسی کو کہتے ہیں قبول السلم جو جائز نہیں ہے۔

لغت: بیع سلم: بیع سلم میں قیمت ابھی دی جاتی ہے، اور قیمت دینے والے کو رب السلم، کہتے ہیں۔اور گیہوں ایک ماہ بعد دی جاتی ہے، اور گیہوں دینے والے کو مسلم الیہ، کہتے ہیں، اور خود گیہوں مبیع کو مسلم فیہ، کہتے ہیں۔ بیع سلم میں مجلس میں قیمت پر قبضہ کرنا ضروری ہے، ورنہ بیع سلم فسخ ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۶۱۲) پس اگر جدا ہو گیا وکیل معاملہ والے سے قبضہ سے پہلے تو عقد باطل ہو جائے گا۔[اس لئے کہ قبضہ کئے بغیر وکیل جدا ہو گیا] اور نہیں اعتبار ہے موکل کے جدا ہونے کا۔

ترجمہ: ۱ے اس لئے کہ مؤکل عقد کرنے والا نہیں ہے، اور عقد سلم کی وجہ سے جو قبضہ کرنا ضروری ہے وہ عاقد کا قبضہ کرنا ہے

٢ وإن كـان لا يتعلق به الحقوق كالصبي والعبد المحجور عليه ٣ بخلاف الرسول لأن الرسالة في العقد لا في القبض وينتقل كلامه إلى المرسل فصار قبض الرسول قبض غير العاقد فلم يصح. (٦١٣)قال وإذا دفع الوكيل بالشراء الثمن من ماله وقبض المبيع فله أن يرجع به على

اور وہ وکیل ہے اس لئے وکیل کا قبضہ کرنا صحیح ہوگا۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ بیع صرف میں ثمن اور مبیع پر قبضہ سے پہلے بائع یا مشتری جدا ہو گئے تو بیع فاسد ہو جائیگی اسی طرح بیع سلم میں قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع فاسد ہو جائے گی، اس اصول پر یہ ہے کہ۔ یہاں چونکہ حقوق وکیل سے متعلق ہیں اور عقد بھی اسی نے کیا ہے اسلئے وکیل کے جدا ہونے کا اعتبار ہوگا، موکل کے جدا ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اسلئے اگر وکیل قبضہ سے پہلے جدا ہو گیا تو بیع صرف یا بیع سلم فاسد ہو جائیگی۔ موکل کے جدا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ وہ عاقد نہیں ہے

ترجمہ :٢ چاہے اس وکیل کے ساتھ حقوق متعلق نہ ہو جیسے بچہ اور غلام جنکو تجارت سے روکا گیا ہو۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اصل وکیل کا اعتبار ہے اس لئے ان وکیل کے ساتھ حقوق متعلق نہ ہو، مثلا وہ بچہ ہو یا غلام ہو جنکو تجارت کی اجازت نہ ہو تب بھی انکے جدا ہونے سے بیع صرف، اور بیع سلم فاسد ہو جائیگی، کیونکہ صحیح ہونے کا تعلق انہیں وکیل کے ساتھ ہے

ترجمہ :٣ بخلاف دونوں بیع میں قاصد کے [قاصد کے قبضے کا اعتبار نہیں ہے] اس لئے کہ قاصد صرف عقد کرنے میں ہے قبضہ کرنے میں نہیں ہے، اور قاصد کا کلام بھیجنے والے کی طرف منتقل ہو جائے گا، اس لئے قاصد کا قبضہ عقد کرنے والے کا قبضہ شمار ہوگا، اس لئے قاصد کے قبضے سے بیع صرف اور بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔

تشریح: بیع سلم میں اور بیع صرف میں قاصد بھیجا تو اس کے قبضے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ بھیجنے والا رقم پر قبضہ کرے تب صحیح ہوگی

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ قاصد صرف بات پہنچانے میں ذمہ دار ہے ثمن پر قبضہ کرنے کا ذمہ دار نہیں ہے اس لئے اس کے قبضے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ بھیجنے والا [مرسل] قبضہ کرے گا تب بیع صحیح ہوگی۔

ترجمہ :(٦١٣) اگر خریدنے کے وکیل نے قیمت اپنے مال سے دی اور مبیع پر قبضہ کیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ موکل سے وہ قیمت وصول کرے۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ وکیل اور مؤکل کے درمیان گویا کہ ادل بدل ہو گیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل نے اپنی رقم موکل کے لئے پھنسائی ہے تو وہ اس سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

الموكل ۱ لأنه انعقدت بينهما مبادلة حكمية ۲ ولهذا إذا اختلفا في الثمن يتحالفان ۳ ويرد الموكل بالعيب على الوكيل ۴ وقد سلم المشتري للموكل من جهة الوكيل فيرجع عليه ۵ ولأن الحقوق لما كانت راجعة إليه وقد علمه الموكل يكون راضيا بدفعه من ماله

تشريح: کسی چیز کے خریدنے کا وکیل تھا اس لئے اس نے وہ چیز خریدی اور قیمت اپنے پاس سے دی اور مبیع پر قبضہ کیا تو اس کو حق ہے کہ موکل سے پہلے چیز کی قیمت وصول کرے پھر وہ چیز حوالہ کرے۔

وجہ (۱) جب موکل نے وکیل بنایا تو گویا کہ وہ اس بات پر راضی ہو گیا کہ وکیل اپنے پاس سے قیمت دیں تو میں اس کو ادا کر دوں گا (۲) اب وکیل اور موکل گویا بائع اور مشتری ہیں۔ وکیل بائع ہے اور موکل مشتری ہے۔ اس لئے بائع مشتری سے قیمت وصول کرے گا۔ اس لئے اس کو قیمت وصول کرنے کا حق ہے۔

لغت: مبادلۃ حکمیۃ: حکمی طور پر مبادلہ ہو، یعنی ظاہری طور پر مبادلہ نہیں ہے لیکن حکمی طور پر مبادلہ، یعنی بیع و شراء ہے، اور لین دین ہے

ترجمہ: ۲ اسی لئے اگر وکیل اول مؤکل میں ثمن میں اختلاف ہو جائے اور گواہ نہ ہو تو دونوں قسمیں کھائیں گے [یہ دونوں کے درمیان مبادلہ حکمیہ کی دلیل ہے۔

تشریح: یہاں سے مبادہ حکمیہ کی چار دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ [۱]...... پہلی دلیل یہ ہے۔ اگر وکیل اور مؤکل کے درمیان مبیع کی قیمت میں اختلاف ہو جائے، اور کوئی گواہ نہ ہو اور نہ کوئی قرینہ ہو تو دونوں قسمیں کھائیں گے، یہ قسم کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں کے درمیان مبادلہ حکمیہ ہے اور بیع اور شراء کی صورت ہے، اس لئے وکیل موکل سے اپنی رقم وصول کرے گا، یہ اس نے مفت احسان کے طور پر نہیں دیا ہے۔

ترجمہ: ۳ عیب کی وجہ سے موکل وکیل مبیع کو وکیل کی طرف واپس کرتا ہے [یہ بھی مبادلہ حکمیہ کی دلیل ہے]

تشریح: [۲]...... یہ مبادلۃ حکمیہ کی دوسری دلیل ہے۔ اگر مبیع میں عیب نکل آئے تو موکل کو حق ہے کہ وہ وکیل کی طرف واپس کر دے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپس میں گویا کہ بیع شراء ہوئی ہے اور مبادلہ حکمیہ ہوئی ہے۔

ترجمہ: ۴ جب حال یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز وکیل کی جانب سے مشتری کو سپرد کر دیا ہے تو اسکو موکل سے رقم لینے کا حق ہوگا۔

تشریح: [۳]...... یہ مبادلہ حکمیہ کی تیسری دلیل ہے۔ کہ وکیل نے موکل کو چیز دی ہے تو اس کی قیمت لینے کا بھی حق ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اور اس لئے کہ حقوق جب وکیل کی طرف ہے اور موکل اس بات کو جانتا ہے تو وکیل کے مال دینے پر بھی راضی

(۶۱۴) فإن هلک المبيع في يده قبل حبسه هلک من مال المو کل ولم يسقط الثمن لے لأن يده

ہے [یہ بھی مبادلہ حکمیہ کی دلیل ہے]

تشریح :[۴]...... یہ مبادہ حکمیہ کی چوتھی دلیل ہے۔ جب مؤکل جانتا ہے کہ بیع کے تمام حقوق وکیل کی طرف ہے اس کے باوجود اس کو بیچنے یا خریدنے کا حکم دیا تو اس بات پر بھی راضی ہو گیا کہ تم ابھی رقم دو بعد میں ادا کر دوں گا اس لئے وکیل نے رقم دی تو اب وکیل مؤکل سے واپس لے گا۔

ترجمہ :(۶۱۴) پس اگر مبیع ہلاک ہو جائے وکیل کے ہاتھ میں اس کو روکنے سے پہلے تو موکل کے مال میں سے ہلاک ہوا اور ثمن ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ :لے اور قیمت ساقط نہیں ہوگی، اس لئے کہ وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہے، اس لئے کہ وکیل نے جب مبیع نہیں روکا تو وکیل کے قبضے سے مؤکل کا قبضہ ہو گیا۔

تشریح:اس عبارت میں دو باتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ وکیل کو حق ہے کہ اپنے پاس سے دی ہوئی قیمت کو وصول کرنے کے لئے مبیع روک لے اور جب تک موکل قیمت نہ دے تب تک وکیل مبیع اس کے حوالہ نہ کرے۔اس کی وجہ گزر چکی ہے کہ وکیل اور موکل اب بائع اور مشتری کے درجے میں ہو گئے ہیں۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر وکیل دی ہوئی قیمت وصول کرنے کے لئے ابھی تک مبیع روکی نہیں تھی کہ مبیع وکیل کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو یہ موکل کی چیز ہلاک ہوئی وکیل کی نہیں۔اور وکیل ابھی بھی اپنی جانب سے دی ہوئی قیمت موکل سے وصول کر سکتا ہے۔

وجہ :(۱) جب تک وکیل موکل کو روکے نہیں اس وقت تک مبیع وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔اس لئے موکل کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا اس لئے جو کچھ ہلاک ہوا وہ موکل کا ہلاک ہوا۔اس لئے وکیل اپنی دی ہوئی قیمت موکل سے لے سکتا ہے (۲) بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث ہے کہ ابو ہریرہ کو زکوۃ کے مال کی حفاظت کا وکیل بنایا۔لیکن شیطان تین دن تک اس سے چرایا۔اور آپؐ نے ابو ہریرہ پر اس ضائع ہونے پر ضمان لازم نہیں کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ وکالت کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے۔حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة قال وکلنی رسول الله ﷺ بحفظ زکوة رمضان فاتانی آت فجعل يحثو من الطعام فاخذته وقلت لارفعنک الی رسول الله ﷺ قال انی محتاج و علی عيال ولی حاجة شديدة قال فخليت عنه ۔(بخاری شریف، باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فاجازه الموکل فهو جائز وان اقرضه الی اجل مسمی جاز، ص ۳۷۰، نمبر ۲۳۱۱) اس حدیث میں شیطان کے چرانے کا ضمان حضرت ابو ہریرہ پر لازم نہیں ہوا (۳) عن

كيد الموكل فإذا لم يحبسه يصير الموكل قابضا بيده(۶۱۵) وله أن يحبسه حتى يستوفي الثمن ۱؎ لما بينا أنه بمنزلة البائع من الموكل. ۲؎ وقال زفر ليس له ذلك لأن الموكل صار قابضا بيده فكأنه سلمه إليه فيسقط حق الحبس. ۳؎ قلنا هذا لا يمكن التحرز عنه فلا يكون راضيا بسقوط حقه في الحبس ۴؎ على أن قبضه موقوف فيقع للموكل إن لم يحبسه ولنفسه عند

الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدى امرك ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدى ولمن الربح، ج ثامن، ص ۱۹۶، نمبر ۱۵۲۰۰) جب مضارب امین ہیں تو وکیل بھی امین ہوں گے۔

ترجمہ: (۶۱۵) وکیل کے لئے جائز ہے مبیع کو روک لے جب تک کہ ثمن نہ لے۔

ترجمہ: ۱؎ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا کہ وکیل موکل کے لئے بائع کے درجے میں ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ وکیل کو مبیع روکنے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ وکیل کے قبضے سے موکل کا قبضہ ہو گیا تو گویا کہ وکیل نے موکل کو سپرد کر دیا تو اب روکنے کا حق نہیں رہے گا۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کو مبیع روکنے کا حق نہیں ہے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ وکیل کے قبضہ کرنے سے گویا کہ موکل کا قبضہ ہو گیا، اور گویا کہ وکیل نے موکل کو سپرد کر دیا، تو اب روکنے کا حق کیسے ہوگا؟

ترجمہ: ۳؎ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس موکل کے قبضے سے بچنا ناممکن ہے اس لئے وکیل روکنے کے لئے اپنے حق کے ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ، وکیل کے قبضے سے موکل کا جو قبضہ ہوتا ہے وہ وکیل کے اختیار میں نہیں ہے، یہ خود بخود موکل کے قبضے میں چلا جاتا ہے اس لئے وکیل اپنے حق کے ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جو قبضہ خود بخود ہو جائے اس سے روکنے کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ دوسری بات یہ ہے کہ موکل کا قبضہ موقوف رہے گا، پس اگر وکیل نے نہیں روکا تو موکل کا قبضہ واقع ہو جائے گا، اور روک لیا تو خود وکیل کا قبضہ ہو جائے گا۔

تشریح: یہ امام زفرؒ کو دوسرا جواب ہے، جسکا حاصل یہ ہے کہ وکیل کے قبضے سے موکل کا قبضہ موقوف رہتا ہے، پس اگر وکیل نے مبیع روک لیا تو وکیل ہی کا قبضہ شمار کیا جائے گا اور مبیع کی ہلاکت کے بعد اس کی رقم جائے گی۔ اور اگر نہیں روکا تو اب موکل کا قبضہ شمار کیا جائے گا، اور مبیع کی ہلاکت کے بعد موکل کی رقم جائے گی، اس لئے جب وکیل نے روک لیا تو اس کو اپنی رقم وصول

حبسه(٦١٦) فإن حبسه فهلک كان مضمونا ضمان الرهن عند أبي يوسف وضمان المبيع عند محمد[۱] وهو قول أبي حنيفة رحمه الله[۲] وضمان الغصب عند زفر رحمه الله لأنه منع بغير حق

کرنے کے لئے مبیع روکنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ :(۶۱۶) پس اگر مبیع روک لیا پھر ہلاک ہوگئی وکیل کے ہاتھ میں تو مضمون ہوگی رہن کے ضمان کی طرح امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور مبیع کے ضمان کی طرح امام محمدؒ کے نزدیک۔

ترجمہ :[۱] اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ وکالت کی شیء روکنے سے مضمون ہوتی ہے اس سے پہلے امانت کی ہوتی ہے۔

تشریح :اگر وکیل نے قیمت لینے کے لئے موکل سے مبیع روک لی تو اب یہ مبیع امانت نہیں رہی بلکہ مضمون ہوگئی اس لئے اب ہلاک ہوئی تو یہ وکیل کے مال میں سے ہلاک ہوگی۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ کس طرح کا ضمان وکیل پر آئے گا۔ مبیع کا ضمان یا رہن کا ضمان۔ امام محمدؒ کے نزدیک مبیع کا ضمان ہوگا۔

وجہ: جب وکیل نے مال روکا تو وہ بائع کی طرح ہوگیا کہ بائع جب قیمت لینے کے لئے مشتری کو دینے سے روکتا ہے اور پھر مبیع ہلاک ہوجائے تو مبیع کی جتنی قیمت تھی سب ساقط ہوجائے گی اور مشتری سے کچھ بھی نہیں لے سکے گا۔ کیونکہ مشتری کو کچھ دیا ہی نہیں کہ اس سے کوئی قیمت لے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رہن کا ضمان ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رہن والے کے پاس شیء مرہون ہلاک ہوجائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شیء مرہون کی قیمت کتنی تھی اور قرض کتنا تھا۔ جتنا قرض تھا اتنا ساقط ہوجائے گا اور زیادہ کی قیمت ہو وہ راہن کی طرف واپس لوٹائے گا۔ مثلا قرض ایک ہزار تھا اور شیء مرہون کی قیمت بارہ سو تھی اور شیء مرہون ہلاک ہوگئی تو ایک ہزار قیمت ایک ہزار قرض کے بدلے ساقط ہوجائے گی۔ اور دو سو درہم جو زیادہ تھے وہ واپس کرنا لازم ہوگا۔ یہی صورت یہاں ہوگی کہ اگر مبیع کی بازاری قیمت دیئے ہوئے ثمن سے کم ہو تو جتنی بازاری قیمت ہوگی وہ ساقط ہوجائے گی اور اس سے زائد جو ثمن ہوگا وہ وکیل موکل سے وصول کرے گا۔ مثلا چیز کی بازاری قیمت ایک ہزار ہے اور ثمن جو وکیل نے ادا کیا ہے وہ بارہ سو تھا تو دو سو وکیل موکل سے وصول کرے گا۔

وجہ :وہ فرماتے ہیں کہ مبیع کو روکنے سے پہلے مضمون نہیں تھی۔ یہ روکنے کے بعد مضمون ہوئی تو یہی حال رہن میں ہوتا ہے کہ شیء مرہون کے روکنے سے پہلے امانت ہے اور روکنے کے بعد قرض کی مقدار مضمون ہوتی ہے۔

ترجمہ :امام زفرؒ کے نزدیک غصب کا ضمان لازم ہوگا، اس لئے کہ وکیل بغیر حق کے مبیع روکا۔

۳؎ لهما أنه بمنزلة البائع منه فكان حبسه لاستيفاء الثمن فيسقط بهلاكه ۴؎ ولأبي يوسف أنه مضمون بالحبس للاستيفاء بعد أن لم يكن وهو الرهن بعينه ۵؎ بخلاف المبيع لأن البيع ينفسخ

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ امام زفرؒ کے نزدیک وکیل کو مبیع روکنے کا حق نہیں ہے، اس لئے اس نے روکا ہے تو ناحق روکا ہے ،اس لئے گویا کہ مؤکل کی چیز کو غصب کیا ہے، اس لئے غصب کا ضمان لازم ہوگا۔ غصب کا ضمان کی صورت یہ ہے کہ اگر وہ مبیع موجود ہے تو وہی مبیع واپس کرے اور اگر ہلاک ہوگئی ہے اور وہ ذوات الامثال ہے تو وکیل پر اس کی مثل لازم ہوگی، اور اگر وہ ذوات القیم ہے تو اس کی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل موکل کے سامنے بائع کی طرح ہے اس لئے وکیل کا روکنا ثمن وصول کرنے کے لئے ہے، اس لئے مبیع کے ہلاک ہونے سے ثمن ساقط ہو گیا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل موکل کے بائع کے درجے میں ہو گیا ہے، اس لئے جب مبیع ہلاک ہوگئی جس طرح مشتری کے پاس مبیع ہلاک ہو جائے تو بائع کچھ نہیں لے سکتا ہے اسی طرح وکیل کے پاس مبیع ہلاک ہو جائے تو موکل سے کچھ نہیں لے سکے گا۔

ترجمہ: ۴؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رقم وصول کرنے کے لئے مبیع کو روکنے کے بعد مضمون ہوئی ہے، پہلے اس کا ضمان نہیں تھا اور رہن کی شکل یہی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ مبیع اور وکیل کے روکنے میں فرق بیان کرتے ہیں کہ، بیع شراء میں مبیع کو روکنے کے بعد ہلاک ہو جائے، یا پہلے ہلاک ہو جائے دونوں صورتوں میں بائع ہی کا جاتا ہے، اور وکیل کی صورت میں ابھی گزرا کہ قیمت لینے کے وکیل مبیع کو نہ روکے تو موکل ہلاک ہوتا ہے، اور روک لے تو اب وکیل کا ضائع ہوتا ہے، مبیع اور وکیل کے روکنے میں اس فرق کی وجہ سے، وکیل کا روکنا رہن کی طرح ہو گیا، کیونکہ رہن میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے مرہون چیز کو روکتا ہے، اس لئے یہاں وکیل کا روکنا مرہون چیز کی طرح ہو گیا۔ مرہون چیز کی صورت کیا ہوگی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے

ترجمہ: ۵؎ بخلاف بیع کے، اس لئے کہ مبیع کے ہلاک سے بیع فسخ ہو جاتی ہے، اور وکالت کی شکل میں اصل عقد [جو وکیل اور پہلے بائع کے درمیان ہوا تھا وہ فسخ نہیں ہوتا]۔

تشریح: وکیل اور موکل کے درمیان جو عقد ہے، اور جو مبیع ہے اس کے درمیان یہ دوسرا فرق بیان کر رہے ہیں۔ مبیع ہلاک ہو جائے تو بائع اور مشتری کے درمیان جو عقد ہے وہ فسخ ہو جاتا ہے۔ لیکن وکیل کے پاس سے مبیع ہلاک ہو جائے تو وکیل اور بائع کے درمیان جو عقد بیع ہوا تھا وہ ختم نہیں ہوتا وہ تو پہلے ہی مکمل ہو چکا ہے، اس لئے وکیل کے روکنے کو مبیع پر قیاس نہیں کیا

بهلاكه وها هنا لا ينفسخ أصل العقد. ٦ قلنا ينفسخ في حق الموكل والوكيل كما إذا رده الموكل بعيب ورضي الوكيل به. (٦١٧) قال وإذا وكله بشراء عشرة أرطال لحم بدرهم فاشترى عشرين رطلا بدرهم من لحم يباع منه عشرة أرطال بدرهم لزم الموكل منه عشرة بنصف درهم عند أبي حنيفة وقالا يلزمه العشرون بدرهم ۱ وذكر في بعض النسخ قول محمد

جا سکتا ہے۔

لغت: اصل العقد : اصل عقد سے مراد، وکیل اور اصل بائع کے درمیان جو عقد ہوا ہے۔

ترجمہ : ٦ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ مبیع ہلاک ہونے سے موکل اور وکیل کے حق میں فسخ ہو جاتا ہے، جیسے کہ موکل عیب کی وجہ سے وکیل کو واپس کردے اور وکیل اس پر راضی ہو جائے تو [وکیل اور موکل کے درمیان عقد ختم ہو جائے گا]

تشریح : یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی جانب سے امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے۔ یہاں وکیل اور موکل کے درمیان کی بحث ہے، اور روکنے کے بعد مبیع ہلاک ہو جائے تو وکیل اور موکل کے درمیان کی بیع ختم ہو جاتی ہے چاہے وکیل اور اصل بائع کے درمیان بیع باقی رہتی ہو، اس کا اعتبار نہیں ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ اگر عیب نکل آئے اور موکل اس کے ماتحت وکیل کو مبیع واپس کردے اور وکیل اس پر راضی ہو کر اپنے پاس رکھ لے تو وکیل اور موکل کے درمیان کی بیع ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح مبیع ہلاک ہو جائے تو وکیل اور موکل کے درمیان کی بیع ختم ہو جائے گی، جسکا حاصل یہ نکلا کہ یہ مبیع کی طرح ہے جسکے ہلاک ہونے کے بعد بیع ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ : (٦١٧) اگر وکیل بنایا دس رطل گوشت خریدنے کا ایک درہم کے بدلے، پس خرید لیا بیس رطل ایک درہم کے بدلے ایسا گوشت جو بیچا جاتا ہو دس رطل ایک درہم کے بدلے تو موکل کو اس سے دس رطل لازم ہوگا آدھے درہم کے بدلے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوگا موکل کو بیس رطل۔

ترجمہ : ۱ بعض نسخے میں امام محمد کا قول امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور خود امام محمدؒ نے مبسوط میں اختلاف ذکر نہیں کیا ہے

اصول: امام اعظم کی نگاہ دس رطل گوشت کی طرف گئی ہے۔

اصول: صاحبین کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ رقم پوری خرچ ہونی چاہئے، چاہے جتنا گوشت آجائے۔

تشریح : ایک آدمی کو ایک درہم کے بدلے دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل بنایا۔ اس نے ایسا ہی عمدہ گوشت جو ایک درہم میں دس رطل بکتا ہو ایک درہم میں بیس رطل خرید لایا تو یہ بیس رطل موکل کو لازم ہوگا یا آدھے درہم کے بدلے دس رطل

مع قول أبي حنيفة ومحمد لم يذكر الخلاف في الأصل. ۲؎ لأبي يوسف أنه أمره بصرف الدرهم في اللحم وظن أن سعره عشرة أرطال فإذا اشترى به عشرين فقد زاده خيرا وصار كما إذا وكله

لازم ہوگا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ موکل کو صرف دس رطل گوشت کی ضرورت ہے اگرچہ اس کا خیال یہ تھا کہ دس رطل ایک درہم میں ملے گا اس لئے ایک درہم دے دیا۔ اب دس رطل آدھے درہم میں مل گیا تو آدھا درہم ہی لازم ہوگا اور دس رطل لینا لازم ہوگا اس سے زیادہ نہیں۔ البتہ وہ اپنی خوشی سے لے لے تو اور بات ہے۔ ورنہ آدھا گوشت یعنی دس رطل وکیل کو لینا پڑے گا اور آدھا درہم اپنی جیب سے دینا ہوگا۔

وجہ :(۱)۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عروۃ یعنی ابن الجعد البارقی قال اعطاہ النبی ﷺ دینارا یشتری بہ اضحیۃ او شاۃ فاشتری شاتین فباع احداھما بدینار فاتاہ بشاۃ و دینار فدعا لہ بالبرکۃ فی بیعہ.** (ابوداؤد شریف، باب فی المضارب یخالف، ص ۴۹۱ نمبر ۳۳۸۴ ر ترمذی شریف، باب الشراء والبیع الموقوفین، ص ۳۰۶، نمبر ۱۲۵۷) اس حدیث میں ایک دینار میں ایک بکری خریدنے کیلئے کہا تو راوی نے دو بکریاں خریدی لیکن راوی کی نظر اس بات کی طرف گئی کہ ضرورت ایک بکری کی ہے اسلئے ایک بکری بیچ کر ایک دینار اور ایک بکری لے کر واپس آئے۔ جس سے پتہ چلا کہ ضرورت کی طرف نظر جانی چاہئے

اور صاحبین کی نظر رقم خرچ کرنے کی طرف گئی ہے کہ ایک درہم خرچ کرنے کے لئے دیا ہے اس سے چاہے دس رطل گوشت آجائے چاہے بیس رطل گوشت آجائے۔ موکل نے سمجھا کہ ایک درہم میں دس رطل ہی گوشت آئے گا اس لئے اس نے دس رطل لانے کے لئے کہا۔ اس لئے اگر بیس رطل لے آیا تو اس کے لئے خیر کا کام کیا۔ اس لئے ایک درہم میں بیس رطل گوشت موکل پر لازم ہوجائے گا

لغت: رطل : ایک خاص قسم کا وزن جو آدھا کیلو کا ہوتا ہے جو 442.25 گرام کا ہوتا ہے۔

ترجمہ :۲؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل کو گوشت میں ایک درہم خرچ کرنے کے لئے کہا ہے، اور موکل کا خیال یہ تھا کہ اس ایک درہم سے دس رطل گوشت آئے گا، پس ایک درہم میں بیس رطل خرید لایا تو اچھا ہی کیا، اس کی مثال یہ ہے کہ غلام کو ایک ہزار میں بیچنے کے لئے کہا اور وکیل نے دو ہزار میں بیچ دیا تو اچھا ہی کیا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ موکل کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایک درہم کا گوشت لاؤ، لیکن اس گمان یہ تھا کہ ایک درہم کا گوشت دس رطل ہی آئے گا اس لئے کہہ دیا کہ دس رطل لے کر آنا، لیکن وکیل نے بیس رطل لایا تو اچھا ہی کیا، موکل کو وہ گوشت لینا پڑے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ایک غلام کو ایک ہزار میں بیچنے کے لئے کہا، اور اس نے دو ہزار میں بیچ دیا

ببيع عبده بألف فباعه بألفين. ۳؎ ولأبي حنيفة أنه أمره بشراء عشرة أرطال ولم يأمره بشراء الزيادة فينفذ شراؤها عليه وشراء العشرة على الموكل ۴؎ بخلاف ما استشهد به لأن الزيادة هناک بدل ملک الموكل فيكون له ۵؎ بخلاف ما إذا اشترى ما يساوي عشرين رطلا بدرهم حيث يصير مشتريا لنفسه بالإجماع لأن الآمر يتناول السمين وهذا مهزول فلم يحصل مقصود

تو اچھا ہی کیا موکل کو دو ہزار درہم لینا پڑے گا اسی طرح یہاں بیس رطل گوشت لینا پڑے گا۔

ترجمہ :۳؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل کو دس رطل خریدنے کے لئے کہا، اس کو اس سے زیادہ خریدنے کے لئے نہیں کہا ہے، اس لئے دس سے جو زیادہ ہے وہ وکیل پر نافذ ہوگا اور صرف دس رطل کا خریدنا موکل پر ہوگا۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۴؎ بخلاف جس غلام کے بیچنے سے حضرت امام ابو یوسفؒ نے استدلال کیا ہے، اس لئے کہ جو زیادہ درہم آئے وہ موکل کی ملک کے بدلے میں ہے اس لئے زیادہ رقم بھی موکل کی ہوگی۔

تشریح :یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ غلام کو ایک ہزار کے بدلے دو ہزار میں بیچ دے تو یہ موکل ہی کا ہوتا ہے اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ وہاں دوسرا ایک ہزار موکل کے غلام ہی کے بدلے میں آیا ہے اس لئے یہ دوسرا ہزار بھی موکل ہی کا ہوگا، اور یہاں تو دوسرا دس رطل لے گا تو آدھا درہم موکل کا جاتا ہے اس لئے اس لئے اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

ترجمہ :۵؎ بخلاف ایک درہم کا بیس رطل جیسا گھٹیا گوشت خرید کر لایا تب تو یہ پورا وکیل ہی کے لئے ہوگا، اس لئے کہ موکل نے موٹے تازے گوشت کا حکم دیا تھا، اور وکیل نے دبلا پتلا [گھٹیا] گوشت لے آیا اس لئے حکم دینے والے موکل کا مقصد پورا نہیں ہوا [اس لئے یہ پورا گوشت وکیل ہی کا ہوگا]

تشریح :موکل نے تازہ اور اعلی گوشت خریدنے کے لئے کہا تھا جو ایک درہم میں دس رطل ہی آتا ہے، اب اس نے گھٹیا گوشت خرید کر لایا جو ایک درہم میں بازار میں بیس رطل عام طور پر ملتا ہے، تو چونکہ موکل نے اعلی کہا تھا اور یہ گھٹیا لے آیا اس لئے موکل کا مقصد پورا نہیں ہوا اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کی اس لئے یہ گوشت وکیل کا ہوگا، اور وہی اپنی جانب سے ایک درہم خرچ کرے گا، اور موکل کو ایک درہم واپس کرے گا۔

لغت:سمین: موٹا تازہ۔ ہزال: دبلا پتلا، گھٹیا گوشت۔

ترجمہ :(۶۱۸) اگر کسی متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اپنے لئے خریدے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ ایسی حرکت سے موکل کو دھوکہ دینے کی طرف پہنچائے گا، حالانکہ موکل نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

الآمر. (۲۱۸)قال ولو وكله بشراء شيء بعينه فليس له أن يشتريه لنفسه[۱] لأنه يؤدي إلى تغرير الآمر حيث اعتمد عليه[۲] ولأن فيه عزل نفسه ولا يملكه على ما قيل إلا بمحضر من الموكل[۳] فلو كان الثمن مسمى فاشترى بخلاف جنسه أو لم يكن مسمى فاشترى بغير النقود أو وكل وكيلا بشرائه فاشترى الثاني وهو غائب يثبت الملك للوكيل الأول في هذه الوجوه لأنه خالف

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل موکل کی متعین کردہ چیز کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا ہے۔

وجہ: موکل نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ میرے لئے خریدے گا اور وکیل نے اپنے لئے خرید لیا تو اس میں ایک قسم کا دھوکہ دینا ہوا۔ اس لئے وکیل متعین چیز کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا۔

لغت: غرر: دھوکہ دینا۔

ترجمہ: [۲] اور اسلئے بھی کہ [اپنے لئے خرید کر] اپنے آپ کو معزول کرنا ہوا، حالانکہ کہ موکل کی غیر حاضری میں معزول کرنے کا مالک نہیں ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے کہا۔

تشریح: متعینہ چیز اپنے لئے نہیں خرید سکتا اس کے لئے یہ دوسری دلیل ہے۔ جب وکیل نے متعینہ چیز کو اپنے لئے خریدا تو گویا کہ موکل کی غیر حاضری میں اپنے آپ کو معزول کر دیا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ موکل کی غیر حاضری میں معزول نہیں کر سکتا، اگر معزول کرنا ہو تو موکل کے سامنے کرے، کیونکہ یہ عقد کو توڑنا ہے جسکی اطلاع سامنے والے کو دینا ضروری ہے، اور یہاں وکیل نے موکل کی غیر حاضری میں اپنے آپ کو معزول کیا جو جائز نہیں ہے اس لئے وہ چیز اپنے لئے خرید بھی نہیں سکتا۔

ترجمہ: [۳] پس اگر ثمن متعین تھا، اور وکیل نے ثمن کے علاوہ سے چیز خریدی۔ یا متعین نہیں تھا لیکن نقد کے علاوہ سے خرید لیا۔ یا وکیل نے دوسرے کو خریدنے کا وکیل بنایا، پھر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی غیوبت میں چیز خریدی تو ان صورتوں میں ملک وکیل اول کے لئے ہوگی اس لئے کہ وکیل نے موکل کے حکم کی مخالفت کی ہے، اس لئے وکیل پر نافذ ہوگا۔

تشریح: یہاں صورتیں بیان کر رہے ہیں جس میں چیز وکیل کے لئے ہوگی موکل کے لئے نہیں ہوگی۔ [۱]......پہلی صورت۔ مثلا موکل نے دینار سے خریدنے کے لئے کہا تھا، وکیل نے درہم سے خرید لیا، تو آمر کے حکم کی مخالفت کی بنا پر یہ چیز وکیل کی ہو جائے گی۔ [۲]...... دوسری صورت۔ موکل نے جب خریدنے کے لئے کہا تو اس شہر میں جو روپیہ یا پونڈ چلتا ہے اس سے خریدنا مقصود ہوتا ہے، اس کو نقد البلد، کہتے ہیں۔ لیکن وکیل نے نقد البلد کے بجائے کیلی یا وزنی چیز مثلا گیہوں سے وہ چیز خرید لی تو وکیل کی مخالفت کی وجہ سے یہ چیز وکیل کی ہو جائے گی۔ [۳]......تیسری صورت۔ وکیل نے کسی دوسرے کو خریدنے کا وکیل بنایا۔ اس دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی غیر حاضری میں چیز خرید لی تو چونکہ اس میں پہلے وکیل کی رائے شامل نہیں ہوئی

أمـر الآمر فينفذ عليه. ۴ ولـو اشتـرى الثـانـي بحضرة الوكيل الأول نفذ على الموكل الأول لأنه حضـره رأيـه فلم يكن مخالفا. (۶۱۹)قال وإن وكـلـه بشـراء عبد بغير عينه فاشترى عبدا فهو لـلـوكيـل إلا أن يـقـول نويت الشراء للموكل أو يشتريه بمال الموكل۱ قـال هذه المسألة على وجـوه إن أضـاف الـعـقـد إلـى دراهـم الآمر كان للآمر وهو المراد عندي بقوله أو يشتريه بمال

جسکواصل موکل نے وکیل بنایا تھااس لئے یہ چیز پہلے وکیل کے لئے ہوگی، کیونکہ وکیل نے بغیر موکل کی اجازت کے وکیل بنادیا ،اور موکل کی مخالفت کی ،اسلئے چیز وکیل کی ہوگی

لغت: نقود: نقد کی جمع ہے۔اس شہر میں جو درہم، یا دینار، یا روپیہ، پونڈ رائج ہو اس کونقود کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۴ اور اگر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کے سامنے خریدا تو پہلے موکل پر نافذ ہو جائے گا اس لئے کہ پہلے وکیل کی رائے شامل ہوگئی، اس لئے پہلے موکل کی مخالفت نہیں ہوئی۔

تشریح: موکل کا اصل مقصد تھا کہ وکیل کی رائے شامل ہو، پس جب دوسرے وکیل نے پہلے کے سامنے چیز خریدی تو پہلے وکیل کی رائے اس میں شامل ہوگئی اس لئے اب موکل پر نافذ ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۶۱۹)اور اگر کسی غیر متعین غلام کو خریدنے کا وکیل بنایا، پس اس نے غلام خریدا تو وکیل کے لئے ہوگا، مگر یہ کہ کہے میں نے موکل کے لئے خریدنے کی نیت کی تھی یا اس کو موکل کے مال سے خریدے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ موکل کے لئے خریدنے کی علامت ہو تو موکل کے لئے ہوگا ورنہ اپنی ذات کے لئے ہوگا

تشریح: غیر متعین غلام خریدنے کا وکیل بنایا تھا۔ایسی صورت میں ایک غلام خریدا تو جب کوئی ایسی علامت نہ ہو کہ یہ موکل کے لئے خریدا ہے اس وقت تک وہ غلام وکیل کے لئے ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ عموما آدمی اپنے لئے ہی خریدتا ہے۔موکل کے لئے خریدنے کی علامت میں سے یہ ہے کہ خریدتے وقت موکل کی نیت کرے یا کم از کم موکل کے مال سے غلام خریدے تو وہ غلام موکل کے لئے ہوگا۔

ترجمہ: ۱ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مسئلے کی کئی صورتیں ہیں۔اگر بیع کو موکل کے درہم کی طرف منسوب کیا تو یہ چیز موکل کی ہوگی۔متن میں ،اویشتری بمال الموکل، سے منسوب کرنا ہی مراد ہے، باضابطہ موکل کے مال سے دینا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں تفصیل بھی ہے اور اختلاف بھی ہے، جو مطلب میں نے لیا ہے اس میں اتفاق ہے اور وہ مطلق ہے۔

تشریح: یہاں صاحب ہدایہ مسئلے کی چار صورتیں بیان کر رہے ہیں، پھر آخیر کی دو صورتوں میں دو دو صورتیں ہیں، مجموعہ چھ صورتیں ہیں۔اس کو بہت غور سے سمجھیں اور پھر پھیلی ہوئی عبارت پر چپکانے کی کوشش کریں، کیونکہ عبارت پیچیدہ ہے۔

الـموكل دون النقد من ماله لأن فيه تفصيلا وخلافا وهذا بالإجماع وهو مطلق.۲؎ وإن أضافه إلى

6 چھ صورتوں کا خلاصہ یہ ہے۔

[۱]......بیع کرتے وقت وکیل نے اپنے مال کی طرف بیع کو منسوب کیا، مثلا یوں کہا کہ میں اس غلام کو اپنے درہم سے خریدتا ہوں ۔تو اس صورت میں غلام وکیل کے لئے ہوگا، اس لئے کہ اپنے درہم سے خریدا۔

[۲]......بیع کرتے وقت وکیل نے موکل کے مال کی طرف بیع کو منسوب کیا، مثلا یوں کہا کہ میں اس غلام کو موکل کے درہم سے خریدتا ہوں ۔تو اس صورت میں غلام موکل کے لئے ہوگا، اس لئے کہ موکل کے درہم سے خریدا۔

[۳]......بیع کرتے وقت وکیل نے مطلق مال کی طرف بیع کو منسوب کیا، مثلا یوں کہا کہ میں اس غلام کو ایک ہزار درہم سے خریدتا ہوں [کس کے مال سے خریدتا ہوں یہ نہیں کہا] ۔تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ خریدتے وقت وکیل کی نیت کیا ہے ۔[۱] اگر اپنے لئے خریدنے کی نیت ہے تو وکیل کے لئے ہوگا ۔[۲] اور موکل کے لئے خریدنے کی نیت ہے تو موکل کے لئے ہوگا ۔اس لئے وکیل اپنے لئے بھی خرید سکتا ہے اور موکل کے لئے بھی خرید سکتا ہے ۔اس لئے نیت کا اعتبار ہوگا۔

[۴]......بیع کرتے وقت وکیل نے مطلق مال کی طرف بیع کو منسوب کیا، مثلا یوں کہا کہ میں اس غلام کو ایک ہزار درہم سے خریدتا ہوں ۔اور خریدتے وقت کسی کی نیت بھی نہیں کی ہے، تو اب دیکھا جائے گا کس کے مال سے قیمت ادا کرتا ہے ۔[۱] اگر وکیل نے اپنے مال سے غلام کی قیمت ادا کی تو غلام وکیل کا ہوگا ۔[۲] اور اگر موکل کے مال سے ادا کیا تو غلام موکل کا ہوگا ۔اس صورت میں مال کی ادائیگی کا اعتبار کیا جائے گا جس کا مال ہوگا چیز اسی کی قرار دی جائے گی۔

لغت :**و هو المراد عندی بقوله , او یشتری بمال الموکل دون النقد من ماله** ،۔یہاں متن میں بمال الموکل، کا لفظ ہے اس کا دو مطلب ہے، صاحب ہدایہ دونوں مطلبوں کو بیان کر کے فرمارتے ہیں کہ یہ مطلب میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس مطلب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔[۱] مال الموکل، کا ایک مطلب یہ ہے کہ غلام خریدتے وقت وکیل موکل کے مال کی طرف منسوب کرے، مثلا یہ کہے کہ میں موکل کے مال سے یہ غلام خریدتا ہوں ۔ یہ مطلب مصنف کے نزدیک زیادہ صحیح ہے ۔[۲] دوسرا مطلب یہ ہے کہ خریدتے وقت تو موکل کے مال کی طرف منسوب نہ کرے، مطلق چھوڑ دے، لیکن ادا کرتے وقت موکل کے مال سے ہزار درہم ادا کرے ۔ یہ مطلب لینے میں آگے اختلاف آرہا ہے اس لئے یہ مطلب لینا زیادہ اچھا نہیں ہے ۔ وهذا بالاجماع :۔ پہلا مطلب [یعنی خریدتے وقت موکل کے مال کی طرف منسوب کرے] یہ مطلب لینے میں سب کے نزدیک غلام موکل کا ہوگا ۔ وهو مطلق: پہلا مطلب لیتے وقت نیت کی بھی ضرورت نہیں ہے، مطلق ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور اگر خریدنے کو وکیل اپنے درہم کی طرف منسوب کیا تو غلام وکیل کا ہوگا ، وکیل کی حالت پر حمل کرتے

دراهم نفسه كان لنفسه حملا لحاله على ما يحل له شرعا أو يفعله عادة إذ الشراء لنفسه بإضافة العقد إلى دراهم غيره مستنكر شرعا وعرفا. ٣ وإن أضافه إلى دراهم مطلقة فإن نواها للآمر فهو للآمر وإن نواها لنفسه فلنفسه لأن له أن يعمل لنفسه ويعمل للآمر في هذا التوكيل

ہوئے اس لئے کہ اس صورت میں وکیل ہی کے لئے شرعا حلال ہے، اور عام عادت میں بھی آدمی ایسے ہی کرتا ہے، اس لئے کہ خریدے اپنے لئے اور عقد کو منسوب کرے دوسرے کے درہم کی طرف، یہ شرعا اور عرف میں برا سمجھتے ہیں۔

تشریح :[۲] یہ دوسری صورت ہے کہ۔ اگر وکیل نے خریدتے وقت اپنے ما کی طرف منسوب کیا، مثلا یہ کہا کہ میں اپنے مال سے غلام خریدتا ہوں تو یہ غلام وکیل ہی کا ہوگا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جب اپنے مال کی طرف منسوب کیا تو وکیل ہی کا ہوگا۔ (۲) دوسری دلیل تھوڑی الٹی ہے، فرماتے ہیں کہ دوسرے کا مال دیکر اپنا غلام خریدے یہ شرعا بھی برا ہے اور عرفا بھی برا ہے، شرعا برا اس لئے ہے کہ دوسرے کے مال پر غصب کرنا ہے، اور عرفا بھی اس کو برا سمجھتے ہیں۔ (۳)...... تیسری بات یہ ہے کہ اپنے مال سے دوسرے کے لئے غلام خریدے یہ شرعا تو جائز ہے، لیکن عادت میں ایسا نہیں کرتے ہیں، اس لئے یہی کہا جائے گا کہ اپنے مال کی طرف عقد کو منسوب کیا تو غلام وکیل ہی کا ہوگا۔

لغت : **حملا لحاله علی ما یحل له شرعا**: وکیل کی حالت یہی ہے کہ شرعا اپنے مال سے غیر کے لئے غلام نہیں خریدے گا، اور عادت میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس لئے وکیل کے حال پر حمل کرتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ اپنے مال سے خریدا ہے تو یہ غلام وکیل ہی کا ہے۔

ترجمہ :۳ اور اگر خریدتے وقت مطلق درہم کی طرف عقد کو منسوب کیا، پس اگر موکل کی نیت کی تو موکل کا غلام ہوگا، اور اگر اپنی ذات کے لئے نیت کی تو وکیل کے لئے ہوگا، اس لئے کہ اس کو یہ بھی حق ہے کہ اپنے لئے خریدے، اور یہ بھی حق ہے کہ اس وکالت میں موکل کے لئے خریدے۔

اصول :خریدتے وقت کسی کی رقم کی طرف عقد منسوب نہیں کیا اس لئے نیت کو فیصل بنایا جائے گا۔

تشریح : [۳]...... یہ تیسری صورت ہے، جس میں قیمت مطلق ہے۔ وکیل نے خریدتے وقت نہ یہ کہا کہ موکل کی رقم سے خریدتا ہوں اور نہ یہ کہا کہ اپنی رقم سے خریدتا ہوں، تو اب نیت کا اعتبار ہوگا کہ خریدتے وقت کسکی نیت سے خرید رہا ہے، اگر اپنے لئے خرید رہا تو وکیل کا غلام ہوگا، اور اگر موکل کی نیت سے خریدا ہے تو موکل کے لئے ہوگا۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام متعین نہیں ہے اس لئے اس وکالت میں دونوں کے لئے خرید سکتا ہے۔

۴ وإن تكاذبا في النية يحكم النقد بالإجماع لأنه دلالة ظاهرة على ما ذكرنا ۵ وإن توافقا على أنه لم تحضره النية قال محمد رحمه الله هو للعاقد لأن الأصل أن كل أحد يعمل لنفسه إلا إذا ثبت جعله لغيره ولم يثبت. ۶ وعند أبي يوسف رحمه الله يحكم النقد لأن ما أوقعه مطلقا يحتمل

ترجمه :۴ اورنیت موکل نے تکذیب کردی توبالاتفاق رقم دینے فیصل بنایا جائے گا،اس لئے کہ جو ہم نے ذکر کیا تو اس پر ظاہری طور پر کس کا غلام ہو اس کے لئے یہی ایک دلات ہے۔

اصول :خریدتے وقت کسی کی رقم کی طرف منسوب بھی نہیں کیا،اور نیت بھی نہیں ہے، یا نیت کو موکل نے جھٹلا دیا ہے تو اب جس کی رقم غلام کی قیمت میں دی جاتی ہے اس کا غلام ہوگا۔

تشریح :[۴]...... یہ چوتھی صورت ہے۔اس میں نیت کو موکل نے جھٹلا دیا ہے اس لئے اب نیت نہیں رہی اس لئے اب یہ دیکھا جائے گا کہ کسکی رقم سے قیمت ادا کرتا ہے، اگر وکیل اپنی رقم سے قیمت ادا کرتا ہے تو غلام وکیل کا ہوگا،اور اگر موکل کی دی ہوئی رقم سے قیمت ادا کرتا ہے تو غلام موکل کا ہوگا۔

ترجمه :۵ اور اگر دونوں نے اتفاق کرلیا کہ خریدتے وقت کسی کی نیت نہیں تھی،تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ غلام وکیل ہی کا ہوگا، اس لئے کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے لئے کام کرتا ہے، ہاں اگر دوسرے کے لئے کردے تو دوسرے کے لئے ہوگا،اور یہاں دوسرے کے لئے ثابت نہیں کیا اس لئے دوسرے کے لئے نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ چوتھی صورت کی دوسری شکل ہے کہ نیت نہیں ہے۔اس صورت میں یہ ہے کہ موکل نے جھٹلایا نہیں، البتہ دونوں نے اتفاق کرلیا کہ خریدتے وقت کسی کی نیت نہیں تھی،تو امام محمدؒ کی رائے ہے کہ خود وکیل کے غلام ہوجائے گا۔

وجه :عموما آدمی اپنے لئے ہی خریدتا ہے،اس لئے اپنے لئے ہی ہوگا، ہاں خریدتے وقت دوسرے کے لئے کردے تو دوسرے کے لئے ہوجائے گا،اور دوسرے کے لئے کیا نہیں اس لئے وکیل ہی کے لئے رہے گا۔

ترجمه :۶ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں رقم کو فیصل بنایا جائے گا اس لئے کہ جب مطلق ہے تو وکیل اور موکل کے لئے دونوں کا احتمال رکھتا ہے،اس لئے ابھی موقوف رہے گا،پس جس مال سے نقد دیا پس یہ احتمال اسکے مالک کے لئے کردیا جائے گا،اور اس لئے بھی کہ جب دونوں نے نیت نہ ہونے کی تصدیق کردی تو یہ بھی یہ ہوسکتا ہے کہ موکل کی نیت کی ہو [پھر بھول گیا ہو]

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب نیت نہ ہونے پر اتفاق کرلیا تو گویا کہ نیت نہیں اس لئے یہ دیکھا جائے گا کہ کس کی رقم سے قیمت ادا کرتا ہے۔اگر وکیل کی رقم سے قیمت ادا کرتا ہے تو غلام وکیل کا ہوگا،اور اگر موکل کی رقم سے ادا کرتا ہے تو

الـوجهيـن فيبـقـى مـوقـوفـا فـمـن أي الـمـاليـن نـقد فقد فعل ذلک المحتمل لصاحبه ولأن مع تـصادقهما يحتمل النية للآمر ے وفيـمـا قـلنا حمل حاله على الصلاح كما في حالة التكاذب. ٨ والتوكيل بالإسلام في الطعام على هذه الوجوه(٦٢٠) قال ومن أمر رجلا بشراء عبد بألف فقال قـد فعـلت ومات عندي وقال الآمر اشتريته لنفسک فالقول قول الآمر فإن كان دفع إليه الألف

غلام موکل کا ہوگا

وجـــہ :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں نے نیت نہ ہونے پر اتفاق کرلیا تو اب مال دینے پر موقوف رہے گا، جسکا مال قیمت میں دے گا اسی کا غلام ہوجائے گا۔(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ جب تصدیق کردی کہ نیت نہیں ہے تو اس کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ موکل کی نیت کی ہے لیکن بعد میں بھول گیا ہو اس لئے مال کو اس کا فیصل بناؤ۔

لغت :نقد: قیمت ادا کیا، نقد دیا۔

ترجمہ :ے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ، جو ہم نے کہا[کہ مال کو فیصل بناؤ]اس میں وکیل کی حالت کو صلاح پر محمول کرنا ہے، جیسے کہ موکل نیت کی تکذیب کردے تو مال کو ہی فیصل بناتے ہیں[یہاں بھی مال کو ہی فیصل بناؤ]

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی یہ دوسری دلیل ہے کہ وکیل کے لئے خیر اور صلاح کی چیز یہی ہے کہ رقم کو فیصل بنادو، کیونکہ اس میں وکیل پر کوئی الزام نہیں ہے کہ اپنے لئے خریدا تھا لیکن غلام خراب نکلا تو موکل کو دے دیا۔اس کی مثال دیتے ہیں کہ موکل نیت کرنے کو جھٹلادے تو رقم کو حکم بناتے ہیں اسی طرح یہاں نیت نہ ہونے پر تصدیق کردی تب بھی رقم ہی کو فیصل بنادیا جائے۔

ترجمہ :٨ کھانے کے لئے بیع سلم کا وکیل بنایا تو اس کی بھی یہی چھ صورتیں ہیں۔

تشریح :بیع سلم کرنے کا وکیل بنایا تو اس میں بھی مبیع[گیوں چاول وغیرہ]متعین نہیں ہوتی وہ ایک ماہ بعد دی جاتی ہے اس لئے اس میں اوپر کی چھ صورتیں ہوں گی۔اور نیت بھی نہ ہونے کی صورت میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا وہی اختلاف ہوگا۔

ترجمہ :(۶۲۰) کسی نے کسی آدمی کو ایک ہزار کے بدلے غیر متعین غلام خریدنے کا حکم دیا، وکیل نے کہا کہ میں نے خریدا تھا لیکن غلام میرے پاس مرگیا، اور موکل نے کہا کہ اس کو تم نے اپنے لئے خریدا تھا تو موکل کی بات مانی جائے گی، اور اگر ایک ہزار وکیل کو دے بھی دیا تھا تو وکیل کی بات مانی جائے گی۔

اصـول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل امین بن جائے تو اس کی بات مانی جائے گی۔اور اگر موکل منکر بن جائے تو موکل کی بات مانی جائے گی۔

فالقول قول المأمور۱ لأن في الوجه الأول أخبر عما لا يملک استئنافه ۲ وهو الرجوع بالثمن على الآمر وهو ينكر والقول للمنكر. ۳ وفي الوجه الثاني هو أمين يريد الخروج عن عهدة

تشریح :مثلا زید نے عمر کو ایک ہزار کے بدلے غیر متعین غلام خریدنے کا حکم دیا، عمر نے کہا کہ میں نے غلام خریدا تھا لیکن وہ میرے پاس مر گیا ہے، اس لئے مجھے ایک ہزار دو، اور موکل زید نے کہا کہ نہیں آپ نے اپنے لئے خریدا تھا، اور اس صورت میں کسی کے پاس گواہ نہیں ہے تو موکل کی بات مانی جائے گی۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ وکیل موکل سے رقم لینا چاہتا ہے اس لئے وہ مدعی ہے اور اس کے پاس گواہ نہیں ہے تو اب موکل کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، کیونکہ وہ منکر ہے۔

اور اگر موکل نے وکیل کو ایک ہزار درہم دے دیا تھا تو اس صورت میں وکیل کی بات مانی جائے گی۔

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وکیل امین ہے اور وہ اپنی امانت سے فارغ ہونا چاہتا ہے اس لئے وکیل کی بات مانی جائے گی۔ (۲) جب موکل نے رقم دی تھی تو ظاہر یہی ہے کہ وکیل اسی کے لئے خریدا ہوگا اس لئے وکیل کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ پہلی شکل میں وکیل نے ایسی چیز کی خبر دی جسکو شروع سے کرنے کا مالک نہیں ہے۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، غلام مر چکا ہے اس لئے اب دوبارہ اس کو خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا، اب ایسے غلام کی قیمت لینا چاہتا ہے تو نہیں لے سکتا، کیونکہ موکل اس کو لینا چاہے تو وکیل اس کو نہیں دے سکتا، اسلئے اسکی قیمت بھی نہیں لے سکتا ہے۔

لغت : یملک استینافہ: استیناف: کا ترجمہ ہے شروع سے کرنا، یہ ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کو دوبارہ خرید سکتا ہے۔ اور مراد ہے، یملک استیناف الشراء،

ترجمہ :۲ وکیل موکل سے قیمت لینا چاہتا ہے اور موکل انکار کر رہا ہے اور گواہی نہ ہو تو بات منکر کی مانی جاتی ہے۔

تشریح :یہ دوسری دلیل ہے کہ وکیل رقم لینے کا مدعی ہے اور موکل منکر ہے، اس لئے گواہ نہ ہونے کی صورت میں قسم کے ساتھ منکر کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :۳ اور دوسری صورت [جبکہ موکل نے وکیل کو ہزار درہم دے دیا ہو] تو وکیل امین ہے اور امانت کی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتا ہے اس لئے اس کی بات مانی جائے گی۔

تشریح :دوسری صورت جس میں موکل نے وکیل کو ایک ہزار دے دیا ہو تو اس صورت میں وکیل امین ہے اور وہ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتا ہے اس لئے اس کی بات مانی جائے گی کہ غلام خریدا تھا لیکن میرے پاس مر گیا ہے، اور موکل کا ہزار

الأمانة فيقبل قوله. ۴ؐ ولو كان العبد حيا حين اختلفا إن كان الثمن منقودا فالقول للمأمور لأنه أمين۵ؐ وإن لم يكن منقودا فكذلك عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله لأنه يملك استئناف الشراء فلا يتهم في الإخبار عنه. ۶ؐ وعن أبي حنيفة رحمه الله القول للآمر لأنه موضع تهمة بأن اشتراه لنفسه فإذا رأى الصفقة خاسرة ألزمها الآمر ۷ؐ بخلاف ما إذا كان الثمن منقودا لأنه أمين

وکیل کے پاس رہ جائے گا۔

ترجمہ :۴ؐ جس وقت اختلاف ہو رہا ہو اس وقت غلام زندہ ہو، پس اگر موکل نے قیمت دے دی ہو تو وکیل کی بات کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ وہ امین ہے۔

تشریح :جس وقت وکیل اور موکل میں اختلاف ہو رہا تھا اس وقت غلام زندہ تھا مثلا وہ گم ہو گیا تھا، اور موکل نے ایک ہزار دے بھی دیا تو وکیل امین ہے اس لئے اسی کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :۵ؐ اور اگر رقم نہ دی ہو تو بھی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وکیل ہی کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ یہ دوبارہ غلام کو خرید سکتا ہے۔ اس لئے وکیل کے خبر دینے میں متہم نہیں ہے۔

تشریح :اگر غلام موجود ہو تو اس کو دوبارہ خرید سکتا ہے، اس لئے وکیل نے جو یہ خبر دی کہ میں نے خریدا تھا لیکن وہ گم ہو گیا تو اس خبر دینے میں وہ متہم نہیں ہے اس لئے وکیل ہی کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :۶ؐ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک موکل کے قول کا اعتبار ہے اس لئے کہ یہ تہمت کی جگہ ہے، اس طرح کہ وکیل نے اپنے لئے خریدا تھا لیکن عقد کو نقصان والا دیکھا تو اس غلام کو موکل کو لازم کر دیا۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ موکل کے رقم دے دینے کی صورت میں بھی موکل کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ یہاں تہمت ہے کہ وکیل نے اپنے لئے خریدا ہو اور غلام گھٹیا تھا اس لئے اب موکل کے ذمے ڈال دیا، اس لئے اس تہمت کی وجہ سے موکل کی بات نہیں مانی جائے گی۔ خاص طور پر جب موکل نے رقم نہیں دی ہے تو وہ منکر ہے اس لئے اسی کی بات مانی جائے گی۔

لغت:صفقۃ: عقد بیع، خاسرۃ: نقصان دہ، گھٹیا مال۔

ترجمہ :۷ؐ بخلاف جبکہ رقم دے دی ہو اس لئے کہ اس وقت وکیل امین ہے اس لئے امین کے تابع کر کے اس کی بات مان لی جائے گی، اور اوپر کی صوت میں رقم وکیل کے ہاتھ میں نہیں ہے

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حصہ ہے، کہ اگر وکیل کے ہاتھ میں موکل کی رقم ہو تو وہ امین ہے اس لئے امین کی وجہ

فيه فيقبل قوله تبعا لذلك ولا ثمن في يده هاهنا ۸؎ وإن كان أمره بشراء عبد بعينه ثم اختلفا والعبد حي فالقول للمأمور سواء كان الثمن منقودا أو غير منقود وهذا بالإجماع لأنه أخبر عما يملك استئنافه ولا تهمة فيه لأن الوكيل بشراء شيء بعينه لا يملك شرائه لنفسه بمثل ذلك الثمن في حال غيبته على ما مر بخلاف غير المعين على ما ذكرناه لأبي حنيفة رحمه الله.

(۶۲۱) ومن قال لآخر بعني هذا العبد لفلان فباعه ثم أنكر أن يكون فلان أمره ثم جاء فلان وقال أنا أمرته بذلك فإن فلانا يأخذه ا؎ لأن قوله السابق إقرار منه بالوكالة عنه فلا ينفعه الإنكار

سے اس کی بات مانی جائے گی، لیکن اوپر کی صورت میں موکل کی رقم اس کے قبضے میں نہیں ہے اس لئے وہ امین بھی نہیں ہے اسلئے وکیل کی بات نہیں مانی جائے گی۔

ترجمہ: ۸؎ اور اگر کسی متعین غلام کو خریدنے کا حکم دیا پھر اختلاف ہو گیا، اور غلام زندہ ہے تو وکیل کی بات مانی جائے گی چاہے رقم دی ہو یا نہ دی ہو، اور یہ بات بالاجماع ہے، اس لئے کہ ایسی چیز کی خبر دی کہ اس کو پھر سے کر سکتا ہے، اور اس میں تہمت بھی نہیں ہے اس لئے کہ متعین چیز کو خریدنے کا حکم دیا ہو اتنی رقم میں اس کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا موکل کی غیر موجودگی میں جیسا کہ گزر چکا، بخلاف غیر معین ہو [تو وکیل اپنے لئے بھی خرید سکتا ہے] جیسا کہ ہم نے امام ابو حنیفہؒ کی دلیل میں ذکر کیا

تشریح: متعین غلام کو خریدنے کا موکل نے حکم دیا، اور غلام زندہ بھی ہے، اس کے بعد اختلاف ہو گیا، غلام کہتا ہے کہ میں نے موکل کے لئے خریدا ہے اور موکل کہتا ہے کہ آپ نے اپنے لئے خریدا تھا، تو چاہے موکل رقم دے دی ہو یا نہ دی ہو ہر حال میں وکیل کی بات مانی جائے گی۔

وجہ: (۱) غلام زندہ ہے اس لئے اس کو دوبارہ خرید سکتا ہے جسکو [یملک استینافہ] سے بیان کیا۔ (۲) یہاں غلام متعین ہے اس لئے موکل کی غیر حاضری میں اپنے لئے نہیں خرید سکتا، کیونکہ وہ وکالت سے معزول ہو جائے گا، اس لئے وکیل جب کہہ رہا ہے کہ میں نے موکل کے لئے خریدا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔ ہاں غلام متعین نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ وکیل نے اپنے لئے خریدا ہو لیکن جب گھٹیا دیکھا تو اس کو موکل کے ذمے ڈال دیا۔

ترجمہ: (۶۲۱) کسی نے دوسرے سے کہا کہ اس غلام کو فلاں کے لئے مجھ سے بیچ دو، اس نے بیچ دیا، پھر وکیل نے اس بات انکار کر دیا کہ اسلئے اسکو حکم دیا ہے، اب فلاں آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اس کو خریدنے کا حکم دیا تھا، تو فلاں موکل اس غلام کو لے لے گا

اللاحق.(۶۲۲) فإن قال فلان لم آمره لم يكن ذلک له۱؎ لأن الإقرار يرتد برده (۶۲۳)إلا أن يسلمه المشترى له فيكون بيعا عنه وعليه العهدة۱؎ لأنه صار مشتريا بالتعاطي۲؎ كمن اشترى

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ وکیل کی پہلی بات میں وکالت کا اقرار ہے اس لئے بعد کے انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

تشریح :مثلا زید نے خالد سے کہا کہ مجھے عمر کے لئے یہ غلام میرے ہاتھ بیچ دو، تو اس میں اس بات کا اقرار ہے کہ میں عمر کا وکیل ہوں اب بعد میں عمر آیا تو اس نے بھی تصدیق کی کہ میں نے زید کو وکیل بنایا تھا، اس لئے زید کا انکار کرنا کہ مجھے غلام خریدنے کا حکم نہیں دیا ہے بیکار جائے گا، کیونکہ عمر نے تصدیق کر دیا کہ میں نے زید کو وکیل بنایا تھا۔ اور اب عمر بائع سے اپنا غلام لے سکے گا۔ کیونکہ یہ غلام عمر موکل ہی کے لئے خریدا گیا تھا۔

ترجمہ:(۶۲۲) پس اگر فلاں نے کہا کہ میں نے زید کو اس کے خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا، تو یہ غلام فلاں کے لئے نہیں ہوگا

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ وکیل کا اقرار موکل کے رد کرنے سے رد ہو گیا۔

تشریح :لیکن اگر عمر موکل نے کہا کہ میں نے زید وکیل کو غلام خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا تو اب عمر موکل کو یہ غلام لینے کا حق نہیں رہے گا، کیونکہ جب خود عمر نے کہا کہ میں نے زید کو وکیل نہیں بنایا تھا، تو اس سے زید کے انکار کی تصدیق ہوگئی کہ زید واقعی وکیل نہیں ہے، اس لئے عمر بائع سے غلام نہیں لے سکے گا۔

ترجمہ :(۶۲۳) مگر یہ کہ مشتری موکل کو غلام دے دے، تو اب موکل سے بیع ہو جائے گی اور موکل پر قیمت کی ذمہ داری ہو جائے گی۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ لین دین کرنے کی وجہ سے موکل عمر مشتری ہو گیا۔

تشریح :اس صورت میں عمر کے وکیل بنانے سے انکار کے باوجود غلام لے سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید وکیل نے موکل عمر کو غلام دے دے، اور عمر اس کو قبول کر لے تو اب ان دونوں کے درمیان بیع تعاطی ہو جائے گی، اور غلام عمر کا ہو جائے ا، اور عمر موکل پر اس کی قیمت لازم ہو جائے گی۔

لغت :العهدة: ذمہ داری، یہاں مراد ہے قیمت دینے کی ذمہ داری۔ تعاطی: عطاء سے مشتق ہے، دینا، لینا، بیع تعاطی کی شکل یہ ہے کہ ایجاب اور قبول نہ کرے، بس بائع مبیع دے اور مشتری اس کو لے لے، اور مشتری کو اس کی قیمت کا علم ہو، تو اس کو، بیع تعاطی، کہتے ہیں، یہ چھوٹی چیز میں بھی ہے اور بڑی چیز میں بھی جائز ہے۔

ترجمہ :۲؎ جیسے کسی نے دوسرے کے لئے بغیر اس کے حکم کے چیز خریدی اور وہ چیز خریدنے والے پر لازم بھی ہوگئی، اس کے بعد جسکے لئے خریدی تھی اس کو دے دیا[اور اس نے لے بھی لی، تو یہاں بیع تعاطی کے طور پر لینے کی چیز ہو جائے گی]

لغيره بغير أمره حتى لزمه ثم سلمه المشترى له ۳؎ **ودلت المسألة على أن التسليم على وجه البيع يكفي للتعاطي وإن لم يوجد نقد الثمن وهو يتحقق في النفيس والخسيس لاستتمام التراضي وهو المعتبر في الباب.** (۶۲۳) **قال ومن أمر رجلا أن يشتري له عبدين بأعيانهما ولم يسم له ثمنا فاشترى له أحدهما جاز** ۱؎ **لأن التوكيل مطلق وقد لا يتفق الجمع بينهما في البيع**

تشریح : یہ بیع تعاطی جائز ہونے کی مثال ہے۔ مثلا زید نے عمر کے حکم کے بغیر غلام خرید لیا، بعد میں زید نے عمر کو دے دیا اور عمر نے لے بھی لیا تو زید اور عمر کے درمیان بیع تعاطی ہو جائے گی، اور عمر کو غلام مل جائے گا، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں زید وکیل نہ ہونے کے باوجود عمر کو غلام دے دے اور عمر اس کو لے لے تو غلام عمر کا ہو جائے گا۔

ترجمہ ۳؎ اس مسئلے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیع کے طور پر سپرد کر دینا بیع تعاطی کیلئے کافی ہے، چاہے نقد ثمن نہ دیا ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اعلی اور ادنی چیز دونوں میں بیع تعاطی جائز ہے، کیونکہ بیع اور مشتری دونوں مکمل رضامندی ہے جو اس باب میں معتبر ہے

تشریح : اوپر کے مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے مسئلہ مستنبط کرتے ہیں اس سے واضح ہوا کہ بیع کے طور پر مشتری کو مبیع سپرد کر دے بیع تعاطی کے لئے اتنا ہی کافی ہے، چاہے اس وقت قیمت ادا نہ کی ہو، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ بیع تعاطی میں بائع اور مشتری کی رضامندی سے لین دین ہو جائے بس اتنا ہی کافی ہے۔

ترجمہ : (۶۲۳) کسی نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ اس کے لئے دو متعین غلام خرید لیں، اور اس کی قیمت متعین نہیں کی، اب اس وکیل نے صرف ایک غلام خریدا تو بھی جائز ہے۔

ترجمہ ۱؎ اس لئے کہ وکیل بنانا مطلق ہے [یعنی ایک ساتھ دونوں خریدو یہ قید نہیں ہے] اسلئے وکالت اپنے اطلاق پر جاری ہوگا، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں ایک ساتھ بیع میں جمع نہیں ہوتے [اس لئے ابھی ایک کو خریدا تب بھی جائز ہے اور غلام موکل کا ہوگا]

تشریح : دو غلاموں کو خریدنے کا وکیل بنایا لیکن قیمت متعین نہیں کی، اب وکیل نے ابھی ایک خریدا ہے تو یہ جائز ہے اور یہ ایک غلام موکل کا ہوگا۔

وجہ : (۱) وکالت میں یہ قید نہیں ہے کہ ایک ساتھ ہی دونوں غلاموں کو خریدو وہ مطلق ہے، اس لئے الگ الگ خریدت بھی جائز ہے (۲) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں غلام ایک ساتھ نہیں بکتے اس لئے ایک ایک کر کے خریدا ہے اس لئے جائز ہوگا۔

ترجمہ : (۶۲۴) مگر اس صورت میں جس میں لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں۔

(۶۲۴)إلا فيما لا يتغابن الناس فيه ل لأنه توكيل بالشراء وهذا كله بالإجماع(۶۲۵) ولو أمره بأن يشتريهما بألف وقيمتهما سواء فعند أبي حنيفة رحمه الله إن اشترى أحدهما بخمسمائة أو أقل جاز وإن اشترى بأكثر لم يلزم الآمر ل لأنه قابل الألف بهما وقيمتهما سواء فيقسم بينهما

ترجمہ : ل اس لئے کہ یہ خریدنے کا وکیل ہے[تغابن سے زیادہ قابل برداشت نہیں ہے]اور یہ مسئلہ بالا جماع ہے۔

تشریح :اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر ایک غلام کو اتنا مہنگا خرید لیا کہ عام طور لوگ اتنی قیمت نہیں دے سکتا،اور لوگ اتنا دھوکہ نہیں کھاتے ہیں تو پھر یہ غلام موکل کا نہیں ہوگا خود وکیل کا ہو جائے گا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدنے میں وکالت کا یہ قاعدہ ہے کہ جتنے میں لوگ دھوکہ کھاتے ہوں وہاں تک جائز ہے اور جتنے میں لوگ دھوکہ نہیں کھاتے اس قیمت میں خریدا تو جائز نہیں ہے۔

لغت :یتغابن الناس: یہ ایک محارہ ہے،لوگ زیادہ سے زیادہ جتنی قیمت اس چیز کی دے سکتے ہوں وہ,یتغابن الناس ہے ، اس کو غبن یسیر کہتے ہیں۔اور اس سے جو زیادہ قیمت ہوگی وہ,لایتغابن الناس، ہوگی،اس کو غبن فاحش، کہتے ہیں ۔

ترجمہ :(۶۲۵)اگر ایک ہزار میں دو غلاموں کو خریدنے کا حکم دیا،اور دونوں کی قیمت برابر اتھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے ایک کو پانچ سو میں خرید لیا یا اس سے کم میں خرید لیا تو جائز ہے،پس اگر پانچ سو زیادہ میں خریدا تو موکل کو یہ غلام لازم نہیں ہوگا

ترجمہ : ل اس لئے کہ موکل نے ایک ہزار کو دونوں کے مقابلے میں کیا ہے اور دونوں کی قیمت بھی برابر ہے تو دونوں غلاموں پر دلالت کے طور پر آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا اس لئے گویا کہ ہر ایک کو پانچ سو پانچ سو میں خریدنے کا حکم دیا، پھر پانچ سو خریدنا موکل کی موافقت ہے،اور اس سے کم میں خریدنا مخالفت تو ہے لیکن خیر کی مخالفت ہے،اور پانچ سو زیادہ میں خریدنا شر کی مخالفت ہے، چاہے یہ بہت زیادہ ہو، یا کم زیادہ ہو جائز نہیں ہے۔

اصول :امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ پان چو سو زائد میں خرینا جائز نہیں ہوگا، چاہے غبن یسیر ہو۔

تشریح : موکل دو غلاموں کو ایک ہزار میں خریدنے کا حکم دیا،اور دونوں کی قیمت برابر ہے۔اب وکیل نے ایک کو پانچ سو خریدا تو موکل کو یہ غلام لازم ہوگا ، کیونکہ دونوں کی قیمت ایک ہزار ہے تو دلالت کے طور پر یہ بات ہوئی کہ ایک کو پانچ سو میں خریدنے کا حکم دیا ہے،اس لئے موکل کو لازم ہوگا۔اور اگر پانچ سو کم میں خریدا تو اس میں موکل کی مخالفت ہے،لیکن اس میں موکل کا فائدہ ہے اس لئے یہ بھی ٹھیک ہے،لیکن اگر پانچ سو سے زیادہ میں خریدا تو موکل کو لازم نہیں ہوگا ، کیونکہ یہ شر کی مخالفت ہے۔پھر یہ جو پانچ سو سے زیادہ دیا تو چاہے بہت زیادہ ہو، یا تھوڑا سا زیادہ ہر حال میں جائز نہیں ہے۔ہاں موکل قبول کر لے تو

نصفين دلالة فكان آمرا بشراء كل واحد منهما بخمسمائة ثم الشراء بها موافقة وبأقل منها مخالفة إلى خير والزيادة إلى شر قلت الزيادة أو كثرت فلا يجوز (٦٢٦) إلا أن يشتري الباقي ببقية الألف قبل أن يختصما[ا] استحسانا لأن شراء الأول قائم وقد حصل غرضه المصرح به وهو تحصيل العبدين بالألف وما ثبت الانقسام إلا دلالة والصريح يفوقها(٦٢٧) وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله إن اشترى أحدهما بأكثر من نصف الألف بما يتغابن الناس فيه وقد بقي من الألف ما يشترى بمثله الباقي جاز[ا] لأن التوكيل مطلق لكنه يتقيد بالمتعارف وهو فيما قلنا

ہو جائے گا۔

ترجمه :(٦٢٦) مگر یہ کہ جھگڑا شروع ہونے سے پہلے باقی غلام کو ہزار میں سے جو باقی رہ گیا ہے اس سے خرید لے۔

ترجمه :[ا] استحسانا جائز ہے، اس لئے کہ پہلا خریدنا قائم ہے اور موکل کی تشریح ہوئی غرض حاصل ہو گیا اور وہ تھا ایک ہزار میں دونوں غلاموں کو خریدنا، اور جو تقسیم ہوئی وہ دلالۃ ہے اور صراحت اس کے اوپر ہے۔

تشریح : ایک غلام کو پانچ سو سے زیادہ میں خریدا تھا لیکن قاضی کے پاس جھگڑا جانے سے پہلے وکیل نے بقیہ رقم سے باقی غلام کو بھی خرید لیا تو اب موکل کو دونوں غلام لازم ہو جائیں گے۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ موکل کی غرض تھی دونوں غلاموں کو ایک ہزار میں حاصل کرنا اور وہ ہو گیا، باقی رہی تقسیم ہونا وہ دلالۃ ہے، اور اب صراحت کے اعتبار سے تقسیم نہیں بلکہ دونوں غلام ایک ساتھ ہے اس لئے اس کو ترجیح دی جائے گی، اور دونوں غلام موکل پر لازم ہوں گے۔

ترجمه :(٦٢٧) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر دونوں میں ایک غلام کو آدھے ہزار میں سے اتنے زیادہ میں خریدا جس میں لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں، اور ہزار میں سے اتنا باقی رہ گیا کہ جس سے باقی غلام کو خریدا جا سکتا تھا تو پہلے غلام کو خریدنا جائز ہے

ترجمه :[ا] اس لئے وکیل بنانا مطلق ہے لیکن متعارف کی قید کے ساتھ، اور متعارف ہو ہے جو ہم نے کہا کہ [اتنے میں غلام خریدے کہ باقی رقم سے دوسرا غلام خرید سکتا ہے] لیکن ضروری ہے ہزار میں سے اتنا باقی رہ جائے کہ اس سے باقی غلام کو خرید سکے اور موکل کا غرض حاصل ہو جائے۔

اصول :صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ غبن یسیر سے ایک غلام خریدا تب بھی جائز ہے۔

ولكن لا بد أن يبقى من الألف باقية يشترى بمثلها الباقي ليمكنه تحصيل غرض الآمر.

(٦٢٨)قال ومن له على آخر ألف درهم فأمره أن يشتري بها هذا العبد فاشتراه جاز لالأن في تعيين المبيع تعيين البائع ولو عين البائع يجوز على ما نذكره إن شاء الله تعالى

تشریح: امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر پانچ سو سے زائد میں بھی غلام خریدا، لیکن اتنے میں خریدا جو غبن یسیر ہے، اور باقی رقم سے باقی غلام خریدا جا سکتا ہے تو یہ ایک غلام بھی خریدنا جائز ہوگا، اور یہ غلام موکل پر لازم ہوگا۔

وجہ: موکل نے ایک ساتھ خریدنے کی قید نہیں لگائی ہے اس لئے ایک غلام کو خرید سکتا ہے، البتہ متعارف کی قید ضرور ہے، اور متعارف یہ ہے کہ غبن فاحش میں نہ خریدے، اور ہزار میں سے اتنی رقم باقی رہ جائے کہ اس سے باقی غلام خریدا جا سکے اتنا ہی کافی ہے۔

وجہ: یتقید بالمتعارف وھو فیما قلنا: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ متعارف کی قید ہر وکالت میں ہوگی، اور متعارف یہ ہے کہ غبن فاحش میں نہ خریدے، جو ہم نے پہلے کہا۔

ترجمہ: (٦٢٨) کسی کا دوسرے پر ایک ہزار درہم قرض ہے اس نے مقروض کو حکم دیا کہ اس متعین غلام کو خرید لے اور وکیل نے خرید لیا تو جائز ہے [یہ غلام موکل کا ہو جائے گا]

ترجمہ: ل اس لئے کہ مبیع کے معین کرنے سے بائع متعین ہو گیا، اور اگر بائع متعین کرتا تو جائز ہو جاتا، جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے، اس لئے مبیع متعین کرنے سے بھی جائز ہو جائیگا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ، وکیل پر قرض ہو تو [۱]...... یا خود موکل اس پر قبضہ کرے، یا [۲]...... قرض کے بدلے پر موکل قبضہ کرے، [۳]...... یا قرض پر قبضہ کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنائے مثلا بائع کو قرض پر قبضہ کرنے کے لئے متعین کرے اور وہ موکل کی جانب سے قبضہ کر لے تب قرضہ ادا ہوگا، اور یہ نہیں کیا تو نہیں ہوگا۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ وکیل کو اتنا کہہ دیا کہ تم فلاں معاملے میں میرا قرض خرچ کر دو اور اس نے کر دیا تو اس سے ہی موکل کا قبضہ شمار ہو جائے گا، اور وکیل سے قرضہ ختم ہو جائے گا۔ ان دونوں اصولوں کو غور سے یاد رکھیں، تب مسئلہ سمجھ میں آئے گا۔

تشریح: مثلا زید کا عمر پر ایک ہزار درہم تھا، اس کو حکم دیا کہ اس ہزار سے فلاں متعین غلام خرید لے، عمر نے وہ غلام خرید لیا تو جائز ہے اور یہ غلام زید کا ہو جائے گا اور عمر جو ہزار تھا وہ ختم ہو جائے گا۔

وجہ: جب اس نے مبیع متعین کیا تو گویا کہ اپنے درہم پر قبضہ کرنے کے لئے بائع کو بھی متعین کر دیا، اور اوپر اصول گزر چکا ہے

(۶۲۹) قال وإن أمره أن يشتري بها عبدا بغير عينه فاشتراه فمات في يده قبل أن يقبضه الآمر مات من مال المشتري وإن قبضه الآمر فهو له۱ وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله ۲ وقالا هو لازم للآمر إذا قبضه المأمور وعلى هذا إذا أمره أن يسلم ما عليه أو يصرف ما عليه. لهما أن الدراهم والدنانير لا يتعينان في المعاوضات دينا كانت أو عينا ألا يرى أنه لو تبايعا عينا بدين ثم تصادقا

کہ موکل اپنے قرض پر بائع کو قبضہ کرنے کیلئے متعین کرے تو موکل کی جانب سے اس کا قبضہ کرنا درست ہو جائے گا، اور غلام موکل کا ہو جائے گا۔

ترجمہ:(۶۲۹) اور اگر وکیل کو حکم دیا کہ کوئی بھی غیر متعین خرید لے، پس اس نے خرید لیا اور موکل کے قبضہ کرنے سے پہلے وکیل کے ہاتھ میں غلام مر گیا تو مشتری [یعنی وکیل کے] مال سے مرا، اور اگر موکل نے غلام پر قبضہ کر لیا تو اب موکل مرے گا

ترجمہ :۱ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : مثلا زید کا عمر پر ایک ہزار قرض تھا، زید نے عمر کو غیر متعین غلام خریدنے کے لئے کہا، اس نے خرید لیا لیکن موکل زید کے قبضے سے پہلے مر گیا تو یہ غلام وکیل عمر کا مرا، ہاں زید اس غلام پر قبضہ کر چکا ہوتا تو زید کا مرتا۔

وجہ :(۱) پہلے امام ابو حنیفہؒ کا اصول گزر چکا ہے کہ یا تو موکل کی جانب سے بائع قبضہ کرے، یا خود موکل قبضہ کرے تب موکل کی چیز ہوگی، یہاں بائع متعین نہیں تھا کیونکہ مبیع بھی متعین نہیں تھی اس لئے بائع کی جانب سے بھی قبضہ نہیں ہوا، اور موکل کی جانب سے بھی قبضہ نہیں ہوا اس لئے یہ غلام وکیل کا تھا اور وکیل ہی کا مرا، اور غلام سے ہزار ساقط نہیں ہوگا۔ (۲) اصل وجہ یہ ہے کہ بائع متعین ہو تو موکل اس سے پوچھ سکتا ہے کہ وکیل نے غلام خریدا تھا یا نہیں، اور وہ متعین نہ ہو تو کس سے پوچھے گا! اس صورت میں وکیل دھوکہ دے کر رقم لے سکتا ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے قید لگائی کہ یا تو بائع متعین ہو، یا خود موکل کے ہاتھ میں غلام دے تاکہ موکل کی رقم محفوظ رہ سکے۔

ترجمہ :۲ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غلام موکل کو لازم ہو جائے گا، جبکہ وکیل نے اسپر قبضہ کر لیا ہو، اسی اختلاف پر ہے جبکہ موکل کہے کہ جو تمہارے اوپر قرض ہے اس سے بیع سلم کر لو، یا بیع صرف کر لو۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عوض [بیع] میں درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا چاہے وہ قرض ہو یا عین درہم اور ع دینار ہوں، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ عین مال کو قرض کے بدلے میں بیع کیا، پھر تصدیق کر دی کہ اس پر قرض نہیں تھا تو عقد بیع باطل نہیں ہوگا اس لئے مطلق وکیل بنانا اور قرض کے لئے مقید وکیل بنانا برابر ہے اس لئے وکیل بنانا صحیح ہے، اور موکل کو یہ غلام لازم ہو جائے گا اس لئے کہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے۔

أن لا دين لا يبطل العقد فصار الإطلاق و التقييد فيه سواء فيصح التوكيل ويلزم الآمر لأن يد

تشریح :صاحبینؒ کے یہاں وکیل نے غلام پر قبضہ کرلیا تو یہ قبضہ موکل کا شمار کیا جائے گا،اور جو غلام مرا وہ موکل کا مرا۔یہ صورت ہے اگر موکل نے وکیل کو کہا کہ میرے قرض کی رقم سے بیع سلم کرلو، یا بیع صرف کرلو اور اس نے کرلیا پھر بیع سلم کی صورت میں آناج ہلاک ہوگیا،اور بیع صرف کی صورت میں خریدا ہوا درہم ہلاک ہوگیا تو صاحبین کے نزدیک موکل کا آناج اور درہم ہلاک ہوگا۔

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر وکیل پر قرض نہ ہوتا اور اس کو وکیل بناتا،اور وکیل غلام خریدنے کے بعد اس کو موکل سے روکتا نہیں،اور ہلاک ہوجاتا تو یہ موکل کا ہلاک ہوتا، کیونکہ اس غلام پر وکیل کا قبضہ گویا کہ موکل کا قبضہ ہے۔(۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ غلام وکیل کے ہاتھ میں موکل کی امانت ہے اس لئے اگر ہلاک ہوا تو موکل ہی کا مرا۔(۳) یہ جو وکیل پر موکل کا ایک ہزار قرض ہے، یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا،اس لئے چاہے یوں کہے کہ میرے قرض کے بدلے میں غلام خریدو، یا میرے قرض کا نام نہیں لیا،صرف یوں کہا کہ کسی ایک ہزار کے بدلے غلام خریدلو،تو دونوں حکم کے اعتبار سے برابر ہیں،اور پہلے گزر چکا ہے کہ مطلقا وکیل بنایا تو جو غلام وکیل خریدے گا وہ موکل کا ہوجائے گا،اسی طرح یوں کہا کہ میرے قرض کے بدلے خریدو تب بھی جو غلام وکیل خریدے گا وہ موکل کا ہوجائے گا،اس لئے موکل کا ہی ہلاک ہوگا۔(۴) الا ترى انه لو تبايعا عينا بدين الخ سے،اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔کہ اسی قرض کے بدلے وکیل غلام خریدلے بعد میں وکیل اور موکل اس بات کی تصدیق کرلے کہ قرض نہیں تھا، پھر بھی غلام کے خریدنے کی بیع باقی رہتی ہے، حالانکہ اگر قرض متعین ہوتا تو اب قرض نہیں ہے اس لئے یہ بیع باطل ہوجاتی ،لیکن بیع باقی رہی اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض کے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، گویا کہ موکل نے مطلق یہ کہا کہ کسی ایک ہزار کے بدلے غلام خریدلو،اس لئے وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوگا،اور غلام موکل کا مرے گا

لغت :یسلم ما علیہ:وکیل پر جو قرض اس سے بیع سلم کرلے۔یصرف ما علیہ:وکیل پر جو قرض اس کے بدلے بیع صرف کرلے ۔لو تبایعا عینا بدین: یہاں عینا سے مراد غلام ہے جو عین شیء ہے۔اور دین سے مراد قرض ہے جو وکیل پر ہے۔اطلاق والتقیید :یہاں اطلاق مراد ہے کہ وکیل کو یوں کہے کہ کسی بھی ہزار درہم سے غلام خریدلو۔اور تقیید : سے مراد ہے کہ یوں کہے کہ میرا جو تم پر ہزار ہے اس سے غلام خریدلو، صاحبین فرماتے ہیں کہ قرض والا مقید ہزار سے غلام خرینے کے لئے کہے یا مطلق ہزار کے بدلے غلام خریدنے کے لئے کہے دونوں کا حکم برابر ہے،یعنی مطلق وکیل بنے گا،اور وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوگا۔

اصول :صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ قرض متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا،اس لئے مطلق بنے گا،اور وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوگا۔

الوكيل كيده.و ۳؎ ولأبي حنيفة رحمه الله أنها تتعين في الوكالات ألا ترى أنه لو قيد الوكالة بالعين منها أو بالدين منها ثم استهلك العين أو أسقط الدين بطلت الوكالة وإذا تعينت كان هذا تمليك الدين من غير من عليه الدين من دون أن يوكله بقبضه وذلك لا يجوز ۴؎ كما إذا

ترجمه :۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکالت میں قرض متعین ہوتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ وکالت کو عین درہم کے ساتھ متعین کیا یا قرض کے درہم کے ساتھ متعین کیا پھر عین درہم ہلاک ہوگیا، یا قرض کو ساقط کر دیا تو وکالت باطل ہو جاتی ہے، پس جب قرض متعین ہوتا ہے، تو ایسا ہوا کہ قرض کو ایسے آدمی کو مالک بنایا جس پر قرض نہیں ہے اور اس کو قرض وصول کرنے کا وکیل بھی نہیں بنایا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

تشریح : یہاں عبارت بہت پیچیدہ ہے۔غور سے دیکھیں۔۔امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکالت میں عین درہم دے تب بھی متعین ہوتا ہے، اور قرض ہو تو وہ بھی متعین ہوتا ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ وکیل کو عین درہم دیا اور ہلاک ہو گیا تو وکالت ختم ہو جائے گی، اسی طرح وکیل پر قرض تھا اور موکل نے اس کو ساقط کر دیا تو وکالت ختم ہو جائے گی، جس کا مطلب یہ نکلا کہ وکیل بنانے میں عین درہم اور قرض کا درہم دونوں متعین ہوتے ہیں، دوسری بات یہ فرماتے ہیں کہ اس قرض کو وصول کرنے کے لئے دو صورتیں ہیں [۱] ایک یہ کہ موکل بائع کو متعین کرے اور گویا کہ اس کو اپنا وکیل بنائے کہ اپنی مبیع دیکر میرے قرض پر قبضہ کرو، [۲] یا پھر خود موکل مبیع لیکر گویا کہ اپنے قرض پر قبضہ کرے، اور یہاں دونوں نہیں پائے گئے، نہ موکل نے غلام پر قبضہ کیا ،اور نہ موکل کی جانب سے بائع متعین ہے کہ موکل کا نائب بنکر قبضہ کرے اس لئے یہ غلام وکیل ہی کا مانا جائے گا۔

لغت :تملیک الدین من غیر من علیہ الدین من غیر ان یوکلہ بقبضہ: جس پر قرض نہیں ہے اس کو قرض وصول کرنے کا مالک بنا رہا، جبکہ اس کو قبضہ کرنے کا وکیل نہیں بنایا تو یہ قبضہ کرنا درست نہیں ہوگا۔

ترجمه :۴؎ جیسے مشتری کے علاوہ پر قرض ہو اس کے بدلے میں خریدے تو جائز نہیں۔

تشریح :یہ مثال ہے، مثلا زید کا قرض عمر پر نہیں، بلکہ خالد پر ہے، اب خالد پر جو قرض ہے اس کے بدلے عمر سے غلام خریدے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ قرض دوسرے پر ہے اس کے بدلے غلام خرید رہا ہے، خود خریدنے والے کے قبضے میں رقم نہیں ہے اس لئے یہ بیع ناجائز ہے، اسی طرح جس پر قرضہ نہیں اس کو قرض کا مالک بنا رہا ہے، اور اس کو قبضے کا وکیل بھی نہیں بنا رہا ہے تو یہ ناجائز ہے۔۔نوٹ یہاں غیر المشتری، کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرض بائع پر بھی نہیں ہے اور مشتری پر بھی نہیں ہے ان دونوں کے علاوہ پر ہے اس کے بدلے خرید رہا ہے جو ناجائز ہے۔

ترجمه :۵؎ یا وکیل کو ایسی چیز کو خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے جو خود موکل کے قبضے میں نہیں ہے تو یہ حکم باطل ہے، ہاں حکم

اشترى بدين على غير المشتري ۵؎ أو يكون أمرا بصرف ما لا يملكه إلا بالقبض قبله وذلک باطل ٦؎ كما إذا قال أعط مالي عليک من شئت ۷؎ بخلاف ما إذا عين البائع لأنه يصير وكيلا عنه في القبض ثم يتملكه ۸؎ وبخلاف ما إذا أمره بالتصدق لأنه جعل المال لله وهو معلوم. ۹؎ وإذا لم

دینے سے پہلے اس چیز پر موکل کا قبضہ ہو جائے تو جائز ہوگا۔

تشریح : قاعدہ یہ ہے کہ وکیل پر جو قرض ہے اس پر پہلے قبضہ کرے اور اپنی ملکیت میں لے لے، اس کے بعد اس کو حکم دے سکتا ہے کہ اس کو خرچ کرو، اس سے پہلے خرچ کرنے کا حکم دے گا تو یہ حکم باطل ہے، کیونکہ وہ قرض ابھی متعین نہیں ہے، اور وکیل کی ملکیت ہے موکل کی ملکیت نہیں ہے اس لئے اس کو خرچ کرنے کا حکم نہیں دے سکتا۔ اسی طرح یہاں موکل نے وکیل کے قرض پر قبضہ بھی نہیں کیا ہے اور حکم دے رہا ہے کہ بائع کو دے دو تو یہ صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ٦؎ جیسے موکل یہ کہے کہ میرا مال [قرض] جسکو چاہو دے دو [تو یہ حکم دینا جائز نہیں۔

تشریح : یہ تیسری مثال ہے، کہ موکل نے اپنے قرض پر ابھی قبضہ بھی نہیں کیا ہے اور اس کا مالک بھی نہیں بنا ہے اور وکیل کو کہہ رہا ہے کہ میرا قرض جسکو چاہو دے دو یہ حکم دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ موکل ابھی مالک نہیں ہے۔۔ ہاں کسی لینے والے کو متعین کر دیتا تو حکم دینا جائز ہو جاتا، کیونکہ جسکو لینے کے لئے متعین کیا ہے وہ موکل کی جانب سے قبضہ کا وکیل بن گیا اور اس کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوگا، پھر گویا کہ لینے والا اپنے اوپر خرچ کرے گا، تو جائز ہے۔

ترجمہ: ۷؎ بخلاف جبکہ موکل بائع کو متعین کر دے، اس لئے کہ یہ بائع قبضہ کرنے میں موکل کا وکیل بن جائے گا [تو گویا کہ پہلے موکل کی جانب سے قبضہ کرے گا] پھر اپنے لئے قبضہ کرے گا۔

تشریح : یہ دوسری صورت ہے، کہ موکل بائع کو متعین کر دے۔ مثلا وکیل کو کہے کہ میرے ایک ہزار قرض کے بدلے میں فلاں بائع سے غلام خرید و، تو یہ حکم دینا جائز ہوگا۔ کیونکہ وہ متعین بائع موکل کی جانب سے قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا، اور اس کے قبضہ کرنے سے گویا کہ موکل کو قرض واپس کر دیا، اس لئے اب وکیل کے ہاتھ میں غلام مرا تو موکل کا غلام مرے گا۔

ترجمہ : ۸؎ بخلاف اگر موکل نے اپنے مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تو جائز ہے اس لئے کہ مال کو اللہ تعالی کے لئے کر دیا اور وہ متعین ہے، معلوم ہے۔

تشریح ؛ یہ ایک اشکا کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ موکل وکیل سے کہے کہ میرا جو تم پر قرض ہے اس کو صدقہ کر دو، اور اس نے صدقہ کر دیا تو موکل کا مال جاتا ہے، حالانکہ یہاں بھی موکل کی جانب سے کوئی مسکین متعین نہیں ہے جو موکل کا نائب بنکر قبضہ کرے، اور موکل کی جانب سے قبضہ تو یہاں کیسے درست ہو گیا؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں صدقہ لینے کے لئے اللہ

يصح التوكيل نفذ الشراء على المأمور فيهلك من ماله إلا إذا قبضه الآمر منه لانعقاد البيع تعاطيا.

(٦٣٠) قال ومن دفع إلى آخر ألفا وأمره أن يشتري بها جارية فاشتراها فقال الآمر اشتريتها بخمسمائة. وقال المأمور اشتريتها بألف فالقول قول المأمور ۱ ومراده إذا كانت تساوي ألفا لأنه أمين فيه وقد ادعى الخروج عن عهدة الأمانة والآمر يدعي عليه ضمان

متعین ہے، اوراس کی نیابت میں مسکین قبضہ کرتا ہے، تو گویا کہ مسکین نے موکل کی جانب سے وکیل بنکر قبضہ کیا، پھر بعد میں اپنے لئے قبضہ کیا اس لئے موکل کا قبضہ شمار کیا جائے گا اور موکل کا مال وصول ہو جائے گا۔

ترجمہ :۹ اور جب وکیل کو وکیل بنانا صحیح نہیں ہوا تو خریدا ہوا غلام وکیل ہی پر نافذ ہوگا اور وکیل ہی کا مال ہلاک ہوگا، ہاں موکل خود غلام پر قبضہ کر لے تو بیع تعاطی ہو کر موکل کا غلام ہو جائے گا، [اور اب ہلاک ہوگا تو موکل کا ہلاک ہوگا۔

تشریح :اس عبارت کا تعلق بہت اوپر سے ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ جب موکل نے وکیل سے اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے بائع متعین نہیں کیا تو موکل کے قرض پر قبضہ کرنے والا بھی کوئی نہیں رہا، اس لئے وکالت باطل ہوگئی، اب وکیل نے جو غلام خریدا وہ خود وکیل کا غلام ہے اس لئے مرا تو وکیل کا غلام مرا۔الا اذا قبضہ الامر، سے آگے دوسری صورت بیان کر رہے ہیں کہ ہاں موکل نے خود غلام پر قبضہ کر لیا تو اب وکیل اور موکل کے درمیان بیع تعاطی ہوگئی، اور غلام موکل کا ہو گیا، اس لئے اب مرے گا تو موکل کا غلام مرے گا۔

ترجمہ :(٦٣٠) کسی نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دیا اور اس کو حکم دیا کہ ایک باندی خرید لے، اس نے ایک باندی خریدی تو موکل نے کہا کہ تم نے پانچ سو میں خریدا ہے، اور وکیل کہتا ہے کہ میں نے ایک ہزار میں خریدا ہے تو وکیل کی بات مانی جائے گی

ترجمہ :۱ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ باندی ایک ہزار کے لائق ہو [تب بات مانی جائے گی] اس لئے کہ خریدنے میں وکیل امین ہے، اور امانت کی ذمہ داری سے نکلنے کا دعوی کر رہا ہے، اور موکل اس پر پانچ سو درہم ضمان لازم کر رہا اور وکیل اس کا انکار کر رہا ہے اس لئے منکر کی بات مانی جائے گی۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل نے مناسب قیمت میں باندی خریدی تو اس کی بات مانی جائے گی۔اور اگر غبن فاحش میں خریدا تو اس کی وکالت ختم ہو جائے گی اور یہ باندی خود وکیل کی ہو جائے گی۔کیونکہ عرف میں وکالت غبن یسیر کے ساتھ مانی جاتی ہے، غبن فاحش کے ساتھ نہیں۔

تشریح :مثلا زید نے عمر کو ایک ہزار دیا اور کہا کہ اس سے باندی خرید کر لاؤ اسنے باندی خریدی تو اب موکل کہتا ہے کہ تم نے پانچ سو میں خریدا ہے، تو گویا کہ پانچ سو واپس مانگ رہا ہے، اور باندی ایسی ہے کہ ایک ہزار قیمت کی ہے، تو وکیل کی بات مانی

خمسمائة وهو ينكر ۲؎ فإن كانت تساوي خمسمائة فالقول قول الآمر لأنه خالف حيث اشترى جارية تساوي خمسمائة والأمر تناول ما يساوي ألفا فيضمن. (۶۳۱) قال وإن لم يكن دفع إليه الألف فالقول قول الآمر ۱؎ أما إذا كانت قيمتها خمسمائة فللمخالفة ۲؎ وإن كانت قيمتها ألفا فمعناه أنهما يتحالفان لأن الموكل والوكيل في هذا ينزلان منزلة البائع والمشتري وقد وقع الاختلاف في الثمن وموجبه التحالف. ثم يفسخ العقد الذي جرى بينهما فتلزم الجارية

جائے گی

وجه :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ وکیل یہاں امین ہے اور امانت کی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتا ہے اس لئے اس کی بات مانی جائے گی۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ موکل پانچ سو کا مطالبہ کر رہا ہے اور وکیل منکر ہے اس لئے منکر کی بات مانی جائے گی۔

ترجمه:۲؎ اور اگر باندی پانچ سو کے لائق ہے تو موکل کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ وکیل نے موکل کے حکم کی مخالفت کی ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی باندی خریدی جو پانچ سو کے لائق ہے، حالانکہ حکم ایک ہزار کو شامل تھا اس لئے وکیل ضامن ہو جائے گا۔

تشريح :اگر ایسی باندی خریدی کہ وہ پانچ سو کے لائق ہے تو اب موکل کی بات مانی جائیگی، اور یہ باندی وکیل ہی کی رہے گی

وجه : کیونکہ موکل نے ایک ہزار میں باندی خریدنے کے لئے کہا تھا، اب وکیل نے اسکے حکم کی مخالفت کی تو وکالت ختم ہو جائے گی، اور جب وکالت ختم ہوگئی تو خریدی ہوئی باندی وکیل ہی کی رہے گی، اور وکیل پر پورے ایک ہزار واپس کرنا لازم ہوگا

ترجمه :(۶۳۱) اور اگر موکل نے وکیل کو ہزار نہیں دیا تو اب موکل کی بات مانی جائے گی۔

ترجمه :۱؎ بہر حال اگر باندی کی قیمت پانچ سو ہے تو موکل کی مخالفت کی وجہ سے۔

تشريح :موکل نے صرف کہا تھا کہ ایک ہزار لے جانا ابھی دیا نہیں تھا تو موکل کی بات مانی جائے گی۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر باندی پانچ سو کے لائق ہے تو اس نے موکل کی مخالفت کی اس لئے وکالت باطل ہوگئی، اسلئے یہ باندی وکیل کی ہوگی، اور موکل سے رقم نہیں لے سکے گا۔

ترجمه :۲؎ اور اگر باندی کی قیمت ایک ہزار ہے تو عبارت کا مطلب یہ ہے وکل اور موکل دونوں قسمیں کھائیں اس لئے کہ وکیل اور موکل اس صورت میں بائع اور مشتری کے درجے میں ہیں، اور ثمن میں اختلف ہوا تو تو اس کا موجب دونوں کا قسمیں کھانا ہے، پھر ان دونوں کے درمیان جو عقد جاری ہوا تھا وہ فسخ ہو جائے گا، اور باندی وکیل کی ہوگی۔

المأمور. (۶۳۲) قال ولو أمره أن يشتري له هذا العبد ولم يسم له ثمنا فاشتراه فقال الآمر اشتريته بخمسمائة وقال المأمور بألف وصدق البائع المأمور فالقول قول المأمور مع يمينه ۱؎ قيل لا تحالف هاهنا لأنه ارتفع الخلاف بتصديق البائع إذ هو حاضر وفي المسألة الأولى هو غائب فاعتبر الاختلاف ۲؎ وقيل يتحالفان كما ذكرنا وقد ذكر معظم يمين التحالف وهو يمين

تشریح: باندی ایک ہزار کے لائق ہے تو اس صورت میں شکل یہ بنے گی کہ، گویا کہ وکیل اور موکل بائع اور مشتری بن گئے، اور بائع اور مشتری کے درمیان ثمن میں اختلاف واقع ہو تو دونوں قسمیں کھاتے ہیں اور بیع فسخ ہو جاتی ہے، اور مبیع بائع کے پاس رہتی ہے، اسی طرح یہاں بھی عقد فسخ ہو جائے گا اور باندی وکیل کے پاس رہے گی۔

ترجمہ: (۶۳۲) اگر موکل نے حکم دیا کہ اس کے لئے یہ متعین غلام خریدے، لیکن قیمت متعین نہیں کی، پس اس کو وکیل نے خرید لیا، تو موکل نے کہا کہ تم نے اس کو پانچ سو کا خریدا ہے، اور موکل نے کہا کہ میں نے اس کو ایک ہزار کا خریدا ہے اور بائع نے وکیل کی تصدیق کی تو قسم کے وکیل کے قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

تشریح: موکل نے ایک متعین غلام خریدنے کا حکم دیا، لیکن اس کی قیمت متعین نہیں کی، وکیل نے اس کو خریدا، اب موکل کہتا ہے کہ تم نے اس کو پانچ سو میں خریدا ہے اور وکیل کہتا ہے کہ ایک ہزار میں خریدا ہوں، اور بائع نے بھی وکیل کی تصدیق کی ہے تو چونکہ بائع کی بھی تصدیق ہو گئی ہے اس لئے بات تو مانی جائے گی وکیل کی لیکن وکیل کے قسم کے ساتھ بات مانی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں دونوں کو قسمیں نہیں کھلائی جائی گی، اس لئے کہ بائع کی تصدیق سے اختلاف ختم ہو گیا اس لئے کہ وہ حاضر ہے، اور اوپر کے مسئلے میں وہ غائب تھا اس لئے وہاں اختلاف کا اعتبار کیا گیا۔

تشریح: بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس مسئلے میں غلام متعین ہے اس لئے بائع بھی متعین ہے، اور گویا کہ حاضر بھی ہے اور اس نے تصدیق کی کہ ایک ہزار میں خریدا ہے اس لئے اختلاف ختم ہو گیا اس لئے دونوں کو قسم کھلانے کی ضرورت نہیں ہے صرف وکیل قسم کھالیں تو اس کے مطابق یہ فیصلہ کر دیا جائے گا کہ ایک ہزار میں غلام خریدا ہے۔ اس کے برخلاف اوپر کے مسئلے میں باندی متعین نہیں ہے اس لئے بائع بھی متعین نہیں ہے، تو گویا کہ بائع بھی حاضر نہیں ہے اس لئے بائع کے تصدیق کا اعتبار نہیں، کیونکہ وہ موکل نے اس کا نام نہیں لیا ہے اس لئے وہ موکل سے اجنبی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ وکیل اور موکل دونوں قسمیں کھائیں گے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کیا [کہ وہ دونوں بائع اور مشتری کی طرح ہیں۔ اور متن میں بڑی قسم کا جو ذکر کیا ہے وہ بائع کی قسم ہے [جس سے پتہ چلتا ہے کہ موکل بھی قسم کھائیں گے]

البائع ۳؎ والبائع بعد استيفاء الثمن أجنبي عنهما وقبله أجنبي عن الموكل إذ لم يجر بينهما بيع فلا يصدق عليه فبقى الخلاف وهذا قول الإمام أبي منصور رحمه الله وهو أظهر. والله أعلم

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ بائع کی تصدیق کے باوجود اس مسئلے میں بھی دونوں قسم کھائیں گے۔

وجہ: (۱) اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ بائع کی تصدیق کے باوجود وکیل اور موکل بائع اور مشتری کی طرح ہیں، اور پہلے گزر چکا ہے کہ بائع اور مشتری میں ثمن میں اختلاف ہو جائے تو دونوں کو قسمیں کھلاتے ہیں اور بیع فسخ کر دی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی دونوں کو قسمیں کھلا کر بیع فسخ کر دی جائے گی۔ دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ خود متن میں ہے [قول المامور مع یمینہ] کہ وکیل یعنی بائع قسم کھائے، پھر اس کی بات مانی جائے گی، یہاں بائع [وکیل] مدعی ہے، اور مدعی پر قسم نہیں ہوتی بلکہ مدعی علیہ منکر پر قسم ہوتی ہے، پس جب مدعی پر قسم ہے تو منکر پر بدرجہ اولی قسم ہوگی، اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں قسمیں کھائیں گے، اور بیع فسخ کر دی جائے گی

لغت: معظم یمین التحالف و ھو یمین البائع: یہاں بائع کی قسم کو معظم یمین [بڑی قسم] کہا، کیونکہ بائع مدعی ہے جو قسم نہیں کھاتا ہے بلکہ مشتری مدعی علیہ منکر ہے اس کو قسم دی جاتی ہے، لیکن بائع بھی قسم کھائے یہ بڑی بات ہے، اور بڑی قسم ہے، اس لئے اس کے تحت میں یہ بھی ثابت ہوگا کہ منکر [مشتری] بھی قسم کھائے گا، اور بات تحالف تک پہنچے گی۔

ترجمہ: ۳؎ اور بائع ثمن لینے کے بعد وکیل اور موکل دونوں سے اجنبی ہے، اور ثمن لینے سے پہلے موکل سے اجنبی ہے، اس لئے کہ موکل اور بائع کے درمیان کوئی بیع نہیں ہوئی ہے [بیع تو وکیل اور بیع کے درمیان ہوئی ہے] اس لئے موکل پر بائع کی تصدیق کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے وکیل اور موکل میں اختلاف باقی رہا [اس لئے دونوں کو قسمیں کھلائیں گے] یہ قول ابو منصورؒ کا ہے اور یہ زیادہ ظاہر ہے واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح: یہ تیسری دلیل ہے کہ بائع کی تصدیق کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ثمن لینے کے بعد وہ اس بیع سے اجنبی ہے اور وکیل اور موکل دونوں سے اجنبی ہے، اور ثمن لینے سے پہلے موکل سے انبی ہے، کیونکہ بیع وکیل اور بائع کے درمیان ہوئی ہے، موکل اور بائع کے درمیان نہیں ہوئی ہے اس لئے وہ موکل سے ہر حال میں اجنبی ہے اس لئے اس کی تصدیق کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے وکیل اور موکل کے درمیان اختلاف باقی رہا۔ اس لئے اب دونوں قسمیں کھائیں گے اور وکیل اور موکل کے درمیان بیع فسخ ہو جائے گی اور غلام وکیل کے پاس رہے گا، فرماتے ہیں کہ یہ قول امام ابو منصورؒ کا ہے اور زیادہ بہتر ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

﴿فصل في التوكيل بشراء نفس العبد﴾

(۶۳۳)قال وإذا قال العبد لرجل اشتر لي نفسي من المولى بألف ودفعها إليه فإن قال الرجل للمولى اشتريته لنفسه فباعه على هذا فهو حر والولاء للمولى ا لأن بيع نفس العبد منه إعتاق

﴿فصل فی التوکیل بشراء نفس العبد﴾

ضروری نوٹ :اس فصل میں دو باتیں بیان کی جائیں گی۔[۱]......ایک یہ بیان کیا جائے گا کہ۔کہ غلام کسی اور سے کہے کہ مجھے میرے آقا سے میرے لئے خرید لو، تو آقا سے غلام کو خود غلام کے لئے خریدنا یہ آزادگی ہے اس لئے آقا کے قبول کرتے ہی وہ آقا کی جانب سے آزاد ہو جائے گا۔

[۲]......دوسری صورت یہ ہے کہ اجنبی آدمی غلام سے کہے کہ تم اپنے آقا سے اپنی ذات کو میرے لئے خرید لو، تو اس صورت میں غلام وکیل بنے گا، اور اجنبی موکل بنے گا، اور آقا بائع بن جائے گا، اور آقا کے قبول کرنے کے بعد یہ غلام اجنبی کا ہوگا اور اس پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ :(۶۳۳)اگر غلام نے کسی سے کہا کہ میرے لئے میری ذات کو میرے آقا سے ہزار کے بدلے خرید لو، اور غلام نے اس آدمی کو ایک ہزار دے بھی دیا، تو اگر اس آدمی نے آقا سے کہا، میں نے غلام کو غلام ہی کے لئے خریدا ہے، اور آقا نے اس پر بیچ بھی دیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور ولاء آقا کے لئے ہوگا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ غلام کو خود سے ہی بیچنا اس کو آزاد کرنا ہے، اور غلام کو اپنی ذات کو خریدنا مال کے بدلے میں آزادگی کو قبول کرنا ہے، اور جسکو خریدنے کا حکم دیا وہ محض سفیر ہے اس پر حقوق نہیں آئیں گے، تو ایسا ہوا کہ غلام نے اپنی ذات کو خود خریدا ، اور جب یہ بات ہوئی تو تو غلام آزاد ہوگا اور ولاء اس کے بعد آقا کے لئے ہوگا۔

نکتہ : یہاں ایک نکتہ یاد رکھیں۔[۱]......اگر غلام کی جانب سے خود غلام کو آقا سے خریدے تو یہ خریدنا مجازی طور پر آزاد کرنے کے معنی میں ہے، کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ تو آقا کا ہے اس لئے خریدنا کیسے پایا جائے گا، اس لئے یہ آزاد کرنا ہی ہوگا، اور غلام نے جو رقم آقا کو دیا وہ آقا ہی کا تھا، اس لئے مفت کی آزادگی ہوگی۔البتہ چونکہ آقا کی جانب سے آزاد کرنا پایا گیا اس لئے غلام کی ولاء آقا کو ملے گی۔[۲]......دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ اگر غلام کے وکیل نے یوں کہا کہ میں اپنے لئے خریدتا ہوں اور غلام کی جانب سے خریدنے کا ذکر نہیں کیا تو اجنبی کی جانب سے خریدنا ہوگا، اور یہ غلام اجنبی کا ہو جائے گا، اور اشتریتُ کا لفظ حقیقت پر محمول ہوگا۔

وشراء العبد نفسه قبول الإعتاق ببدل والمأمور سفير عنه إذ لا يرجع عليه الحقوق فصار كأنه اشترى بنفسه وإذا كان إعتاقا أعقب الولاء(۶۳۴) وإن لم يبين للمولى فهو عبد للمشتري لأن اللفظ حقيقة للمعاوضة وأمكن العمل بها إذا لم يبين فيحافظ عليها. بخلاف شراء العبد نفسه

تشریح :غلام نے کسی سے کہا کہ مجھے میرے آقا سے خود میرے لئے ہزار کے بدلے میں خرید لو،اور غلام کے پاس جو ہزار تھا وہ بھی اس کو دے دیا[یاد رہے کہ یہ ہزار حقیقت میں آقا کا ہی ہے اس لئے کہ غلام کی رقم آقا کی ملکیت ہے] اب اس آدمی نے باضابطہ آقا کے سامنے اظہار کیا کہ میں یہ غلام خود غلام کے لئے خرید رہا ہوں،اس کے باوجود آقا نے قبول کر لیا تو گویا کہ یہ کہا کہ میں غلام کو اسی ہزار کے بدلے آزاد کرتا ہوں حالانکہ یہ ہزار بھی آقا کا ہی ہے اس لئے غلام آزاد ہو جائے گا،اور چونکہ آقا کی جانب سے آزاد ہوا ہے اس لئے غلام کی ولاء آقا کو ہی ملے گی۔اور چونکہ اس اجنبی نے آقا کے سامنے غلام کی جانب سے خریدنے کا اظہار کر دیا ہے اس لئے یہ آدمی موکل نہیں ہوگا، بلکہ سفیر محض ہوگا،اس لئے بیع اور شراء کے حقوق بھی اس پر نہیں آئیں گے۔

ترجمہ(۶۳۴)اور اگر اجنبی نے آقا کے سامنے یہ بیان نہیں کیا کہ [غلام ہی کیلئے خرید رہا ہوں] تو یہ غلام اجنبی کا ہو جائے گا

ترجمہ:ا اسلئے کہ،اشتریتُ، کا لفظ جو حقیقت میں بدلے کے لئے ہے اور اس حقیقت پر عمل کرنا بھی ممکن ہے،خاص طور پر جب یہ بیان نہیں کیا کہ غلام کے لئے خرید رہا ہوں تو بدلے پر ہی محافظت کی جائے گی، برخلاف غلام اپنی ذات کو خریدے تو وہاں آزاد ہونا جو مجاز ہے وہ متعین ہے۔اور جب اشتریتُ کا لفظ معاوضہ کے معنی میں ہے تو اجنبی اس غلام کا مالک ہوگا

تشریح :اجنبی جسکو غلام نے خریدنے کا وکیل بنایا تھا،اس نے یہ نہیں کہا کہ میں غلام کے لئے خریدتا ہوں، بلکہ یہ کہا کہ میں اپنے لئے خریدتا ہوں[اشتریتُ] کہا تو اس صورت میں غلام اجنبی کا ہوگا،اور اجنبی پر اپنی جانب سے ہزار لازم ہوگا، کیونکہ یہ جو غلام نے ہزار دیا ہے یہ تو آقا کی ہی رقم ہے۔

وجہ : شرح میں منطقی جملہ استعمال کیا ہے،اس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر،اشتریتُ، کا لفظ مجازا آزاد ہونے کے معنی میں لیا گیا تھا،لیکن یہاں چونکہ اجنبی خرید رہا ہے اس لئے اشتریت، کا لفظ خریدنے کے معنی میں استعمال ہوگا، کیونکہ اجنبی آزاد ہے اس لئے اس کے پاس ملکیت موجود ہے،جس سے غلام خرید سکتا ہے۔اور جب اجنبی کی رقم گئی تو وہ غلام کا مالک بھی ہوگا۔

لغت :اللفظ:سے مراد اشتریتُ، کا لفظ مراد ہے،جو حقیقت میں بدلے اور خریدنے کے لئے استعمال ہوتا ہے،اور مشکل سے مجازاً مال کے بدلے آزاد ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ :(۶۳۵) اور غلام کا دیا ہوا ہزار آقا کا ہو جائے گا[اس لئے کہ اس کے غلام کی کمائی ہے]اور مشتری پر الگ سے

لأن المجاز فيه متعين وإذا كان معاوضة يثبت الملك له (۶۳۵) والألف للمولى [لأنه كسب عبده] وعلى المشتري ألف مثله ا ثمنا للعبد فإنه في ذمته حيث لم يصح الأداء ۲ بخلاف الوكيل بشراء العبد من غيره حيث لا يشترط بيانه لأن العقدين هناك على نمط واحد وفي الحالين المطالبة تتوجه نحو العاقد ۳ أما هاهنا فأحدهما إعتاق معقب للولاء ولا مطالبة على الوكيل

ایک ہزار غلام کی قیمت لازم گی۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ یہ مشتری کے ذمے میں ہے اس لئے کہ پہلی ادائیگی صحیح نہیں ہے۔

تشریح : غلام کا دیا ہوا ہزار آقا کا ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے غلام کی کمائی ہے۔ اور مشتری پر الگ سے ایک ہزار لازم ہوگا جو غلام کی قیمت ہوگی۔

ترجمہ : ۲ بخلاف غلام کو خریدنے کے لئے غلام کے علاوہ کسی اور کا وکیل ہو تو وہاں یہ بیان کرنا شرط نہیں ہے کہ میں موکل کے لئے خرید رہا ہوں، اس لئے کہ موکل کا ذکر کرے یا نہ کرے وہاں عقد ایک ہی طریقے پر ہوتا ہے، اور دونوں صورتوں میں مطالبہ عاقد [یعنی وکیل کی] طرف متوجہ ہوتا ہے۔

تشریح : غلام کا وکیل نے ہو تو بلکہ غلام خریدنے کے لئے کسی اور کا وکیل ہو تو وہاں وکیل کو یہ صراحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں موکل کے لئے خرید رہا ہوں۔ کیونکہ چاہے یوں کہے کہ میں فلاں موکل کے لئے خرید رہا ہوں، یا یوں کہے کہ میں خرید رہا ہوں دونوں صورتوں میں حکم ایک ہی ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں غلام موکل کے لئے ہوگا، اور تمام حقوق وکیل کے ذمے ہوں گے۔

لغت : نمط واحد: ایک ہی طریقے پر ہوگا۔

ترجمہ : ۳ بہر حال اوپر کے مسئلے میں تو ایک صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور ولاء آقا کے لئے ہوگا اور وکیل پر کوئی مطالبہ نہیں ہوگا۔

تشریح : اوپر کے مسئلے میں غلام کے ذکر کرنے اور نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہو جاتا ہے اس لئے موکل [یعنی غلام] کا ذکر کرنا ضروری ہے، اس کی دونوں صورتیں دیکھیں [۱]......وکیل یہ ذکر کرے کہ میں خرید رہا ہوں تو یہ معاوضہ ہوتا ہے، اور آقا کو الگ سے ایک ہزار ملتا ہے اور غلام وکیل کا ہوتا ہے، [۲] ......اور یہ ذکر کرے کہ غلام کے لئے خرید رہا ہوں تو یہ بغیر قیمت کے آزاد کرنا ہوگا اور آقا کو غلام کے مرنے کے بعد صرف ولاء ملے گی، اس لئے اتنے بڑے فرق کے لئے غلام کے خریدنے کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

۴ والمولى عساه لا يرضاه ويرغب في المعارضة المحضة فلا بد من البيان(۶۳۶) ومن قال لعبد اشتر لي نفسک من مولاک فقال لمولاه بعني نفسي لفلان بكذا ففعل فهو للآمر ا لأن العبد يصلح وكيلا عن غيره في شراء نفسه لأنه أجنبي عن ماليته ۲ والبيع يرد عليه من حيث إنه مال إلا أن ماليته في يده حتى لا يملک البائع الحبس بعد البيع فإذا أضافه إلى الآمر صلح فعله

ترجمه :۴ آقا ہوسکتا ہے کہ ولاء سے راضی نہ ہو اور وکیل سے بدلہ لینے پر راضی ہو، اس لئے غلام کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ولاء جو غلام کے مرنے کے بعد ملے گی، اور بہت تھوڑی سی ہوگی اس میں دلچسپی نہ ہو، اور مشتری جو خریدے گا تو غلام کی بڑی قیمت ملے گی اور ابھی ملے گی اس میں زیادہ دلچسپی ہو، اس لئے غلام کا ذکر کرنا ضروری ہے

لغت : ولاء: غلام کے مرنے کے بعد اس کی جو وراثت ہوتی ہے وہ آزاد کرنے والے آقا کے لئے ہوتی ہے۔

ترجمه : (۶۳۶) کسی نے غلام سے کہا کہ تم اپنی ذات کو اپنے آقا سے میرے لئے خریدو، پس غلام نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھکو فلاں کے لئے بیچ دیں اور آقا نے ایسا کیا تو یہ غلام فلاں کے لئے ہوجائے گا۔

تشریح : یہاں اجنبی نے غلام کو اس کے آقا سے خریدنے کا وکیل بنایا، اور غلام نے کہا کہ مجھے فلاں کے ہاتھ بیچ دیں اور آقا نے بیچ دیا تو یہ غلام فلاں کے لئے ہوجائے گا، اور غلام پر اس کی قیمت لازم ہوگی، وہ موکل سے قیمت لیکر آقا کو ادا کرے گا۔

ترجمه :ا اس لئے کہ غلام اپنی ذات کو خریدنے میں دوسرے کا وکیل بن سکتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی مالیت سے اجنبی ہے

تشریح : غلام اپنے آپ کو خریدنے وکیل بن سکتا ہے اس کی دلیل عقلی ہے۔ فرماتے ہیں کہ غلام کی دو حیثیتیں ہیں [۱] ایک ہے مال ہونے کی کہ یہ آقا کا مال ہے، لیکن اس وقت آقا نے غلام کو تجارت کی اجازت دی ہے اس لئے یہ مال خود غلام کے قبضے میں ہے۔ [۲] دوسری حیثیت ہے کہ غلام آدمی ہے، اور عاقل بالغ ہے، اس اعتبار سے وہ وکیل بن سکتا ہے، چنانچہ وہ یہاں آدمی کی حیثیت سے وکیل بن رہا ہے۔ مالیت کے اعتبار سے نہیں۔

ترجمه :۲ اور غلام پر بیع واقع ہوتی ہے اس اعتبار سے کہ وہ مال ہے، مگر یہ کہ اس کی مالیت خود غلام کے قبضے میں ہے، یہی وجہ ہے کہ بائع [آقا] بیع کے بعد ثمن لینے کے لئے مبیع کو روک نہیں سکتا [کیونکہ وہ تو خود غلام کے قبضے میں ہے جو وکیل ہے] پس جب غلام نے خریدنے کو موکل کی طرف منسوب کیا تو تو اس کا فعل موکل کے حکم کی تعمیل ہے اس لئے غلام کا عقد موکل کے لئے ہوجائے گا

تشریح : غلام جو بیچا جاتا ہے وہ اس حیثیت سے کہ وہ مال ہے، البتہ یہاں یہ مالیت خود غلام کے قبضے میں ہے، کیونکہ اس کو

امتثالا فيقع العقد للآمر .(۶۳۷) وإن عقد لنفسه فهو حر[۱] لأنه إعتاق وقد رضي به المولى دون المعاوضة [۲] والعبد وإن كان وكيلا بشراء شيء معين ولكنه أتى بجنس تصرف آخر وفي مثله ينفذ على الوكيل(۶۳۸) وكذا لو قال بعني نفسي ولم يقل لفلان فهو حر[۱] لأن المطلق يحتمل الوجهين فلا يقع امتثالا بالشک فیبقى التصرف واقعا لنفسه.

تجارت کی اجازت دی ہے، یہی وجہ ہے کہ بیع کے بعد آقا غلام کواس کی قیمت لینے کے لئے حبس کرے، روکے تو روک نہیں سکتا، کیونکہ خود غلام مشتری ہے اور اسی کے قبضے میں اپنی ذات ہے اس لئے خود بخود موکل کا قبضہ ہو گیا تو اب آقا کیا روکے گا۔ غلام نے جو بیع کی ہے وہ اس کے حکم دینے والے موکل مبیع ہو جائے گی۔

ترجمہ:(۶۳۷) اگر غلام نے اپنے لئے خرید لیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔

ترجمہ :[۱] اس لئے کہ یہ آزادگی ہے اور آقا اس بغیر معاوضے کے پر راضی ہو گیا ہے۔

تشریح :اجنبی نے کہا تھا کہ میرے لئے خریدو، غلام نے اپنے ہی لئے خرید لیا تو یہ مجازی طور پر بغیر مال کے آزاد کرنا ہوگا، کیونکہ غلام کے پاس مال نہیں ہے اس لئے آقا کا کہنا کہ میں تم کو تمہارے بیچ دیا، کا مطلب یہ ہوگا کہ تم کو بغیر قیمت کے آزاد کر دیا۔

ترجمہ :[۲] غلام اگر چہ معین آدمی کے لئے خریدنے کا وکیل تھا لیکن دوسرے انداز کا تصرف کر لیا[اپنے لئے خرید لیا]، اس لئے اس صورت میں خود وکیل پر بیع نافذ ہو جائے گا۔

تشریح : قاعدہ گزر چکا ہے کہ موکل کی مخالفت کرے تو عقد خود وکیل کیلئے ہو جاتا ہے، یہاں غلام نے موکل کی مخالفت کی، موکل نے کہا تھا کہ میرے لئے خریدو، اس نے اس کے بجائے اپنے لئے خرید لیا تو اس مخالفت کی وجہ سے یہ عقد خود وکیل غلام کے لئے ہوگا، اور خود آزاد ہو جائے گا۔

لغت :اتی بجنس تصرف آخر :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غلام کو موکل کے لئے خریدنے کے لئے کہا گیا تھا اس نے دوسری جنس کا تصرف کیا، یعنی اپنے لئے خرید لیا۔

ترجمہ :(۶۳۸) ایسے ہی اگر کہا کہ میری ذات کو مجھے بیچ دو اور فلاں کا نام نہیں لیا تو غلام آزاد ہو جائے گا۔

تشریح :اس صورت میں خریدتے وقت نہ یہ کہا کہ میرے لئے بیچو اور نہ یہ کہا کہ فلاں موکل کے لئے بیچو، تو اس صورت میں بھی خود غلام کے لئے بیع ہو گی اور غلام اذاد ہو جائے گا۔

﴿فصل في البيع﴾

(۶۳۹)قال والوكيل بالبيع والشراء لا يجوز له أن يعقد مع أبيه وجده ومن لا تقبل شهادته له عند أبي حنيفة. وقالا يجوز بيعه منهم بمثل القيمة إلا من عبده أو مكاتبه ١ لأن التوكيل مطلق ولا

ترجمہ :١ اس لئے کہ غلام کی عبارت مطلق ہے جو دونوں صورتوں کا احتمال رکھتا ہے، اس لئے شک کی وجہ سے موکل کے حکم کی تعمیل نہیں ہوگی اس لئے یہ تصرف غلام کے لئے اپنی ذات کے لئے ہوجائے گا [اس لئے غلام آزاد ہوجائے گا]

تشریح : یہ دلیل ہے کہ یہاں غلام نے اپنی ذات کا بھی نام نہیں لیا اور موکل کا بھی نام نہیں لیا اس لئے دونوں صورتوں کا احتمال رکھتا ہے، کہ اپنے لئے خریدا ہو اور موکل کے لئے بھی خریدا ہو، اس شک کی وجہ سے موکل کے لئے خریدنا نہیں ہوگا، بلکہ خود غلام کے لئے ہوجائے گا اور غلام آزاد ہوجائے گا۔

﴿فصل فی البیع﴾

ترجمہ :(۶۳۹) بیچنے اور خریدنے کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ عقد کرے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اپنے باپ، اپنے دادا، اپنے لڑکے، اپنے پوتے، اپنی بیوی، اپنے غلام اور اپنے مکاتب غلام کے ساتھ۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے مثل قیمت میں بیع جائز ہے۔ سواء اپنے غلام اور اپنے مکاتب کے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تہمت کی جگہ سے بچنا چاہئے۔

تشریح :امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے باپ، دادا، بیٹے، پوتے، بیوی، غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ خرید و فروخت کرے۔

وجہ :(۱) ان لوگوں کا رشتہ بہت قریب کا ہے۔ اس لئے موکل کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں سے مہنگا خریدا ہے یا سستا بیچا ہے۔ اس تہمت کی بنیاد پر ان لوگوں سے خریدنا بیچنا جائز نہیں ہے۔ اتقوا مواضع التهم۔ (۲) حدیث میں ہے. عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا تجوز شهادة خائن ... ولا القانع اهل البيت لهم ولا ظنين فى ولاء ولا قرابة، قال الفزارى القانع التابع (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لا تجوز شهادته ص ۵۲۶، نمبر ۲۲۹۸) اس حدیث میں ہے کہ قرابت والوں کی گواہی مقبول نہیں۔ اس لئے ان لوگوں خریدنا بھی جائز نہیں (۳) اس قول تابعی میں ہے . عن ابراهيم قال اربعة لا تجوز شهادتهم الوالد لولده، والولد لوالده، والمرأة لزوجها، والزوج لامرأته،

تهمة إذ الأملاک متباينة و المنافع منقطعة ۲؎ بخلاف العبد لأنه بيع من نفسه لأن ما في يد العبد للمولی و کذا للمولی حق في کسب المکاتب وينقلب حقيقة بالعجز. ۳؎ وله أن مواضع التهمة

والعبد لسيده، والسيد لعبده، والشريک لشريکه فی الشیء اذا کان بينهما ، واما فيما سوی ذلک فشهادته جائزة . (مصنف عبدالرزاق، باب شهادة الاخ لاخيه والابن لابيه والزوج لامرأته، ج ثامن، ص ۲۶۸، نمبر ۱۵۵۶۰ رمصنف ابن ابی شيبة ، ۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱) اس قول تابعی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی گواہی باپ دادا کے لئے مقبول نہیں ہے۔اس لئے وکالت کے ماتحت ان سے خریدنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا ان سے مثل قیمت میں بیچنا جائز ہے، مگر اپنے غلام میں اور مکاتب میں۔

تشریح : امام صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان رشتہ داروں سے اتنی قیمت میں بیچ سکتا ہے جتنی بازار میں اس کی قیمت ہے۔جس کو مثل قیمت کہتے ہیں۔

وجہ: موکل نے مطلق بیع کرنے کے لئے کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مثل قیمت میں کسی سے بھی بیچ خرید سکتا ہے۔اس لئے ان رشتہ داروں سے بیچ خرید سکتا ہے۔البتہ اپنے غلام اور مکاتب سے بیچ یا خرید نہیں سکتا۔

وجہ :اس لئے کہ غلام کا مال اور مکاتب کا مال خود وکیل کا مال ہے تو گویا کہ اپنے ہی مال سے بیچا جو جائز نہیں ہے۔کیونکہ اپنے مال سے بیچنے میں تہمت ہے۔اس لئے اپنے غلام اور مکاتب سے نہیں بیچ سکتا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مثلی قیمت سے بیچنے میں تہمت نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ وکالت مطلق ہے اور کوئی تہمت نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک کی ملکیت الگ الگ ہے، اور نفع بھی الگ الگ ہے [اس لئے ان سے بیع کرنا جائز ہوگا۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل عقلی ہے، واضح ہے۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف اپنے غلام کے اس لئے کہ اس سے بیع کرنا اپنے ہی سے بیع کرنا ہے، اس لئے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں وہ آقا کا مال ہے، اسی طرح آقا کو مکاتب کی کمائی میں حق ہے، پھر یہ بات بھی ہے کہ مکاتب عاجز ہو جائے تو الٹ کر حقیقت میں غلام بن جاتا ہے [اس لئے مکاتب سے بھی خریدنا جائز نہیں ہے۔

تشریح : یہ دلیل بھی صاحبینؒ کی جانب سے ہے، کہ اپنے غلام سے خریدنا اس لئے جائز نہیں ہے کہ غلام کی چیز آقا کی چیز ہے اس لئے گویا کہ اپنی ذات سے سستی بیع کی اس لئے جائز نہیں ہے۔اور مکاتب کے بارے میں دو دلیل دی ہیں [۱] ایک تو

مستثناة عن الوكالات وهذا موضع التهمة بدليل عدم قبول الشهادة ۴ ولأن المنافع بينهم متصلة فصار بيعا من نفسه من وجه والإجارة والصرف على هذا الخلاف.(۶۴۰) قال والوكيل

یہ کہ مکاتب کی کمائی میں آقا کا حق ہے اس لئے گویا کہ مکاتب کا مال آقا کا ہی مال ہوا۔[۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر مکاتب مال کتابت سے عاجز ہوجائے تو پلٹ کر غلام ہوجاتا ہے تو یہ بھی دلیل ہے کہ مکاتب غلام کے درجے میں ہے اس لئے اس سے بیع کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

وجہ :اس قول تابعی میں ہے کہ اجرت والے کی گواہی قبول نہیں تو اسی پر قیاس کر کے اپنے غلام اور مکاتب سے بدرجہ اولی خریدنا جائز نہیں۔ عن الشعبی عن شریح قال آرد شهادة ستة ،الخصم ،المریب، و دافع المغرم ، الشریک لشریکه، و الاجیر لمن استأجره ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۴۲۵ فی شهادة الولد لوالده، ج رابع ص ۵۳۲، نمبر ۲۲۸۵۱)

ترجمہ :۳ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکالت سے تہمت کی جگہ مستثنی ہے، اوران لوگوں سے خریدنے میں تہمت ہے، کیونکہ ان لوگوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے۔ اس لئے ان لوگوں سے خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح :وکیل بنایا تو اسکا مطلب یہ ہے جن لوگوں سے خریدنے میں خیانت کی تہمت ہے ان لوگوں سے نہ خریدی جائے اور ان لوگوں سے خریدنے میں تہمت ہے اسلئے ان لوگوں سے خریدنا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے

ترجمہ :۴ اور اس لئے بھی کہ ان لوگوں کا نفع ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہے تو گویا کہ من وجہ اپنے ہی سے بیع کی، اور اجرت پر دینا اور بیع صرف کرنا بھی اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح :یہ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل ہے کہ ان لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کا نفع ہے اس لئے گو کہ اپنے ہی سے بیع کی اس لئے وکیل کے لئے ان لوگوں سے بیع کرنا جائز جائز نہیں ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اجرت پر دینے کے لئے وکیل بنایا، یا بیع صرف کرنے کے لئے وکیل بنایا تو یہ بھی اسی اختلاف پر ہے، یعنی امام ابوحنیفہؒ کے ان لوگوں کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک جائز ہوگا۔

ترجمہ :(۶۴۰) بیچنے کے وکیل کے لئے جائز ہے کہ ان کو بیچے کم میں اور زیادہ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے اس کا بیچنا اتنی کمی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔ اور نہیں جائز ہے مگر درہم اور دینار کے ساتھ۔

بـالبيع يجوز بيعه بالقليل والكثير والعرض عند أبي حنيفة رحمه الله. وقالا لا يجوز بيعه بنقصان لا يتغابن الناس فيه ولا يجوز إلا بالدراهم والدنانير ۱ لأن مطلق الأمر يتقيد بالمتعارف لأن التصرفات لدفع الحاجات فتتقيد بمواقعها والمتعارف البيع بثمن المثل وبالنقود ۲ ولهذا يتقيد

تشریح : کسی کوکسی چیز کے بیچنے کا وکیل بنایا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے کہ کم قیمت میں بیچے یا زیادہ قیمت میں، دونوں طرح بیچنا درست ہے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ گیہوں چاول کے بدلے بیچے یا درہم اور دینار کے بدلے۔ یہ اس صورت میں ہے جب موکل نے کوئی قید نہ لگائی ہو بلکہ مطلق چھوڑا ہو۔

وجہ : امام صاحب کی نظر مطلق لفظ کی طرف گئی ہے کہ دونوں طرح کے بیچنے کو بیچنا کہتے ہیں۔ اور موکل نے مطلق بیع کا وکیل بنایا ہے کوئی قید نہیں لگائی ہے اس لئے کمی بیشی جیسے بھی بیچے گا اس کو بیچنا کہیں گے اور بیع درست ہوگی۔ یا گیہوں چاول کے ساتھ بیچے تو اس کو بیچنا کہتے ہیں اس لئے وکالت کے ماتحت اس کی بھی اجازت ہوگی۔

اصول: مطلق بولا ہو تو اطلاق کی طرف جائیگا۔

تشریح : صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنی کمی میں بیچنا درست نہیں ہوگا جتنی کمی میں اس جیسی مبیع کو بیچنے کا عام رواج نہ ہو۔ اسی طرح درہم اور دینار کے علاوہ کے ساتھ بیچنا درست نہیں ہوگا۔

وجہ : ان کی نظر اس بات کی طرف گئی ہے کہ مطلق سے مراد عام عرف ہے کہ موکل نے اگر چہ مطلق کہا ہے کہ اس کو بیچو، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عام عرف میں جتنی اس کی قیمت ہے اس کے عوض بیچو۔ اتنی کمی میں مت بیچو جتنے کا رواج نہیں ہے۔ یا عام عرف میں درہم اور دینار کے ساتھ ہی بیچنا کہتے ہیں اس لئے اس کے علاوہ کے ساتھ بیچنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کہیں مطلق بولا ہو تو اس کا مدار عام عرف پر ہوگا۔ **متاعا بالمعروف حقا على المحسنين** (آیت ۲۳۶، سورت البقرۃ ۲) **وللمطلقات متاعا بالمعروف حقا على المتقين** (آیت ۲۴۱، سورت البقرۃ ۲) ان تمام جگہوں پر معروف کہا ہے، جو معاشرے میں معروف ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

لغت : لایتغابن الناس : جتنے میں لوگ عام طور پر دھوکہ نہ کھاتے ہوں، جتنے کا رواج نہ ہو۔ غبن فاحش: جو بہت زیادہ قیمت میں خریدے، یہ نا جائز ہے۔ غبن یسیر تھوڑا سا زیادہ دے جو معاشرے میں چل جاتا ہو۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ مطلق حکم متعارف کے ساتھ مقید ہوتا ہے، اس لئے کہ تصرفات ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتے ہیں اس لئے اس کے موقعے کے ساتھ مقید ہونگے۔ اور متعارف یہ ہے کہ مثل قیمت میں بیچے اور نقود سے بیچے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے کہ مطلق وکیل بنائے تو یہ عرف کے ساتھ مقید ہوتا ہے، اور عرف میں یہی ہے کہ مثل قیمت

التوكيل بشراء الفحم والجمد والأضحية بزمان الحاجة۳؎ ولأن البيع بغبن فاحش بيع من وجه وهبة من وجه وكذا المقايضة بيع من وجه وشراء من وجه فلا يتناوله مطلق اسم البيع ولهذا لا

میں بیچو، اور درہم اور دینار کے ساتھ بیچو، گیہوں چاول کے ساتھ مت بیچو اس لئے اس کی گنجائش نہیں ہوگی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وکیل بنانا ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتی ہے اس لئے کس وقت کون سی ضرورت ہے اس کے ساتھ مقید ہوگا ۔ آگے اس کی تین مثالیں ہیں۔

ترجمہ :۲؎ اسی لئے کوئلے کے خریدنے کا وکیل بنائے تو سردی کے زمانے کے ساتھ مقید ہوگا۔ برف کے خریدنے کا وکیل بنائے تو گرمی کے زمانے کے ساتھ مقید ہوگا۔ اور قربانی کے جانور خریدنے کا وکیل بنائے تو بقرعید کے زمانے کے ساتھ مقید ہوگا

تشریح :موکل نے وکیل بناتے وقت یہ نہیں کہا کہ سردی میں کوئلہ خریدنا، لیکن متعارف یہی ہے کہ کوئلہ سردی میں جلانے کے لئے خریدتے ہیں اس لئے اسی کے ساتھ مقید ہوگا، چنانچہ گرمی میں جا کر کوئلہ خرید کر لایا تو یہ موکل پر لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ اس نے متعارف اور ضرورت کے زمانے کی مخالفت کی ہے۔ اسی طرح برف گرمی کے زمانے میں نہیں لایا سردی میں لایا۔ یا قربانی کا جانور بقرعید پر خرید کر نہیں لایا، اس کے بعد لایا تو متعارف کے خلاف کرنے کی وجہ سے یہ چیز وکیل پر لازم ہو جائے گی۔ اسی طرح یہاں وکیل بنایا ہے تو مثل قیمت کے ساتھ مقید ہوگا اور درہم اور دینار کے ساتھ بیچنے سے مقید ہوگا، چاہے موکل نے مطلق حکم دیا ہو۔

ترجمہ :۳؎ اور اس لئے کہ غبن فاحش کے ساتھ بیع من وجہ بیع من وجہ ہبہ ہے، اور ایسے ہی بیع مقاضہ من وجہ بیع ہے اور من وجہ خریدنا ہے اس لئے مطلق بیع کا حکم دینا[غبن فاحش اور بیع مقائضہ کو شامل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ اور وصی غبن فاحش کے ساتھ بیچنے کا مالک نہیں ہوتے۔

لغت: بیع مقایضہ: دونوں طرف گیہوں، چاول، اناج ہو، اور ایک طرف بھی درہم اور دینار نہ ہو تو اس کو بیع مقایضہ، کہتے ہیں

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دوسری، اور تیسری دلیل ہے، کہ غبن فاحش کے ساتھ بیچنا حقیقت میں آدھا بیچنا ہے اور آدھی چیز مفت، ہبہ کے طور پر دے دینا ہے اس لئے متعارف میں اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ باپ اپنے چھوٹے بچے کی چیز غبن فاحش سے بیچنا چاہے تو نہیں بیچ سکتا، یا وصی یتیم بچے کی چیز غبن فاحش سے بیچنا چاہے تو نہیں بیچ سکتا، کیونکہ آدھی چیز مفت دینا ہے۔ تیسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ بیع مقایضہ مکمل بیع نہیں ہے بلکہ گیہوں بیچنا ہے اور چاول خریدنا ہے، کیونکہ دوسرا آناج بھی خرید رہا ہے، حالانکہ وکیل کو صرف بیچنے کی اجازت تھی آناج خریدنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے گیہوں چاول کے

يملكه الأب والوصي . ۴ وله أن التوكيل بالبيع مطلق فيجري على إطلاقه في غير موضع التهمة ۵ والبيع بالغبن أو بالعين متعارف عند شدة الحاجة إلى الثمن والتبرم من العين ٦ والمسائل ممنوعة على قول أبي حنيفة رحمه الله على ما هو المروي عنه ۷ وأنه بيع من كل وجه حتى أن

بدلے میں بیع نہیں کرسکتا۔

ترجمه :۴ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں مطلق بیع کا وکیل بنایا ہے اس لئے اپنے اطلاق پر جاری ہوتے ہوئے جہاں تہمت نہیں ان تمام بیع کو شامل ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موکل نے مطلق وکیل بنایا ہے، کسی چیز کی قید نہیں لگائی اس لئے جن بیوع میں خیانت کی تہمت نہیں ہے ان تمام طریقوں کی بیع کرنے کی گنجائش ہوگی۔

ترجمه :۵ اور غبن فاحش کی بیع متعارف ہے [جب پیسے کی بہت ضرورت ہوجائے] اور گیہوں چاول سے بھی بیچنا متعارف ہے [جبکہ آدمی اپنے پاس کے آناج سے اکتا جائے۔

تشریح :یہ صاحبین کو جواب ہے انہوں کہا تھا کہ غبن فاحش کی بیع متعارف نہیں تو جواب دیتے ہیں کہ اگر موکل کو رقم کی بہت ضرورت ہو تو غبن فاحش میں چیز بیچ دینا عام بات ہے۔اسی طرح آدمی کے پاس گیہوں ہے جس سے وہ اکتا چکا ہے تو چاول کے بدلے بیچ دینا بھی مناسب سمجھتا ہے اور بیع مقایضہ کرلیتا ہے یہ بھی متعارف ہے اس لئے وکیل کو ان دونوں کی گنجائش ہوگی۔

لغت:عین: یہاں عین سے مراد ہے گیہوں چاول آناج، یعنی بیع مقایضہ کرنا۔التبرم: اکتا جانا۔

ترجمه :٦ کوئلہ، برف، قربانی کا جانور جیسے جن مسائل سے صاحبین نے استدلال کیا ہے وہ ممنوع ہے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر جیسا کہ ان سے روایت ہے۔

تشریح :یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ کوئلہ، برف، اور قربانی کا جانور کا وکیل بنایا تو اس کے موسم کے ساتھ خاص ہوگا، اس کے بعد خرید کر لایا تو وکیل کا ہوگا۔اس کا جواب دیا جا رہا ہے امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ موسم کے ساتھ خاص نہیں رہے گا بلکہ وکیل بغیر موسم میں خرید کر لایا تب بھی موکل کا ہوگا، کیونکہ موکل نے وکالت کے وقت کوئی قید نہیں لگائی تھی اس لئے صاحبین کا ان مسئلوں سے استدلال کرنا ممنوع ہے۔

ترجمه :۷ اور غبن فاحش کے ساتھ بیع اور بیع مقایضہ بھی ہر اعتبار سے بیع ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی قسم کھائے کہ بیع نہیں کروں گا تو ان دونوں بیع کرنے سے حانث ہوجائے گا۔

تشریح :صاحبینؒ کو یہ دوسرے استدلال کا جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنا من

من حلف لا يبيع يحنث به ۸؎ غير أن الأب والوصي لا يملكانه مع أنه بيع لأن ولايتهما نظرية ولا نظر فيه ۹؎ والمقايضة شراء من كل وجه وبيع من كل وجه لوجود حد كل واحد منهما. (۶۴۱) قال والوكيل بالشراء يجوز عقده بمثل القيمة وزيادة يتغابن الناس في مثلها ولا يجوز بما لا يتغابن الناس في مثله ۱؎ لأن التهمة فيه متحققة فلعله اشتراه لنفسه فإذا لم يوافقه ألحقه بغيره على

وجہ بیع ہے اور من وجہ ہبہ ہے۔ اور بیع مقایضہ کرنا من وجہ بیع ہے اور من وجہ خریدنا ہے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ دونوں پورے طور پر بیع ہی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی قسم کھائے کہ میں بیع نہیں کروں گا اور یہ دونوں بیع کر لی تو حانث ہو جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ پورے طور پر بیع اور مطلق وکیل بنانے میں ان دونوں بیع کی گنجائش ہوگی۔

ترجمہ: ۸؎ یہ اور بات ہے کہ باپ اور وصی غبن فاحش کی بیع نہیں کر سکتا، اس لئے کہ ان دونوں کی ولایت مصلحت والی ہے، اور غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں ہے۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کے تیسرے استدلال کا جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنا پورے طور پر بیع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ باپ اپنے چھوٹے بیٹے کا مال غبن فاحش کے ساتھ نہیں بیچ سکتا، اسی طرح وصی یتیم کے مال کو غبن فاحش کے ساتھ نہیں بیچ سکتا ہے۔ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ دونوں ہیں تو بیع، لیکن اس میں مصلحت نہیں ہے، اور باپ اور وصی کی ولایت مصلحت پر مبنی ہے اس لئے یہ دونوں یہ بیع نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: ۹؎ بیع مقایضہ پورے طور پر خریدنا بھی ہے اور پورے طور پر بیع بھی ہے، کیونکہ دونوں ہی کی تعریف پائی جاتی ہے

تشریح: یہ بھی صاحبین کے چوتے استدلال کا جواب ہے ، انہوں نیکہا تھا کہ بیع مقایضہ [گیہوں کے بدلے چاول خریدنا] میں آدھا خریدنا ہے اور آدھا بیچنا ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پورے طور پر اپنے آناج کو بیچنا ہے، اور پورے طور پر دوسرے کے آناج کو خریدنا ہے، کیونکہ بیچنے کی تعریف بھی صادق آتی ہے اور چونکہ آناج کے بدلے بیچ رہا ہے اس لئے خریدنے کی تعریف بھی صادق آتی ہے اس لئے جب پورے طور پر بیچنا ہے تو مطلق وکیل بیع مقایضہ کرنے کا مالک ہوگا۔

ترجمہ: (۶۴۱) خریدنے کا وکیل جائز ہے اس کا عقد مثل قیمت سے اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج ہو اور نہیں جائز ہے اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہاں تہمت متحقق ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وکیل نے اپنے لئے خریدا ہو، پھر اس کو اچھا نہیں لگا تو تو دوسرے پر ڈال دیا جیسا کہ پہلے یہ بحث گزر چکی ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غبن یسیر کے ساتھ خرید سکتا ہے، غبن فاحش کے ساتھ نہیں خرید سکتا، کیونکہ اس میں تہمت

ما مر٢ حتى لو كان وكيلا بشراء شيء بعينه قالوا ينفذ على الآمر لأنه لا يملك شراء ه لنفسه٣ وكذا الوكيل بالنكاح إذا زوجه امرأة بأكثر من مهر مثلها جاز عنده لأنه لا بد من الإضافة إلى الموكل في العقد فلا تتمكن هذه التهمة ولا كذلك الوكيل بالشراء لأنه يطلق العقد.

ہے۔اوپر مسئلہ بیچنے کا تھااس لئے غبن فاحش کے ساتھ بھی امام ابوحنیفہ کے یہاں بیچ سکتا ہے کیونکہ بیچنے میں کوئی تہمت نہیں

تشریح : خریدنے کا وکیل بنایا تھا تو اتنا زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز ہوگا جتنا رواج ہے کہ اس جیسی چیز میں لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں یعنی غبن یسیر کے ساتھ۔لیکن اس سے زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ : یہاں یہ شبہ ہے کہ وکیل نے وہ چیزا پنے لئے زیادہ قیمت میں خریدی تھی پھر اس کو موافق نہیں آئی تو وہ موکل کو حوالے کرنے لگا ہے۔اس شبہ اور تہمت کی وجہ سے ما یتغابن الناس سے زیادہ سے خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔

ترجمہ :٢ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی متعین چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو غبن فاحش میں بھی موکل پر نافذ ہوگا اس لئے کہ وکیل اپنی ذات کے لئے اس کو نہیں خرید سکتا۔

تشریح : موکل نے کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے کہا ہو تو زیادہ قیمت سے بھی خرید سکتا ہے۔کیونکہ وہ وکیل اپنے لئے نہیں خرید سکتا ہے۔اس لئے اپنے لئے خریدنے کی تہمت نہیں ہے۔

ترجمہ :٣ ایسے ہی نکاح کا وکیل بنایا جب کہ کسی عورت سے مہر مثل سے زیادہ میں نکاح کرا دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ نکاح کو موکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے اس لئے خود اپنا نکاح کر لینے کی تہمت نہیں ہے، لیکن خریدنے کے وکیل بنانے کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ عقد کو مطلق بھی رکھ سکتا ہے [یعنی موکل کی طرف منسوب کئے بغیر بھی خرید سکتا ہے]

تشریح : نکاح میں موکل کی طرف نکاح کو منسوب کرنا ضروری ہوتا کہ میں فلاں موکل سے عورت کا نکاح کرا رہا ہوں، تب درست ہوگا، اور اگر اس کا نام نہیں لیا تو خود وکیل سے نکاح ہو جائے گا، اب چونکہ اپنے لئے نکاح نہیں کر سکتا اس لئے یہ تہمت نہیں ہے کہ اپنے لئے نکاح کیا ہوگا اور پسند نہیں آیا تو موکل کے سر ڈال دیا، اس لئے مہر مثل سے زیادہ میں بھی نکاح کرایا تو موکل سے نکاح ہو جائے گا۔لیکن خریدنے معاملہ ایسا نہیں ہے وہاں موکل کا نام نہیں لیا مثلا کہا کہ میں خرید رہا ہوں تو خریدنا ہو جائے، اسی کو عقد کو مطلق رکھنا کہتے ہیں۔اسلئے خریدنے میں تہمت ہے کہ اپنے لئے خریدا تھا پسند نہیں آیا تو موکل کے سر ڈال دیا، اس تہمت کی وجہ سے غبن فاحش میں نہیں خرید سکتا۔

ترجمہ :(٦۴٢) **لایتغابن الناس** کیا ہے؟۔کہ دو فیصلہ کرنے والے کے فیصلے کے تحت میں داخل نہ ہو، اس کو غبن فاحش کہتے ہیں۔بعض حضرات نے فرمایا کہ سامان میں دس درہم کی چیز ساڑھے دس میں۔جانوروں میں دس درہم کی چیز گیارہ

(۶۴۲) قال والذي لا يتغابن الناس فيه ما لا يدخل تحت تقويم المقومين وقيل في العروض ده نيم وفي الحيوانات ده يازده وفي العقارات ده دوازده[۱] لأن التصرف يكثر وجوده في الأول

درہم میں،اورزمین میں دس درہم کی چیز بارہ درہم میں غبن یسیر ہے۔

ترجمہ:[۱] اسلئے کہ پہلے[سامان] میں تصرف کا وجود زیادہ ہے۔اورآخیر میں[زمین] میں تصرف کا وجود بہت کم ہے اور درمیانی[جانوروں] میں تصرف کا وجود درمیانہ ہے،اورغبن کی زیادتی تصرف کے کم ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں **ما یتغابن الناس** کی دوتشریح کررہے ہیں[ا] پہلی تشریح۔کہ جو قیمت لگانے کے ماہرین ہیں ان میں سے دوآدمی ان کی قیمت لگائے اور جہاں تک پہنچے وہ,**ما یتغابن الناس** ہے۔اوراس سے اوپر کی قیمت **لا یتغابن الناس** ہے۔کیونکہ عموما لوگ اتنا دھوکہ نہیں کھاتے ہیں۔

لا یتغابن الناس ،کی دوسری تشریح یہ ہے کہ۔سامان میں دس درہم کی چیز ساڑھے دس میں۔جانوروں میں دس درہم کی چیز گیارہ درہم میں،اورزمین میں دس درہم کی چیز بارہ درہم میں خریدے تو یہ وکیل کے لئے غبن یسیر ہے،اوراس سے زیادہ میں خریدے تو یہ غبن فاحش ہے۔فی صد کا حساب اس کا حساب اس طرح ہوگا،سامان میں پانچ فی صد زیادہ ہو۔جانور میں دس فیصد یادہ ہو۔زمین میں بیس فیصد زیادہ ہوتو یہ غبن یسیر ہےاوراس سے زیادہ ہوتو یہ غبن فاحش ہے جسکی اجازت وکیل کو نہیں

تفصیل اس طرح دیکھیں

پانچ فیصد ہوا	5=	×0.5	10=	÷10	100
دس فیصد ہوا	10=	×1	10=	÷10	100
بیس فیصد ہوا	20=	×2	10=	÷10	100

وجہ : پانچ فیصد،دس فیصد،اوربیس فیصد کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سامان کو آدمی کثرت سے خریدتا ہے اس لئے اس میں تجربہ اورمعلومات زیادہ ہے اس لئے اس میں پانچ فیصد دھوکہ کھا سکتا ہے،اس سے زیادہ غبن فاحش ہے۔جانور کو آدمی کبھی کبھار خرید لیتا ہے،اس لئے اس کا تجربہ اورمعلومات درمیانی ہے اس لئے اس میں دس فیصد غبن یسیر ہے اس سے زیادہ غبن فاحش ہے۔اورزمین یا مکان وغیرہ آدمی زندگی میں ایک دوبار ہی خرید پاتا ہے اس لئے اس کا تجربہ اورمعلومات بہت کم ہوتا ہے اس لئے اس میں بیس فیصد غبن یسیر ہے اس سے زیادہ غبن فاحش ہے۔

ترجمہ :(۶۴۳)اگر وکیل بنایا اپنے غلام کے بیچنے کا،پس اس کا آدھا بیچا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

ويقل في الأخير ويتوسط في الأوسط وكثرة الغبن لقلة التصرف.(۲۴۳)قال وإذا وكله ببيع عبد فباع نصفه جاز عند أبي حنيفة رحمه الله ۱ لأن اللفظ مطلق عن قيد الافتراق والاجتماع ألا ترى أنه لو باع الكل بثمن النصف يجوز عنده فإذا باع النصف به أولى ۲ وقالا لا يجوز لأنه غير متعارف لما فيه من ضرر الشركة إلا أن يبيع النصف الآخر قبل أن يختصما لأن بيع النصف قد يقع وسيلة إلى الامتثال بأن لا يجد من يشتريه جملة فيحتاج إلى أن يفرق فإذا باع الباقي قبل نقض البيع الأول تبين أنه وقع وسيلة وإذا لم يبع ظهر أنه لم يقع وسيلة فلا يجوز وهذا

ترجمہ :۱ اس لئے کہ بیچنے کا لفظ مطلق ہے، ٹکڑا کر کے بیچو یا ایک ساتھ بیچو کی قید نہیں ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ پورے غلام کو آدھی قیمت میں بیچ دے تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست ہے، پس جب آدھے غلام کو آدھی قیمت میں بیچا تو درجہ اولی جائز ہوگا۔

اصول: امام اعظم کے نزدیک مطلق لفظ ٹکڑا کر کے بیچنا اور ایک ساتھ بیچنا دونوں کو شامل ہیں۔

وجہ : بیچنے کے حکم میں آدھا بیچنا اور پورا بیچنا دونوں شامل ہیں۔ اس لئے جب بیچنے کا حکم دیا تو آدھا بھی بیچ سکتا ہے اور پورا بھی بیچ سکتا ہے۔ (۲) کیونکہ اگر پورا غلام آدھی قیمت میں بیچے تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے آدھے غلام کو آدھی قیمت میں بیچے تب بھی جائز ہوگا۔

ترجمہ :۲ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ آدھا بیچنا جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ متعارف نہیں ہے، اور اس لئے کہ اس میں شرکت ہو جائے گی جو بائع کے لئے نقصان ہے، مگر یہ کہ باقی آدھے کو بھی جھگڑا سے پہلے بیچ دے، اس لئے کہ آدھا بیچنا کبھی پورے بیچنے کے حکم ماننے کا وسیلہ ہوتا ہے، مثلا ایک ساتھ پورا غلام خریدنے والا نہیں ملا، اس لئے ٹکڑا کر کے بیچنے کی ضرورت پڑتی ہے، پس جب پہلی بیع ٹوٹنے سے پہلے باقی کو بھی بیچ دیا تو ظاہر ہو گیا کہ یہ بیع وسیلہ تھی، اور باقی کو نہیں بیچا تو ظاہر ہوا کہ یہ باقی کو بیچنے کا وسیلہ نہیں تھی اس لئے جائز نہیں ہوگا، اور یہ مسئلہ صاحبینؒ کے نزدیک استحسان پر مبنی ہے۔

تشریح : صاحبین فرماتے ہیں کہ آدھا بیچا اور جھگڑا سے پہلے باقی آدھا بیچا تو درست ہے۔ اور اگر باقی آدھا نہ بیچ سکا تو پہلا آدھا بیچنا درست نہیں۔

وجہ : پہلا آدھا بیچا تو کہا جا سکتا ہے یہ آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کا وسیلہ ہے۔ اس لئے وہ آدھا بیچنا درست ہے۔ لیکن باقی آدھا نہ بیچ سکا تو معلوم ہوا کہ پہلا آدھا بیچنا باقی آدھا بیچنے کے لئے وسیلہ نہیں ہے۔ اس لئے پہلا آدھا بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ

استحسان عندهما. (۶۴۴) وإن وكله بشراء عبد فاشترى نصفه فالشراء موقوف فإن اشترى باقيه لزم الموكل لے لأن شراء البعض قد يقع وسيلة إلى الامتثال بأن كان موروثا بين جماعة فيحتاج إلى شرائه شقصا شقصا فإذا اشترى الباقي قبل رد الآمر البيع تبين أنه وقع وسيلة فينفذ

اس صورت میں موکل اور مشتری کے درمیان شرکت ہوگئی۔ اور صاحبین کا قاعدہ گزر چکا ہے کہ موکل کا حکم اگر چہ مطلق ہو لیکن اس کا مدار معروف پر ہوتا ہے۔ اور معروف یہ ہے کہ اس طرح بیچیں کہ شرکت کا ضرر مجھے نہ ہو۔ اور وکیل نے آدھا بیچ کر شرکت کا ضرر کیا اس لئے آدھا بیچنا جائز نہیں ہے۔

اصول : صاحبین کا اصول گزر چکا ہے کہ مطلق حکم میں معروف طریقے کا حکم مراد ہوتا ہے (۱) ان کا استدلال اس قول تابعی سے ہے۔ **عن ابراهيم قال يأكل ويلبس بالمعروف وقال الربيع عن الحسن يأكل بالمعروف** (مصنف عبد الرزاق، باب نفقة المضارب ووضيعته، ج ثامن، ص ۲۹۱، نمبر ۱۵۱۶۲ / بخاری شریف، باب الشروط في الوقف، ص ۴۵۱، نمبر ۲۷۳۷) اس اثر میں اگر چہ مضارب کے بارے میں ہے کہ وہ معروف انداز سے کھا سکتا ہے اور پہن سکتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ ہر جگہ جاری ہوگا کہ جہاں بھی مطلق ہوگا وہاں دیکھا جائے گا کہ معاشرے میں اس کا کیا مطلب ہے اور اسی پر فیصلہ ہوگا جس کو معروف کہتے ہیں۔

ترجمه : (۶۴۴) اگر کسی غلام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس کا آدھا خریدا تو خریدنا موقوف ہوگا، پس اگر باقی آدھا خریدا تو موکل کو لازم ہوگا۔

ترجمه : لے اس لئے کہ بعض غلام کا خریدنا حکم ماننے کا [پورے غلام خریدنے کا] وسیلہ بن سکتا ہے، اس طرح کہ وہ ایک جماعت کی موروثی غلام ہو اس لئے ٹکڑا ٹکڑا کر کے خریدنے کی ضرورت پڑتی ہے، پس جب موکل کے بیع توڑنے سے پہلے باقی کو خرید لیا تو ظاہر ہو گیا کہ پہلا ٹکڑا وسیلہ تھا اس لئے موکل کو لازم ہو جائے گا۔ اور یہ مسئلہ بالاتفاق ہے۔

تشریح : غلام خریدنے کا وکیل بنایا لیکن وکیل نے پورا غلام خریدنے کے بجائے آدھا غلام خریدا، پس اگر باقی آدھا بھی خرید لیا تو موکل کو یہ غلام لازم ہوگا۔ اور باقی آدھا نہ خرید سکا تو یہ آدھا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ آدھا خود وکیل کے لئے ہو جائے گا۔ ٹکڑا ٹکڑا خریدنے کی گنجائش اس لئے ہوگی کہ، مثلا یہ غلام ایک جماعت کی وراثت کی چیز تھی اس لئے ہر ایک سے ٹکڑا ٹکڑا کر کے خریدنا پڑا، اور یہ باقی کے خریدنے کا وسیلہ بنا۔

وجه : یہاں قوی شبہ ہے کہ آدھا وکیل نے اپنے لئے خریدا تھا لیکن اس کو پسند نہ آیا تو موکل کے ماتھے پر ڈال دیا اور موکل کو شرکت کے ضرر میں پھنسا دیا۔ اس لئے یہ آدھا خریدنا موکل کو لازم نہیں ہوگا۔

علـى الآمـر وهذا بالاتفاق. ٢ والـفـرق لأبـي حـنيـفة أن في الشراء تتحقق التهمة على ما مر. ٣ وآخـر أن الأمر بالبيع يصادف ملكه فيصح فيعتبر فيه إطلاقه والأمر بالشراء صادف ملك الغير فـلـم يـصـح فلا يعتبر فيه التقييد والإطلاق. (۶۴۵) قال ومـن أمـر رجـلا ببيع عبده فباعه وقبض الثمن أو لم يقبض فرده المشتري عليه بعيب لا يحدث مثله بقضاء القاضي ببينة أو بإباء يمين أو

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا بشرطیکہ تہمت کا شبہ نہ ہو، جہاں تہمت کا شبہ ہو وہاں مطلق نہیں رہے گا بلکہ مقید ہو جائے گا۔

ترجمہ: ٢ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرق یہ ہے کہ خریدنے میں تہمت ہے [کہ اپنے لئے آدھا خریدا ہو اور پسند نہ آیا تو موکل کے سر پر ڈال دیا] جیسا کہ پہلے گزرا اس لئے خریدائی چیز موقوف رہے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٣ دوسری بات یہ ہے کہ بیچنے کے حکم میں خود موکل کی ملکیت ہے اس لئے اس کو مطلق چھوڑنے کا اعتبار کیا جائے گا، اور خریدنے کے حکم دینے میں دوسرے کی ملکیت ہے، اسلئے مقید اور مطلق ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ عرف کا اعتبار کیا جائے گا

تشریح: یہ ایک پیچیدہ دلیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب موکل نے اپنی چیز بیچنے کا حکم دیا تو خود اس کی ملکیت ہے اس لئے مطلق رہنا زیادہ مناسب ہے، کہ آدھا بیچو یا پورا بیچو دونوں سے راضی ہوں، اور جب خریدنے کا حکم دیا تو دوسرے کی چیز خریدے گا، اس لئے اپنی جانب سے مطلق یا مقید کی قید نہیں لگا سکتا، بلکہ عرف کا اعتبار کرنا ہوگا، اور عرف یہی ہے کہ پورا غلام خریدو اس لئے وکیل پورا غلام خریدے گا تو موکل پر لازم ہوگا، اور آدھا خریدے گا تو موکل پر لازم نہیں ہوگا۔

لغت: یصادف: صادف سے مشتق ہے، لگتا ہے، اپنی ملک کے ساتھ ملتی ہے۔

ترجمہ: (۶۴۵) کسی نے کسی آدمی کو اپنا غلام بیچنے کا حکم دیا، وکیل نے بیچ دیا اب ثمن پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، مشتری نے وکیل پر ایسے عیب کے ماتحت واپس کیا جو عیب پیدا نہیں ہو سکتا ہے [یقینی طور پر پہلے کا ہے] قاضی کے فیصلے کی وجہ سے، گواہی سے فیصلہ کیا ہو، یا وکیل کے قسم سے انکار کی وجہ سے فیصلہ کیا ہو، یا وکیل نے اقرار کیا ہو یہ عیب میرے پاس تھا تو یہ مبیع موکل پر واپس کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ قاضی یقین کر رہا کہ بائع کے پاس ہی پیدا ہوا تھا اس لئے اس کا فیصلہ ان حجتوں کی وجہ سے نہیں ہے [بلکہ یقین کرنے کی وجہ سے ہے]

بإقرار فإنه يرده على الآمر، لأن القاضي تيقن بحدوث العيب في يد البائع فلم يكن قضاؤه مستندا إلى هذه الحجج. ٢ وتأويل اشتراطها في الكتاب أن القاضي يعلم أنه لا يحدث مثله في مدة شهر مثلا لكنه اشتبه عليه تاريخ البيع فيحتاج إلى هذه الحجج لظهور التاريخ أو كان عيبا لا يعرفه إلا النساء أو الأطباء وقولهن وقول الطبيب حجة في توجه الخصومة لا في الرد فيفتقر

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر ایسا عیب ہے جو یقینی طور پر مشتری کے یہاں نہیں ہوسکتا تو چاہے وکیل کے اقرار سے واپس لیا ہو، چاہے فیصلے سے وہ موکل کی طرف واپس کرسکتا ہے۔ اور اگر وہ عیب اس درمیان پیدا ہوسکتا ہے تو اگر فیصلے سے واپس کیا ہے تب تو موکل کی طرف واپس کرسکتا ہے، اور اقرار کر کے واپس کیا تو یہ وکیل کے اقرار کی وجہ سے ہے اس لئے موکل کی طرف واپس نہیں کرسکتا ہے۔

تشریح: قاضی کے فیصلے کی چار صورتیں ہیں [۱]...... گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو۔ [۲]...... گواہی نہیں تھی اب مدعی علیہ کو قسم کھانے کے کہا اس نے نہیں کھایا تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ [۳]...... وکیل نے اقرار کر لیا کہ یہ عیب میرے پاس ہی ہوا تھا۔ [۴]...... عیب اتنا پرانا ہے [مثلا چھ انگلی ہونا تو یہ پیدائشی ہوتا ہے] کہ قاضی کو یقین ہے کہ یہ عیب بائع کے پاس ہی سے آیا ہے تو قاضی فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس عیب کی وجہ سے مبیع بائع کی طرف واپس کرو۔ یہاں یہ چوتھی صورت ہے کہ عیب مثلا غلام میں چھ انگلیاں ہیں تو قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ بائع کی طرف واپس کرو، اب یہ چھ انگلی ہونا موکل کے پاس سے ہی آیا ہوگا اس لئے وکیل موکل کی طرف غلام واپس کرسکتا ہے اور یہ جو وکیل نے اس عیب کا اقرار کیا اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ عیب تو پیدائشی ہے

ترجمہ: ٢ متن میں جو شرط لگائی کی قاضی کے فیصلے سے مبیع واپس کی ہو، تو اس لئے کہ قاصی جانتا ہو کہ اس قسم کا عیب اتنے مہینوں میں پیدا نہیں ہوسکتا لیکن اس پر بیع کی تاریخ مشتبہ ہوگئی اس لئے اوپر کی تین حجتوں کی ضرورت پڑی تا کہ تاریخ معلوم ہو جائے، یا عیب ایسا تھا جس پر عورتیں ہی مطلع ہوسکتی تھیں، یا طبیب ہی مطلع ہوسکتے تھے اور عورتوں کی بات اور طبیب کی بات مقدمہ کو شروع کرنے کے لئے حجت ہے رد کرنے کے لئے حجت نہیں ہے، اس لئے مقدمہ شروع کرنے کے لئے ان حجتوں کی ضرورت ہے۔

تشریح: متن میں یہ تینوں صورتیں مذکور ہیں کہ قاضی [۱]...... گواہی کے ذریعے فیصلہ کیا ہو۔ [۲]...... وکیل کے انکار کے ذریعہ فیصلہ کیا ہو [۳]...... وکیل کے اقرار کے ذریعہ فیصلہ کیا ہو۔ تو اس پر عبارت اشکال ہے، کہ جب ایسا عیب ہے کہ وہ موکل کے یہاں ہی ہوسکتا ہے مثلا چھ انگلی کا ہونا تو اوپر کی تین دلیلوں کی کیا ضرورت ہے، قاضی اس کے بغیر کیوں فیصلہ نہیں کر لیتے؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ [۱]...... ایک ہے مقدمہ شروع کرنا، [۲]...... اور دوسرا ہے فیصلہ کرنا۔ قاضی واپس

إليها في الرد ۳؎ حتى لو كان القاضي عاين البيع والعيب ظاهر لا يحتاج إلى شيء منها ۴؎ وهو رد على الموكل فلا يحتاج الوكيل إلى رد وخصومة. (۲۴۶) قال وكذلك إن رده عليه بعيب

کرنے کا فیصلہ تو پیدائشی عیب ہونے کی وجہ سے کرے گا، گواہ، یا قسم سے انکار، یا وکیل کے اقرار کی وجہ سے نہیں کرے گا، ہاں مقدمہ شروع کرنے کے لئے ان تین دلیلوں میں سے ایک چاہئے اس کے بغیر قاضی مقدمہ شروع نہیں کر سکے گا، اس لئے متن میں یہ کہا کہ گواہی کے ذریعہ، یا قسم سے انکار کے ذریعہ، یا اقرار کے ذریعہ فیصلہ کی طرف قاضی آیا ہو۔ اس کی تین مثالیں دی ہیں، [۱]......پہلی مثال۔ مثلا قاضی کو تاریخ کا پتہ نہیں ہے کس تاریخ کو بیع ہوئی تھی تو تاریخ کو ظاہر کرنے کے لئے ان دلیلوں کی ضرورت پڑے گی، اگر چہ فیصلہ ان دلیلوں پر نہیں کیا جائے گا۔ [۲]......دوسری مثال۔ یا مثلا عیب ایسا ہے کہ عورت ہی اس پر مطلع ہو سکتی ہے، مثلا شرمگاہ میں پیدائشی زخم ہے، [۳]......تیسری مثال۔ عیب ایسا ہے کہ ڈاکٹر ہی اس پر مطلع ہو سکتا ہے، مثلا پیدائشی کھانسی ہے تو ان دونوں صورتوں میں عورت اور ڈاکٹر کے کہنے پر فیصلہ تو نہیں کیا جائے گا، لیکن مقدمہ شروع کرنے کے لئے ان لوگوں کی باتوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

لغت: تو جه الخصومة لا فى الرد: ان دلیلوں سے مقدمہ متوجہ ہوگا، مقدمہ شروع ہوگا، لیکن اس سے مبیع واپس نہیں کیا جا سکے گا بلکہ واپس تو پرانے عیب ہی سے ہوگا. یفتقر الیها فی الرد: اس سے مراد ہے کہ مبیع واپس کرنے کے لئے مقدمہ شروع کیا جائے گا اس کے لئے ان دلیلوں کی ضرورت پڑے گی۔

ترجمہ: ۳؎ یہی وجہ ہے کہ قاضی بیع کرتے ہوئے دیکھ چکا ہو اور عیب بھی ظاہر ہو تو ان دلائل میں سے کسی کی ضرورت نہیں پڑے گی

تشریح: فرماتے ہیں کہ اگر قاضی بیع کرتے ہوئے بھی دیکھا ہو اور عیب بھی پرانا ہو تو نہ فیصلہ کے لئے گواہی، قسم سے انکار، یا اقرار کی ضرورت ہے اور نہ مقدمہ شروع کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہے، قاضی خود پرانے عیب کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر دے گا۔

ترجمہ: ۴؎ پرانے عیب کی وجہ سے واپس کرنا خود موکل پر رد ہو جائے گا اس لئے وکیل کو نہ لوٹانے کی ضرورت پڑے گی اور نہ دوبارہ مقدمہ کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

تشریح: چونکہ عیب پیدائشی ہے اور قاضی کے فیصلے کے بعد واپس کیا گیا ہے اس لئے کہ خود موکل پر واپس کرنا شمار ہوگا، اس لئے وکیل کو اب موکل کی طرف واپس کرنے کے لئے مقدمہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، اور نہ لوٹانے کی ضرورت پڑے گی، بس جا کر موکل کے گھر پر دے آئے۔

يحدث مثله ببينة أو بإباء يمين ١ لأن البينة حجة مطلقة والوكيل مضطر في النكول لبعد العيب عن علمه باعتبار عدم ممارسته المبيع فلزم الآمر. (٦٤٧) قال فإن كان ذلك بإقرار لزم المأمور ١ لأن الإقرار حجة قاصرة وهو غير مضطر إليه لإمكانه السكوت والنكول إلا أن له أن

ترجمہ :(٦٤٦) ایسے ہی اگر وکیل پر غلام واپس ہوا ایسے عیب کے ماتحت جو بیچ میں پیدا ہوسکتا ہے گواہی کے ذریعہ سے، یا قسم سے انکار کی وجہ سے۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ گواہی تو مکمل حجت ہے۔

تشریح :صورت یہ ہے کہ اس قسم کا عیب ہے جو مشتری کے یہاں بھی پیدا ہوسکتا ہے، مثلا غلام کی انگلی کٹ گئی، لیکن قاضی نے گواہی کے ذریعہ واپس کرنے کا فیصلہ کیا، یا گواہی نہیں تھی تو وکیل کو قسم کھانے کے لئے کہا لیکن اس نے قسم کھانے سے انکار کیا جسکی وجہ سے قاضی نے غلام واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو اس صورت میں بھی یہ واپسی موکل پر واپسی ہوگی، اور وکیل کو مزید مقدمہ دائر کر کے موکل پر واپس کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

وجہ: گواہی تو شریعت میں حجت کاملہ ہے اس لئے جب گواہی کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا تو براہ راست موکل پر فیصلہ ہو جائے گا۔

ترجمہ:٢ اور وکیل تو انکار کرنے میں مجبور ہے کیونکہ اس کے علم سے عیب دور ہے، کیونکہ مبیع کے ساتھ دیر تک وکیل کا واسطہ نہیں رہا ہے، اس لئے یہ واپس کرنا موکل کو لازم ہو جائے گا۔

تشریح :وکیل نے قسم کھانے سے انکار کیا تو جس کی وجہ سے قاضی نے واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو اس میں وکیل کی غلطی نہیں ہے۔ کیونکہ قسم کھانا گناہ ہے، دوسرے کی وجہ سے اپنے اوپر گناہ کیوں لے! دوسری بات یہ ہے کہ مبیع کے ساتھ وکیل کا تعلق کم رہا ہے اس لئے اس کو معلوم نہیں ہے کہ یہ عیب مشتری کے یہاں پیدا ہوا ہے یا موکل کے یہاں، اس لئے قسم کھانے کے انکار میں وہ مجبور ہے اس لئے اس کی وجہ سے فیصلہ ہوا تو یہ فیصلہ خود موکل پر واپس ہو جائے گا۔

ترجمہ :(٦٤٧) پس اگر موکل کے اقرار کی وجہ سے مبیع واپس ہوئی تو یہ مبیع وکیل کو لازم ہوگی۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے، اور اس پر مجبور بھی نہیں تھا، اس لئے کہ چپ رہنا ممکن تھا اور انکار کرنا بھی ممکن تھا مگر وکیل کے لئے حق ہے کہ موکل سے مقدمہ کرے اور گواہی کے ذریعہ، یا موکل کے قسم کھانے سے انکار کے ذریعہ اس کو مبیع لازم کردے۔

تشریح : یہا تین صورتیں بیان کر رہے ہیں [١] عیب درمیان میں پیدا ہوسکتا ہے، اور قاضی کے سامنے اقرار کر لیا تو وکیل کو لازم ہوگا، لیکن موکل پر مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔[٢] عیب درمیان میں پیدا ہوسکتا ہے، اور قاضی کے بغیر مشتری کے سامنے

يخاصم الموكل فيلزمه ببينة أو بنكوله ۲؎ بخلاف ما إذا كان الرد بغير قضاء بإقرار والعيب يحدث مثله حيث لا يكون له أن يخاصم بائعه لأنه بيع جديد في حق ثالث والبائع ثالثهما ۳؎

اقرار کرلیا تو وکیل کولازم ہوگا، موکل پر مقدمہ بھی دائر نہیں کرسکتا ہے۔[۳] عیب درمیان میں پیدا نہیں ہوسکتا ہے، اور قاضی کے بغیر مشتری کے سامنے اقرار کرلیا تو موکل کو لازم ہوگا۔ ایک روایت۔ اور دوسری روایت ہے کہ وکیل ہی کو لازم ہوگا۔ ان تینوں روایتوں کی تفصیل دیکھیں۔

[۱]......پہلی صورت۔ عیب ایسا تھا کہ درمیان میں مشتری کے پاس پیدا ہوسکتا تھا، اور وکیل نے قاضی کے سامنے اقرار کرلیا کہ ہاں یہ عیب موکل کے پاس سے آیا ہے اور قاضی نے مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ مبیع وکیل کو لازم ہوگا، کیونکہ وکیل اقرار کرنے میں مجبور نہیں تھا، بلکہ اس کو چپ رہ جانے کی گنجائش تھی، یا قسم کھانے سے انکار کی گنجائش تھی، اس نے عیب کا اقرار کرکے بلا وجہ موکل کا نقصان کیا ہے اس لئے یہ غلام وکیل واپس ہوگا۔ البتہ چونکہ قاضی کے فیصلے سے واپس ہوا ہے اس لئے وکیل کو یہ حق ہوگا کہ موکل پر مقدمہ دائر کرے کہ یہ عیب اس کے یہاں سے آیا ہے، اور گواہ کے ذریعہ اس کو ثابت کرے، اور گواہ نہیں ہے تو موکل قسم کھانے سے انکار کرے تو موکل پر غلام لازم ہوجائے گا۔

لغت: نکول: قسم کھانے سے انکار کرنے کو نکول کہتے ہیں۔ یخاصم: خصم سے مشتق ہے، مقدمہ دائر کرے۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف بغیر قاضی کے وکیل کے اقرار کے ذریعہ سے مبیع واپس کیا ہے، اور اس قسم کا عیب درمیان میں پیدا ہوسکتا ہے تو وکیل کو موکل سے مقدمہ کرنے کا بھی حق نہیں ہوگا، اسلئے کہ تیسرے [موکل] کے حق میں یہ نئی بیع ہے اور موکل گویا کہ تیسرا آدمی ہے

تشریح: [۲]...... یہ دوسری صورت ہے۔ عیب ایسا تھا کہ درمیان میں پیدا ہوسکتا تھا، اور وکیل نے قاضی کے سامنے اقرار نہیں کیا بلکہ گھر میں مشتری کے سامنے اقرار کیا کہ ہاں یہ عیب موکل کے یہاں تھا تو اب یہ غلام وکیل کی طرف واپس ہوگا، اور وکیل کو موکل کے خلاف مقدمہ دائر نے کا اور واپس کرنے کا بھی حق نہیں ہوگا۔

وجہ: چونکہ قاضی کے فیصلے کے بغیر وکیل نے غلام واپس لیا ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ وکیل اور مشتری کے درمیان بیع فسخ ہوا، لیکن گویا کہ مشتری نے وکیل کو یہ غلام واپس بیچ دیا، اور ان دونوں کے درمیان بیع جدید ہوگئی اور موکل تیسرا آدمی ہے اور گویا کہ اجنبی ہے اس لئے موکل پر مقدمہ دائر نہیں کرسکتا۔ (۲) وکیل نے جان کر موکل کو نقصان دینے کے لئے یہ مبیع لی ہے اس لئے موکل کی طرف واپس نہیں کرسکتا۔

ترجمہ: ۳؎ اور قاضی کے فیصلے کے ذریعہ اگر واپس ہوا ہو تو قاضی کی ولایت عام ہونے کی وجہ سے گویا کہ وکیل اور مشتری

والـرد بـالقضاء فسخ لعموم ولاية القاضي غير أن الحجة قاصرة وهي الإقرار فمن حيث الفسخ كـان لـه أن يـخاصمه ومن حيث القصور لا يلزم الموكل إلا بحجة ۴ ولـو كان العيب لا يحدث مثله والرد بغير قضاء بإقراره يلزم الموكل من غير خصومة في رواية لأن الرد متعين ۵ وفي عامة الـروايـات ليس له أن يخاصمه لما ذكرنا ٦ والـحق في وصف السلامة ثم ينتقل إلى الرد ثم إلى

کے درمیان کی بیع مکمل ختم ہوگئی، ہاں اقرار کرنے کی وجہ سے حجت قاصرہ ہے اس لئے بیع فسخ کی وجہ سے وکیل کو موکل سے مقدمہ دائر کرنے کا حق ہوگا اور حجت کے کمزور ہونے کی وجہ سے بغیر حجت [یعنی فیصلہ] کئے ہوئے موکل کو لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: خود سے وکیل مبیع واپس کر لے، اور قاضی کے فیصلے کے بعد واپس لے ان دونوں میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وکیل کے اقرار کی وجہ سے قاضی نے فیصلہ کیا اور مبیع واپس لیا تو یہاں قاضی کی ولایت عامہ کی وجہ سے وکیل اور مشتری کے درمیان بیع مکمل ختم ہوگئی اسلئے موکل کو بغیر مقدمہ کے واپس دینا چاہئے، لیکن وکیل نے اقرار کیا ہے اسلئے یہ حجت قاصرہ ہے جس کی وجہ سے موکل پر مقدمہ دائر کر کے واپس کر سکتا ہے خود بخود واپس نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: ۴ اور اگر عیب ایسا پیدائشی ہے کہ اس طرح کا عیب مشتری کے یہاں پیدا نہیں ہوسکتا، اور قاضی کے فیصلے کے بغیر وکیل کے اقرار سے واپس کر دیا تو موکل کو بغیر مقدمہ دائر کئے واپس کر سکتا ہے ایک روایت میں اس لئے کہ رد متعین ہے۔

تشریح: [۳]...... یہ تیسری صورت ہے۔ عیب ایسا پیدائشی ہے کہ اس قسم کا عیب مشتری کے یہاں پیدا نہیں ہوسکتا، اور قاضی کے بغیر مشتری کے سامنے اقرار کر کے وکیل نے مبیع واپس لے لیا تو چونکہ یہ عیب پیدائشی ہے اس لئے موکل کی طرف رد متعین ہے اس لئے ایک روایت یہی ہے کہ موکل کو بغیر کسی مقدمہ کے واپس کر سکے گا۔

ترجمہ: ۵ عام روایات میں یہ ہے کہ وکیل کو موکل سے مقدمہ دائر کرنے کا حق نہیں ہے اس دلیل سے جو ذکر کیا [یعنی وکیل اور مشتری کے درمیان بیع جدید ہے۔

تشریح: چاہے عیب ایسا ہے کہ پیدائشی ہے لیکن وکیل کو قاضی کے بغیر اقرار نہیں کرنا چاہئے، لیکن اقرار کیا تو یہ ان دونوں کے درمیان بیع جدید ہے اور موکل اس سے اجنبی ہے اسلئے موکل پر مقدمہ بھی دائر نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: ٦ مشتری کا حق یہ ہے کہ مبیع صحیح سالم ہو، وہ نہ ہو تو واپس کرنے کی طرف جاتا ہے۔ واپس بھی نہ کر سکے تو عیب کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے وہ لے تو مبیع کو واپس کرنا ہی متعین نہیں ہے۔ اور اس بحث کو کتاب الکفالہ میں اس سے زیادہ طویل بحث کی ہے

تشریح: یہ جواب ہے، اوپر کہا گیا تھا کہ پیدائشی عیب کی وجہ سے موکل کی طرف واپس کرنا متعین ہے اس کا جواب دیا جا رہا

الرجوع بالنقصان فلم يتعين الرد وقد بيناه في الكفاية بأطول من هذا. (٦۴٨) قال ومن قال لآخر أمرتک ببيع عبدي بنقد فبعته بنسيئة وقال المأمور أمرتني ببيعه ولم تقل شيئا فالقول قول الآمر لأن الآمر يستفاد من جهته ولا دلالة على الإطلاق. (٦۴٩) قال وإن اختلف في ذلک المضارب ورب المال فالقول قول المضارب لأن الأصل في المضاربة العموم ألا ترى أنه

ہے کہ مبیع واپس کرنے ہی کا راستہ متعین نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشتری مبیع رکھ لے اور عیب کا نقصان لے لے۔

وجہ: کیونکہ مشتری کا حق یہ ہے کہ اس کو صحیح سالم مبیع ملے، وہ نہ ہوسکا تو مبیع کو واپس کرے، اور مبیع میں مزید کوئی عیب پیدا ہوگیا تو اب مبیع رکھ لے اور عیب کا نقصان لے، پس جب یہ راستہ بھی تھا تو وکیل نے کیوں اقرار کرکے مبیع لیا اس لئے یہ موکل پر مقدمہ بھی دائر نہیں کرسکتا، یہ عام روایت ہے۔

ترجمہ :(٦۴٨) کسی نے وکیل سے کہا کہ میں آپ کو نقدا اپنے غلام کو بیچنے کے لئے کہا تھا اور تم نے ادھار بیچ دیا، اور وکیل کہتا ہے کہ مطلق بیچنے کے لئے کہا تھا [نقد کی قید نہیں تھی] تو موکل کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ حکم موکل ہی سے استفادہ کرکے لیا جاتا ہے اور مطلق ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے موکل کی بات مانی جائے گی۔

تشریح :وکیل کہتا ہے کہ آپ نے مطلق غلام بیچنے کا حکم دیا تھا نقد بیچو اس کی قید نہیں تھی اس لئے میں نے ادھار بیچ دیا تو اس صورت میں موکل کی بات مانی جائے گی۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم تو موکل سے لیا جاتا ہے اس لئے وہ جیسا ابھی کہہ رہا ہے اسی کی بات مانی جائے گی، کیونکہ مطلق بیچنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ترجمہ :(٦۴٩) اگر مضارب اور مال والے میں اختلاف ہوگیا تو مضارب کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ اصل مضاربت میں عموم ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لفظ مضاربت کے ذکر کرنے سے تصرف کا مالک ہوجاتا ہے اس لئے مطلق ہونے کی دلالت قائم ہوگئی۔

لغت :مضاربت: ایک آدمی کا مال ہو اور دوسرے آدمی کی محنت ہو تو اس کو، مضاربت، کہتے ہیں، اس میں جس کا مال ہوتا ہے اس کو، رب المال، کہتے ہیں، اور جس کی محنت ہوتی ہے اسکو مضارب، کہتے ہیں۔ اور جو مال ہے اس کو، مال مضاربت، کہتے ہیں۔

يملک التصرف بذكر لفظ المضاربة فقامت دلالة الإطلاق ؏ بخلاف ما إذا ادعى رب المال المضاربة في نوع والمضارب في نوع آخر حيث يكون القول لرب المال لأنه سقط الإطلاق بتصادقهما فنزل إلى الوكالة المحضة ؏ ثم مطلق الأمر بالبيع ينتظمه نقدا ونسيئة إلى أي أجل كان عند أبي حنيفة وعندهما يتقيد بأجل متعارف والوجه قد تقدم. (۲۵۰) قال ومن أمر رجلا

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مضاربت میں اصل عموم ہوتی ہے۔

تشریح : مضارب اور رب المال میں اختلاف ہو گیا، رب المال کہتا ہے کہ نقد بیچنے کا حکم دیا تھا اور مضارب کہتا ہے کہ کوئی قید نہیں تھی اس لئے میں نے ادھار بیچ دیا تو یہاں مضارب کی بات مانی جائے گی۔

وجہ :(۱) مضاربت میں اصل عموم ہوتی ہے کہ جس طرح مناسب سمجھو بیچ دو۔(۲) اس کی ایک دلیل دیتے ہیں کہ رب المال صرف اتنا کہے کہ میں نے مضاربت پر دیا تو مضاربت شروع ہو جائے گی، چاہے ادھار اور نقد کی کوئی قید نہ لگائی ہو، جس سے معلوم ہوا کہ مضاربت بغیر قید کے ہوتی ہے اسلئے مضارب کی بات اصل کے مطابق ہے اس لئے اس کی بات مانی جائے گی

ترجمہ :؏ بخلاف اگر رب المال نے ایک قسم میں مضاربت کا دعوی کیا اور مضارب نے دوسرے قسم کی تو رب المال کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ دونوں کی تصدیق سے مطلق ہونا ساقط ہو گیا اس لئے وکیل محض کے درجے میں اتر گیا۔

تشریح :مضارب اور رب المال نے یہ تو تصدیق کی کہ خاص قسم کے مال میں بیچنا طے ہوا تھا اس لئے دونوں کی تصدیق سے بات مطلق نہیں رہی، اب مضارب کہتا ہے کہ مثلا سوتی کپڑے خریدنے کا حکم تھا اور رب المال کہتا ہے کہ اونی کپڑے کا حکم دیا تو اب رب المال کی بات مانی جائے گی۔

وجہ :قسم کی قید تو دونوں کی تصدیق سے طے ہوئی، اس لئے مضارب وکیل محض کے درجے میں اتر گیا۔ اب کون سی قسم ہے یہ رب المال سے مستفید ہوگا اس لئے اس کی بات مانی جائے گی۔

ترجمہ :؏ مضاربت میں بیع کا مطلق حکم نقد اور ادھار دونوں کو شامل ہے چاہے جتنی مدت کے لئے ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک متعارف مدت کے ساتھ مقید ہوگا، اور اس کی وجہ ہم نے بیان کیا ہے۔

تشریح :اوپر گزرا کہ مضاربت میں ادھار اور نقد دونوں شامل ہیں، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جتنی مدت کے لئے بیچے سب کی مضارب کو اجازت ہوگی، اس لئے کہ بیع مطلق ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک متعارف مدت کے ساتھ مقید ہوگا۔

وجہ: پہلے گزر چکا ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک متعارف کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔

ببيع عبده فباعه وأخذ بالثمن رهنا فضاع في يده أو أخذ به كفيلا فتوي المال عليه فلا ضمان عليه ۱؎ لأن الوكيل أصيل في الحقوق وقبض الثمن منها والكفالة توثق به والارتهان وثيقة لجانب الاستيفاء فيملكهما ۲؎ بخلاف الوكيل بقبض الدين لأنه يفعل نيابة وقد أنابه في قبض الدين دون

ترجمہ :(۶۵۰) کسی نے اپنے غلام کو بیچنے کا حکم دیا اس نے اس کو بیچ دیا اور ثمن کے لئے رہن پر کوئی چیز رکھ لیا اور رہن اس کے ہاتھ میں ضائع ہو گیا، یا ثمن کے لئے کفیل لیا اور مال وصول ہونا ناممکن ہو گیا تو کفیل پر ضمان نہیں ہے۔

اصول : یہاں دو اصول ہیں [۱]......ایک اصول یہ ہے کہ ثمن پر قبضہ کرنا وکیل کا حق ہے، اور اس کے لئے کفیل لے، یا رہن پر مشتری کا مال رکھ لے یہ بھی ثمن وصول کرنے کا طریقہ ہے اس لئے اس کا بھی حقدار ہوگا۔[۲]......دوسرا اصول یہ ہے کہ یہ سب کرنے کے باوجود وکیل امین ہے اس لئے اگر ثمن ہلاک ہو گیا تو وکیل پر اس کا ضمان نہیں ہوگا۔

تشریح :کسی نے وکیل کو حکم دیا کہ اس کا غلام بیچ دے، وکیل نے بیچ دیا، اور مشتری نے ثمن نہیں دیا اسلئے اس کے لئے مثلا گائے رہن پر رکھ لیا، بعد میں گائے ہلاک ہو گئی جس کی قیمت کے بدلے میں ثمن ساقط ہو گیا، تو یہ ثمن موکل کا ساقط ہوا وکیل پر اس کا ضمان نہیں ہے، کیونکہ وکیل رہن رکھنے کا حقدار تھا، اور وکیل امین ہوتا ہے اس لئے ثمن ساقط ہوا تو وکیل پر اس کا ضمان نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثمن کے وصول کرنے کے لئے مشتری سے کفیل لے لیا، لیکن ایسا ہوا کہ کفیل اور مشتری غریب ہو کر مر گئے جسکی وجہ سے اب ثمن ملنا مشکل ہو گیا تو بھی وکیل پر ضمان نہیں ہے، کیونکہ وہ ایسا کرنے کا حقدار تھا، اور وہ امین بھی ہے اس لئے ثمن ضائع ہونے سے اس پر ضمان نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ وکیل حق وصول کرنے میں اصل ہے، اور ثمن پر قبضہ کرنا حق میں سے ہے، اور کفیل لینا ثمن وصول کرنے کو مضبوط کرنے کے لئے ہے، اور رہن پر رکھ لینا ثمن وصول کرنے کی جانب مضبوط ذریعہ ہے اس لئے وکیل یہ دونوں کام کرنے کا مالک ہوگا۔

تشریح : یہ اوپر کے مسئلے کی دلیل ہے، یہاں ثمن وصول کرنے میں اصل حق وکیل کا ہے اور کفیل بنانا اس حق کو مضبوط کرنے کے لئے ہے اس لئے کفیل بنانے کا بھی حق ہوگا، اور مشتری کی چیز رہن پر رکھ لینے یہ راستہ ہموار ہو جاتا ہے کہ یا ثمن دے یا اس چیز کو بیچ کر ثمن وصول کروں گا اس لئے اس کا بھی مالک ہوگا، پھر اور مشتری غریب ہو کر مر گئے، یا رہن کی چیز ہلاک ہو گئی جس کی وجہ سے ثمن ملنا مشکل ہو گیا تو اس میں وکیل کی کوئی غلطی نہیں ہے اس لئے وہ ثمن کا ضامن نہیں بنے گا۔

لغت:توثق: وثیقۃ سے مشتق ہے، اعتماد کی چیز۔اسی سے ہے وثیقۃ۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف قرض پر قبضہ کرنے کے وکیل کے اس لئے کہ وہ نیابت میں کام کرتے ہیں اور اس کو صرف قرض پر قبضہ

الكفالة وأخذ الرهن ۳؎ والوكيل بالبيع يقبض أصالة ولهذا لا يملك الموكل حجره عنه.

کرنے کا نائب بنایا ہے کفیل ہونے کا نائب نہیں بنایا ہے، اور نہ رہن لینے کا وکیل بنایا ہے [اس لئے یہ کفیل نہیں لے سکتا اور نہ رہن پر چیز لے سکتا ہے]

تشریح :صرف قرض وصول کرنے کا وکیل بنایا تو یہ وکیل صرف قرض پر قبضہ کرنے کا موکل کا نائب ہوتا ہے، اس قرض کے لئے کفیل بنانے اور اس کے لئے رہن پر کسی چیز کو لینے کا وکیل نہیں ہوتا اس لئے اگر اس نے ایسا کیا اور قرض وصول نہ ہو سکا تو یہ موکل کے لئے قرض کا ضامن بنے گا۔

ترجمہ :۳؎ اور بیچنے کا وکیل اصل ہونے کے اعتبار سے قبضہ کرتا ہے [اس لئے تمام حقوق کے مالک ہوں گے] یہی وجہ ہے کہ موکل وکیل کو قبضہ کرنے سے روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا۔

تشریح : بیچنے کا جو وکیل ہوتا ہے وہ ثمن پر قبضہ کرنے کا مالک اصل ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ موکل وکیل کو ثمن پر قبضہ سے روکنا چاہے تو نہیں روک سکتا۔

ا

﴿فصل﴾

(۱۶۵۱)قال وإذا وكل وكيلين فليس لأحدهما أن يتصرف فيما وكلا به دون الآخر ۱ وهذا في تصرف يحتاج فيه إلى الرأي كالبيع والخلع وغير ذلك لأن الموكل رضي برأيهما لا برأي أحدهما ۲ والبدل وإن كان مقدرا ولكن التقدير لا يمنع استعمال الرأي في الزيادة واختيار

﴿فصل﴾

ترجمه:(۶۵۱)اگر کسی نے دوآدمیوں کو وکیل بنایا تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اس میں تصرف کرے جس کا وکیل بنایا ہے۔

ترجمه:۱ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصرف میں دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے بیع ہے، خلع ہے اس کے علاوہ ہے اس لئے کہ موکل دونوں کی رائےسے راضی ہوا ہے ایک کی رائے سے راضی نہیں ہوا ہے۔

اصول: جہاں رائے مشورے کی ضرورت ہے وہاں دوآدمیوں کو وکیل بنایا تو دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔

تشریح: دوآدمیوں کو کسی کام کا وکیل بنایا تو اس میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو چھوڑ کر اکیلا وہ کام کر لے، بلکہ اس کام میں دونوں وکیلوں کو شریک ہونا ضروری ہے۔

وجه:موکل نے دونوں کی رائے پر اعتماد کیا ہے ایک کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے۔البتہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف موکل کی بات کو پیش کرنا ہے وہاں دونوں وکیلوں میں سے ایک نے بھی کام کر لیا تو جائز ہوگا۔

ترجمه:۲ اور کسی چیز کے عوض لینے میں اگر چہ وہ عوض متعین ہے [پھر بھی دونوں وکیلوں کی رائے اس لئے ضروری ہے ثمن کے زیادہ ہونے میں رائے استعمال کرے، یا اچھے مشتری کو انتخاب کرنے میں دونوں کی رائے کی ضرورت پڑے۔

تشریح: یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ موکل نے کہا کہ اس غلام پانچ سو بیچیں، تو یہاں غلام کی قیمت متعین ہے تو دو وکیلوں کو شامل ہونے کی اب کیا ضرورت ہے۔تو اس کا جواب دیا کہ دو وکیل مل کر اس کی قیمت پانچ سو سے زیادہ دلوا سکتے ہیں اس لئے دو وکیلوں کی رائے کی ضرورت ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دونوں مل کر ایسا مشتری تلاش کرے کہ جلدی سے ثمن ادا کرے اس لئے دونوں وکیلوں کی رائے کی ضرورت پڑتی ہے۔

لغت:فی الزیادۃ: سے مراد ہے دو کی رائے سے زیادہ قیمت وصول کرنا ممکن ہے۔اختیار المشتری: سے مراد ہے دو کی رائے

الـمشتري .(۶۵۲) قال إلا أن يـو كـلهـما بالخصومة ۱؎ لأن الاجتـمـا ع فيهـا متعذر للإفضاء إلى الشغـب فـي مـجـلـس القضاء والرأي يحتاج إليه سابقا لتقويم الخصومة (۶۵۳)قال أو بطلاق زوجتـه بـغيـر عـوض أو بـعتـق عبده بغير عوض أو برد وديعة عنده أو قضاء دين عليه ۱؎ لأن هذه الأشيـاء لا يـحتـاج فيهـا إلـى الـرأي بـل هو تعبير محض وعبارة المثنى والواحد سواء. ۲؎ وهذا

سے اچھا مشتری تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔

ترجمه: (۶۵۲) مگر یہ کہ دونوں کو وکیل بنائے مقدمہ کے لئے۔[تو ایک وکیل کا مقدمہ لڑ لینا کافی ہے]

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ قضا کی مجلس میں دونوں کا جمع ہونا متعذر ہے اس لئے کہ مجلس میں شور وشغف ہوگا، باقی رہی رائے دینا تو مقدمہ سے پہلے اس کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ مقدمہ صحیح رخ پر دائر ہو۔

تشریح : یہاں پانچ مثالیں دی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن کاموں میں رائے کی ضرورت نہیں ہے صرف موکل کی بات پیش کرنا ہے ان میں اگر دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور ایک وکیل نے کام کر لیا تب بھی درست ہو جائے گا۔ مثلا اگر خصومت کے لئے دو آدمیوں کو وکیل بنایا اور دونوں مجلس قضاء میں بولنے لگیں تو شور ہوگا اور آداب مجلس کے خلاف ہے۔ اس لئے ایک وکیل کا بولنا کافی ہے۔ اور دونوں کی رائے تو مقدمہ دائر کرنے سے پہلے لی جائے گی تا کہ صحیح رخ پر مقدمہ دائر کیا جا سکے۔

لغت :افضاء : پہنچائے گا۔ شغب: شور شغب۔ تقویم الخصومۃ: مقدمہ صحیح کرنے کے لئے۔

ترجمه: (۶۵۳) یا بغیر عوض کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے یا بغیر عوض کے اپنے غلام کو آزاد کرنے کے لئے یا اس کے پاس جو امانت تھی اس کو واپس کرنے کے لئے یا اس پر جو قرض تھا اس کو ادا کرنے کے لئے۔

ترجمه ۱؎ اس لئے کہ ان چیزوں دوسرے کی رائے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان میں موکل کی جانب سے محض تعبیر ہے، اس لئے دو وکیلوں کی بات اور ایک وکیل کی بات برابر ہے۔

تشریح : اسی طرح بغیر عوض کے بیوی کو طلاق دینا ہے تو چونکہ عوض نہیں لینا ہے صرف شوہر کی بات کو نقل کرنا ہے جس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے اس میں دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے ایک ہی وکیل کام کر لے تو درست ہے۔ بغیر عوض کے غلام آزاد کرنے میں بھی یہی حال ہے۔ اپنے پاس کسی کی امانت ہے اس کو واپس بہر حال کرنا ہے اس لئے دوسرے وکیل کی رائے کی ضرورت نہیں۔ یا قرض ادا کرنا ہے جو بہر حال کرنا ہی ہے اس لئے دوسرے وکیل کے مشورے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ایک وکیل کر دے تو درست ہو جائے گا۔

ترجمه ۲؎ بخلاف اگر دو وکیلوں سے کہا کہ اگر تم دسونوں چاہو تو عورت کو طلاق دے دو، یا کہا کہا کہ عورت کا معاملہ تم

بخلاف ما إذا قال لهما طلقاها إن شئتما أو قال أمرها بأيديكما لأنه تفويض إلى رأيهما ألا ترى أنه تمليك مقتصر على المجلس ولأنه علق الطلاق بفعلهما فاعتبره بدخولهما. (۶۵۴) قال وليس للوكيل أن يوكل فيما وكل به لے لأنه فوض إليه التصرف دون التوكيل به وهذا لأنه رضي

دونوں کے ہاتھوں میں ہے [تو دونوں کا حاضر ہونا ضروری ہے] اس لئے کہ دونوں کی رائے پر سپرد کیا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ طلاق کا مالک بنانا ہے اس لئے مجلس ہی میں فیصلہ کرنا ہوگا۔ اور اس لئے کہ طلاق دونوں کے فعل پر معلق کیا ہے اس لئے اس لئے طلاق کا اعتبار دونوں کے داخل ہونے سے ہوگا۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں [۱] اگر یوں کہا کہ اگر تم دونوں وکیل چاہو تو میری بیوی کو طلاق دے دو، تو دونوں وکیلوں کا حاضر ہونا ضروری ہے ایک وکیل کے طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ [۲] دوسری صورت یہ ہے کہ اگر تم دونوں وکیل چاہو تو بیوی کو اس کے طلاق کا معاملہ اس کے سپرد کر دو تو اس میں دونوں کی رائے پر چھوڑا ہے اس لئے ایک وکیل فیصلہ نہیں کر سکتا۔

وجہ : اس کی دو وجہ بیان کی ہیں (۱) ایک یہ کہ یہاں اگر چاہو کہہ کر دونوں وکیلوں کو طلاق دینے، اور عورت کو سپرد کرنے کا مالک بنایا ہے، اور تملیک کا قاعدہ یہ ہے کہ اسی مجلس میں فیصلہ کرے، مجلس ختم ہونے کے بعد یہ اختیار ختم ہو جائے گا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں کی رائے پر تملیک ہے اس لئے دونوں کی رائے ضروری ہے۔ (۲) دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دونوں وکیلوں کے فعل پر طلاق معلق کی ہے کہ اس لئے دونوں کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

ترجمہ : (۶۵۴) وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل بنائے جس میں اس کو وکیل بنایا ہے۔

ترجمہ : لے اس لئے کہ ان دونوں کام کرنے کا وکیل بنایا ہے وکیل بنانے کا وکیل نہیں بنایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ موکل ان دونوں کی رائے سے راضی ہے، دوسرے کی رائے سے راضی نہیں ہے، اور لوگ رائے دینے میں الگ لگ ہوتے ہیں۔ [اس لئے یہ وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتے]

تشریح : جس کام کا موکل نے وکیل بنایا ہے۔ وکیل چاہے کہ اس کام کا وکیل کسی دوسرے کو بنا دے ایسا نہیں کر سکتا۔ ہاں! موکل دوسرے کو وکیل بنانے کی اجازت دیدے یا یوں کہے کہ آپ اپنی صوابدید کے مطابق کام کر سکتے ہیں تو وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتے ہیں

وجہ : (۱) موکل نے وکیل کی رائے پر اعتماد کیا ہے۔ وکیل کے وکیل کی رائے پر اعتماد نہیں کیا ہے اس لئے وہ وکیل نہیں بنا سکتا (۲) قاعدہ یہ ہے کہ جو عہدہ آپ کو سپرد کیا ہے وہ بغیر اجازت کے کسی اور کو سپرد نہیں کر سکتے۔ ہاں! اجازت دیدے تو وکیل بنا

برأيه والناس متفاوتون في الآراء. (٦٥٥)قال إلا أن يأذن له الموكل[لوجود الرضا] أو يقول له اعمل برأيك ل لإطلاق التفويض إلى رأيه ٢ وإذا جاز في هذا الوجه يكون الثاني وكيلا عن الموكل حتى لا يملك الأول عزله ولا ينعزل بموته وينعزلان بموت الأول وقد مر نظيره في أدب القاضي .(٦٥٦) قال فإن وكل بغير إذن موكله فعقد وكيله بحضرته جاز ل لأن المقصود

سکتا ہے۔

ترجمہ :(٦٥٥)مگر یہ کہ اجازت دیدے موکل[موکل کی رضا مندی پائے جانے کی وجہ سے]یا اس کو موکل کہہ دے کہ اپنی صواب دید کے مطابق کریں۔

ترجمہ :ل وکیل کی رائے پر مطلقا سپرد کرنے کی وجہ سے۔

تشریح : موکل وکیل کو وکیل بنانے کی اجازت دے دے، یایوں کہے کہ اپنی صوابدید پر کرلو تو اب وکیلوں کو اپنا وکیل بنانے کا اختیار ہوگا۔

ترجمہ :٢ اور جب اس طرح وکیل بنانا جائز ہوتو دوسرا وکیل براہ راست موکل کا وکیل ہوگا، یہی وجہ ہے کہ پہلا وکیل [وکیل بنانے والا وکیل] دوسرے وکیل کو معزول نہیں کرسکتا اور نہ وکیل کے مرنے سے معزول ہوگا، ہاں موکل کے مرنے سے دونوں قسم کے وکیل معزول ہو جائیں گے،اس کی مثال باب ادب القاضی میں گزر چکا ہے۔

تشریح :چونکہ موکل کی اجازت سے دوسرا وکیل بنایا گیا ہے اس لئے یہ دوسرا وکیل براہ راست موکل کا وکیل ہوگا، چنانچہ پہلا وکیل اس کو معزول کرنا چاہے تو معزول نہیں کرسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وکیل بنانے والا مر جائے تو دوسرا وکیل معزول نہیں ہوگا، اپنی وکالت پر قائم رہے گا، ہاں موکل مر جائے تو پہلا وکیل بھی معزول ہو جائے گا، اور دوسرا وکیل بھی معزول ہو جائے گا۔

ترجمہ :(٦٥٦) پس اگر موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنایا، پس اس کے وکیل نے اس کے سامنے عقد کیا تو جائز ہے۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ مقصد یہ ہے کہ پہلے وکیل کی رائے شامل ہو جائے ، اور وہ ہوگئی۔ البتہ بیع کے حقوق کن سے متعلق ہوں گے اس بارے میں علما نے کلام کیا ہے[دو رائے آئی ہے]

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل اول کی رائے شامل ہونا کافی ہے۔

تشریح : وکیل نے موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنادیا۔ پھر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کے سامنے وہ کام کیا تو درست ہو جائے گا۔ البتہ بیع کے حقوق کن سے متعلق ہوں گے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ پہلے وکیل سے متعلق ہوں گے اس لئے کہ وہی اصل ذمہ دار ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دوسرے وکیل سے متعلق ہوں گے، کیونکہ بیع تو

حضور رأي الأول وقد حضر وتكلموا في حقوقه.(۶۵۷) وإن عقد في حال غيبته لم يجز[لأنه فات رأيه] إلا أن يبلغه فيجيزه ۱؎ وكذا لو باع غير الوكيل فبلغه فأجازه لأنه حضر رأيه (۶۵۸) ولو قدر الأول الثمن للثاني فعقد بغيبته يجوز ۱؎ لأن الرأي فيه يحتاج إليه لتقدير الثمن ظاهرا وقد

اصل میں دوسرے نے کی ہے۔

وجه :وکیل بنانے میں اصل مقصود رائے ہے۔پس جب دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں کام کیا تو پہلے وکیل کی رائے اس کام میں شامل ہوگئی۔اس لئے دوسرے وکیل کا کام کرنا درست ہے۔گویا کہ پہلے ہی وکیل نے کام انجام دیا۔

ترجمه :(۶۵۷)اوراگر وکیل کی غیر موجودگی میں کام کیا[تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی رائے شامل نہیں ہوئی]مگر یہ کہ وکیل کو خبر پہنچے اور وہ اس کی اجازت دے دے تو جائز ہو جائے گا۔

تشريح : وکیل نے بغیر موکل کی اجازت کے وکیل بنایا تھا پھر اس نے وکیل اول کی غیر موجودگی میں کام انجام دیا پھر وکیل اول نے اس کو پسند کیا اور اجازت دیدی تب بھی جائز ہو گیا۔

وجه: وکیل اول کی رائے شامل ہونا اصل تھی وہ ہوگئی اس لئے اس کا کام کرنا جائز ہو گیا۔

ترجمه :۱؎ اور ایسے ہی وکیل کے علاوہ نے بیچا اور وکیل کو خبر پہنچی تو اس نے اجازت دے دی[تو جائز ہو جائے گا]اس لئے کہ وکیل کی رائے شامل ہوگئی۔

تشريح :وکیل کے علاوہ کسی اجنبی نے مبیع بیچ دی، بعد میں وکیل کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اجازت دے دی تو جائز ہو جائے گی، کیونکہ وکیل کی رائے شامل ہوگئی۔

ترجمه (۶۵۸)اگر پہلے وکیل نے دوسرے وکیل کے لئے قیمت متعین کردی اور دوسرے نے پہلے وکیل کے غائبانے میں بیع کر لیا تو جائز ہے۔

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ پہلے وکیل کی ضرورت ظاہری طور پر قیمت متعین کرنے کے لئے ہوتی ہے اور وہ ہوگئی[اس لئے پہلے وکیل کی ضرورت نہیں رہی]

تشريح :موکل نے وکیل متعین کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، پھر بھی وکیل متعین کرلیا،اور پہلے وکیل نے مبیع کی قیمت متعین کردی،اب دوسرے وکیل نے پہلے کے غائبانے میں مبیع بیچ دی تو جائز ہو جائے گی۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے وکیل کا حاضر ہونا اس لئے تھا کہ وہ مبیع کی قیمت متعین کرے،اور وہ کردی اس لئے اب اس کی رائے شامل ہوگئی اس لئے اب وہ حاضر نہ بھی ہو تو جائز ہو جائے گا۔

حصل۲ وهذا بخلاف ما إذا وكل وكيلين وقدر الثمن لأنه لما فوض إليهما مع تقدير الثمن ظهر أن غرضه اجتماع رأيهما في الزيادة واختيار المشتري على ما بيناه ۳ أما إذا لم يقدر الثمن وفوض إلى الأول كان غرضه رأيه في معظم الأمر وهو التقدير في الثمن. (۶۵۹) قال وإذا زوج المكاتب أو العبد أو الذمي ابنته وهي صغيرة حرة مسلمة أو باع أو اشترى لها لم يجز۱ معناه

ترجمه: ۲ یہ برخلاف اگر دو وکیلوں کو وکیل بنایا اور قیمت بھی متعین کردی [تو بھی دونوں وکیلوں کا حاضر ہونا ضروری ہے] اس لئے کہ قیمت متعین کرنے کے باوجود بھی دو وکیلوں کو متعین کیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی [موکل] کی غرض زیادہ قیمت وصول کرنے میں دونوں کی رائے لینی ہے، یا اچھے مشتری منتخب کرنے میں رائے لینی ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

حاصل: یہ ہے کہ قیمت بڑھانے کے لئے یا اچھا مشتری تلاش کرنے کے لئے دونوں وکیلوں کی رائے کی ضرورت ہے اس لئے دونوں کی حاضری ضروری ہے۔ اور دوسری صورت میں قیمت متعین کردی ہے اس لئے اب پہلے وکیل کی رائے کی ضرورت نہیں رہی اس لئے پہلے وکیل کی حاضری کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: یہاں سے یہ فرق بیان کر رہے ہیں۔فرق یہ ہے۔کہ موکل قیمت متعین کردے، اور دو وکیلوں کو متعین کرے تو دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں موکل کا مقصد اس سے بھی زیادہ قیمت لینا ہے، یا اچھا مشتری تلاش کرنا ہے جو دونوں وکیلوں کی رائے سے ہوگا اس لئے دونوں کی حاضری ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳ لیکن اگر موکل نے قیمت متعین نہیں کی اور پہلے وکیل کی رائے پر چھوڑ دیا تو موکل کی بڑی غرض یہ ہے کہ معاملے میں وکیل کی رائے شامل ہو اور وہ ہے قیمت متعین کرنا [جب پہلے وکیل نے قیمت متعین کردی تو اب اسکی حاضری کی ضرورت نہیں رہی]

تشریح: یہ فرق ہے کہ موکل نے قیمت متعین نہیں کی اور ایک وکیل متعین کیا تو موکل کی بڑی تمنا یہ ہے کہ وکیل مبیع کی قیمت متعین کرے، اب اس نے قیمت متعین کردی اور اپنے بنائے ہوئے وکیل کو مبیع دے دی تو اب اس کی حاضری کی ضرورت نہیں رہی اس لئے اگر اس نے پہلے وکیل کی غیر حاضری میں متعینہ قیمت میں بیچ دی تو جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۶۵۹) مکاتب نے، یا غلام نے، یا ذمی نے اپنی چھوٹی بیٹی جو مسلمان ہے اس کا نکاح کرایا، یا اس کی چیز بیچی، یا اس کے لئے کوئی چیز خریدی تو یہ جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ غلامیت، اور کفر ولایت کو ختم کر دیتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ غلام اپنی ذات کے نکاح کا مالک نہیں ہے، ایسے ہی دوسرے کے نکاح کا بھی مالک

التصرف في مالها لأن الرق والكفر يقطعان الولاية ألا يرى أن المرقوق لا يملک إنكاح نفسه فكيف يملک إنكاح غيره وكذا الكافر لا ولاية له على المسلم حتى لا تقبل شهادته عليه۲ ولأن هذه ولاية نظرية فلا بد من التفويض إلى القادر المشفق ليتحقق معنى النظر والرق يزيل القدرة والكفر يقطع الشفقة على المسلم فلا تفوض إليهما

نہیں ہوگا، اور ایسے ہی کافر کا مسلمان پر ولایت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح :مکاتب بھی غلام ہی ہوتا ہے، مکاتب نے اور غلام نے اپنی چھوٹی بیٹی، جو آزاد بھی ہے اور مسلمان بھی ہے، کے مال میں یا ذات میں تصرف کیا، مثلا اس کا نکاح کرایا، یا اس کی چیز بیچی یا اس کیلئے کوئی چیز خریدی تو یہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح کافر جو دار الاسلام میں رہتے ہیں، جسکو ذمی کہتے ہیں اپنی چھوٹی بیٹی، جو آزاد بھی ہے اور مسلمان بھی ہے، کے مال میں یا ذات میں تصرف کیا، مثلا اس کا نکاح کرایا، یا اس کی چیز بیچی یا اس کیلئے کوئی چیز خریدی تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ :(۱) کیونکہ مکاتب اور غلام جب اپنا نکاح نہیں کرا سکتا تو اپنی بیٹی کا نکاح کیسے کرا سکتا ہے! اسی طرح غلام آقا کی اجازت کے بغیر اپنے لئے کوئی چیز نہیں خرید سکتا تو بیٹی کے لئے کیسے خرید سکتا ہے۔(۲) اس آیت میں ہے۔ ضرب الله مثلا عبدا مملوکا لا يقدر على شيء ۔(آیت ۷۵، سورت النحل ۱۶) اس آیت میں ہے کہ مملوک غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ آزاد مسلمان کی چیز نہیں بیچ سکتا اور نہ خرید سکتا ہے۔(۳) اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے، کفر کی وجہ سے ولایت ختم ہوگئی ہے اس لئے اس کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں ہے۔ و لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (۱۴۱، سورت النساء۴) اس آیت میں ہے کہ کافر کا مسلمان پر کوئی راستہ نہیں ہے یعنی ولایت نہیں ہے، پھر کافر کو مسلمان پر محبت کی کمی ہوتی ہے اس لئے بھی ولایت ختم کر دی گئی ہے۔

ترجمہ:۲ اور اس لئے کہ ولایت مصلحت کے لئے ہے اس لئے ایسے آدمی کو سونپنا ضروری ہے جو تصرف پر قدرت رکھتا ہو اور مہربان بھی ہوتا کہ مصلحت کا معنی ثابت ہو سکے، اور غلامیت قدرت ختم کر دیتی ہے اور کفر مسلمان پر شفقت ختم کر دیتا ہے اس لئے دونوں کو نہیں سونپا جائے گا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ بیٹی پر ولایت مصلحت کے لئے ہے اس لئے ایسے آدمی کو ولایت دی جائے جو تصرف کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور مہربان بھی ہو، غلام اور مکاتب میں ٹسرف کی قدرت نہیں ہے، اور کافر کو مسلمان پر شفقت نہیں ہے اس لئے ان دونوں کو مسلمان آزاد بیٹی پر ولایت نہیں دی جائے گی۔

لغت: نظریۃ: نظر سے مشتق ہے، مصلحت کے طور پر۔ تفوض: فوض سے مشتق ہے، سونپنا۔

(٦٦٠) وقال أبو يوسف ومحمد المرتد إذا قتل على ردته والحربي كذلك ١؎ لأن الحربي أبعد من الذمي فأولى بسلب الولاية ٢؎ وأما المرتد فتصرفه في ماله وإن كان نافذا عندهما لكنه موقوف على ولده ومال ولده بالإجماع لأنها ولاية نظرية وذلك باتفاق الملة وهي مترددة ثم تستقر جهة الانقطاع إذا قتل على الردة فيبطل ٣؎ وبالإسلام يجعل كأنه لم يزل مسلما فيصح.

ترجمہ :(٦٦٠) حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مرتد اپنی ارتداد پر قتل کیا گیا ہو اور اسی طرح حربی ہو تو اس کو اپنی چھوٹی آزاد مسلمان بیٹی پر ولایت نہیں ہوگی۔

تشریح :مرتد اگر مسلمان ہو جائے تب تو وہ ہمیشہ کی طرح مسلمان شمار کیا جاتا ہے، لیکن ارتداد کی زمانے میں اس کی حالت دونوں طرف متردد ہوتی ہے، کیونکہ اگر مسلمان ہو گیا تو ہمیشہ کی طرح مسلمان ہے، اور بعد میں کافر قتل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ارتداد کے زمانے میں وہ کافر ہی تھا اس لئے اس کی ولایت چھوٹی آزاد مسلمان بیٹی پر نہیں ہوگی۔ اسی طرح وہ حربی جو پناہ لیکر دارالاسلام آیا ہو وہ ذمی سے بھی بدتر ہے اس لئے اس کی ولایت چھوٹی مسلمان آزاد بیٹی پر نہیں ہوگی۔

ترجمہ :١؎ اس لئے کہ حربی ذمی سے بھی بدتر ہے اس لئے بدرجہ اولی ولایت سلب کی جائے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :٢؎ بہرحال مرتد کا تصرف مال میں صاحبینؒ کے یہاں اگر چہ نافذ ہے لیکن اولاد کے سلسلے میں اور اولاد کے مال کے سلسلے میں بالاجماع موقوف ہے، اس لئے کہ اس کی ولایت مصلحت کے لئے ہے اور یہ مصلحت مذہب کے ایک ہونے سے ہوتا ہے اور یہ ابھی متردد ہے پھر مرتد پر قتل ہونے کی وجہ سے منقطع ہونا ثابت ہو گیا، اس لئے ولایت ساقط ہو جائے گی۔

تشریح :صاحبینؒ کے یہاں مرتد کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے کہ اپنے مال کو خرید اور بیچ سکتا ہے، لیکن اولاد پر اور اس کے مال پر بالاتفاق ولایت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اولاد پر ولایت مصلحت کے طور پر ہے، پس ایک مذہب ہو تو مصلحت اور شفقت ہوگی، لیکن جب کافر ہو کر قتل کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرتد ہونے کے زمانے میں بھی وہ کفر پر تھا اس لئے مسلمان اولاد پر اس کو شفقت نہیں ہوگی اس لئے اس پر ولایت بھی نہیں ہوگی۔

ترجمہ :٣؎ اور مسلمان ہو گیا تو ایسا قرار دیا جائے گا کہ وہ ہمیشہ سے ہی مسلمان رہا ہے اس لئے چھوٹی مسلمان آزاد اولاد پر اس کو ولایت برقرار رہے گی۔

تشریح :واضح ہے۔

﴿باب الوكالة بالخصومة والقبض﴾

(۶۶۱)قال الوكيل بالخصومة وكيل بالقبض عندنا ۱؎ خلافا لزفر. هو يقول إنه رضي بخصومته والقبض غير الخصومة ولم يرض به. ۲؎ ولنا أن من ملك شيئا ملك إتمامه وإتمام الخصومة وانتهاؤها بالقبض ۳؎ والفتوى اليوم على قول زفر رحمه الله لظهور الخيانة في الوكلاء وقد

﴿باب الوكالة بالخصومة والقبض﴾

ترجمہ:(۶۶۱) مقدمے کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی چیز کا وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازم کے ساتھ وکیل بنے گا۔

تشریح: کسی کو مقدمہ اور خصومت کا وکیل بنایا تو فیصلے کے بعد دین اور چیز پر قبضہ بھی کر سکتا ہے۔

وجہ: کسی چیز کا وکیل بنایا تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل ہوگا۔ اور خصومت کے لوازمات میں سے قبضہ کرنا بھی ہے۔ اس لئے قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ خلاف امام زفر کے، وہ فرماتے ہیں کہ موکل مقدمہ کرنے پر راضی ہوا ہے قبضہ کرنے پر راضی نہیں ہوا ہے، کیونکہ قبضہ مقدمہ کے علاوہ کی چیز ہے۔

تشریح: امام زفر فرماتے ہیں کہ خصومت کا وکیل امانت دار نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو دین پر قبضہ کرنے کی گنجائش دیں تو پھر وہ دین موکل کو واپس ہی نہیں دے گا۔ اسلئے خصومت کا وکیل قبضہ کا وکیل نہیں ہوگا۔ اور خیانت عامہ کی وجہ سے آج کل اسی پر فتوی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ جس نے کسی چیز کا مالک بنایا تو اس کو مکمل کرنے کا مالک ہوگا، اور مقدمہ مکمل ہوتا ہے قبضہ پر اس لئے وکیل قبضے کا بھی مالک ہوگا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ مقدمہ جب مکمل ہوگا کہ چیز پر قبضہ بھی کر لیا جائے، اس لئے جب مقدمہ کا وکیل بنایا تو اس کی تکمیل کا بھی وکیل بنایا اس لئے مقدمہ کے وکیل کو چاہے قبضے کا وکیل نہیں بنایا پھر بھی وہ قبضہ کا بھی وکیل بنے گا۔

ترجمہ: ۳؎ لیکن فتوی اس زمانے میں امام زفرؒ کے قول پر ہے اس لئے کہ وکیلوں میں خیانت عام ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ موکل نے مقدمے پر اعتماد کیا ہے مال پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

يؤتمن على الخصومة من لا يؤتمن على المال ؎ ونظيره الوكيل بالتقاضي يملك القبض على أصل الرواية لأنه في معناه وضعا إلا أن العرف بخلافه وهو قاض على الوضع والفتوى على أن لا يملك. (۶۶۲) قال فإن كانا وكيلين بالخصومة لا يقبضان إلا معاإ لأنه رضي بأمانتهما لا بأمانة أحدهما واجتماعهما ممكن بخلاف الخصومة على ما مر. (۶۶۳) قال والوكيل بقبض الدين

ترجمه :؎ اس کی مثال تقاضے کا وکیل ہے اصل مبسوط کی روایت میں وہ قبضے کا مالک ہوگا اس لئے کہ تقاضہ کا حقیقی معنی قبضہ کرنا بھی ہے، مگر عرف اس کے خلاف میں ہے اور وہ وضع معنی پر حاوی ہے اسلئے فتوی یہی ہے کہ تقاضے کے مالک قبضے کا مالک نہیں ہوگا

تشریح :اوپر کے مسئلے کہ فتوی یہ ہے کہ مقدمہ کا وکیل قبضہ کرنے کا وکیل نہیں ہوگا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، کسی نے قرض کے تقاضہ [مطالبہ] کرنے کا وکیل بنایا تو تقاضہ کو وضع معنی قبضہ کرنا بھی ہے اس لئے وضع معنی کے اعتبار تقاضہ کرنے کا وکیل قبضہ کرنے کا بھی وکیل ہوگا۔ لیکن عرف میں یہ ہے کہ جو تقاضہ کرنے کا وکیل ہو وہ قبضہ کرنے کا وکیل نہیں ہوتا، اور عرف کو غالب سمجھا جاتا ہے اس لئے فتوی اسی پر ہے کہ تقاضہ کرنے کا وکیل قبضہ کرنے کا وکیل نہیں ہوگا۔ اسی طرح مکمل مقدمہ قبضہ کے بعد ہوگا، لیکن آج کے عرف کا اعتبار کرتے ہوئے قبضہ کا وکیل نہیں بنے گا۔

لغت :وضعا: لغت کے بنانے والے نے جس لفظ کو جس معنی کے لئے بنایا ہے اس کو وضع معنی کہتے ہیں۔ لیکن عرف میں اس لفظ کو جس معنی کے لئے استعمال کرتے ہیں اس کو عرفی معنی کہتے ہیں۔

ترجمہ:(۶۶۲) اگر مقدمہ کے لئے دو وکیلوں کو متعین کیا تو دونوں ہی قبضہ کرے۔

ترجمہ :إ اس لئے کہ دونوں کی امانت راضی ہوا ہے ایک کی امانت راضی نہیں ہوا ہے، اور دونوں کا جمع ہونا ممکن ہے بخلاف مقدمہ کے اس لئے کہ قضا کی مجلس میں دونوں کا جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔

تشریح :دو آدمیوں کو مقدمہ کا وکیل بنایا، تو قضا کی مجلس میں دونوں وکیل جمع نہیں ہو سکتے، لیکن قبضہ کرتے وقت جمع ہو سکتے ہیں اس لئے دونوں وکیل مل کر قبضہ کرے۔

وجہ :دونوں کی امانت سے موکل راضی ہے ایک کی امانت سے راضی نہیں ہے اور معاملہ مال کا ہے جس میں خیانت عام ہے اس لئے دونوں وکیل مل کر قبضہ کرے۔

ترجمہ :(۶۶۳) قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمے کا بھی وکیل ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح :وجہ یہ ہے کہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بعض مرتبہ مقدمہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ کسی کام کا

يكون وكيلا بالخصومة عند أبي حنيفة رحمه الله ١ حتى لو أقيمت عليه البينة على استيفاء الموكل أو إبرائه تقبل عنده ٢ وقالا لا يكون خصما وهو رواية الحسن عن أبي حنيفة لأن القبض غير الخصومة وليس كل من يؤتمن على المال يهتدي في الخصوماتفلم يكن الرضا بالقبض رضا بها. ٣ ولأبي حنيفة رحمه الله أنه وكله بالتملك لأن الديون تقضى بأمثالها إذ قبض الدين

وکیل بنائیں تو اس کے پورے لوازمات کے ساتھ وکیل بنانا پڑتا ہے۔اس لئے قرض کا وکیل مقدمہ اور خصومت کا بھی وکیل ہوگا

ترجمہ: ١ اسی لئے اگر وکیل پر گواہی قائم کی جائے کہ موکل نے قرض وصول کرلیا، یا موکل نے قرض سے بری کر دیا ہے تو قبول کیا جائے گا۔

تشریح: قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمہ کرنے اور مقدمہ کا دفعیہ کرنے کا بھی وکیل ہوتا ہے اس کی دلیل دے رہے ہیں کہ ۔جس کے اوپر قرض تھا اس نے گواہی دلوائی کہ موکل نے یہ قرض وصول کرلیا ہے، یا یہ قرض معاف کر دیا ہے تو وکیل کو اس کی کاروائی قبول کرنی پڑتی ہے اور گواہی قبول کی جاتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قرض کے قبضے کا وکیل مقدمے کا بھی وکیل بن جاتا ہے۔آگے آرہا ہے کہ عین چیز کے وصول کا وکیل مقدمے کا وکیل نہیں بنتا، اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

لغت: یہاں خصم کا لفظ بار بار آئے گا، خصم کا معنی ہے مدمقابل، جھگڑا کرنے والا، مقدمے میں دوسرے فریق کو خصم کہا جاتا ہے

ترجمہ: ٢ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قرض پر قبضے کا وکیل مقدمے کا وکیل نہیں بنے گا، حضرت حسنؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے، اس لئے کہ قبضہ خصومت سیالگ چیز ہے، اور ہر آدمی جس پر مال کے بارے میں اعتماد ہو مقدمے کا تجربہ نہیں ہوتا اس لئے قبضے کی رضامندی سے مقدمے کی رضامندی نہیں ہوگی۔

تشریح: دین پر قبضہ کرنا اور چیز ہے جو امانت دار کا کام ہے اور مقدمہ کرنا اور چیز ہے جو چالاک اور ماہرین قانون کا کام ہے۔اس لئے دونوں دو الگ الگ کام ہیں۔اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو امانت دار ہو وہ قانون کا ماہر بھی ہو۔اور اس پر قانونی اعتماد بھی کیا جائے۔اس لئے قبضہ کا وکیل خصومت اور مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا۔

اصول: یہ اس اصول پر گئے ہیں کہ قبضہ اور خصومت دو الگ الگ کام ہیں۔ایک پر اعتماد کرنے سے دوسرے کام میں اعتماد کرنا لازم نہیں آتا۔

ترجمہ: ٣ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موکل نے مالک بننے کا وکیل بنایا ہے اس لئے کہ قرض مثل سے ادا کیا جاتا ہے [اس لئے کہ اصل درہم تو خرچ کر چکا ہے] اس لئے اصل قرض پر قبضہ ممکن نہیں ہے، یہ اور بات ہے من وجہ عین قرض ہی کا وصول ہونا ہے اس لئے شفعہ کے لینے کے وکیل کی طرح ہو گیا، اور ہبہ کے واپس لینے، خریدنے کا، تقسیم کروانے کا اور عیب کی

نفسه لا يتصور إلا أنه جعل استيفاء العين حقه من وجه فأشبه الوكيل بأخذ الشفعة والرجوع في الهبة والوكيل بالشراء والقسمة والرد بالعيب ﴿۴﴾ وهذه أشبه بأخذ الشفعة حتى يكون خصما قبل القبض كما يكون خصما قبل الأخذ هنالك. والوكيل بالشراء لا يكون خصما قبل مباشرة

وجہ سے واپس لینے کے وکیل کی طرح ہوگیا۔

تشریح [۱]......شفعہ کے ماتحت گھر لینے کا وکیل ہو اور مشتری نے گواہی پیش کر دی کہ موکل نے گھر لینے سے انکار کر دیا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے، اور وکیل مقدمے کا خصم بن جاتا ہے

[۲]...... ہبہ کی چیز واپس لینے کے لئے وکیل بنایا، اور جس کو ہبہ کیا تھا اس نے گواہی پیش کر دی کہ موکل نے ہبہ کا عوض لے لیا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے، اور وکیل مقدمے کا خصم بن جاتا ہے

[۳]......خریدنے کا وکیل بنایا تو بائع قیمت لینے کے لئے خریدنے والے وکیل ہی پر دعوی کریگا اسلئے وہ مقدمے کا خصم بن جاتا ہے

[۴]......مشترک چیز کے بٹوارہ کروانے کے لئے وکیل بنایا، اور شریک نے بینہ قائم کر دیا کہ موکل نے اپنا حصہ وصول کر لیا ہے تو بینہ قبول ہوگا، اور وکیل خصم بن جائے گا۔

[۵]......مبیع میں عیب تھا اس لئے وکیل بنایا کہ اس کو واپس کر دو، بائع نے بینہ قائم کیا کہ موکل اس عیب سے راضی ہو چکا ہے تو بینہ قبول کیا جاتا ہے، اور وکیل خصم بن جائے گا۔

ان پانچ جگہوں پر وکیل خصم بنتا ہے اسی طرح قرض کے وصول میں بھی وکیل خصم بنے گا۔

لغت : تملک: بشکل مالک بنا۔ الديون تقضى بامثالها: قرض کی جو اصل رقم تھی وہ تو مقروض خرچ کر چکا ہوتا ہے، اس کے بدلے اسی کی مثل ادا کرتا ہے۔

ترجمہ : ﴿۴﴾ قرض وصول کرنے کا وکیل شفعہ لینے کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ شفعہ پر قبضہ کرنے سے پہلے خصم بنتا ہے جیسے کہ قرضہ میں درہم لینے سے پہلے خصم بنتا ہے۔ اس کے برخلاف خریدنے کا وکیل خریدنے سے پہلے خصم نہیں بنتا۔

تشریح :صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قرضہ وصول کرنے کا وکیل حق شفعہ لینے کے وکیل سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ حق شفعہ پر قبضہ کرنے سے پہلے وکیل خصم بنتا ہے، اسی طرح قرض پر قبضہ کرنے سے پہلے خصم بنتا ہے۔ اور خریدنے کا وکیل خریدنے کے بعد خصم بنتا ہے اس سے پہلے نہیں اس لئے اسلئے قرض کا وکیل خریدنے کے وکیل سے زیادہ مشابہت نہیں رکھتا

لغت:قبل مباشرة بالشراء: خریدنے کے کام کرنے سے پہلے۔

الشراء ۵؎ وهذا لأن المبادلة تقتضي حقوقا وهو أصيل فيها فيكون خصما فيها(۲۶۴) قال والوكيل بقبض العين لا يكون وكيلا بالخصومة بالاتفاق ۱؎ لأنه أمين محض والقبض ليس بمبادلة فأشبه الرسول(۲۶۵) حتى أن من وكل وكيلا بقبض عبد له فأقام الذي هو في يده البينة أن الموكل باعه إياه وقف الأمر حتى يحضر الغائب ۱؎ وهذا استحسان ۲؎ والقياس أن يدفع إلى

ترجمہ: ۵؎ قرض کا وکیل خصم کا وکیل اس لئے بن جاتا ہے کہ قرض میں بدل دیا جاتا ہے جو بہت سے حقوق کا تقاضہ کرتا ہے اور وکیل حقوق کے وصول کرنے کے بارے میں اصیل ہے اس لئے وہ خصم بھی بنے گا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ، قرض میں وہی رقم تو واپس نہیں دیتا جو لی تھی، وہ تو خرچ کر چکا ہے، بلکہ اس کا بدل اپنی جیب سے ادا کرتا ہے، اب اس کے وصول کرنے کے لئے بہت سے حقوق ہیں اس لئے ان حقوق کو حاصل کرنے کے لئے مقدمہ بھی کرنا ہوگا، یا دوسرا فریق مقدمہ کرے تو مدمقابل میں کھڑا ہونا ہوگا، اس لئے لازمی طور پر خصم کا بھی وکیل ہو ہی جائے گا۔

ترجمہ: (۲۶۴) عین چیز کے قبضے کا وکیل خصومت کا وکیل نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وہ محض امین ہے، اور یہاں جس چیز پر قبضہ کر رہا ہے وہ بدل نہیں ہے [عین وہی چیز ہے جو قرض دینے والے نے دی تھی] اس لئے یہ وکیل قاصد کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: عین چیز پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو وہ وکیل مقدمے کا وکیل نہیں بنے گا، اگر سامنے والے نے مقدمہ کیا بھی تو موکل اس کا خصم بن جائے گا اور وہی اس کا جواب دے گا۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ موکل کی دی ہوئی چیز ہی واپس کر رہا ہے تو یہ حقیقت میں عاریت کی چیز ہو گئی، اس لئے یہ مقروض کے پاس بھی امانت ہے، اور جو وکیل وصول کر رہا ہے اس کے پاس بھی امانت ہے اس لئے مقدمہ کا خصم نہیں بنے گا ۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں وکیل نہیں رہا بلکہ قاصد بن گیا اور قاصد مقدمے کا وکیل نہیں بنتا اس لئے یہ وکیل بھی مقدمے کا وکیل نہیں بنے گا۔ یہ فرق ہے قرض، اور عین چیز کے وصول کرنے میں۔

ترجمہ: (۲۶۵) یہاں تک کہ اگر عین غلام کے قبضے کا وکیل بنایا اور جس کے قبضے میں غلام تھا اس نے بینہ قائم کر دیا کہ موکل نے اس غلام کو قبضے والے کے ہاتھ میں بیچ دیا ہے تو غائب موکل کے آنے تک معاملہ ٹھہر جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عین چیز واپس لینے میں وکیل مقدمے کا خصم نہیں ہوتا اس لئے قابض نے مقدمہ دائر کیا تو وکیل قبضہ تو نہیں کرے گا لیکن بیع بھی ثابت نہیں ہوگی۔

الـوكيـل لأن البيـنة قامت لا على خصم فلم تعتبر. ۳؎ وجـه الاستـحسـان أنه خصم في قصر يده لـقيامه مقام الموكل في القبض فتقصر يده ۴؎ حتـى لو حضر البائع تعاد البينة على البيع ۵؎ فصار كما إذا أقام البينة على أن الموكل عزله عن ذلك فإنها تقبل في قصر يده كذا هذا

تشـــريح : یہاں دو باتیں ہیں [۱] ایک ہے قبضہ کرنا، [۲] اور دوسرا ہے بیع ثابت ہو جانا۔ عین چیز مثلا غلام پر قبضہ کرنے کے لئے وکیل بنایا، جب قبضہ کرنے کے لئے گیا تو قبضہ والے نے بینہ قائم کر دیا کہ موکل نے یہ غلام میرے ہاتھ بیچ دیا ہے، تو اب یہ وکیل غلام پر قبضہ نہیں کر پائے گا اس کا ہاتھ روک دیا جائے گا، لیکن چونکہ یہ خصم نہیں ہے اس لئے بیع بھی ثابت نہیں ہوگی، جب موکل آئے گا تو بیع ثابت کرنے کے لئے دوبارہ موکل کے سامنے بینہ قائم کرے تب قاضی کے فیصلے سے بیع ثابت ہوگی۔ یہ استحسان کا تقاضہ ہے۔

وجـــه وکیل قبضہ کرنے میں موکل کی طرح ہے اس لئے بینہ قائم ہونے کے بعد جس طرح موکل کو قبضہ سے روک دیا جاتا ہے اسی طرح وکیل کو بھی قبضہ سے روک دیا جائے گا۔

تــرجـمـه :۲؎ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وکیل کو غلام دے دیا جائے اس لئے کہ خصم کے علاوہ پر بینہ قائم کیا ہے اس لئے اس کا اعتبار ہی نہیں ہے [اس لئے گویا کہ مقدمہ دائر ہی نہیں ہوا اس لئے غلام دے دیا جائے]

تشريح :واضح ہے

تــرجـمـه :۳؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قبضے سے ہاتھ روکنے میں وکیل موکل کی جگہ پر ہیا س لئے اس کا ہاتھ قبضہ سے روک دیا جائے گا اگر چہ بیع ثابت نہیں ہوگی۔

تشـــريح : استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وکیل بیع ثابت کرنے میں خصم نہیں ہے لیکن اس کا قبضہ روک دے اس میں یہ موکل کی جگہ میں ہے، تو جس طرح بینہ قائم ہونے کے بعد موکل کو غلام پر قبضہ نہیں دیا جاتا وکیل کو بھی ابھی قبضہ نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اس بینہ سے بیع ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ وکیل خصم نہیں ہے۔

لغت :يقتصر يده: قصر سے مشتق ہے روک دینا، مراد ہے قبضہ نہ دینا۔

ترجمه :۴؎ یہاں تک کہ جب غائب موکل حاضر ہوگا تو بیع پر دوبارہ بینہ پیش کی جائے [تب بیع ثابت ہوگی۔

تشريح :چونکہ پہلا بینہ کا خصم وکیل نہیں تھا اس لئے موکل کے آنے کے بعد دوبارہ اس کے سامنے بینہ قائم کیا جائے تا کہ بیع ثابت کی جائے گی اور ہمیشہ کے لئے وکیل کو قبضہ نہیں دیا جائے گا۔

تــرجـمــه :۵؎ پس ایسا ہو گیا کہ قبضے والے نے اس بات پر بینہ قائم کر دیا کہ موکل نے تم کو اس سے معزول کر دیا ہے تو

(٦٦٦) قال وكذلك العتاق والطلاق وغير ذلك ل ومعناه إذا أقامت المرأة البينة على الطلاق والعبد والأمة على العتاق على الوكيل بنقلهم تقبل في قصر يده حتى يحضر الغائب استحسانا دون العتق والطلاق. (٦٦٧) قال وإذا أقر الوكيل بالخصومة على موكله عند القاضي جاز إقراره عليه ولا يجوز عند غير القاضي ل عند أبي حنيفة ومحمد استحسانا إلا أنه يخرج عن الوكالة

قبضہ سے ہاتھ روکنے میں قبول کیا جائے گا معزول کرنے قبول نہیں کیا جائے گا، ایسے ہی یہاں ہوگا۔

تشریح : یہ ایک مثال ہے۔ کہ وکیل پر قبضہ والے نے یہ بینہ قائم کیا کہ تم کو موکل نے قبضہ کرنے سے معزول کر دیا ہے تو معزول کرنے میں بینہ قبول نہیں کیا جائے اور نہ وہ معزول ہوگا، البتہ ابھی قبضہ نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح غلام کے قبضے کے سلسلے میں بیع ثابت نہیں ہوگی، البتہ قبضہ نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ : (٦٦٦) یہی حال ہے آزاد اور طلاق کا اور اس کے علاوہ کا۔

ترجمہ : ل اس کا معنی یہ ہے کہ عورت نے وکیل پر طلاق پر بینہ قائم کیا، اور غلام اور باندی نے آزاد کرنے پر اس کے منتقل کرنے کے بارے میں تو اس کے ہاتھ روکنے میں قبول کیا جائے گا یہاں تک کہ موکل حاضر ہو جائے استحسان کے طور پر نہ کہ آزاد ہونے میں اور طلاق ہونے میں۔

تشریح : شوہر نے میکے سے بیوی لانے کا وکیل بنایا، عورت نے وکیل پر بینہ قائم کیا کہ مجھے طلاق دے دی ہے، تو اب وکیل بیوی کو واپس نہیں لا سکے گا، اس کا ہاتھ روک دیا جائے گا، لیکن اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، پس جب شوہر آئے گا تو دو بارہ اس کے سامنے طلاق پر بینہ قائم کرے تب طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا۔

یا غلام اور باندی کو لانے کا وکیل بنایا، غلام اور باندی نے وکیل پر بینہ قائم کیا کہ مجھے آزاد کر دیا ہے، تو اب وکیل غلام اور باندی کو واپس نہیں لا سکے گا، اس کا ہاتھ روک دیا جائے گا، لیکن اس سے آزادگی واقع نہیں ہوگی، پس جب آقا آئے گا تو دو بارہ اس کے سامنے آزاد ہونے پر بینہ قائم کرے تب آزاد ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ : (٦٦٧) اگر مقدمے کا وکیل اپنے موکل پر اقرار کرے قاضی کے پاس تو اس کا اقرار جائز ہے اور وکیل کا اقرار قاضی کے علاوہ کے پاس جائز نہیں ہے

ترجمہ : ل امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مگر یہ کہ وہ مقدمہ سے نکل جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وکیل موکل کے اوپر قضا کی مجلس کے علاوہ میں بھی اقرار کرے تو جائز ہے، اور امام زفرؒ اور امام شافعی نے فرمایا کہ قاضی کی مجلس میں اور اس کے علاوہ دونوں صورتوں اقرار جائز نہیں ہے، یہ امام ابو یوسفؒ کا ایک قول یہی ہے اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

وقال أبو يوسف يجوز إقراره عليه وإن أقر في غير مجلس القضاء. وقال زفر والشافعي رحمهما

حاصل: یہاں تین باتیں ہیں[۱]......موکل کے خلاف قاضی کی مجلس میں اقرار کر لے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔[۲]......موکل کے خلاف قاضی کی مجلس میں اقرار کر لے، یا مجلس سے باہر اقرار کر لے دونوں جائز ہیں یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن وکالت سے نکل جائے گا۔[۳]......موکل کے خلاف قاضی کی مجلس میں اقرار کر لے، یا مجلس سے باہر اقرار کر لے دونوں جائز نہیں ہیں یہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک ہے۔ دلیل آگے آرہی ہے۔

تشریح: ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ میری جانب سے قاضی کے سامنے خصومت اور مقدمے کے وکیل بنیں تو اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ اس بات کے وکیل ہیں کہ آپ موکل کے جرم کا اقرار نہ کریں بلکہ ہمیشہ انکار ہی کرتے چلے جائیں یا زیادہ سے زیادہ خاموش رہیں۔ اسی لئے آپ کو خصومت کا وکیل مقرر کیا ہے۔ اگر اقرار کرنا ہوتا تو میں خود اقرار کر لیتا آپ کو وکیل خصومت بنانے کی ضرورت کیا تھی؟ یہی مطلب امام زفر اور ائمہ ثلاثہ لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ خصومت کا مطلب ہی جھگڑا کرنا اور انکار کرنا ہے، اور اقرار کرنا اس کی ضد ہے۔ اس لئے وکیل ضد کا مالک کیسے بنے گا؟ اس لئے وکیل یا انکار کرے یا دیکھے کہ میرا موکل واقعی مجرم ہے تو خاموش رہے۔ البتہ اقرار نہ کرے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق جواب کا وکیل ہے جس میں اقرار بھی شامل ہے اور انکار بھی شامل ہے اور خاموش بھی رہ سکتا ہے۔ وہ تینوں طریقوں کا مالک ہے۔ کیونکہ مطلق خصومت میں تینوں طریقے شامل ہیں۔ البتہ چونکہ خصومت کا وکیل ہے اور خصومت ہوتی ہے قاضی کی مجلس میں اس لئے قاضی کی مجلس ہی میں اقرار کا اعتبار ہوگا تاکہ خصومت ہو، اس سے باہر اقرار کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ مطلب امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔

وجہ: (۱) امام اعظم کی نظر پہلے کی طرح لفظ مطلق کی طرف گئی ہے (۲) ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ وکیل موکل پر اقرار کر سکتا ہے اور امام کے سامنے اقرار کا اعتبار ہے۔ لمبی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ قید ہو کر آئے، پھر قبیلہ ہوازن کے لوگ تائب ہو کر آئے اور اپنے قیدی مانگنے لگے۔ آپؐ نے مسلمانوں سے قیدی چھوڑنے کی ترغیب دی تو مسلمان اس پر راضی ہو گئے، آپؐ نے فرمایا اتنی رضامندی سے دلی رضامندی کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے سرداروں کے پاس اس کا اقرار کریں اور سردار آپ کی وکالت میں آکر میرے سامنے اقرار کرے کہ آپ لوگ قیدی چھوڑنے پر راضی ہیں تب صحیح ہوگا۔ بعد میں سارے سردار آئے اور حضورؐ کے سامنے اپنی اپنی قوم کی وکالت کرتے ہوئے اقرار کیا کہ وہ لوگ قیدی چھوڑنے پر دل سے راضی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وکیل موکل کے اوپر اقرار کر سکتے ہیں۔ اور قاضی اور امیر کے سامنے اقرار کرے تب اس کا اعتبار معتبر ہوگا۔ حدیث کا ٹکڑا یوں ہے۔ **زعم عروة ان مروان بن الحكم والمسور بن**

اللـه لا يـجـوز فـي الـوجهيـن وهـو قول أبي يوسف رحمه الله أولا ۲ وهـو الـقيـاس لأنـه مأمور بـالـخـصـومة وهـي مـنازعة والإقرار يضاده لأنه مسالمة والأمر بالشيء لا يتناول ضده ولهذا لا

مـخـرمة اخبراه ان رسول الله قام حين جاء ه وفد هوازن مسلمين ... فقال رسول الله ﷺ انا لاندری مـن اذن مـنكم فی ذلک ممن لم يأذن فارجعوا حتى يرفعو الينا عرفاؤكم امركم فرجع الناس فكلمهم عـرفـاؤهم ثم رجعوا الى رسول الله ﷺ فاخبروه انهم قد طيبوا واذنوا ۔(بخاری شریف،باب اذا وھب شیئا لوکیل او شفیع قوم جاز،ص ۳۶۹،نمبر ۲۳۰۷)اس حدیث میں سرداروں نے قوم کی وکالت میں حضورؐ کے سامنے اقرار کیا کہ وہ قیدی چھوڑنا چاہتے ہیں اور حضورؐ قاضی بھی تھے۔اس لئے قاضی کے سامنے اقرار کیا جا سکتا ہے(۳) جانتے ہوئے کہ میرا موکل مجرم ہے پھر بھی جرم کا یا رقم کا اقرار نہ کرے تو ظلم پر اعانت ہوگی جو حدیث میں ممنوع ہے۔**عـن ابـن عمر عن النبی ﷺ بـمعناه قال ومن اعان علی خصومة بظلم فقد باء بغضب من الله عز و جل .** (ابوداؤد شریف،باب فی الرجل یعین علی خصومة من غیر ان یعلم امرھا،ص ۵۱۷،نمبر ۳۵۹۸)اس حدیث کی بنا پر موکل پر اقرار کرنا بھی جائز ہے۔

البتہ اگر غیر قاضی کے سامنے اقرار کیا اور گواہ سے اس کا ثبوت مل گیا کہ وکیل نے ایسا کیا ہے تو وہ وکالت سے نکل جائے گا۔کیونکہ اس نے خلاف قاعدہ کیا ہے۔اور اب موکل کے دین پر اس کو قبضہ نہیں دیا جائے گا یہی 'الا انــه يــخـرج مـن الخصومة' کا مطلب ہے

اصول:مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے،ہاں کو بھی اور انکار کو بھی۔اسی قاعدہ پر یہ مسئلہ جاری ہے۔

امام ابو یوسف نے فرمایا جائز ہے وکیل کا اقرار کرنا موکل پر قاضی کے علاوہ کے پاس بھی۔

تشریح :وکیل نے قاضی کی مجلس کے علاوہ میں موکل پر اقرار کر لیا تب بھی اقرار ہو جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک۔

وجه : وہ فرماتے ہیں کہ وکیل موکل کے درجے میں ہے اور موکل قاضی کی مجلس کے علاوہ میں کسی چیز کا اقرار کرے تو اقرار ہو جاتا ہے تو وکیل بھی قاضی کی مجلس کے علاوہ میں اقرار کرے تو اقرار ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کو جواب دینے کے لئے اور بچاؤ کے لئے وکیل بنایا ہے اور اقرار کرنا اس کی ضد ہے، اس لئے اقرار کرنے کا مالک نہیں ہوگا،اگر اقرار کر لیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ترجمه :۲ یہی قیاس کا تقاضہ ہے کہ اس لئے کہ وکیل کو خصومت کا حکم دیا گیا تھا جسکو جھگڑا کہتے ہیں،اور موکل کے خلاف اقرار کرنا اس کی ضد ہے اس لئے کہ وہ تو صلح ہے اور کوئی چیز اپنی ضد کو شامل نہیں ہوتی،اسی لئے وکیل صلح کرنے کا یا سامنے والے کو بری کر دینے کا مالک نہیں ہوگا۔

يـملک الصلح والإبراء ۳؎ ويـصح إذا استثنى الإقرار ۴؎ وكـذا لـو وكـله بالجواب مطلقا يتقيد بـجـواب هـو خـصـومة لـجـريـان الـعـادة بـذلک ولهذا يختار فيها الأهدى فالأهدى. ۵؎ وجـه

تشــريــح : یہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی دلیل ہے۔ وکیل کو مخاصمہ کرنے کی یعنی جھگڑا کرنے کا وکیل بنایا ہے اور موکل کے خلاف اقرار کرنا اس کی بالکل ضد ہے، اگر اقرار ہی کرنا ہوتا تو موکل خود ہی کیوں نہ کر لیتا اس لئے وکیل اقرار کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ اس کی دو مثالیں دی ہیں [۱] ایک یہ کہ وکیل صلح کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کو جھگڑا کر کے مکمل حق لینے کے لئے وکیل بنایا ہے، ارصلح میں کم لیکر بات مان لی جاتی ہے اس لئے وکیل اس کا بھی مالک نہیں ہوگا۔ [۲] دوسری مثال یہ ہے کہ وکیل قرض لینے والے کو مکمل ہی بری کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، کیونکہ یہاں تو بالکل ہی رقم غائب ہوتا ہے، جبکہ اس کو مکمل لینے کا وکیل بنایا ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے وکیل اقرار کا حقدار نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۳؎ اور اقرار کا استثناء صحیح ہے۔ [یہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی دلیل ہے]

تشريح : یہ منطقی محاورہ ہے اور منطقی دلیل ہے۔ استثناء کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کے حکم دینے کے بعد اس کا استثناء صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ وہ چیز اس میں پہلے سے داخل ہی نہیں ہے، مثلا موکل کہے کہ آپ جھگڑا کرنے کا وکیل ہیں، لیکن میرے خلاف اقرار نہ کرنا، تو یہ استثناء کرنا کہ میرے خلاف اقرار نہ کرنا یہ استثناء ہے، اور موکل کا یہ استثناء کرنا صحیح بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وکالت میں اقرار داخل نہیں ہے اس لئے امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اپنے موکل کے خلاف اقرار کرنے کا حقدار نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۴؎ ایسے ہی اگر مطلق جواب کا وکیل بنایا تب بھی ایسے جواب کے ساتھ مقید ہوگا جو جھگڑا ہے، [موکل کے خلاف اقرار نہیں کر سکتا] کیونکہ عادت یہی جاری ہے، یہی وجہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہوشیار آدمی کو خصومت کا وکیل منتخب کیا جاتا ہے۔

تشــريــح : یہ امام شافعیؒ کی دوسری دلیل ہے کہ اگر مقدمے میں مطلق جواب کا وکیل بنایا، اس میں انکار یا اقرار کی بات نہیں کی تب بھی جھگڑا ہی کا وکیل ہوگا، موکل کے خلاف اقرار نہیں نہیں کر سکے گا۔

وجه : اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہاں عادت اور عرف پر مدار ہوگا، اور عرف یہ ہے کہ ہوشیار سے ہوشیار آدمی کو مقدمہ کے لئے منتخب کرتے ہیں تا کہ وہ صحیح طور پر حق حاصل کر سکے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وکیل کو مطلق کی صورت میں بھی اقرار کر لینے کی گنجائش نہیں ہے۔

لغت: اھدی فالاھدی: مقدمہ میں ہدایت یافتہ اور زیادہ ہدایت یافتہ، یعنی زیادہ ہوشیار۔

ترجمه : ۵؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وکیل بنانا بالکل صحیح ہیا س لئے جس چیز کا موکل مالک ہے اسی کا مالک وکیل بھی ہوگا، اور

الاستحسان أن التوكيل صحيح قطعا وصحته بتناوله ما يملكه قطعا وذلک مطلق الجواب دون أحدهما عينا. وطريق المجاز موجود على ما نبينه إن شاء الله تعالى فيصرف إليه تحريا للصحة قطعا ٦ ولو استثنى الإقرار فعن أبي يوسف رحمه الله أنه لا يصح لأنه لا يملكه. ٧ وعن محمد رحمه الله أنه يصح لأن للتنصيص زيادة دلالة على ملكه إياه وعند الإطلاق يحمل على

موکل مطلق جواب کا مالک ہے [یعنی ہاں کا بھی اور انکار کا بھی] کسی ایک جواب کو متعین کر کے نہیں ہے، اور یہاں مجاز کا طریقہ موجود ہے جس کو ہم ان شاء اللہ بعد میں بیان کریں گے، اس لئے یقینی طور وکیل صحیح ثابت کرنے کیلئے اسی مطلق جواب کی طرف پھیرا جائے گا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔ اس لمبی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ، موکل کو اقرار کرنے اور انکار کرنے دونوں کا حق ہے، اور وکیل اس کا نائب ہے اس لئے اس کو بھی اقرار کرنے اور انکار کرنے دونوں کا حق ہوگا، اسلئے وکیل اقرار بھی کر سکتا ہے

لغت : طریق المجاز: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خصومت کا مجازی معنی مطلق جواب ہے جس میں اقرار کا بھی حق ہو اور انکار کا بھی حق ہو، اس لئے وکیل کو مکمل صحیح بنانے کے لئے یہاں مجازی معنی لیا جائے گا

ترجمہ : ٦ اگر موکل نے اقرار کا استثناء کر دیا تو امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ یہ استثناء صحیح نہیں ہے اس لئے کہ موکل استثناء کرنے کا مالک ہی نہیں ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے جواب ہے، کہ موکل نے وکیل سے کہا کہ آپ کو مقدمے میں اقرار کی اجازت نہیں ہے [جسکو استثناء کہتے ہیں] تو امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے کہ یہ نہیں کر سکتا، کیونکہ موکل اقرار کی نفی کرنے کا مالک ہی نہیں ہے، اور جب نفی کرنے کا مالک نہیں ہے تو وکیل اقرار کا حقدار ہوگا۔

وجہ : موکل اقرار کی نفی اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس صورت میں وکیل صرف انکار کر سکتا ہے، اب اگر سامنے والا حق پر ہو پھر اس کی بات کا انکار کرنا شرعا جرم ہے اس لئے ایسا نہیں کر سکتا۔

ترجمہ : ٧ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ استثناء کرنا صحیح ہے اس لئے کہ صراحت سے انکار کرنا موکل کی ملک پر دلالت کرنے کی زیادتی ہے اور مطلق وکیل بناتے وقت پہلی بات [یعنی اقرار کی اجازت] پر محمول کیا جائے گا۔

تشریح : موکل وکیل کو اقرار کرنے سے منع کر دے تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کی اجازت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا کہ موکل کو اقرار کرنے کی ملکیت تھی اور وکیل کو بھی تھی، لیکن صراحت کے ساتھ اس کو منع کر دیا۔ اور جب منع نہیں کیا تو اسی بات محمول کیا جائے گا کہ وکیل پہلے پر یعنی اقرار اور انکار دونوں کا حق ہے۔

الأولى. ٨؎ وعنه أنه فصل بين الطالب والمطلوب ولم يصححه في الثاني لكونه مجبورا عليه ويخير الطالب فيه ٩؎ فبعد ذلك يقول أبو يوسف رحمه الله إن الوكيل قائم مقام الموكل وإقراره لا يختص بمجلس القضاء فكذا إقرار نائبه. ١٠؎ وهما يقولان إن التوكيل يتناول جواب يسمى خصومة حقيقة أو مجازا والإقرار في مجلس القضاء خصومة مجازا إما لأنه خرج في

لغت :تنصيص :نص سے مشتق ہے، صراحت کرنا۔ تحمل علی الاولی: پہلے پر محمول کیا جائے گا، یعنی مطلق جواب کا اختیار ہوگا، جس میں اقرار اور انکار دونوں کی گنجائش ہو۔

ترجمہ :٨؎ امام محمدؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ کے وکیل کے درمیان میں فرق کیا ہے، اور دوسرے [یعنی مدعی علیہ] میں استثناء صحیح قرار نہیں دیا اس لئے کہ مدعی علیہ مجبور ہے، اور مدعی کی صورت میں وکیل کو اقرار اور انکار دونوں کا اختیار ہے

تشریح :امام محمد سے ایک دوسری روایت بھی ہے، کہ اگر مدعی کا وکیل ہے تو چونکہ اس کا موکل رقم طلب کرنے والا ہے اس لئے لینے کا بھی حق ہے اور چھوڑ دینے کا بھی حق ہے ،تو اسی طرح اس کے وکیل کو اقرار کا بھی حق ہوگا اور انکار کا بھی حق ہوگا۔ اور مدعی علیہ کا وکیل ہے تو وہ چونکہ مقدمہ کے لئے آنے میں مجبور ہے اس لئے صرف انکار ہی کر سکتا ہے اسلئے اس کے وکیل کو صرف انکار کا حق ہوگا

لغت :طالب : سے مراد مدعی ہے اسلئے کہ وہ مطالبہ کرتا ہے ۔اور مطلوب سے مراد مدعی علیہ ہے اس لئے کہ اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ثانی سے مراد مدعی علیہ ہے۔ یخیر الطالب : مدعی کو اختیار ہے کہ استثناء کرے یا نہ کرے، یعنی وکیل کو اقرار کی اجازت دے یا منع کردے۔

ترجمہ :٩؎ اس کے بعد امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وکیل موکل کے قائم مقام ہے، اور موکل کا اقرار مجلس قضا کے ساتھ خاص نہیں ہے ایسے ہی اس کے نائب کا اقرار مجلس قضا کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وکیل موکل کا نائب ہے اور موکل قضا کی مجلس میں اقرار کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ میں بھی اقرار کر سکتا ہے اسی طرح وکیل بھی مجلس قضا میں بھی اقرار کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ میں بھی اقرار کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ١٠؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے ایسا جواب دے جو یا حقیقت میں خصومت ہو یا مجازا خصومت ہو، اور قضا کی مجلس میں اقرار کرنا یہ مجازا خصومت ہے اس لئے کہ یہ خصومت کے مقابلے پر کہا ہے ۔یا اس لئے اقرار کا سبب خصومت ہے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ مستحق کو لائے گا [یعنی اقرار کرے گا] مستحق کے طلب کرتے

مقابلة الخصومة أو لأنه سبب له لأن الظاهر إتيانه بالمستحق عند طلب المستحق وهو الجواب في مجلس القضاء فيختص به ا﴿ لكن إذا أقيمت البينة على إقراره في غير مجلس القضاء يخرج من الوكالة حتى لا يؤمر بدفع المال إليه لأنه صار مناقضا وصار كالأب أو الوصي إذا أقر في

وقت اور یہ مجلس قضا میں جواب دینا ہے، اس لئے مجلس قضا کے ساتھ خاص ہوگا۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا تھا کہ قضا کی مجلس میں وکیل اقرار کرے گا تو اس اقرار کا اعتبار ہوگا، اور اس سے باہر کرے گا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی موکل پر نافذ نہیں ہوگا۔ اس کی تین دلیلیں دے رہے ہیں۔[۱] پہلی دلیل یہ ہے کہ موکل نے وکیل کو ایسا جواب دینے کے لئے کہا ہے جو خصومت ہو، اگر قضا کی مجلس میں انکار کیا تو یہ حقیقت میں خصومت ہوا، اور قضا کی مجلس میں اقرار کیا تو یہ حقیقت میں تو خصومت تو نہیں ہوا لیکن چونکہ قضا کی مجلس میں اقرار کیا ہے اس لئے اس کو مجازاً خصومت قرار دیا جائے گا، اس لئے قضا کی مجلس میں ہی اقرار کرنا ضروری ہوگا۔[۲] دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ سامنے والے نے قضا کی مجلس میں مقدمہ دائر کیا ہے اور وکیل اس کا جوابدے گا تو قضا کی مجلس ہی میں دینا پڑے تب ہی جواب ہوگا، اس سے باہر دے گا مقدمہ دائر کرنے والے کا جواب نہیں ہوگا، اس لئے قضا کی مجلس ہی میں اقرار کرنا ہوگا۔[۳] تیسری دلیل یہ ہے کہ یہ اقرار مقدمہ دائر کرنے کے سبب سے ہے اس لئے کہ جس کا حق ہے اس کے طلب کرتے وقت یہ جواب دیا جائے گا، اور اس نے یہ حق قضا کی مجلس میں مانگا ہے اس لئے قضا کی مجلس ہی میں جواب دیا جائے گا۔ حاصل: ان تینوں دلیلوں کا حاصل یہ ہے کہ موکل نے قضا کی مجلس میں جواب دینے کے لئے وکیل بنایا ہے باہر جواب دینے کے لئے نہیں بنایا اس لئے قضا کی مجلس ہی میں اقرار کرسکتا ہے باہر نہیں۔ یہ طرفین کی دلیل ہے۔

لغت :اتیانہ بالمستحق: جس چیز کا مطالبہ کررہا ہے اس کا اقرار کرلے، اس کو کہا ہے اتیانہ بالمستحق۔ طلب المستحق: مستحق کے طلب کرتے وقت، یعنی قضا کی مجلس میں حق مانگتے وقت۔

ترجمہ :ا﴿ لیکن اگر قاضی کے مجلس کے علاوہ میں وکیل کے اقرار پر بینہ قائم کردیا تو وکیل وکالت سے نکل جائے گا جسکی بنا پر اس کو مال حوالہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ موکل کے خلاف کردیا، اور باپ اور وصی کی طرح ہوگیا، اگر وہ قاضی کی مجلس میں بچے کے خلاف اقرار کرلے تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہے اور اب باپ اور وصی کو مال بھی نہیں دیا جائے گا۔

تشریح :موکل نے زیادہ سے زیادہ قاضی کی مجلس میں اقرار کرنے وکیل بنایا تھا لیکن اس نے قاضی کی مجلس کے علاوہ میں اقرار کرلیا تو اس نے موکل کی مخالفت کی اس لئے اب وہ وکالت سے نکل گیا اس لئے موکل کا مال اس وکیل کو حوالہ نہیں کیا جائے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ باپ اور وصی کو بچے کا نگراں بنایا تھا اور اس کی مصلحت پر نظر رکھنے کے لئے کہا تھا، ان دونوں

مجلس القضاء لا يصح ولا يدفع المال إليه.(٦٦٨) قال ومن كفل بمال عن رجل فوكله صاحب المال بقبضه عن الغريم لم يكن وكيلا في ذلك أبدا ۱ لأن الوكيل من يعمل لغيره ولو

نے بچے کے خلاف قاضی کی مجلس میں اقرار کرلیا تو یہ دونوں نگرانی سے نکل جائیں گے، اور اب بچے کا مال ان دونوں کو حوالہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ دونوں نگرانی سے نکل گئے، اسی طرح وکیل وکالت سے نکل گیا تو اب موکل کا مال اس وکیل کو حوالہ نہیں کیا جائے گا۔

لغت : مناقضا تناقض کرنے والا ہو گیا، یعنی مخالفت کرنے والا ہو گیا۔

ترجمہ :(٦٦٨) کوئی کسی آدمی کی جانب مال ادا کرنے کا کفیل بنا، پھر جس آدمی کو مال دینے کا کفیل بنا تھا اسی نے مقروض سے قرض وصول کرنے کفیل کو وکیل بنا دیا تو یہ کبھی وکیل نہیں بن سکے گا [یعنی کفالت رہتے وقت بھی اور کفالت ختم ہو جائے تب بھی وکیل نہیں بن سکے گا]۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ وکیل اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کے لئے کام کرے اور یہ وکیل تو [اسی مال کو ادا کرنے کا کفیل ہے]اس لئے اپنے ہی لئے کام کرے گا [یعنی مال وصول کرے گا] اپنی ذمہ داری سے بری ہونے کے لے اس لئے دوسرے کے لئے کام کا رکن نہیں پایا گیا اس لئے وکیل بھی نہیں ہو پائے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے، کفیل رقم دینے والا ہوتا ہے، اور وہی رقم وصول کرنے کا وکیل بن جائے تو رقم لینے والا بھی بن گیا، اب ایک ہی آدمی دینے والا بھی ہو اور لینے والا بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے وکیل بھی نہیں بن سکتا۔

اصول : دوسرا اصول: کفیل مال کا ضامن ہوتا ہے۔ اور وکیل امین ہوتا ہے، اب ایک ہی آدمی امین بھی ہو اور ضامن بھی ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے جو کفیل بنا وہ وکیل نہیں بن سکتا۔

تشریح: صاحب ہدایہ کی عبارت منطقی انداز کی ہے اس لئے بہت غور سے سمجھیں۔۔ مثلا خالد کا عمر پر ایک ہزار قرضہ تھا، زید عمر کا کفیل بن گیا کہ عمر ادا نہیں کرے گا تو میں ادا کروں گا۔ اب خالد نے زید کو بھی عمر سے ایک ہزار قرضہ وصول کرنے کا وکیل بنا دیا تو یہ وکالت باطل ہے۔

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ زید خالد کو ایک ہزار ادا کرنے کا کفیل ہے اور اسی خالد کی جانب سے عمر سے قرضہ وصول کرنے کا وکیل بھی بن گیا تو یہ اپنے ہی لئے کام کرنے والا بنا اس لئے وکیل بننا درست نہیں ہے۔ (۲) وکیل اس کو کہتے ہیں جو موکل اور غیر کے لئے کام کرے اور یہاں کفیل قرض وصول کرے گا تو اپنا ذمہ بری کرے گا تو اپنے ہی لئے کام کرنا ہوا اس لئے یہ تہمت کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

صححناها صار عاملا لنفسه في إبراء ذمته فانعدم الركن ۲ ولأن قبول قوله ملازم للوكالة لكونه أمينا ولو صححناها لا يقبل لكونه مبرئا نفسه فينعدم بانعدام لازمه ۳ وهو نظير عبد مديون أعتقه مولاه حتى ضمن قيمته للغرماء ويطالب العبد بجميع الدين فلو وكله الطالب بقبض المال عن

لغت:ابدا:کفیل کفالت سے بری ہو جائے تب بھی وکیل نہیں بن سکتا اس لئے کہ جب شروع میں نہیں بن سکا تو اس کی بنیاد پر بعد میں بھی نہیں بن سکے گا۔غریم:قرض لینے والا۔انعدم الرکن:وکالت میں دوسرے کیلئے کام کرنا ہوتا ہے یہ اصل رکن ہے، اور یہاں اپنے لئے کام کرتا ہے، دوسرے کے لئے کام کرنا نہیں پایا گیا جو اصل رکن ہے اس لئے وکالت درست نہیں ہے

ترجمه : ۲ اور اس لئے کہ وکیل کی بات کو قبول کرنا اس کے لزوم میں سے ہے، پس اگر کفیل کو وکیل مان لیا جائے تو اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا اس لئے کفیل اپنی ذات کو بری کرنے والا ہوگا، پس وکیل کی بات کفیل ہونے کی وجہ سے نہیں ماننا ہے تو وکیل بھی نہیں بنے گا۔

تشریح :اس منطقی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ وکیل امین ہوتا ہے اس لئے اس کی بات ماننا ضروری ہے، مثلا وہ کہے کہ یہ مال ہلاک ہو گیا تو امین ہونے کی وجہ سے اس کی بات ماننی ہوگی۔اب اس کفیل کو وکیل مان لیا جائے اور اس کی بات مانی جائے تو یہ اپنی ذات کو بری کرنے والا ہوگا، اور اس کی ذات کو قرضہ سے بری کر نہیں سکتے کیونکہ یہ کفیل ہے اسلئے اسکو وکیل بھی نہیں بنا سکتے

لغت :مبرئا نفسہ:اپنی ذات کو بری کرنے والا ہوگا۔فینعدم بانعدام لازمہ:وکیل کا لازم ہے اس کی بات ماننا اور وہ مان نہیں سکتے اس لئے نہ ماننے کی وجہ سے وکیل ہونا بھی منعدم ہو جائے گا، یعنی وہ وکیل نہیں بن سکے گا۔

ترجمه:۳ اس کی مثال تجارت کی اجازت دیا ہوا غلام ہو جس پر قرض ہو اس کو آقا نے آزاد کر دیا اور وہ قرض دینے والوں کے لئے غلام کی قیمت کا ضامن بن گیا ،اب آقا غلام سے قرضہ وصول کرے گا، پس اگر قرض دینے والے نے آقا کو غلام سے قرضہ وصول کرنے کا وکیل بنا دیا تو یہ باطل ہوگا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [یعنی اپنے لئے قرضہ وصول کرے گا]

تشریح : ایک مثال دیتے ہیں کہ غلام کو تجارت کی اجازت دی جس کی وجہ سے اس پر مثلا ایک ہزار درہم قرض ہو گیا، خود غلام کی قیمت سات سو درہم ہے۔اس غلام کو آقا نے آزاد کیا، اب جو قرض دینے والا تھا اسکے لئے غلام کی قیمت کے مطابق یعنی سات سو کا ضامن بن گیا۔اب قرض دینے والے نے غلام سے پورے ایک ہزار وصول کرنے کیلئے آقا کو وکیل بنایا تو یہ وکیل بنانا درست نہیں

وجه :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا قرض دینے والے کا ذمہ دار بھی ہے، اور وہی قرض دینے والے کے لئے وکیل بھی اور امین بھی ہے اس لئے وکیل نہیں بن سکتا۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ آقا سات سو غلام سے وصول کرے گا، اور وکیل ہونے کی وجہ

العبد كان باطلا لما بيناه (٦٦٩)قال ومن ادعى أنه وكيل الغائب في قبض دينه فصدقه الغريم أمر بتسليم الدين إليه ا لأنه إقرار على نفسه لأن ما يقضيه خالص ماله (٦٧٠) فإن حضر الغائب فصدقه وإلا دفع إليه الغريم الدين ثانيا ا لأنه لم يثبت الاستيفاء حيث أنكر الوكالة ٢ والقول في

سے قرض دینے والوں کی جانب سے بھی وصول کرے گا، تو یہاں تہمت ہے کہ آقا اپنے لئے وصول کررہا ہے اس لئے بھی وکیل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح کفیل دینے والا بھی ہے اور وصول کرنے والا بھی ہے اس لئے وہ وکیل نہیں بن سکتا۔

ترجمہ :(٦٦٩) کسی نے دعوی کیا کہ وہ غائب کا وکیل ہے اس کے قرض کے قبضہ کرنے میں، پس مقروض نے اس کی تصدیق کردی تو مقروض کو حکم دیا جائے گا قرض سپرد کرنے کا۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ اپنی ذات پر اقرار کیا اس لئے کہ جو ادا کرے گا وہ اس کا اپنا مال ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے مال میں کسی کو وکیل تسلیم کرسکتا ہے اور اس کو اپنا مال حوالے کرسکتا ہے۔

تشریح :مثلا زید نے دعوی کیا کہ وہ عمر کا وکیل ہے اس بات کا کہ اس نے کہا ہے کہ خالد سے قرض وصول کرلو۔ اور خالد مقروض نے تصدیق کردی کہ واقعی تم عمر کے وکیل ہو تو خالد نے چونکہ تصدیق کردی کہ زید کا عمر وکیل ہے اور مال خالد کا ذاتی ہے، وہ اپنے مال میں تصرف کرسکتا ہے اس لئے خالد کو حکم دیا جائے گا کہ عمر کا قرض زید کے حوالے کردے۔

ترجمہ :(٦٧٠) پس اگر غائب حاضر ہو گیا اور اس نے وکیل کی تصدیق کردی تو جائز ہو گیا ورنہ تو مقروض موکل کی طرف قرض دوبارہ ادا کرے گا۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ موکل نے وکالت کا انکار کردیا تو اس کو قرض وصول نہیں ہوا۔ [اس لئے قرض دینے والے کو دوبارہ قرض دے گا]

تشریح: پھر قرض دینے والا عمر باہر سے واپس آیا اور تصدیق کردی کہ زید میرا وکیل ہے تو بات بن گئی اور خالد کا ادا کیا ہوا قرض عمر کو ادا ہو گیا۔ اور اگر عمر موکل نے کہا کہ زید میرا وکیل نہیں ہے تو خالد کو کہا جائے گا کہ تم دوبارہ عمر کا قرض عمر کو ادا کرو۔

وجہ: کیونکہ عمر نے خالد کو باضابطہ نہیں کہا تھا کہ زید میرے دین پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ بلکہ یہ تو زید اور خالد کی ملی بھگت تھی کہ خالد نے تصدیق کردی کہ تم عمر کے وکیل ہو اب چونکہ عمر کو قرض ادا نہیں ہوا اسلئے خالد کو دوبارہ قرض عمر کی طرف ادا کرنا ہوگا

ترجمہ :٢ وکیل نہ بنانے کے بارے میں قرض دینے والے کی بات اس کی قسم کے ساتھ مانی جائے گی، اور اس سے آدا کیا ہوا مال بیکار جائے گا۔

تشریح : وکیل نہیں بنایا تھا اس بارے میں گواہ نہ ہو تو قرض دینے والا قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ میں نے اس کو وکیل نہیں بنایا تھا

ذلک قوله مع یمینه فیفسد الأداء(۶۷۱) ویرجع به علی الوکیل إن کان باقیا في یده ل لأن غرضه من الدفع براء ة ذمته ولم تحصل فله أن ینقض قبضه(۶۷۲) وإن کان ضاع في یده لم یرجع علیه ل لأنه بتصدیقه اعترف أنه محق في القبض وهو مظلوم في هذا الأخذ والمظلوم لا

اس سےاس کی بات مان لی جائے گی،اور مقروض نے جورقم وکیل کو دیا تھاوہ بیکار جائے گا اب دوبارہ قرض دینے والے کوقرض ادا کرے

ترجمہ :(۶۷۱) اور مقروض وکیل سے اپنی دی ہوئی رقم وصول کرے گا اگر اس کے ہاتھ میں باقی ہو۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ مقروض کے دینے کی غرض یہ تھی کہ اس کے ذمے سے بری ہو جائے اور یہ بات حاصل نہیں ہوئی تو مقروض کو وکیل کے قبضے کو توڑنے کا حق ہوگا۔

تشریح : اگر مقروض کی دی ہوئی رقم وکیل کے ہاتھ میں بعینہ موجود ہے تو مقروض اپنی چیز واپس لیلے گا، کیونکہ مقرض کا مقصد یہ تھا کہ میرے ذمے سے قرض ختم ہو جائے، اور وہ ہوانہیں اپنی جیب سے دوبارہ دینا پڑا اس لئے اپنا دیا ہوا مال وکیل سے واپس لے گا

ترجمہ :(۶۷۲)اور اگر وکیل کے ہاتھ میں مال ہلاک ہوگیا تو مقروض اس سے واپس نہیں لے گا۔

ترجمہ :ل اس لئے کہ مقروض نے تصدیق کر لیا کہ وہ وکیل ہے تو تو اعتراف کر لیا کہ وکیل قبضہ کرنے میں حق پر ہے اور مقروض خود مظلوم ہے کہ قرض دینے والے نے دوبارہ اس سے قرض وصول کیا تو اب یہ مظلوم دوسرے پر ظلم نہیں کرے گا۔

تشریح:وکیل کے ہاتھ سے وہ چیز ہلاک ہوگئی ہے تو مقروض اس سے قانونی طور پر وصول نہیں کر پائے گا، ہاں اخلاقی طور پر دے دے تو بہتر ہے۔

وجہ :وہ مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کا تھا اس لئے اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو واپس نہیں لے سکے گا۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے جو صاحب ہدایہ نے دی ہے۔ کہ جب مقروض نے تصدیق کر دی کہ تم وکیل ہو تو گویا کہ یہ بھی کہا کہ وصول کرنے میں تم حق پر ہو اس لئے وکیل کا وصول کرنا صحیح تھا اب وہ اس بارے میں امین ہو گیا اور امین کے ہاتھ سے ہلاک ہو جائے تو اس کا بدل وصول نہیں کیا جاتا ہے اس لئے وکیل سے وصول نہیں کر پائے گا۔(۳) تیسری دلیل یہ کہ مقروض نے قرض دینے والے کو دوبارہ رقم دی تو یہ مظلوم ہو گیا، اب دوسروں پر ظلم نہیں کرے گا، کہ تم سے مال ہلاک ہو گیا پھر بھی تم اس کا ضمان دو۔

ترجمہ :(۶۷۳) مگر یہ کہ مقروض نے وکیل کو قرض دیتے وقت ضامن بنایا ہو۔

حاصل :یہاں سے تین صورتیں ہیں جن میں مقروض وکیل کو دیا ہوا مال اس سے واپس لے سکتا ہے۔[ا]......مقروض نے

يظلم غيره. (۶۷۳)قال إلا أن يكون ضمنه عند الدفع ١؎ لأن المأخوذ ثانيا مضمون عليه في زعمهما ٢؎ وهذه كفالة أضيفت إلى حالة القبض فتصح بمنزلة الكفالة بما ذاب له على فلان

رقم دیتے وقت وکیل کو ضامن بنایا ہو کہ یہ رقم قرض دینے والے کو نہ پہنچی تو تم سے رقم واپس لوں گا[۲]......مقروض رقم دیتے وقت اس کی وکالت کی تصدیق نہ کی ہو، لیکن دے دیا۔[۳]......مقروض نے وکیل کی تکذیب کی پھر بھی دے دیا۔ تو ان صورتوں میں وکیل سے رقم واپس لے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مقروض نے وکیل نہیں مانا تو اپنی رقم واپس لینے کے لئے دی ہے اس لئے موکل کو نہ ملنے پر واپس لے گا۔

تشریح :[۱]......یہ پہلی صورت ہے۔ مقروض نے قرض دینے والے کے وکیل کو کہا کہ اگر قرض دینے والے نے آپ کو وکیل نہ بنایا ہو تو اس رقم کی ذمہ داری آپ پر ہے، اس صورت میں قرض دینے والے نے کہا کہ میں نے وکیل نہیں بنایا ہے تو وکیل کو یہ رقم واپس دینا ہوگا۔ اس لئے کہ وکیل کو ذمہ دار بنایا ہے۔

ترجمه : ١؎ اس لئے کہ مقروض سے قرض دینے والے نے جو دوبارہ رقم لی ہے وہ دونوں [مقروض، اور وکیل] کے گمان میں اس پر ضمان ہے۔

تشریح :قرض واپس کرنے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ مقروض نے جو قرض دینے والے کو دوبارہ رقم دی، یہ مقروض کے گمان میں بھی قرض دینے والے پر ضمان ہے، کیونکہ ایک مرتبہ پہلے یہی رقم وکیل کو دے چکا ہے۔ اور وکیل کے گمان میں بھی یہ قرض دینے والے پر ضمان ہے، کیونکہ خود وکیل یہی رقم پہلے لے چکا ہے، اس لئے قرض دینے والے نے وکیل کو ضامن بنایا تو اب وکیل کو واپس دینا ہوگا۔

ترجمه : ٢؎ اور یہ کفالہ ہے جو قبضے کی حالت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لئے وکیل کا کفیل بننا صحیح ہے اور ,ما ذاب له علی فلان، کے کفالہ کے درجے میں ہے۔

تشریح : یہ پیچیدہ عبارت ہے۔ مقروض نے وکیل کو رقم دیتے وقت کفیل بنایا تھا کہ اگر یہ رقم قرض دینے والے تمہارے موکل کو نہیں پہنچی تو تم کو واپس دینا ہوگا اس لئے یہہ کفالہ صحیح ہے اور موکل کو رقم نہ پہنچنے کی صورت میں وکیل پر رقم واپس کرنا ضروری ہوگا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، یوں کفیل بنے کہ فلاں پر آئندہ جو قرض آئے گا تو میں اس کا کفیل ہوں اور ذمہ دار ہوں، تو اس طرح کفیل بننا درست ہے، اسی طرح یہاں اس طرح کفیل بنانا درست ہوا کہ تمہارے موکل کو رقم نہ پہنچی تو تم اس کے واپس کرنے کا ذمہ دار ہو۔

۳؎ ولـو كـان الـغـريم لم يصدقه على الوكالة ودفعه إليه على ادعائه فإن رجع صاحب المال على الـغـريـم رجـع الغريم على الوكيل لأنه لم يصدقه على الوكالة وإنما دفعه إليه على رجاء الإجازة فـإذا انقطع رجاؤه رجع عليه ۴؎ وكـذا إذا دفـعه إليه على تكذيبه إياه في الوكالة. وهذا أظهر لما قلنا ۵؎ وفـي الـوجـوه كلها ليس له أن يسترد المدفوع حتى يحضر الغائب لأن المؤدى صار حقا

لغت: ماذاب له علی فلان، کی صورت یہ ہے کہ فلاں پر جو قرض آئے میں اس کا ذمہ دار اور کفیل ہوں، کہ وہ نہیں دے گا تو میں ادا کروں گا۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر قرض دینے والے نے وکالت کی تصدیق نہیں کی اور اس کے کہنے پر اس کو رقم دے دی، پس مال دینے والے نے مقروض سے وصول کیا تو تو مقروض وکیل سے لیگا، اس لئے کہ مقروض نے وکالت کی تصدیق نہیں کی ہے، صرف اس امید پر دیا ہے موکل وکیل کو اجازت دے دے، پس جب یہ امید ختم ہوگئی تو مقروض وکیل سے واپس لے گا۔

تشریح: [۲]...... یہ دوسری صورت ہے۔ مقروض نے وکیل کی تصدیق نہیں کی صرف اس امید پر اس کو رقم دے دی کہ موکل اس کو وکالت کی اجازت دے گا اور یہ رقم موکل کے پاس پہنچ جائے گی، لیکن جب قرض دینے والے نے وکالت کی اجازت نہیں دی تو امید ختم ہوگئی، اس لئے وکیل کو رقم واپس دینی ہوگی۔

ترجمہ: ۴؎ ایسے ہی اگر مقروض نے وکیل کی تکذیب کی اور اس کو رقم دے دی اور یہ زیادہ ظاہر اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا۔

تشریح: [۳]...... یہ تیسری صورت ہے۔ مقروض نے وکیل کی تکذیب کی اور کہا کہ تم وکیل نہیں ہو اس کے باوجود اس امید پر رقم دی کہ شاید موکل وکیل بننے کی اجازت دے اور مال موکل تک پہنچ جائے، لیکن مال نہیں پہنچا تو وکیل سے مال واپس لے گا

ترجمہ: ۵؎ ان تمام صورتوں میں مقروض دی ہوئی چیز کو اس وقت واپس نہیں لے سکتا جب تک غائب قرض دینے والا حاضر نہ ہو جائے، اس لئے کہ دی ہوئی رقم غائب موکل کا حق ہو چکی ہے، یا تو ظاہری طور پر ہو چکی ہے، یا اس بات کا احتمال ہے کہ ہو جائے۔

تشریح: مقروض نے وکیل کو رقم دی تھی تو جب تک کہ قرض دینے والا واپس نہ آجائے اور یہ نہ کہہ دے کہ میں نے اسکو وکیل نہیں بنایا ہی اس وقت اس رقم کو مقروض واپس نہیں لے سکتا۔

وجہ: جب وکیل کو رقم دے دی، اور موکل نے اسکی تصدیق کر دی کہ یہ میرا وکیل ہے تو یہ رقم موکل کی ہوگئی اس لئے واپس نہیں لے سکتا۔ یہ اما ظاہرا، کی شکل ہے۔۔اور اگر تصدیق نہیں کی تو ابھی اس کا احتمال ہے کہ وہ اب وکالت کی اجازت دے دے

للغائب إما ظاهرا أو محتملا ٦ فصار كما إذا دفعه إلى فضولي على رجاء الإجازة لم يملك الاسترداد لاحتمال الإجازة ٧ ولأن من باشر التصرف لغرض ليس له أن ينقضه ما لم يقع اليأس عن غرضه.(۶۷۴) ومن قال إني وكيل بقبض الوديعة فصدقه المودع لم يؤمر بالتسليم إليه ا لأنه أقر له بمال الغير بخلاف الدين. ٢ ولو ادعى أنه مات أبوه وترك الوديعة ميراثا له ولا وارث

اور مال موکل کا ہو جائے تو اس احتمال کی بنا پر ابھی وکیل سے مال واپس نہیں لے سکتا۔ یہ اما محتملا کی شکل ہے۔

ترجمہ :٦ اور ایسا ہو گیا کہ مقروض نے فضولی کو اجازت کی امید پر رقم دے دی تو واپس لینے کا مالک نہیں ہوگا اجازت کے احتمال پر

تشریح : یہ مثال ہے۔۔ مقروض نے ایک اجنبی آدمی [فضولی] کو رقم دے دی کہ شاید قرض دینے والا اجازت دے دے اور یہ رقم قرض دینے والے کو مل جائے تو جب تک قرض دینے والا اجنبی سے لینے سے انکار نہ کرے اس وقت تک مقروض اس سے اپنی رقم واپس نہیں لے سکتا ہے، اسی طرح یہاں بھی جب تک موکل حاضر ہو کر انکار نہ کرے مقروض وکیل سے رقم واپس نہیں لے سکتا۔

ترجمہ:٧ اور اسلئے کہ جس نے جس غرض سے تصرف کیا تو جب تک کہ غرض سے مایوس نہ ہو جائے اس وقت اس کو توڑ نہیں سکتا

تشریح:مقروض نے قرض دینے والے کو رقم دینے کی غرض سے وکیل کو رقم دی ہے اس لئے جب تک اس سے بالکل مایوس نہ ہو جائے اس کو توڑ کر رقم واپس لینے کی گنجائش نہیں ہے۔

ترجمہ: (۶۷۴) اور اگر کہا کہ میں امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور امانت رکھنے والے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس کو حوالہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ غیر کے مال کا اقرار کیا ہے، بخلاف قرض کے اس لئے کہ یہ خود وکیل کا مال ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس پر ہے کہ دوسرے کی چیز وکالت کی تصدیق کے باوجود حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

تشریح: مثلا زید خالد سے کہتا ہے کہ عمر کی جو امانت ہے اس پر قبضہ کرنے کا میں عمر کی جانب سے وکیل ہوں اور عمر غائب تھا اور خالد نے تصدیق کر دی کہ تم عمر کے وکیل ہو تو خالد کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ امانت کی چیز اس کو دیدو۔

وجہ :امانت کی چیز میں وہی چیز دی جاتی ہے جو امانت رکھی گئی ہے۔ امانت رکھنے والا اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں دے سکے گا۔ اس لئے خالد نے تصدیق کر دی کہ زید وکیل ہے تو عمر کی امانت شدہ چیز زید کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے

لـه غيـره وصدقه المودع أمر بالدفع إليه لأنه لا يبقى ماله بعد موته فقد اتفقا على أنه مال الوارث ٣ ولو ادعى أنه اشترى الوديعة من صاحبها فصدقه المودع لم يؤمر بالدفع إليه لأنه ما دام حيا

گا۔ کیونکہ عمر نے نہیں کہا ہے کہ زید میرا وکیل ہے۔ وہ اب تک غائب ہے اس لئے امانت کی چیز وکیل کے حوالے کرنے نہیں کہا جائے گا۔

بخلاف قرض کے مسئلے میں تو قرض کی رقم خود خالد کی رقم تھی اسلئے دینے کو کہا گیا، یہاں امانت کی رقم عمر کی ہے خالد کی نہیں ہے

لغت: مودع : امانت پر رکھنے والا آدمی، ودع سے مشتق ہے۔

ترجمہ: ٢ کسی نے دعوی کیا کہ اس کا باپ مر گیا ہے اور ودیعت کا مال اس کے لئے میراث کے طور پر چھوڑا ہے اور میرے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے اور امانت رکھنے والے نے اس کی تصدیق کی ہے تو یہ مال وارث کو دینے کے لئے کہا جائے گا، اس لئے کہ میت کے مرنے کے بعد اس کا مال باقی نہیں رہا، اور دونوں نے اتفاق کیا ہے کہ یہ وارث کا مال ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وارث کا مال ثابت ہو جائے تو اس کو دینے کا حکم کیا جائے گا۔

تشریح: ایک آدمی مر چکا ہے، اب اس کے بیٹے نے دعوی کیا کہ یہ جو امانت کا مال ہے یہ میرے مورث کا ہے۔ اور امانت رکھنے والے نے بھی اس کی تصدیق کی کہ مورث مر چکا ہے، تم اس کا وارث ہو اور دوسرا اس کا وارث نہیں ہے تو امانت رکھنے والے سے کہا جائے گا کہ یہ مال وارث کو دے دو۔

وجہ: یہاں مال اگر چہ امانت کا ہے، لیکن میت کے مرنے کے بعد یہ مال وارث کا ہو گیا ہے اس لئے اس کو دینا پڑے گا۔

ترجمہ: ٣ اور اگر دعوی کیا کہ امانت کی چیز اس کے مالک سے خرید لیا ہے اور امانت رکھنے والے نے اس کی تصدیق بھی کر دی تب مال دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ جب تک اصل زندہ ہے تو دوسرے کی ملکیت کا اقرار کر رہا ہے کیونکہ زندہ آدمی ملکیت کا اہل ہے اس لئے بیع کے دعوی میں ان دونوں کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح: مثلا عمر کا ایک بیل زید کے پاس امانت تھا، خالد آیا اور دعوی کیا کہ اس بیل کو عمر نے میرے ہاتھ بیچ دیا ہے، اور زید نے اس کی تصدیق کی بھی کہ ہاں اس بیل کو تمہارے ہاتھ بیچ دیا ہے پھر بھی اس بیل کو خالد کو نہیں دیا جائے گا۔

وجہ: کیونکہ عمر زندہ ہے تو یہ بیل اس کی ملکیت ہے اس لئے ان دونوں کی تصدیق سے بیع ثابت نہیں کی جائے گی۔ اور نہ اس کو بیل دیا جائے گا۔

ترجمہ: (٦٧٥) پس اگر اپنے مال کے قبضے کا وکیل بنایا تو قرض لینے والے نے دعوی کیا کہ مال والے نے مال وصول کر لیا ہے، پھر بھی مال وکیل کو دے دیا جائے گا۔

كـان إقـرارا بـملك الغير لأنه من أهله فلا يصدقان في دعوى البيع عليه. (٦٧٥)قال فإن وكل وكيـلا بـقبـض ماله فادعى الغريم أن صاحب المال قد استوفاه فإنه يدفع المال إليه لأن الوكالة قـد ثبتت والاستيفاء لم يثبت بمجرد دعواه فلا يؤخر الحق.[الف](٦٧٦) قال ويتبع رب المال فيستحلفه رعـاية لـجانبه ولا يستحلف الوكيل لأنه نائبه[ب](٦٧٦) قال وإن وكـله بعيب في جارية فادعى البائع رضا المشتري لم يرد عليه حتى يحلف المشتري بخلاف مسألة الدين لأن

ترجمہ : اس لئے کہ دونوں کی تصدیق کرنے سے وکالت ثابت ہوگئی ہے اور قرض دینے والے کا وصول کرنا محض دعوی کرنے سے ثابت نہیں ہوا ہے، اس لئے وکیل کا حق موخر نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : مثلا زید کا مال خالد کے پاس تھا، اب زید نے عمر کو اپنے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو خالد نے کہا کہ زید نے اپنا مال وصول کر لیا ہے، پھر بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ دونوں کی تصدیق سے وکیل ہونا ثابت ہو گیا ہے، اور زید نے مال وصول کر لیا ہے یہ بات ثابت نہیں ہے اس لئے قرض لینے والا مال نہیں روک سکے گا۔

ترجمہ :[الف](٦٧٦) مال والے کا پیچھا کیا جائے گا اور اس کو قسم کھلائی جائے گی۔

ترجمہ: قرض لینے والے کی رعایت کرتے ہوئے، اور وکیل کو قسم اسلئے نہیں کھلائی جائے گی کیونکہ وہ موکل کا نائب ہے

تشریح :مال وکیل کو دینے کا حکم دیا جائے گا، لیکن بعد میں قرض دینے والے کو قسم کھلائی جائے گی تا کہ قرض لینے والے کی رعایت ہو جائے۔ اور وکیل کو قسم اس لئے نہیں کھلائی جائے گی کہ اس کے موکل کو قسم کھلا دی گئی، اسلئے اب اسکے نائب کو قسم نہیں کھلائی جائے گی

ترجمہ :[ب](٦٧٦) باندی میں عیب تھا اس لئے اس کو واپس کرنے کے لئے وکیل بنایا، بائع نے دعوی کیا کہ مشتری [موکل] اس عیب سے راضی ہو چکا ہے تو وکیل باندی واپس نہیں کر سکے گا یہاں تک کہ مشتری قسم کھائے کہ میں راضی نہیں ہوا ہوں، بخلاف قرض کے مسئلے کے [بخلاف قرض کے مسئلے کے [وہاں پہلے قرض دے دینے کا حکم ہوگا اسکے بعد قرض دینے والے سے قسم لی جائیگی

تشریح:اس عبارت میں دو مسئلوں میں فرق بیان کیا جا رہا ہے۔ باندی کو عیب کے ماتحت وکیل کو واپس کرنے کے لئے کہا تو موکل کی قسم کے بغیر واپس نہیں کر سکتا۔ اور قرض وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا تو وکیل کو واپس کر دینے کا حکم کیا جائے گا، بعد میں موکل یعنی قرض دینے والے سے قسم لی جائے گی۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ باندی کی صورت میں بیع ہوئی ہے اس

التدارک ممکن هنالک باسترداد ما قبضه الوکیل إذا ظهر الخطأ عند نکوله وھاھنا غیر ممکن لأن القضاء بالفسخ ماض علی الصحة وإن ظهر الخطأ عند أبي حنیفة رحمه الله کما ھو مذھبه ولا یستحلف المشتري عنده بعد ذلک لأنه لا یفید ۲؎ وأما عندھما قالوا یجب أن یتحد

کومشتری[موکل] کی قسم سے پہلے واپس کردیں تو بیع مکمل ٹوٹ جائے گی، اور بعد میں مشتری نے قسم نہیں کھائی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوبارہ بیع واپس نہیں ہوگی، اس لئے مشتری کی قسم سے پہلے عیب کے ماتحت باندی واپس کرنے کا حکم نہیں کیا جائے گا۔اور قرض کی صورت میں مقروض کو رقم دینے کا حکم دیا، بعد میں قرض دینے والے نے قسم نہیں کھائی تو یہ قرض دوبارہ مقروض کو دلوایا جاسکتا ہے،اس میں کسی چیز کو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ قرض کے مسئلے میں جو کچھ قبضہ کیا ہے اس کو واپس دلوا کر تدارک ممکن ہے جبکہ قرض دینے والے کے قسم سے انکار سے غلطی ظاہر ہو، اور دوسری صورت [باندی] کی صورت میں تدارک ممکن نہیں ہے اس لئے کہ بیع کے ٹوٹنے کا فیصلہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نافذ ہو جائے گا، چاہے غلطی ظاہر ہو جیسا کہ ان کا مذہب ہے، اور اس کے بعد مشتری سے قسم بھی نہیں لی جائے گی اس لئے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تشریح: اوپر عرض کر چکا ہوں کہ قرض کی صورت میں اگر قرض دینے والے کی قسم سے پہلے وکیل کو رقم دلوادی گئی، اور بعد میں موکل نے قسم نہیں کھائی تو اس کا تدارک ممکن ہے، کہ وکیل نے جتنا لیا ہے اس کو واپس مقروض کو دلوا دیا جائے، کیونکہ یہاں کوئی بیع وغیرہ نہیں ہے۔اور دوسری یعنی باندی کی صورت میں بیع ہوئی ہے اب باندی کو واپس کر کے بیع توڑ دی جائے، اور بعد میں مشتری نے قسم نہیں کھائی کہ میں اس باندی کے عیب سے راضی نہیں تھا، تو اب دوبارہ بیع کو بحال کر کے باندی مشتری کو واپس کرنا ناممکن ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک مرتبہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ اس کو جوڑا نہیں جاتا، اس لئے مشتری سے پہلے ہی قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں عیب سے راضی نہیں ہوں تب باندی کو بائع کی طرف واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔دوسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بیع توڑنے کے بعد اب چونکہ دوبارہ جوڑی نہیں جاسکتی اس لئے مشتری سے قسم بھی نہیں لی جائے گی، کیونکہ اب قسم لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔کیونکہ قسم کھانے اور نہ کھانے کی صورت میں باندی مشتری کی طرف واپس تو کرنا ہی نہیں ہے۔

ترجمہ:۲؎ اور صاحبینؒ کے نزدیک تو لوگوں نے فرمایا کہ دونوں صورتوں [باندی کی صورت، اور قرض کی صورت] میں ایک ہی جواب ہو کہ قسم کھانے تک واپس کرنے کو موخر نہ کیا جائے، اسلئے کہ صاحبینؒ کے نزدیک فیصلے کو باطل کر کے تدارک ممکن ہے

تشریح: صاحبینؒ کا قاعدہ یہ ہے قضا سے بیع توڑ دی ہو، اور بعد میں پتہ چلا کی قضا صحیح نہیں ہے تو قضا [فیصلے] کو توڑ کر بیع

الـجـواب على هذا في الفصلين ولا يؤخر لأن التدارك ممكن عندهما لبطلان القضاء. ٣ وقيل الأصح عـنـد أبي يـوسف رحـمـه الـلـه أن يـؤخـر فـي الفصلين لأنه يعتبر النظر حتى يستحلف الـمشتـري لـو كـان حـاضـرا من غير دعوى البائع فينتظر للنظر. (٦٧٧) قال ومن دفع إلى رجل

دوبارہ جوڑ سکتا ہے۔اس لئے باندی کی صورت میں پہلے باندی واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے ،بعد میں مشتری سے قسم لی جائے کہ وہ عیب سے راضی نہیں تھا، وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو پہلے فیصلے کو رد کر دیا جائے گا اور بیع بحال کر کے باندی مشتری کو دے دی جائے گی۔اور قرض کی صورت میں تو تھا ہی کہ قرض دینے والے کی قسم سے پہلے قرض واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے بعد میں قرض دینے والے سے قسم لی جائے گی۔

لغت: فصلین: سے مراد باندی کی صورت، اور قرض کی صورت ہے۔لا یؤخر: مشتری، اور قرض دینے والے کی قسم تک واپس کرنے کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٣ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ دونوں صورتوں [باندی، اور قرض] میں قسم کھانے کے بعد تک مؤخر کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ مصلحت کا اعتبار کرتے ہیں، چنانچہ اگر مشتری سامنے ہو تو چاہے بائع راضی ہونے کا دعوی نہ کرے پھر بھی مشتری سے قسم لی جاتی ہے، اس لئے مصلحت کے لئے یہاں بھی انتظار کیا جائے گا۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں یعنی باندی کی صورت میں مشتری سے قسم لینے کے بعد باندی کو بائع کی طرف واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا اس سے پہلے نہیں۔اور قرض کی صورت میں بھی قرض دینے والے کی قسم کے بعد وکیل کو قرض دینے کا فیصلہ کیا جائے گا اس سے پہلے نہیں۔

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ انکے یہاں بائع کی اور مقروض کی مصلحت ملحوظ ہے، اور یہ اسی صورت میں ہے کہ قسم کے بعد واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔اس سے دوسرا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ بعد میں قضا کو توڑنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔اس کی مثال دیتے ہیں کہ اگر مشتری سامنے موجود ہو اور اس کا وکیل عیب کے ماتحت باندی واپس کرنا چاہے تو چاہے بائع ابھی مشتری کے عیب سے راضی ہونے کا دعوی نہیں کیا ہو تب بھی مشتری سے قسم لی جائے گی اس کے بعد باندی کو بائع کی طرف واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا، اور یہاں مشتری غائب ہے تب بھی اس کے قسم کا انتظار کیا جائے گا۔

لغت: فینتظر للنظر: مصلحت کے لئے قسم کھانے تک کا انتظار کیا جائے گا۔

ترجمہ: (٦٧٧) کسی نے کسی آدمی کو دس درہم دئے تا کہ اس کے اہل وعیال پر خرچ کرے وکیل نے اپنے پاس سے دس درہم خرچ کر دیا تو یہ دس اس دس درہم کے بدلے میں ہو جائے گا۔

عشـرة دراهـم ليـنـفـقهـا على أهله فأنفق عليهم عشرة من عنده فالعشرة بالعشرة ۱؎ لأن الوكيل بالإنفاق وكيل بالشراء والحكم فيه ما ذكرناه وقد قررناه فهذا كذلك. ۲؎ وقيل هذا استحسان وفـي الـقياس ليس له ذلك ويصير متبرعا. ۳؎ وقيـل الـقياس والاستحسان في قضاء الدين لأنه ليس بشراء فأما الإنفاق يتضمن الشراء فلا يدخلانه والله أعلم .

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ خرچ کرنے کا وکیل خریدنے کا بھی وکی ہے،اور خریدنے کے بارے میں کیا حکم ہے میں نے اس کو ذکر کیا،اوراس کو ثابت بھی کیا ہے[کہ وکیل نے اپنے پاس سے رقم دی تو یہ موکل سے واپس لے گا]تو یہ خرچ کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدنے کا وکیل ہوااور اس کو موکل نے رقم دی ہو،اور وکیل نے اپنی جیب کی رقم سے خرید لیا تو موکل کی رقم اس کے بدلے میں لے لے گا ، یہی حال ہے کہ اگر اولاد پر خرچ کرنے کے لئے دیا اور اپنے درہم سے خرید لیا تو موکل کا درہم اس کے بدلے میں لے لے گا،اور یہ اپنی جانب سے تبرع اور احسان نہیں ہوگا۔

تشریح: مثلا زید نے عمر کو اپنی اولاد پر خرچ کرنے کے لئے دس درہم دئے ،عمر نے اپنی جیب سے دس درہم اولاد پر خرچ کئے تو زید کا دس درہم اس کے بدلے میں لے لے گا۔

وجہ :خرچ کرنے کا وکیل کا مطلب یہ ہے کہ خریدنے کا بھی وکیل ہے،اور خریدنے کے وکیل کے بارے میں گزرا کہ اپنی رقم کے بدلے میں موکل کی رقم کاٹ لے گا۔

ترجمہ :۲؎ بعض حضرات نے کہا کہ یہ استحسان کے طور پر ہے[موکل کی رقم لے لے]اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وکیل کو موکل کی رقم بدلے میں لینے کا حق نہیں ملے گا اور یہ خرچ کرنا احسان کے طور پر ہوگا۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ موکل نے اپنی ہی دی ہوئی رقم خرچ کرنے کے لئے کہا ہے اوراس نے اپنی رقم خرچ کردی اس لئے یہ تبرع اور احسان ہوگا اوراس کے بدلے میں موکل کی رقم نہیں لے پائے گا۔ یہ قیاس کا تقاضہ ہے،اور متن میں جو ذکر کیا وہ استحسان کے طور پر ہے۔

ترجمہ :۳؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ قرض کے ادا کرنے میں قیاس اور استحسان کا معاملہ ہے اس لئے کہ وہاں خریدنے کی بات نہیں ہے اور خرچ کرنے کے وکیل بنانے میں خریدنا ضروری ہے اس لئے قیاس اور استحسان دونوں داخل نہیں ہوگا[بلکہ قیاس کا تقاضہ بھی ہوگا کہ موکل کی رقم بدلے میں رکھ لے]واللہ اعلم بالصواب

تشریح : یہ تیسری رائے ہے۔قرض ادا کرنے کا وکیل بنایا اور دس درہم دے دیا، وکیل نے اپنی جیب سے دس درہم دیکر

﴿باب عزل الوكيل﴾

(٦٧٨)قال وللموكل أن يعزل الوكيل عن الوكالة ١ لأن الوكالة حقه فله أن يبطله ٢ إلا إذا تعلق به حق الغير بأن كان وكيلا بالخصومة بطلب من جهة الطالب لما فيه من إبطال حق الغير ٣ وصار كالوكالة التي تضمنها عقد الرهن.

قرض ادا کر دیا تو استحسان کے طور پر موکل کا دس درہم بدلے میں رکھ لے گا، لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ چونکہ موکل کی رقم نہیں دی اپنی رقم دی اس لئے موکل کی رقم بدلے میں نہیں رکھ سکتا، کیونکہ یہاں خریدنے کا معاملہ نہیں ہے۔ اور خرچ کرنے میں خریدنے کا معاملہ لازمی ہے، اور خریدنے کا وکیل موکل کی رقم بدلے میں رکھ لیتا ہے اس لئے قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ موکل کی رقم بدلے میں رکھ لے۔

﴿باب عزل الوکیل﴾

ترجمہ :(٦٧٨)اور موکل کے لئے جائز ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ وکیل بنانا موکل کا حق ہے اس لئے اس کو حق ہے کہ اس کو ختم کر دے۔

تشریح :موکل نے وکیل کو وکیل بنایا ہے اور اس کا حق بھی ہے اس لئے اس کو حق بھی ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے۔

ترجمہ: ٢ مگر یہ کہ وکیل کے ساتھ غیر کے حق کا تعلق ہو جائے، مثلا مدعی کی جانب سے طلب کرنے پر خصومت کا وکیل بنا ہو تو اس معزول کرنے سے غیر کے حق باطل کرنا ہے [اس لئے موکل وکیل کو معزول نہیں کر سکتا]

تشریح :وکیل کے ساتھ دوسرے کے حق کا تعلق ہو جائے تو پھر اس کی اکازت کے بغیر وکیل کو معزول نہیں کر سکتے۔ مثلا مدعی نے مطالبہ کیا کہ مدعی علیہ خصومت کا وکیل متعین کرے، تاکہ میں اس سے خصومت کر سکوں تو ایسی صورت میں وکیل بغیر مدعی کی اجازت کے وکیل کو معزول نہیں کر سکتا۔

ترجمہ :٣ اور ایسا وکیل ہو گیا کہ اس کے ساتھ عقد رہن متعلق ہو۔

تشریح :مثلا زید کا قرض عمر پر تھا عمر نے قرض کے لئے گائے رہن پر رکھا، اور دونوں نے اتفاق کیا کہ یہ گائے خالد کے پاس رکھ دیا جائے تاکہ قرض ادا نہ کر سکے تو گائے بیچ کر قرض ادا کیا جائے گا، تو یہاں خالد کو اس کا موکل بغیر سامنے والے کی

(۶۷۹) قال فإن لم يبلغه العزل فهو على وكالته وتصرفه جائز حتى يعلم لأن في العزل إضرارا به من حيث إبطال ولايته أو من حيث رجوع الحقوق إليه فينقد من مال الموكل ويسلم المبيع فيضمنه فيتضرر به ويستوي الوكيل بالنكاح وغيره للوجه الأول وقد ذكرنا اشتراط العدد

اجازت کے معزول نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے ساتھ دوسرے کا بھی حق متعلق ہو گیا ہے۔

ترجمہ: (۶۷۹) پس اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ پہنچے تو وہ اپنی وکالت پر ہے اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اس کو علم ہو جائے۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ معزول کرنے میں وکیل کی ولایت زائل ہو گی جس کی وجہ سے اس کو نقصان ہے۔

اصول: اختیاری طور پر معزول کرے تو وکیل کو علم ہونا ضروری ہے۔

تشریح: البتہ معزول ہونے کے لئے وکیل کو خبر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب تک کہ وکیل کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہ ہو اس وقت تک وہ وکیل رہے گا۔ اور اس درمیان اس کا خریدنا بیچنا جائز ہو گا۔

وجہ: (۱) معزول کرنے سے وکیل کی ولایت جائے گی جو اسکے لئے نقصان دہ ہے اس لئے اس کو معزول ہونے کا علم ہونا چاہئے

ترجمہ: ۲ یا اس حیثیت سے کہ حقوق وکیل کی طرف منتقل ہوں گے اس لئے موکل کے

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے۔ کہ موکل نے معزول کر دیا اور اس درمیان وکیل کو علم نہ ہو تو اگر خریدنے کا وکیل بنایا ہے تو موکل کا مال قیمت میں دینا چاہئے لیکن چونکہ وہ معزول ہو چکا ہے اس لئے خریدنا خود وکیل کے لئے ہو گا اور وکیل کو اپنی جیب سے ادا کرنا ہو گا جو اس کے لئے نقصان دہ ہے اس ضرر سے بچنے کے لئے وکیل کو معزول ہونے کی خبر دینا ضروری ہے، اور بیچنے کا وکیل بنایا تو مبیع کو سپرد کرنا ہو گا۔ اسی طرح بیچنے کا وکیل بنایا تو مبیع سپرد کرنی ہو گی، حالانکہ اس کو معزول کر دیا تو موکل کی مبیع کیسے سپرد کرے گا! اس لئے اس میں وکیل کو نقصان ہو گا اس لئے اس کو خبر دینا ضروری ہے، اور جب تک خبر نہیں ملتی وہ وکالت پر برقرار رہے گا۔

ترجمہ: ۳ اور پہلی وجہ کی وجہ سے نکاح کے وکیل بھی برابر ہے۔

تشریح: یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ نکاح کے وکیل میں تمام حقوق موکل کی طرف لوٹتے ہیں اس لئے اس میں خبر دینی ضروری کیوں ہے؟ تو اس کا جواب دیا کہ پہلی دلیل یہ تھی کہ معزول کرنے میں وکیل کی ذات کا نقصان ہے، اس لئے نکاح میں چاہے حقوق موکل کی طرف لوٹتے ہوں پھر بھی ذات کے نقصان کی وجہ سے خبر دینی ضروری ہے۔

أو العدالة في المخبر فلا نعيده (۶۸۰)قال وتبطل الوكالة بموت الموكل وجنونه جنونا مطبقا

ترجمہ :ﷺ اورخبر دینے کے لئے عدد کی شرط یا عدالت کی شرط ہواس کا ذکر پہلے باب ادب القاضی میں کر چکا ہوں اس لئے دوبارہ ذکر نہیں کروں گا۔

تشریح :وکیل کو معزول ہونے کی خبر دینے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے۔یا تو مستور الحال ہوتو دو آدمی اس کی خبر دے، یا پھر ایک عادل آدمی خبر دے تب وکیل معزول ہوگا۔اس کا ذکر کتاب ادب القاضی میں گزر چکا ہے۔

ترجمہ :(۶۸۰)وکالت باطل ہو جاتی ہے موکل کے مرنے سے،اس کے بالکل مجنون ہو جانے سے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے۔

نوٹ :معزول ہونے کے تین قسم کے حالات ہیں اور تینوں کے حکم الگ الگ ہیں۔[۱] پہلا یہ کہ موکل وکیل کو معزول کرے تو وکیل کو خبر ملے بغیر معزول نہیں ہوگا۔[۲] دوسرا یہ کہ قدرتی حالات سے وکیل معزول ہو جائے مثلا موکل کا انتقال ہو گیا یا معین عورت سے شادی کرنے کا وکیل بنایا تھا اور وہ مر گئی تو ان قدرتی حادثات کی شکل میں وکیل خود بخود معزول ہو جائے گا۔چاہے وکیل کو معزول ہونے کی اطلاع ہو یا نہ ہو۔[۳] اور تیسری شکل یہ ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا موکل نے خود وہ کام کر لیا تو چاہے وکیل کو علم نہ ہو پھر بھی وہ معزول ہو جائے گا۔کیونکہ جب وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کیسے رہے گا؟ مثلا موکل نے غلام بیچنے کا وکیل بنایا پھر اس نے خود ہی بیچ دیا یا آزاد کر دیا تو چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو وکالت باطل ہو جائے گی۔آگے کے مسئلے میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

تشریح : موکل ایسی حالت میں چلا گیا کہ وکیل بنانے کے قابل ہی نہیں رہا اس سے بھی وکالت باطل ہو جائے گی۔اور اس صورت میں وکیل کو معزول ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں ہے۔وہ بغیر اطلاع کے بھی معزول ہو جائے گا۔[۱] مثلا وہ مر گیا [۲] یا مکمل طور پر پاگل ہو گیا۔مکمل طور پر پاگل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مہینہ بھر پاگل رہا[۳] یا مرتد ہو گیا اور دار الحرب میں بھاگ گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا تو بغیر خبر ملے بھی وکیل کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

وجہ :(۱)وکیل بنانا ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا جب چاہے اس کو معزول کر سکتا ہے،اور وکیل جب چاہے اپنی وکالت چھوڑ سکتا ہے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ موکل ہمیشہ وکیل بنانے کی اہلیت رکھتا ہو،کسی وقت بھی اس کی اہلیت ختم ہوگئی تو وکالت ختم ہو جائے گی۔[۱]......اس لئے موکل مر گیا تو اب وکیل بنانے کی اہلیت باقی نہیں رہی اس لئے وکالت خود بخود ختم ہو جائے گی۔[۲]......یا موکل مجنون ہو گیا تو اب اس میں وکیل بنانے کی اہلیت باقی نہیں رہی اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی۔[۳]......یا مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا تو اس میں وکیل بنانے کی اہلیت ختم ہوگئی اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی۔

ولحاقه بدار الحرب مرتدا لأن التوكيل تصرف غير لازم فيكون لدوامه حكم ابتدائه فلا بد من قيام الأمر وقد بطل بهذه العوارض ۲وشرط أن يكون الجنون مطبقا لأن قليله بمنزلة الإغماء وحد المطبق شهر عند أبي يوسف اعتبارا بما يسقط به الصوم. وعنه أكثر من يوم وليلة لأنه تسقط به الصلوات الخمس فصار كالميت. وقال محمد حول كامل لأنه يسقط به جميع العبادات فقدر به احتياطا. ۳قالوا الحكم المذكور في اللحاق قول أبي حنيفة لأن تصرفات

اصول: قدرتی حادثہ سے وکیل کو خبر نہ بھی ملے پھر بھی اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے۔

لغت:مطبق : عقل کو ڈھانک لینے والا جنون، مکمل پاگل۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ وکیل بنانے کا تصرف ہمیشہ لازم نہیں ہے، اس لئے ابتداء میں وکیل بنانے کے جو شرائط ہیں وہ ہمیشہ رہنی چاہئے اس لئے حکم قائم رہنا ضروری ہے اور تینوں عوارض سے وکیل بنانے کی شرطیں ختم ہو گئیں اس لئے وکالت باقی نہیں رہے گی۔

تشریح :عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جو شرطیں شروع میں وکیل بنانے کی ہیں وہ ہمیشہ رہنی چاہئے، تب ہی وکالت رہے گی، اور وہ شرط ختم ہو گئی تو وکالت ختم ہو جائے گی، کیونکہ وکالت کا تصرف ہمیشہ کے لئے لازم نہیں ہے۔اب مرنے سے، مجنون ہونے سے، اور مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ جانے سے وکیل بنانے کی شرط ختم ہو گئی اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی۔

لغت : لدوامه حكم ابتدائه :وکیل بنانے کی جو شرطیں شروع میں تھیں وکیل باقی رکھنے کیلئے وہ شرطیں ہر وقت قائم رہنا ضروری ہیں۔

ترجمہ :۲ اور شرط یہ ہے کہ جنون مطبق [یعنی دائمی] ہو اس لئے کہ تھوڑا سا جنون بیہوشی کے درجے میں ہے، پھر مطبق جنون کی حد امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک مہینہ ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ اس سے روزہ ساقط ہوتا ہے۔اور انہیں سے دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دن ایک رات جنون رہے اس لئے کہ اس سے پانچوں نمازیں ساقط ہو جاتی ہیں، اس لئے وہ میت کی طرح ہو گیا۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ پورا ایک سال جنون رہے اس لئے کہ اس سے تمام عبادتیں ساقط ہو جاتیں ہیں اس لئے احتیاط کے لئے لوگوں نے اسی کو مانا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ:۳ مشائخ نے کہا کہ دار الحرب میں چلے جانے کا جو حکم ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اس لئے کہ انکے نزدیک مرتد کے زمانے میں اس کا تصرف موقوف رہتا ہے، اسی طرح اس کی وکالت بھی موقوف رہے گی، پس اگر مسلمان ہو گیا تو

المرتد موقوفة عنده فكذا وكالته فإن أسلم نفذ وإن قتل أو لحق بدار الحرب بطلت الوكالة ۴ فأما عندهما تصرفاته نافذة فلا تبطل وكالته إلا أن يموت أو يقتل على ردته أو يحكم بلحاقه وقد مر في السير ۵ وإن كان الموكل امرأة فارتدت فالوكيل على وكالته حتى تموت أو تلحق بدار

وکالت نافذ رہے گی اور اگر ارتداد کی حالت میں قتل کیا گیا، یا دار الحرب چلے جانے کا قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اب وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح یہاں سے امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان فرق بتا رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ مرتد کے زمانے میں اسکا تصرف موقوف رہتا ہے اسی طرح اس کا بنایا ہوا وکیل کی وکالت بھی موقوف رہے گی، اگر بعد میں مسلمان ہو گیا تو وکالت بحال رہے گی، اور ارتداد کے زمانے میں کیا ہوا کام نافذ کر دیا جائے گا۔ اور اگر کافر ہو کر مرا، یا قتل کیا گیا، یا دار الحرب بھاگ گیا اور قاضی نے اسکے دار الحرب میں مل جانے کا فیصلہ کر دیا تو ان تینوں صورتوں میں اس کے وکیل نے ارتداد کے زمانے میں جو کام کئے تھے سب باطل جائیں گے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ جس دن سے مرتد ہوا تھا اسی دن سے وکالت ختم ہو گئی

ترجمہ : ۴ بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک تو مرتد کے زمانے کا تصرف نافذ رہتا ہے اس لئے اس کی وکالت ختم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ مر جائے، یا ارتداد کی حالت میں قتل کر دیا جائے، یا دار الحرب میں مل جانے کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اور یہی بحث کتاب السیر میں گزر چکی ہے۔

تشریح : صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ ارتداد کے زمانے کا تصرف نافذ رہتا ہے اس لئے اس زمانے میں اس کے وکیل نے جو کام کیا وہ سب نافذ ہوں گے، ہاں جس دن موکل مر گیا، یا مرتد ہو کر قتل کیا گیا، یا دار الحرب چلے جانے کا قاضی نے فیصلہ سنا دیا اس دن سے وکالت ختم ہو جائے گی، کیونکہ اب موکل اہل نہیں رہا۔

ترجمہ : ۵ اگر موکل عورت ہو اور وہ مرتد ہو گئی تو وکیل اپنی وکالت پر رہے گا یہاں تک کہ عورت مر جائے، یا دار الحرب چلی جائے، اس لئے کہ اس کی ارتداد اس کے عقد میں اثر انداز نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

تشریح : عورت کا اصول یہ ہے کہ اگر وہ مرتد ہو گئی تو ارتداد کے زمانے میں اس کا تصرف سب کے نزدیک بحال رہتا ہے اس لئے اس زمانے میں اس کے وکیل کی وکالت بھی بحال رہے گی اور اس کا کام نافذ رہے گا۔ ہاں جس دن مر گئی، یا دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ قاضی نے سنا دیا تب وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ اب وہ وکیل بنانے کی اہل نہیں رہی۔

نوٹ : حاکم اور امیر کے جتنے وکیل ہیں ان کے مرنے سے وکیلوں کی وکالت ختم نہیں ہوگی وہ اپنی وکالت پر بحال رہیں گے۔

وجہ : (۱) وہ اصل میں حاکم اور امیر کے وکیل نہیں ہیں بلکہ عوام کے وکیل ہیں اور وہ زندہ ہیں اس لئے ان کی وکالت باطل

الحرب لأن ردتها لا تؤثر في عقودها على ما عرف. (٦٨١)قال وإذا وكل المكاتب ثم عجز أو المأذون له ثم حجر عليه أو الشريكان فافترقا فهذه الوجوه تبطل الوكالة على الوكيل علم أو لم يعلم[۱] لما ذكرنا أن بقاء الوكالة يعتمد قيام الأمر وقد بطل بالحجر والعجز والافتراق[۲] ولا فرق

نہیں ہوگی (۲) حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ کے متعین کردہ تمام وکیل اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے رہے، کوئی آپ کی وفات سے معزول نہیں ہوا۔

ترجمہ: (٦٨١) اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ عاجز ہوگیا یا ماذون غلام نے وکیل بنایا پھر وہ مجور ہوگیا یا دو شریکوں نے وکیل بنایا پھر وہ دونوں جدا ہوگئے تو یہ کل وجہیں وکالت کو باطل کر دیتی ہیں، چاہے وکیل کو علم ہو یا نہ ہو۔

ترجمہ: [۱] اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کیا کہ [موکل وکیل بنانے کا اہل نہیں رہا] اس لئے کہ وکیل کے باقی رکھنے دار مدار ہے کہ امر قائم ہو، اور ماذون غلام کو تجارت سے روکنے سے، مکاتب کے عاجز ہونے سے، اور شریک کے شرکت سے جدا ہونے سے امر باطل ہو گیا اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ۔ وکیل بحال رکھنے کے لئے خود موکل میں اہلیت بحال رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت ختم ہو جائے گی۔

تشریح: [۱]......مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر مکاتب اپنا مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا اور پھر سے غلام بن گیا تو اس کا جو وکیل تھا وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ چاہے اس کو اپنے موکل کے عاجز ہونے کی خبر ہو یا نہ ہو۔ [۲]......اسی طرح غلام کو تجارت کی اجازت تھی جس کی وجہ سے اس نے وکیل بنایا تھا۔ اب اس کے مولی نے اس کو تجارت سے روک دیا اور مجور کر دیا تو ایسا کرتے ہی غلام کے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ [۳]......اسی طرح دو شریک تھے جنہوں نے وکیل بنایا تھا اب دونوں جدا ہو گئے جس کی وجہ سے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جب شرکت ہی نہیں رہی تو شرکت کے ماتحت عقد کیسے کریں گے؟

وجہ: (۱) یہ سب قدرتی حادثات ہیں جن کی وجہ سے موکل میں عقد کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی اور اسی بنیاد پر وکیل میں اہلیت تصرف ختم ہو جائے گی اور وکالت ختم ہو جائے گی۔ اور غیر اختیاری طور پر قدرتی حادثات کی بنا پر وکیل کی وکالت ختم ہوتی ہو تو معزول ہونے کے لئے وکیل کو اطلاع ملنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کی ایک دلیل آگے آرہی ہے جو عمرؓ کا فیصلہ ہے۔

ترجمہ: [۲] اور کوئی فرق نہیں ہے کہ وکیل کو اس کا علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ حکمی طور پر معزول کرنا ہے اس لئے خبر ہونے پر موقوف نہیں ہے، جیسے بیچنے کا وکیل ہوا اور موکل نے خود ہی بیچ دیا تو وکالت ختم ہو جاتی ہے، چاہے وکیل کو اس کی اطلاع نہ ہو۔

بين العلم وعدمه لأن هذا عزل حكمي فلا يتوقف على العلم كالوكيل بالبيع إذا باعه الموكل. (٢٨٢) قال وإذا مات الوكيل أو جن جنونا مطبقا بطلت الوكالة[1] لأنه لا يصح أمره بعد جنونه وموته (٢٨٣) وإن لحق بدار الحرب مرتدا لم يجز له التصرف إلا أن يعود مسلما[1] قال وهذا عند محمد[2] فأما عند أبي يوسف لا تعود الوكالة. [3] لمحمد أن الوكالة إطلاق لأنه

تشریح: چاہے وکیل کو اس کی خبر ہو کہ میرا موکل مجور ہو گیا ہے، یا عاجز ہو گیا، یا دونوں شریک جدا ہو گئے ہیں یا علم نہ ہو پھر بھی وکالت باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ قدرتی طور پر معزول ہونا ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ کسی غلام کے بیچنے کا وکیل بنایا، پھر موکل نے خود ہی اس غلام کو بیچ دیا تو وکیل کو اس کا علم نہ ہو تب بھی وکیل معزول ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۲) اور اگر وکیل مر جائے یا مکمل مجنون ہو گیا تو اس کی وکالت باطل ہو گئی۔

ترجمہ: [1] اس لئے مجنون ہونے کے بعد یا مرنے کے بعد وکیل اب کچھ کر ہی نہیں سکتا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف برقرار رہنا ضروری ہے ورنہ وکالت باطل ہو جائیگی۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے۔ **اذا مات الانسان انقطع عنه عمله** (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۸۸۰)

وجہ: وکالت بحال رہنے کے لئے وکیل میں اہلیت تصرف ہونا ضروری ہے کہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہو۔ لیکن جب مکمل مجنون ہو گیا تو اہلیت تصرف ختم ہو گئی یا مر گیا تو ختم ہو گیا اس لئے وکالت خود بخود باطل ہو جائے گی۔

لغت: مطبق: گھیرا ہوا ہو، مکمل جنون ہو، کافی دیر تک افاقہ نہ ہوتا ہو۔

نوٹ: گھنٹہ دو گھنٹہ کے جنون سے وکالت باطل نہیں ہوگی

ترجمہ: (۲۸۳) اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو اس کے لئے وکالت کا تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آ جائے۔

ترجمہ: [1] مصنف نے فرمایا کہ یہ حکم امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: وکیل مسلمان تھا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو اس کی اہلیت تصرف ختم ہو گئی اس لئے وہ وکیل نہیں رہے گا۔ لیکن اگر مسلمان ہو کر واپس دار الاسلام آ جائے تو کیا دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے؟ تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہاں! دوبارہ وکیل بحال ہو سکتا ہے

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ وہ عاقل، بالغ اور آزاد ہے۔ اس لئے اس کی اہلیت تصرف مکمل ختم نہیں ہوئی تھی صرف دار الحرب جانے کی وجہ سے عقد کرنے سے عاجز تھا لیکن جب واپس دار الاسلام مسلمان ہو کر آ گیا تو اب عقد کرنے سے عاجز نہیں رہا اس

رفع المانع. أما الوكيل يتصرف بمعان قائمة به وإنما عجز بعارض اللحاق لتباين الدارين فإذا زال العجز والإطلاق باق عاد وكيلا. ۴؎ ولأبي يوسف أنه إثبات ولاية التنفيذ لأن ولاية أصل التصرف بأهليته وولاية التنفيذ بالملك وباللحاق لحق بالأموات وبطلت الولاية فلا تعود

لئے عقد کرسکتا ہے اور وکالت بحال ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد کی وکالت موقوف رہے گی، مسلمان ہو کر واپس آنے پر بحال ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ بہرحال حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو وکالت دوبارہ واپس نہیں آئے گی۔

وجہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکالت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نافذ کرے، اور یہ آدمی دار الحرب میں مل جانے کی وجہ سے مردہ کی طرح ہو گیا اس لئے واپس آنے پر بھی دوبارہ وکالت بحال نہیں ہوگی۔ ہاں موکل اس کو دوبارہ وکیل بنا دے تو بن جائے گا

اصول: ان کا اصول یہ ہے کہ دار الحرب جانے سے اہلیت مکمل ختم ہوگئی۔

ترجمہ: ۳؎ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملکیت کے کھل جانے کا نام ہے اس لئے کہ موانع کو اٹھانا ہے، اور وکیل ایسی صلاحیت [عاقل، بالغ ہونے] سے تصرف کرتا ہے جو اس کی ذات میں قائم ہے، صرف دار الحرب میں ملنے کی وجہ سے تصرف سے عاجز تھا، کیونکہ دونوں دار الگ الگ ہیں، پس جب عاجزی زائل ہوگئی اور اطلاق باقی ہے تو وکالت لوٹ آئے گی۔

تشریح: یہاں تین باتیں فرما رہے ہیں [۱]...... پہلے موکل کے مال میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں تھی اس نے تصرف کرنے اجازت دی تو وکیل کا ہاتھ اب کھل گیا کہ اب تصرف کرسکتا ہے۔ [۲]...... دوسری بات یہ ہے کہ وکیل میں خود ذاتی صلاحیت ہے مثلا وہ عاقل ہے، بالغ ہے جسکی بنا پر وہ وکالت کرسکتا ہے، اور یہ صلاحیت دار الحرب سے واپس آنے کے بعد بھی باقی رہے گی [۳]...... تیسری بات یہ ہے کہ دار الحرب جانے کی وجہ سے تبائن دار ہو گیا اس لئے تصرف سے عاجز ہو گیا، لیکن جب مسلمان ہو کر واپس آیا تو عاجزی ختم ہوگئی، اس لئے اپنی ذاتی صلاحیت، عاقل بالغ ہونا، اور اطلاق یعنی ہاتھ کھل جانے کی وجہ سے دوبارہ وکالت بحال ہو جائے گی۔

لغت: رفع الموانع: سے مراد ہے موکل نے وکالت کی اجازت دے دی، اور مال استعمال کرنے کی جو ممانعت تھی وہ بحال ہوگئی۔ معان قائمۃ: ایسے معانی، یعنی عاقل بالغ ہونا مراد ہے جو وکیل میں ہیں۔ اطلاق باقی: اطلاق سے مراد اجازت، جو دار الحرب سے واپس آنے کے بعد بھی موکل کی جانب سے باقی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت کا ثابت کرنا اصل میں اس کو نافذ کرنا ہے، اس لئے کہ اصل تصرف

كـملكه في أم الولد والمدبر. ۵ؕ ولـو عـاد المو كل مسلما وقد لحق بدار الحرب مرتدا لا تعود الو كالة في الظاهر. وعن محمد أنها تعود كما قال في الوكيل. ٦ؕ والفرق له على الظاهر أن مبنى الـو كـالة فـي حـق الـمـو كـل عـلى الملك وقد زال وفي حق الوكيل على معنى قائم به ولم يزل

کرنے کی ولایت وکیل کی اہلیت کی وجہ سے ہے، لیکن تصرف کو نافذ کرنے ولایت ملک کی وجہ سے ہے اور دار الحرب میں مل جانے کی وجہ سے وہ گویا کہ مردہ ہو گیا اور ولایت باطل ہوگئی اسلئے اب دوبارہ نہیں لوٹے گی۔ جیسے ام ولد اور مدبر میں اس کی ملکیت واپس نہیں لوٹتی

تشریح: امام یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہے تصرف کرنے کی ولایت یہ، وکیل عاقل اور بالغ ہو تو یہ ولایت مل جاتی ہے، وکیل کے دار الحرب جانے کے بعد بھی یہ ولایت موجود ہے، اور دوسرا ہے اس کو نافذ کرنے کی ولایت، یہ ملکیت سے ہوتی ہے، اور وکیل جب دار الحرب چلا گیا تو گویا کہ وہ مر گیا اس لئے ملکیت کی ولایت ختم ہوگئی، اور دار الاسلام آنے کے بعد بھی ملکیت کی ولایت واپس نہیں ملے گی اس لئے وکیل دوبارہ وکالت پر بحال نہیں ہوسکتا، جیسے کہ اس وکیل کی ام ولد، اور مدبر غلام آزاد ہو گیا تو دوبارہ وہ وکیل کی ملکیت میں واپس نہیں آئیں گے، اسی طرح وکالت کے ختم ہونے کے بعد دوبارہ بحال نہیں ہوگی

ترجمہ: ۵ؕ اور اگر موکل مسلمان ہو کر واپس آیا حالانکہ وہ مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تھا تو ظاہر روایت میں وکیل کی وکالت واپس نہیں آئے گی، لیکن امام محمدؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس طرح وکیل دار الحرب جائے تو اس کی وکالت واپس آتی ہے اسی طرح موکل دار الحرب سے واپس آئے تو وکیل کی وکالت بحال رہے گی۔

تشریح: پہلا مسئلہ یہ تھا کہ وکیل مرتد ہو گیا تھا اب مسئلہ یہ ہے کہ خود موکل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے پھر مسلمان ہو کر واپس آئے تو امام محمدؒ کی ظاہر روایت یہ ہے کہ وکیل کی وکالت بحال نہیں ہوگی۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ جس طرح وکیل کی وکالت بحال رہتی ہے اسی طرح موکل کی وکالت بھی بحال رہے گی۔

ترجمہ: ٦ؕ ظاہر روایت پر فرق ی ہے کہ موکل کے لئے وکال باقی رہنے کا مدار ملک ہے اور وہ ختم ہو چکی ہے [اس لئے وکالت بحال نہیں رہے گی] اور وکیل کے حق میں اس کی اہلیت [عاقل بالغ ہونے] پر ہے اور وہ دار الحرب چلے جانے کے بعد بھی باقی ہے

تشریح: موکل دار الحرب چلا جائے پھر مسلمان ہو کر آجائے تو ظاہر روایت میں اس کا وکیل باقی نہیں رہتا، جبکہ وکیل دار الحرب چلا جائے اور مسلمان ہو کر واپس آئے تو اس کی وکالت باقی رہتی ہے، اس میں کیا فرق ہے؟۔ اس کا فرق بتاتے ہیں کہ وکیل کی وکالت باقی رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے موکل کی ملک باقی ہو، اور موکل جب دار الحرب چلا گیا تو تو گویا

باللحاق. (۶۸۴)قال ومن وكل آخر بشيء ثم تصرف بنفسه فيما وكل به بطلت الوكالة ل وهذا اللفظ ينتظم وجوها مثل أن يوكله بإعتاق عبده أو بكتابته فأعتقه أو كاتبه الموكل بنفسه أو يوكله بتزويج امرأة أو بشراء شيء ففعله بنفسه أو يوكله بطلاق امرأته فطلقها الزوج ثلاثا أو واحدة وانقضت عدتها أو بالخلع فخالعها بنفسه لأنه لما تصرف بنفسه تعذر على الوكيل

کہ مرگیا اس لئے اس کی ملکیت ختم ہوگئی، اس لئے اس کا وکیل بھی باقی نہیں رہا۔ اور وکیل کی وکالت کا مدار اس کے عاقل اور بالغ رہنے پر ہے، اور دارالحرب سے واپس آنے کے بعد بھی وہ عاقل بالغ ہے اس لئے اس کی وکالت بحال رہے گی۔

لغت: معنی قائم بہ: کا مطلب ہے کہ وکیل کے ساتھ ایسی معنی ہے جو اس کے ساتھ ابھی بھی قائم ہے، یعنی وہ عاقل بالغ ہے۔ لم یزل: زائل نہیں ہوا، یعنی باقی رہا۔

ترجمہ: (۶۸۴) کسی نے کسی کو کام کا وکیل بنایا پھر موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا جس کا وکیل بنایا تھا تو وکالت باطل ہو جائے گی

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کام کا وکیل بنایا وہ کام ہو گیا تو اب وکالت کس چیز کی رہے گی۔

تشریح: جس کام کا وکیل بنایا موکل نے خود ہی وہ کام کر لیا تو وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) جس خاص کام کا وکیل بنایا وہ کام ہی نہیں رہا تو وکیل کس چیز کا رہے گا۔ اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی چاہے وکیل کو اس کا علم نہ ہو (۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ **قال قضی عمر فی امة غزا مولاها وامر رجلا ببیعها ثم بدا لمولاها فاعتقها واشهد علی ذلک وقد بیعت الجاریة فحسبوا فاذا عتقها قبل بیعها فقضی عمر ان یقضی بعتقها ویرد ثمنها ویوخذ صداقها لما کان قد وطئها** ۔(سنن للبیہقی، باب ما جاء فی الوکیل ینعزل اذا عزل وان لم یعلم بہ، ج سادس، ص ۱۳۶، نمبر ۱۱۴۴۵) اس اثر میں ہے کہ مولی نے باندی کو بیچنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی آزاد کر دیا۔ اور حساب سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنا بیچنے سے پہلے تھا تو حضرت عمرؓ نے باندی کے آزاد ہونے کا فیصلہ کیا اور گویا کہ موکل کے تصرف کرنے کی وجہ سے چاہے وکیل کو معلوم نہ ہو اس کی وکالت باطل ہو گئی۔

ترجمہ: ل یہ متن بہت سارے مسئلے کو شامل ہے، مثلا اپنے غلام کے آزاد کرنے کا وکیل بنایا یا اس کو مکاتب بنانے کا وکیل بنایا پھر موکل نے خود ہی آزاد کر دیا، یا مکاتب بنا دیا یا کسی عورت سے شادی کرنے کا وکیل بنایا، یا کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا اور موکل نے خود شادی کر لی، یا چیز خرید لی، یا طلاق کا وکیل بنایا پھر شوہر نے تین طلاق دے دی، یا ایک طلاق دی اور عدت بھی گزر گئی، یا عورت نے خلع کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی شوہر سے خلع لے لیا] تو وکالت باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ موکل

التصرف فبطلت الوكالة ٢ حتى لو تزوجها بنفسه وأبانها لم يكن للوكيل أن يزوجها منه لأن الحاجة قد انقضت بخلاف ما إذا تزوجها الوكيل وأبانها له أن يزوج الموكل لبقاء الحاجة

نے جب خود تصرف کرلیا تو اب وکیل کے لئے تصرف کرنا متعذر رہو گیا اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی۔

تشریح : یہاں ۷ مثالیں دی ہیں جن میں موکل کے خود کرلینے سے وکالت باطل ہوئی ہے۔[۱] موکل نے غلام آزاد کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی آزاد کردیا۔

[۲]......موکل نے غلام کو مکاتب بنانے کا وکیل بنایا پھر خود ہی مکاتب بنا دیا۔

[۳]......موکل نے عورت سے نکاح کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی اس سے نکاح کرلیا۔

[۴]......موکل نے کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی وہ چیز خرید لی۔

[۵]......موکل شوہر نے طلاق دینے کا وکیل بنایا پھر خود ہی تین طلاق دے دی۔

[۶]......موکل نے طلاق دینے کا وکیل بنایا پھر خود ایک طلاق دے دی اور عورت کی عدت بھی گزر گئی۔

[۷]......موکلہ نے خلع کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی شوہر سے خلع لے لیا۔

تو ان ساتوں صورتوں میں موکل نے خود ہی وہ کام کرلیا اور اس کی ضرورت پوری ہوگئی اس لئے اب وکیل کی ضرورت نہیں رہی اس لئے وکالت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ :٢ یہی وجہ ہے کہ اگر موکل نے خود نکاح کرلیا پھر عورت کو طلاق دیکر بائنہ کردیا تو وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوبارہ اس عورت سے نکاح موکل کا نکاح کرائے، اس لئے کہ موکل کی ضرورت پوری ہوگئی ہے، برخلاف اگر وکیل نے خود ہی اس عورت سے نکاح کرلیا پھر عورت کو طلاق دے دی تو وکیل کے لئے جائز ہے کہ موکل سے نکاح کرا دے اسلئے کہ موکل کی ضرورت ابھی باقی ہے

اصول : یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ موکل کی ضرورت باقی ہو تو وکیل وہ کام کرسکتا ہے۔

تشریح :موکل نے ایک عورت سے نکاح کرانے کا وکیل بنایا پھر موکل نے نکاح کرلیا، لیکن پھر اس کو طلاق دیکر بائنہ کردیا تو وکیل کو اس سے نکاح کرانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب موکل نے نکاح کیا تو نکاح کی ضرورت پوری ہوگئی اس لئے اب اس سے نکاح نہیں کرا سکتا ہے۔ اس کی وکالت بھی ختم ہوگئی۔ اس کے برخلاف خود وکیل نے اس عورت سے نکاح کرلیا، بعد میں اس کو طلاق دیکر بائنہ کردیا تو موکل سے ابھی نکاح نہیں ہوا ہے اس لئے اس کی ضرورت باقی ہے اس لئے وکالت بھی باقی ہے اس لئے موکل سے نکاح کرا سکتا ہے۔

۳ وكذا لو وكله ببيع عبده فباعه بنفسه فلو رد عليه بعيب بقضاء قاض فعن أبي يوسف رحمه الله أنه ليس للوكيل أن يبيعه مرة أخرى لأن بيعه بنفسه منع له من التصرف فصار كالعزل. ۴ وقال محمد رحمه الله له أن يبيعه مرة أخرى لأن الوكالة باقية لأنه إطلاق والعجز قد زال ۵ بخلاف ما إذا وكله بالهبة فوهب بنفسه ثم رجع لم يكن للوكيل أن يهب ثانيا لأنه مختار في

ترجمہ :۳ ایسے ہی اپنے غلام کے بیچنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی بیچ دیا پھر موکل پر قاضی کے فیصلے کی وجہ سے غلام واپس ہو گیا تو حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ وکیل کے لئے اب دوبارہ بیچنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ خود بیچ دیا تو وکیل کو تصرف سے روک دیا تو ایسا ہو گیا کہ وکیل کو معزول کر دیا۔

تشریح :موکل نے غلام بیچنے کا وکیل بنایا، پھر خود ہی بیچ دیا، لیکن عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلے کے بعد غلام واپس کر دیا گیا تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کے لئے اب دوبارہ اس غلام کو بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جب موکل نے خود ہی بیچ دیا تو وکیل کو تصرف سے روک دیا، اور گویا کہ اس کو معزول کر دیا اس لئے اب غلام بیچنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۴ امام محمدؒ نے فرمایا کہ وکیل کے لئے دوبارہ بیچنا جائز ہے اس لئے کہ وکالت ابھی باقی ہے اس لئے نہ روکنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے، اور غلام واپس لوٹنے کی وجہ سے عاجزی ختم ہو گئی۔

تشریح :امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ موکل نے اجازت دی ہے جسکو ابھی ختم نہیں کیا ہے اس لئے اس کی وکالت باقی ہے، البتہ خود ہی بیچا تھا اس لئے عاجزی تھی، جب غلام قاضی کے فیصلے سے واپس آ گیا تو موکل اس کے لینے میں مجبور تھا، اپنی خوشی سے واپس نہیں لیا ہے، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ موکل کو ابھی بھی غلام بیچنے کی ضرورت ہے، اس ضرورت کے ماتحت وکیل کو غلام بیچنے کا اختیار رہوگا

لغت:اطلاق: ہاتھ کھلا ہوا ہے، یہاں مراد ہے کہ غلام بیچنے کی ابھی بھی اجازت ہے۔

ترجمہ :۵ بخلاف اگر ہبہ کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی ہبہ کر دیا پھر موکل نے ہبہ کی ہوئی چیز واپس بھی لے لی تو وکیل کو اب دوبارہ ہبہ کرنے کا اختیار نہیں ہے، اسلئے کہ اختیار سے ہبہ واپس لیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے

تشریح :اگر موکل نے ہبہ کا وکیل بنایا پھر خود ہی ہبہ کر دیا، بعد میں خود ہی ہبہ کو واپس لے لیا، تو ہبہ کی چیز کو واپس لینا اس بات کی دلیل ہے کہ اب موکل کو ہبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے وکیل اب دوبارہ ہبہ نہیں کر سکتا۔

الرجوع فكان ذلك دليل عدم الحاجة. ٦؎ أما الرد بقضاء بغير اختياره فلم يكن دليل زوال الحاجة فإذا عاد إليه قديم ملكه كان له أن يبيعه والله اعلم

ترجمہ: ٦؎ اور قاضی کے ذریعہ سے غلام واپس کرنا تو یہ موکل کے اختیار میں نہیں ہے، اس لئے یہ ضرورت کے ختم ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس لئے جب غلام میں موکل کی پرانی ملکیت واپس آگئی تو وکیل کے لئے اس کا بیچنا جائز ہوگا۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کی دلیل ہے۔ کہ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے موکل نے غلام واپس لیا ہے اس لئے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ موکل اس غلام کو بیچنا نہیں چاہتا، بلکہ غالب گمان یہی ہے کہ اس غلام کو ابھی بھی موکل بیچنا چاہتا ہے، اس لئے جب غلام میں موکل کی پرانی ملکیت واپس آگئی، اور وکیل کو منع بھی نہیں کیا ہے تو اس ضرورت کی بنا پر غلام کو دوبارہ بیچنے کی اجازت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

تمت بالخیر

۲۸ /۶/ ۲۰۰۸ء کو کتاب البیوع لکھنا شروع کیا تھا لیکن طبیعت خراب ہوگئی اس لئے اس کام کو موقوف کرنا پڑا، پھر درمیان میں نور الایضاح کی شرح ثمرۃ النجاح دو جلدوں میں لکھی، جو شائع ہوگئی۔ اس کے بعد پھر ہدایہ آخرین شروع کی لیکن پھر طبیعت خراب ہوگئی، اسی بیماری کی حالت میں یہ دو جلدیں تیار کی ہیں۔ اور ارادہ یہ ہے کہ صحت نے ساتھ دیا تو اب ہدایہ کی چوتھی جلد کتاب الشفعہ سے شروع کروں گا تا کہ اسباق میں جتنے ابواب پڑھائے جاتے ہیں کم سے کم وہ پورے ہو جائیں اور طلبہ کے لئے آسانی ہو جائے، اس کے بعد باقی جلدیں پوری کی جائے گی، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے، اور اجر آخرت سے نوازے۔

آمین یارب العالمین!

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

والصلوة والسلام على رسوله الكريم

وعلى آله واصحابه اجمعين

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ ولوالدیہ

سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ مانچسٹر

و چیئر مین مون ریسرچ سینٹر، یو، کے

۱۳/۱ / ۲۰۱۲ء